جلد پنجم

ماہ آذر ۱۳۳۸ ف

محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد

(دکن)

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (للعہ) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سہ بار	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ششماہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سالانہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]

(۹) جملہ راسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

دفتر رسالہ المعلم بلگرامی ہوز سانحہ توپ حیدرآباد دکن

نقل مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی　　　　واقعہ ۵ ہردے سنہ ۱۳۲۷ ف

نشان [illegible]

منجانب　　　　ناظم تعلیمات سرکار عالی

خدمت صدر مہتمم صاحبان، صدر مہتمہ صاحبہ علاقہ ہذا

مقدمہ

خریدی رجسٹرات مطبوعہ مدارس سرکار عالی

گذارش ہے کہ محکمہ سرکار صیغہ فینانس نے ذریعہ مراسلہ نشان ([illegible]) مورخہ ۲۵ ہرآذر سنہ ۱۳۲۷ ف حسب الگزشتہ مدارس شاہی، لوکلفنڈ سرکار عالی کے لئے مطبوعہ رجسٹرات تیار کردہ اعظم اسٹیم پریس خریدنے کی منظوری صادر فرمائی ہے لہٰذا امسال ۱۳۲۷ ف و ۱۳۲۸ ف میں مدارس مذکور کے رجسٹرات مطبع مذکور سے خریدے جائیں۔

مطبع مذکور نے رجسٹر کلاں ۱/۱ اور بلازی کی قیمت (۴) اور خرد ۱/۱ بلکاری کی (۲) سکہ عثمانیہ مقرر کی ہے بشرطیکہ قیمت ذیور دارالطبع کے نرخ سے کم ہو۔

نقل خدمت صدر مناسب صاحب سرکار عالی شاخ بلدہ و اضلاع سمت مرہٹواری و تلنگانہ و لوکلفنڈ بحوالہ مراسلہ علاقہ سرکار صیغہ فینانس اطلاعاً مرسل ہے۔

یک ایک کاپی خدمات اول تعلقدار صاحبان صیغہ حساب و میر مجلس صاحبان لوکلفنڈ و مہتمم صاحبان سررشتہ ہا و نیز سید عبدالقادر صاحب مالک اعظم اسٹیم پریس بلدہ مرسل ہے

شرح دستخط
مددگار ناظم تعلیمات

شبیہ مولوی محمد عظمت اللہ خانصاحب مرحوم بی۔ اے
سابق شریک مدیر رسالۂ "المعلم" و مددگار محکمۂ نظامت تعلیمات سرکار عالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین المعلم

شبیہ مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب دہلوی مرحوم بی اے سابق شریک مدیر المعلم و مددگار نظامت تعلیمات سرکار عالی

نمبر ۱	بابتہ ماہ آذر ۱۳۳۸ ف	جلد ۵

ہمارا نیا سال

ایک اور سال رنج و خوشی کے گہرے نشانات چھوڑ کر رخصت ہوا اور المعلم نے بفضل خدا پانچویں سال میں قدم رکھا۔

گزشتہ سال المعلم کے قابل شریک مدیر مولوی عظمت اللہ خاں صاحب مرحوم بی اے کی علالت نے بڑی دقتوں اور پریشانیوں سے دوچار کیا۔ اس کے بعد ان کی بے وقت موت سے المعلم کی جان کے لالے پڑ گئے۔ گو دست قضا نے ان کو ہم سے بیدردی کے ساتھ جدا کر دیا لیکن ان کا روحانی

تعلق منقطع ہوا ہے نہ ہو سکے گا۔ ماہ آذر ۱۳۳۷ف کے پرچہ میں مرحوم کا اچھوتا مضمون "ترقی کا مفہوم" شائع ہو چکا ہے اور اس سال کا آغاز پھر ان ہی کے پُر مغز مضمون "ظرافت اور تعلیم" سے ہوتا ہے جو شاید اردو زبان میں اس موضوع پر پہلا مضمون ہے۔

دوسرا اہم واقعہ نواب مسعود جنگ بہادر ناظم سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کی جدائی ہے رسالہ المعلم انہی کے زمانہ نظامت میں معرض وجود میں آیا۔ انہی کی قدر دانی سے مدارس سرکار عالی اس کے خریدار بنے اور انہی کی نوازش سے سررشتہ تعلیمات کی آخری رپورٹ کے اقتباسات قبل از قبل شائع ہوئے۔ ان بے شمار احسانات کا اعتراف مسعود نمبر کی صورت میں کر لیا۔

تیسرا حادثہ یہ ہوا کہ المعلم کے انعامی مقابلے میں ایک نے بھی شرکت نہیں لی اور قارئین کرام کو مژدہ سنانے کے بجائے یہ افسوسناک اطلاع شروع سال ہی میں دینی پڑی۔

ان واقعات کے باوجود المعلم بلحاظ حجم، باعتبار مضامین، تعداد مضمون نگاران سالہائے ماسبق سے بڑھا چڑھا رہا۔ تمام سال میں ۴۸ صفحات فی ماہ کے حساب سے (۵۷۶) صفحات ہونے چاہئے تھے لیکن ان کی مجموعی تعداد (۶۴۷) رہی۔ مضامین کی تعداد (۷۰) تھی جو (۴۰) مختلف دماغوں کا نتیجہ تھے۔ دو پرچے جو شاد نمبر اور مسعود نمبر کے مبارک نام سے موسوم کئے گئے تھے وہ بیش قیمت تھے جو خاص طور پر بصرف کثیر انہی نمبروں کے لئے تیار کرائی گئی تھیں۔

شاد نمبر کو عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر نے ملاحظہ فرما کر اظہار پسندیدگی فرمایا اور اس ناچیز ہدیہ کی جو دل افزائی فرمائی اس کا مودبانہ شکریہ ادا کرنے سے اس وقت زبان عاجز بھی اور اب ان جذبات کے اظہار سے قلم قاصر ہے۔

ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ مسعود نمبر جو عظیم الدین صاحب منیجر رسالہ المعلم کی جد و جہد اور کارپردازان اعظم اسٹیم پریس کی توجہ سے بروقت شائع ہوا۔ اس کا دلکش سرورق الطاف حسین صاحب ڈرائنگ ماسٹر مدرسہ فوقانیہ انگریزی گلبرگہ شریف نے بنایا تھا۔ ہم موصوف کے مشکور ہیں کہ انہوں نے نہایت تنگ وقت میں ہمارے پراگندہ خیالات کو یکجا کرکے دیدہ زیب کر دیا۔

ہمارے کرم فرما مضمون نگاروں کی صف اول میں سب سے پہلے اس رسالہ کے ہاں سید محمد حسین صاحب جعفری۔ بی۔اے (آکسن) کا نام گرامی نظر آتا ہے۔ آپ نے گوناگوں مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کے اضافہ کے باوجود قلمی امداد سے ہاتھ نہیں روکا۔ آپ کے مضامین "دیہاتی تعلیم کو اہل دہ کے مناسب حال بنانے میں مشکلات اور ان کے ذمی تدابیر" "مارکز کے زراعتی حالات" وسیع مطالعہ اور غائر مشاہدہ ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کا شکریہ مشکل ہے اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خاموشی سے ہی کام لیں۔

ہم مولوی سید علی اکبر صاحب۔ ام۔اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ اور مولوی سید محمد ہادی صاحب بی۔اے صدر مہتمم ورزش جسمانی کے ممنون ہیں کہ انہوں نے "نظام تعلیم میں مادری زبان کی اہمیت" اور "کھیل اور اخلاق" جیسے اہم موضوع پر اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ المعلم کو بنایا۔ ہم متوقع ہیں کہ ہمارے مکرم دوست مزید ممنونیت کا موقع دیں گے۔

مولوی [illegible] حسین [illegible] حب ام۔اے۔بی۔ای۔ڈی صدر مدرس کا مضمون "تاریخ دکن کی اہمیت اور [illegible] س کی شرکت نصاب کی ضرورت" قابل قدر مضمون ہے۔ ہم صاحب موصوف کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے المعلم کے لئے محنت و جستجو سے یہ مضمون لکھا۔

مولوی عبدالسلام صاحب [illegible] تی فاضل ناظر مدارس کے ہم خاص طور پر رہین منت ہیں کہ موصوف نے المعلم کے لئے نہ صرف نئی مضامین لکھے بلکہ بعض کتب اور رسائل کے تبصرے بھی مدد فرمائی۔

مولوی عبدالجبار صاحب سبحانی۔ بی۔اے۔بی۔ٹی ناظر مدارس اور سٹر ڈی بی بھوگلے بی۔اے۔بی۔ٹی مددگار مدرسہ تعلیم المعلمین مرہٹی۔ مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب عصمت اور مسٹر جگ [illegible] ناز ، بی۔اے۔بی۔ٹی لکچرار ٹریننگ کالج ہمارے مستقل مضمون نگاروں میں ہیں ان کے مضامین نہایت دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ ہم ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان کی عنایت و توجہ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کا شکریہ ادا کرنا اپنا خوش گوار فرض خیال کرتے ہیں۔

سال گزشتہ منجملہ اور خصوصیات کے ایک اور خصوصیت یہ بھی رہی کہ اہم مسائل پر مستند اشخاص کے مضامین خاص طور پر ترجمہ کرا کے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے گئے "مدرسین اور تحریک امداد باہمی"، "سائنس سائنداں اور پبلک" وغیرہ جیسے کچھ بھی دلچسپ، سبق آموز اور اہم ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

ترجمہ کی خدمت کو مولوی سید محمد عسکری صاحب جعفری نے جس حسن و خوبی سے انجام دیا ہے اس سے ناظرین کرام بخوبی واقف ہیں۔ ہم موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ وہ تراجم کا سلسلہ قائم رکھیں گے۔

قاعدہ ہے کہ آغاز سال میں سینکڑوں نئے منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ ہم نے اس مرتبہ صرف ایک منصوبہ پر اکتفا کیا ہے وہ یہ ہے کہ المعلم بروقت شائع ہو۔ خدا سے دعا کیجئے کہ مطبع ہمارے اس منصوبہ کی تکمیل میں ہاتھ بٹائے۔

ہم آخر میں سید محمد حسین صاحب جعفری۔ بی۔ اے (آکسن) کو نظامت سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کی جلیل القدر خدمت پر فائز ہونے کی مبارکباد دیتے ہیں۔ المعلم نازاں ہے کہ اس کا بانی اور مدیر سررشتۂ تعلیمات کے اعلیٰ ترین عہدہ سے سرفراز ہوا۔

مدیر

ویلسن نے کھیل کی یہ تعریف کی ہے کہ ایسا مشغلہ جس میں ہمہ تن مصروفیت اور جس میں پورا پورا دل لگ جائے یہ ایک نہایت وسیع تعریف ہے اور اس سے بڑے بڑے ہو ۔ ر کے بڑے بڑے کام بھی کھیل بن جاتے ہیں۔ سائنس داں کا کسی علمی تجربہ میں مشغول فلسفی کا حکمت کے کسی مسئلہ میں غرق۔ شاعر کا کسی خیال کے موزوں کرنے میں محو۔ اور مدبر کا سیاسی گلجھٹیوں کے سلجھانے میں ہمہ تن ڈوب جانا یہ سب اس تعریف کے تحت کھیل کی سی باتیں ہیں ۔در کوئی وجہ نہیں کہ اس تعریف کو ناکافی سمجھا جائے محض اس لئے کہ اس سے بڑے بڑے ں کے کام بھی کھیل تصور ہوں گے۔ اس میں قباحت ہی کیا ہے صرف کھیل کے معنی وسیع ہو کر ۔۔ یہ ہو جاتے ہیں۔ اس دنیا کے چھوٹے بڑے تماشے گھریلو ہوں یا تاریخی آخر میں چلکر ناٹک کے چبوترے والے کھیل نہیں تو اور کیا ہیں۔

بہر حال فلاسفی ہر طرف زندگی کا ہر کام۔ کرکٹ کھیلنا یا گولندازی کرنا۔ ٹینس کھیلنا یا پارلیمنٹ میں بحث مباحثہ کرنا۔ شطرنج کھیلنا یا سپہ سالاری یا مملکت کی نظم ونسق کرنا۔ برج کھیلنا یا بڑی ندی پہ پل باندھنا۔ غرض حیات کی جد و جہد کی ہر سرگرمی بغیر انہماک اور تندہی کے ہو نہیں سکتی۔ تعلیم کا بڑا مقصد یہ ہے کہ مشغلانہ سرگرمیوں میں دلچسپی پیدا کی جائے اور اس دلچسپی کے ذریعہ بچوں میں عمدہ خصلت (کیرکٹر) کی ایسی بنیاد ڈالی جائے کہ بچے زندگی کے اکھاڑے میں سدھے سدھائے اتریں اور اپنے فرائض حیات کو اس دلچسپی اور شغف سے انجام دیں جس کی تربیت دوران تعلیم میں انہیں دی گئی ہے۔

اب بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دلچسپی انہماک یا شغف پیدا کرنے کے کیا طریقے ہو سکتے ہیں

یہاں راقم ایک تو اس مسئلہ پر بحث نہیں کرے گا کہ دلچسپی کسے کہتے ہیں اور دوسرے دلچسپی پیدا کرنے کے مختلف طریقوں کو نظر انداز کر کے صرف ایک طریقہ پر بحث کرے گا یعنی ظرافت دلچسپی پیدا کرنے میں کہاں تک معلم کو مدد دے سکتی ہے۔ اگر ناچیز راقم غلطی پر نہیں ہے تو قارئین کرام سے اس قدر کہہ دینا غالباً تعلّی نہ سمجھی جائے گی کہ ظرافت پر اس خاص نقطہ نظر سے تعلیمات کی کتابوں میں بہت کم توجہ کی گئی ہے۔

استاد کی شخصیت (PERSONALITY.) نہ صرف بڑی چیز ہے بلکہ تعلیمی کامیابی کا اصلی راز ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو استاد ماں کے پیٹ سے لاتا ہے اگر کسی استاد کی شخصیت اس گوں کی نہیں کہ اس کو کامیاب معلم بنا سکے تو یہ ممکن ہے کہ تربیت (TRAINING.) کے بعد وہ کام چلاؤ استاد بن جائے اور پڑھے طوطے کی طرح طریقہ تدریس (METHOD.) نفسیات طفولیت تنظیم مدرسہ وغیرہ کی کتابی باتیں نوک زبان کرے مگر بہ ہمہ معنوں میں استاد نہیں بن سکتا محض اس وجہ سے کہ تربیتی مدارس میں وہ از سر نو پیدا نہیں کیا جاتا۔ اور یہ فطرتیں نہیں بدلی جا سکتیں۔

بعض انسان ماں کے پیٹ سے ہی روکھی صورت لے کر آتے ہیں اور عمر بھر ان کے فطری رجحانات روکھے ہی سے رہتے ہیں لیکن بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ وہ پیدائشی ہنسمکھ ہوتے ہیں اور حیات کی پیچیدگیوں اور ناکامیوں اور دنیا کے آلام و مصائب میں بھی ان کے بشرے کا ہنسمکھ پن ان کے چہرے پر کھیلتی ہوئی خوش طبعی بدستور باقی رکھتی ہے۔ اس ناچیز راقم کا خیال ہے کہ کامیاب معلم کی سب سے پہلی خصوصیت ہنسمکھ بشرہ ہے۔ مگر ذرا ہنسمکھ بشرہ اس کی کافی ضمانت نہیں ہو سکتا کہ معلم دوران تدریس میں ظرافت کے پہلو سے مطالب کو اس طرح جماعت کے سامنے پیش کر سکے گا کہ طلبا فرط دلچسپی میں اسے فراموش کر دیں کہ انہیں کچھ پڑھایا جا رہا ہے۔ ایسی وقت ہو سکتا ہے کہ معلم کا صرف بشرہ ہی ہنسمکھ نہ ہو بلکہ اس کی طبیعت بھی ہنسمکھ ہو تاکہ تفہیم مطالب کا ظریفانہ پہلو آپ ہی آپ معلم کے پیش نظر رہے اور اس پہلو کو طلبا کے پیش نظر کرنے کے لئے

مناسب الفاظ بیساختہ نکلتے آئیں۔

تو اب قارئین کرام کے منہ تک بیساختہ یہ سوال آجاتا ہو گا کہ ظرافت کیا ہے؟ اور اس سوال کا جواب دینا سچ تو یہ ہے کہ دل لگی نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ سوال کر بیٹھنے میں پیسے نہیں لگتے لیکن جواب خواہ کیسے ہی آسان سوال کا ہی کیوں نہ ہو وقت طلب امر ہے سوا ایسے سوالات جن کے جواب میں کسی چیز کی منطقی تعریف کرنی ہو شاید افلاطون کے سوا اور معمولی انسانوں کے لئے لوہے کے چنے چبانے سے کم نہیں۔ ایسی صورت میں مناسب یہ ہوگا کہ تعریف کے بحران اور خلفشار سے پہلو کترا کر صرف اس بات کی کوشش کی جائے کہ ظرافت کے متعلق چند امور واضح کردئے جائیں۔

انسان کے احاطہ احساس میں جو چیزیں آسکتی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں ہے کہ اس سے اگر آپ طبعاً رو نکھے واقع ہوئے ہیں تو اپنے جی کو آپ تھوڑا یا بہت دکھی نہ کرسکیں یا بات ثانی اگر آپ کی نفسی ساخت ہنسمکھ ہے تو اپنے ہونٹوں پر قہقہے کو پھٹنے یا تبسم کو کھیلنے کا رستہ نہ دیں۔

چوتھے ایک بڑی خصوصیت ظریفانہ پہلو کی یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو جدا رکھیں یعنے اپنی کوئی غرض اس بات سے وابستہ نہ کریں جس کا مطالعہ آپ ظرافت کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں۔ ظرافت کا پہلو بے غرضانہ ہوتا ہے وہ شخص ظریف نہیں ہوسکتا جو کسی بات میں اپنے آپ کو الگ نہیں کرسکتا اور مخالفت یا موافقت میں استدلال کا لٹھ لے کر آمادہ پیکار ہوجائے۔ یہی وہ خصوصیت ہے ظرافت کی جو تعلیمی قدر وقیمت رکھتی ہے۔ جب تک انسان ہر بات کے مختلف پہلوؤں کو بے غرضانہ نہ مطالعہ کرسکے تعلیم کا اصلی مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ اسی لئے ظرافت عقل کی جان ہے۔ جذباتی حیثیت سے اپنے کو ایک چیز کا مطالعہ کرنا تعقل کی پہلی شرط ہے اور یہی وہ بات ہے جو ظرافت کی جان ہے۔

ظریفانہ پہلو عموماً اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ کسی بات میں انسان نے جو کمال کا خیالی

معیار بنا رکھا ہے اُس بات کو عملی جامہ پہنانے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ ہمیشہ اس بلند خیالی اور عملی نتیجہ میں بہت کچھ فرق رہتا ہے یعنے عملی نتیجہ ہمیشہ اس معیار سے گرا ہوا رہتا ہے ایک مثال لیجئے تو یہ خیالی معیار اور عملی نتیجہ کا فرق آسانی سے ذہن نشین ہو جائے گا۔ ہندوستان میں میکالے کے مشہور نوٹ کے بعد بڑی آب وتاب کے ساتھ مغربی علوم کی تدریس زبان انگریزی کے ذریعہ شروع ہوئی۔ اب اگر اس غیر مادری زبان کے ذریعہ جو تعلیم کے نتائج ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں ان پر ظرافت کے پہلو سے نظر ڈالی جائے تو کوئی پُرجوش اڈیٹر اس طرح لکھ سکتا ہے

"میاں میکالے کا خیال تھا کہ زبان انگریزی کے ذریعہ ہندوستان میں جو علوم کی گنگا بہائی جائے گی اس میں بھارت ورش کے نونہال غوطہ لگا کر نکلیں گے تو عین مین انگلستانی شہزادوں کی طرح۔ ظاہری شکل اور صورت رنگ اور روغن میں تو نہیں کیونکہ یہ فطرۃً انہونی سی بات ہے البتہ قوائے دماغی میں فرد نکلیں گے۔ لطف یہ ہوا کہ پڑھے لکھے تو ضرور بن گئے لیکن ایک طرف انگریزی میں دسترس اول تو عام طور پر یونہیں سی ہوئی دوسرے اگر کبھی انگریزی کی بصارت کمزور اور بال قبل از وقت سفید کر کے اور دق کی بلا مول لے کر بڑا تیر مارا تو یہ تعریف ہوئی کہ یہ ہندوستانی ہو کر اچھی انگریزی لکھ لیتا ہے دوسری طرف یہ حال رہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ صاحب اپنی مادری زبان ہاتھ سے کھو بیٹھے ہیں اور میاں میکالے والے علوم جو کچھ حاصل کئے ہوں ان کو اپنی زبان میں ادا نہیں کر سکتے یہ تو وہی مثل ہوئی کوے والی کہ ہنس کی چال کے پیچھے اپنی چال بھی بھلا بیٹھے"۔

غرض ذرا سے غور کے بعد قارئین خود اس قسم کی مثالیں ذہن میں لا سکتے ہیں اور اس کو واضح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں ایک خیالی معیار تکمیل اور عملی نتیجہ میں تقابل آپڑتا ہے وہاں ظرافت آپ ہی آپ پیدا ہو جاتی ہے خواہ کوئی مقرر یا اہل قلم جان بوجھ کر یا انجانی سے ایسا کرے خواہ ایسا کہنے سے سننے یا پڑھنے والے کھل کھلا کر ہنس پڑیں یا ان کے لبوں پر ہلکی سی تبسم کی جھلک پیدا ہو یا محض ان کے دماغ میں وہ طراوت اور تازگی کی کیفیت پیدا ہو جائے

جیسے ظرافت کی ذہنی گدگداہٹ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ان امور کی وضاحت کے بعد اب غور فرمائیے کہ اگر ایک استاد جماعت میں اپنے گرد ایک ایسا مقناطیسی ہنسکھ پن کا ہالہ لئے قدم رکھتا ہے جس سے شاگردوں کے دلوں میں اور چہروں پر ایک بشاشت کی جھلک سی آجاتی ہے اور وہ ہمہ تن شوق بن جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایسی سپٹ استاد کے کام میں کس قدر ہاتھ بٹاتی ہے اور کاروبار تدریس کی سب میں رکاوٹ یعنی جماعت کی پریشان توجہ کو آپ ہی آپ دور کردیتی ہے۔ مگر یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ ایسی شخصیت استاد ماں کے پیٹ سے لاتا ہے اور ابھی تک نفس تجزیہ (PSYCHO ANALYSIS) یعنے جدید ترین نفسیات کو بھی کوئی ایسا طریقہ ہاتھ نہیں لگا ہے کہ مصنوعی طور پر ایسی شخصیت گھڑی جاسکے اور استادوں کو انگریزی سوٹ یا شیروانی کی طرح پہنادی جائے۔

اب یہ فرض کرکے کہ استاد اس قسم کا مقناطیس اپنے میں لئے ہوئے ہے کہ جماعت پر ایک خوش آیند کیفیت طاری کر دے اور ظریفانہ پہلو کو پیش نظر رکھنے اور اس کو مناسب الفاظ اور حرکات و سکنات سے طلباء کے ذہن نشین کرنے کی استاد میں صلاحیت بھی موجود ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے استاد کی درس و تدریس سے طلباء میں ہر بات کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنے کا رجحان آپ ہی آپ پیدا ہونے لگیگا اور اسی رجحان کا نام سائینٹفک اسپرٹ ہے۔ ایسا استاد جب کسی مضمون کی تفہیم کرے گا تو جماعت کے دل پر یہ اثر نہ ہوگا کہ بس اس مضمون کا صرف ایک وہی پہلو ہے جسے استاد نے بیان کیا ہے بلکہ ظریفانہ پیرایہ میں اس قسم کا استاد "تصویر کے دوسرے رخ" کو بھی دکھائے گا اور اس طرح طلباء میں وہ "ذہنی غلامی" جو عموماً تعلیم کا بدترین، بدنما دھبہ ہے پیدا نہ ہونے پائے گی طلباء کے دماغ میں تحقیق و تدقیق کا شوق اور اپنی قوت ذہنی کا احساس نشوونما پائے گا۔

بیشتر استاد جماعت کے کمرہ میں اس طرح قدم رکھتے ہیں گویا کوئی علم و عقل کا اوتار چلا آرہا ہے اور دوران تدریس میں معلومات کے لقمے اس طرح دیتے ہیں کہ گویا ان کا ہر فرمایا ہوا

لفظ علم و دانش کی انتہا ہے۔ برخلاف اس کے ظرافت منش استاد کبھی دانائی کا دیوتا نہیں بنے گا۔ وہ اپنی جماعت کے ذہن نشین کر دے گا کہ وہ خود لڑکوں کی طرح حصول علم کے مدارج طے کر چکا ہے اور کوئی غیر معمولی دانائی سوائے بہ لحاظ عمر ذرا وسیع واقفیت کے اس کو کوئی الہامی راہ نما پر اس میں نہیں وہ محض ایک دوست ایک رہبر کی طرح اپنی بساط بھر علم کے راستہ پر ان کے ساتھ گام زن ہے صرف اس وقت تک کہ وہ اپنے آپ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ ہو جائیں۔

ایک استاد نے اپنی جماعت کے ایک نو شریک شاگرد سے پوچھا۔ بتاؤ جی زمین کی شکل کیسی ہے۔

"زمین کی شکل خبر نہیں"۔

استاد دیوتا کی طرح مسکرائے جماعت میں بھی ڈر ڈر کے کچھ "کھی کھی" ہونے لگی۔

"تم نے اب تک کیا خاک پڑھا زمین کی شکل تک تمہیں معلوم نہیں"

"میں نے زمین کی شکل نہیں دیکھی"۔

استاد اور بھی باچھیں کھول کر مسکرائے گویا ہمالیہ کی چوٹی پر سے کوئی نیچے میدان والی پست و حقیر ہستی کو دیکھکر مسکرائے۔

"تمہیں جغرافیہ کس ...... نے پڑھایا۔ ارے کوڑ مغز ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آیا زمین چپٹی ہے یا گول"۔

"زمین چپٹی ہے یا گول۔ مجھے تو چپٹی نظر آتی ہے"۔

استاد نے دیوتا آسا بھاری بھرکم ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اتنی شہ پاتے ہی جماعت کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر استاد صاحب نے جھٹ جماعت پر نظر دوڑائی تو سب دم بخود رہ گئے اور بیچارہ نو شریک شاگرد اس قدر سہم سا گیا اور شرمندہ ہو گیا گویا اس سے کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے۔

ایک اور استاد کا اسی ضمن میں مکالمہ ملاحظہ فرمائیے۔

استاد "کیوں بھئی ہمارے نئے دوست کیا آپ نے زمین کا نام سنا ہے"۔

لڑکا۔ "جی ہاں"

"وہ کیا چیز ہے یہ بھی جانتے ہو"۔

"جی ہاں کیوں نہیں ہم زمین پر ہی تو چلتے پھرتے ہیں"۔

"زمین کی کبھی شکل بھی دیکھی ہے"۔

"زمین کی شکل وکل کی تو خبر نہیں کبھی دیکھی ہی نہیں"۔

یہاں اس جماعت کے لڑکے مسکرانے لگے مگر استاد نے مسکرا کر کہا "بھئی بات تو ٹھیک ہے زمین کی شکل تو ہم نے بھی آنکھوں سے نہیں دیکھی اچھا یہ بتاؤ کسی سے اس کی شکل وضع قطع کا حال بھی سنا ہے"۔

"سنا تو تھا مگر یاد نہیں"۔

"زمین کی شکل سے یہ مطلب نہیں ہے جیسے جانوروں کی صورت آنکھ ناک منہ اور کان ہوتے ہیں۔ صرف یہ پوچھنا ہے کہ زمین گول چیز ہے یا چپٹی"۔

"مجھے تو چپٹی دکھائی دیتی ہے"۔

اس پر استاد بھی ہنس پڑے اور جماعت بھی ہنسنے لگی۔ مگر استاد نے کہا "مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے بھی جب میں ان کے برابر تھا اسی قسم کا جواب دیا تھا اور بات بھی یہی ہے کہ پڑھنے والوں کو ہمیشہ جو بات اپنی سمجھ میں آتی ہے وہی کہنی چاہئے اور جب تک اس کے خلاف بات عقل سے یا تجربہ سے ثابت نہ کر دی جائے ہرگز نہ ماننی چاہئے۔

خاتمہ پر عموماً مضمون نگار اپنے خیالات کا خلاصہ فرما دیتے ہیں لہٰذا اس دستور کے نظر کرتے یہ ہونا چاہئے کہ ظرافت کے متعلق جو کچھ اوپر گزرا ہے اس کا نچوڑ لطیف الفاظ میں دے دیا جائے۔ مگر راقم کو قارئین کرام کو سبق پڑھانا نہیں ہے۔ اس قسم کا عطر تیار کر لیں گے سو دیدہ اگر ناظرین نے اس مضمون کو اپنی مہربانی سے توجہ کے ساتھ پڑھ لیا ہے۔

محمد عظمت اللہ خاں

نظریہ ارتقا کے مطابق تعلیم کا نظریہ

اٹھارویں صدی عیسوی میں جرمن اور فرانس کے بعض حامیان تعلیم نے ... مذہب کی بآواز بلند تلقین کی ہے اور تشدد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب تک فطرۃ کی جانب رجوع نہ کیا جائے اور انفرادی عقل کو ملحوظ نہ رکھا جائے اس وقت تک دماغی نشو ونما ممکن ہے دماغ کی تربیت اور ترقی کے لئے سنین ماضیہ کی تاریخ اور روایات اور نظامات مفید نہیں ہو سکتے بچے کے نفس کو اس سادے تختہ کاغذ کی طرح سمجھنا چاہئے جو زمانہ ماضی کے نقش ونگار سے بالکل معرا ہو۔ ان کے مذہب کے مطابق بچوں کو گزشتہ تاریخ اور ادبیات کی تعلیم دینی لاحاصل اور سوائے بربادی محنت کے اور کچھ نتیجہ نہیں۔ ایک بچہ کو آئندہ زندگی کے اعمال سے سابقہ پڑتا ہے اس کو زمانہ گزشتہ کی مصروفیتوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ پیچھے ہٹنے کے لئے نہیں بلکہ آگے بڑھنے کے لئے پیدا ہوا ہے آگے بڑھنا اور ترقی کرنا صرف اس صورت میں ممکن ہے جب کہ اس کو ایسی تعلیم دی جائے جس کی بنیاد ان اصول پر قائم ہو جو فطرۃ سے ماخوذ ہیں۔

تقریباً تمام نظریوں کی طرح متذکرہ بالا نظریہ میں بھی صداقت کا ایک عنصر ہے۔ لیکن اس کی حمایت کرنے والے اپنی گرم جوشی میں اس جز صداقت کے سمجھنے سے قاصر رہے ان کی نظر میں فطرۃ ان برائیوں خامیوں اور عیبوں کا واحد علاج تھا جن سے اس زمانہ کا تعلیمی نظم ونسق ملوث وآلودہ تھا۔ اس نظریہ کی تلقین میں انہوں نے اس شد ومد سے جدوجہد کی کہ ردعمل شروع ہو گیا اور اسی تشدد کے ساتھ جو ان کی جدوجہد کے مبادی تھے "تعلیم" اور "فطرت" کی جگہ تعلیم کو دے دی گئی۔ اور چند ہی روز بعد اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے

لفظ "تربیت" کا اضافہ کیا گیا۔ رسو کے پسندیدہ مقولہ رجوع الی الفطرۃ کے بجائے ہربرٹ کے مذہب کے ابتدائی اصول "تعلیم بذریعہ تربیت" کو اختیار کیا گیا۔ لسنگ ہرڈر۔ گیے اور جرمن کے بعض مفکرین نے تسلسل زندگی پر بہت زور دیا ہے۔ وہ کہتے تھے انسانی ارتقا مسلسل ہے اس میں کسی قسم کا فصل نہیں۔ ممکن ہے کہ اس سلسلہ کی کڑیاں منکشف نہ ہوں مگر اس سے ان کے وجود کی بالکلیہ نفی نہیں ہو سکتی۔ آج کا نومولود کوئی تنہا جز نہیں ہے بلکہ وہ اعمال ارتقائی کی ایک پیداوار ہے۔ اس کے دل و دماغ لوح سادہ کی طرح معرا نہیں ہیں بلکہ ان میں بعض موروثی طبعی میلانات ہیں۔ اس لئے اس کو صرف ایسی غذا دینی چاہئے جو اس کے موافق اور مناسب حال ہو۔ اس کی رغبتوں اور استعدادوں پر غور کیا جائے۔ تب ہی ترقی کے زینہ پر کامیابی کے ساتھ اس کا عروج اور نشو و نما ایک یقینی امر ہے۔

اس تسلسل زندگی پر بنا کرکے اور علم حمل اور تاریخ اور نفسیات کی استعانت سے انہوں نے کلچر اپاک (CULTURE EPOCH) کے نظریہ کی جو تشریح کی ہے وہ یہ ہے! اس نظریہ کے یہ معنی ہیں کہ ایک لڑکے اور ایک نسل کی نشو و نما میں مساوات ہے۔ ایک بچہ کو نشو و نما کے وہ مدارج و منازل طے کرنے پڑتے ہیں جو اس کی نسل کے طے کردہ ہیں۔ سلی کے الفاظ میں استقرار حمل سے لے کر سن بلوغ کو پہونچنے تک ایک فرد انسانی کی بالیدگی اور نشو و نما کو نوع انسانی کے سابقہ نشو و نما کے مدارج خاص کا اعادہ مختصر کہا جا سکتا ہے۔ بولٹن کہتا ہے کہ ایک انسان قومی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ ارتقا فرد نسلی ارتقا کو دہراتا ہے۔ زے منٹ کی عبارت یہ ہے کہ ساخت انسانی کی اشکال کا سلسلہ (زمانہ بالیدگی میں مادہ تولید سے مکمل ہونے تک) اس کے اسلافی ساخت کی اشکال (ابتدائے عضوی آفرینش سے لے کر اس وقت تک) کے دراز سلسلہ کا اعادہ اجمالی ہے۔

ماں رو نے اس مذہب کی تائید بر بنائے تاریخ کی ہے۔ ایک نسل منتہائے تہذیب کو پہونچنے سے قبل بہت سے نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ قدیم اور بعید از تہذیب آدمیوں کی

زندگی بہت سادہ ہوتی ہے۔ ان کی ضروریات زندگی مختصر۔ ماحول پر ان کی زندگی کا سب دار و مدار ہوتا ہے۔ بھوک کی خواہشوں اور معاشرتی تحریکوں کی تسکین ان معمولی چیزوں سے ہو جاتی ہے جن کو قدرت ان کے لئے مہیا کرتی ہے مرور زمانہ اور عمل ارتقا کے تحت وہ آہستگی اور استقلال کے ساتھ رفتہ رفتہ زمانہ حال کی شائستہ زندگی کے پیچیدہ اور اُلجھے ہوئے درجہ کو پہونچتے ہیں۔ اسی طرح ایک فرد انسانی سادہ زندگی سے پیچیدہ زندگی کی جانب بڑھتا ہے۔

ماہرین نفسیات بھی اسی مساوات کی تائید کرتے ہیں اور ہمارا تعلق بھی زیادہ تر انہی کی رائے سے ہے بچوں کے دماغ تہذیب یافتہ اشخاص کے بہ نسبت اعلیٰ جانوروں سے زیادہ مشابہ پائے جاتے ہیں۔ ان کی ابتدائی مصروفیتیں جانوروں کی جبلی حرکات کی طرح غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ بہت عرصہ تک وہ اشیا کو صرف محسوس کرتے ہیں۔ ان میں شعور مطلق نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ اپنے تخیلات کی وہمی عمارتوں کی تعمیر میں وحشیوں سے مشابہ ہیں۔ سلی کا بیان ہے کہ نقشہ کشی کی تعلیم میں نا تربیت یافتہ اقوام اور بچوں کی ذہنی مشابہت صاف عیاں ہوجاتی ہے۔

دلائل مذکورہ سے یہ امر واضح ہوگیا کہ ایک نسل اور اس کے ایک فرد میں کسی قدر مشابہت ہے۔ اسی رشتہ نے حامیان تعلیم کو ایک راستہ ایسے نصاب تعلیم مرتب کرنے کا سجھا دیا جس پر ان کو اساتذہ کا یقین ہے کہ وہ لڑکوں کی دماغی نشو و نما میں بہت مدد ہوگا سپنسر کہتا ہے کہ بچوں کی تعلیم طرز و تربیت میں بلحاظ تاریخ نوع انسانی کی تعلیم کے مطابق ہونی چاہیئے۔ ایک فرد انسانی کی تعلیم و تربیت کا آغاز اسی طریق پر ہونا چاہیئے جس طرح از کی ابتدا اسی نسل انسانی میں ہوئی تھی۔ ارتقائی نشو و نما کے یہی دو طریقے ہیں لہذا انہی قوانین کی اتباع کرنی چاہئے۔ بہ الفاظ دیگر اس کے یہ معنی ہیں کہ ترقی کے مختلف مدارج میں بچوں کو پہلے کارناموں سے واقف کرایا جائے جو قومی نشو و نما کے منازل ترقی کے ساتھ مخصوص تھے چونکہ ایک زمانہ میں ایک نسل اور ایک فرد واحد میں جذباتی قوت مختلف غائب ہوتی ہے اس لئے

بچوں کو اس نسل کے ابتدائی زمانہ کے مشاغل کے قصے سنائے جائیں اس کے بعد واقعات سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اب بچوں کو ایسی باتیں بتائی جائیں جو نسل کو اپنے نشوونما کی منزل پر محسوس آئی تھیں۔

آخر میں چونکہ لڑکوں میں بذات خود غور و فکر کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ان کی دماغی پرورش کے لئے ایسی غذا کا انتظام کیا جائے جو قومی ارتقا کے اس منزل پر مہیا کی گئی تھی۔ موجودہ تہذیب نہایت پیچیدہ ہے اور ایک لڑکے کا دماغ اس تہذیب کے الجھے ہوئے مسائل کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے یہ باتیں رفتہ رفتہ اور مختلف منزلوں میں اس کے ذہن نشین کرائی جائیں۔

ایناؔ یونیورسٹی کے پروفیسر رائن نے مندرجہ ذیل نصاب دارس عوام کے لئے مرتب کیا تھا

خصوصیات منازل	مواد تعلیم		سن تعلیم
	FOLKLORE AND FAIRY TALES ادب عوام اور دیو پری کے افسانے ROBNS ROBINSON CRUSOE. رابن سن کروسو کا فسانہ		
	دنیوی	دینی	
MYTHICA MIL ANDREROI عجائب و شجاعت پسند نفس	THURINGIAN TALES تھرنگی فسانے NILIELUNGEN TALES نبلنگی فسانے	PATRIARCHS MOSES شیوخ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام JUDGES & KINGS بادشاہان اور مقننین	

۵	LIFE OF CHRIST سیرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام	CHRISTIANITY KAISER PERIOD. عیسائیت اور زمانہ قیصری	MEDIAEVAL BUILDING زمانہ متوسط کی سلطنتوں کی تعمیر
۶	" "	KAISER PERIOD زمانہ قیصری	HISTORIC MIND تاریخ پسند نفس
۷	PAUL حواری پال	REFORMATION اصلاح	SOCIAL AND POLITICAL DEVELOPMENT معاشرتی و سیاسی ترقی
۸	LUTHER لوتھر	NATIONALISM. قومیت	SCIENTIFIC-PHILOSOPHICAL MIND. علم و حکمت پسند نفس

مندرجہ ذیل نصاب پے آر کے ڈاکٹر آٹو نے مرتب کیا تھا

مدرسہ جماعات	نسلی زمانے	مواد تعلیم
۱	زمانہ شکار	رابن سن کروسو
۲	بدوی زمانہ	تاریخ شیوخ (تذکرہ انجیل مقدس)
۳	زمانہ زراعت	تاریخ شاہان — "
۴	محنت کے قدیم طبقات	جرمنی کے ازمنہ متوسط
۵	دارالسلطنت کی زندگی تھوک تجارت اور بڑی بڑی صنعتیں	جرمنی کی جدید تاریخ

رائن کے قاموسچہ میں عمر کے مندرجہ ذیل چھ زمانے بتائے گئے ہیں

۱	پہلے تین سال	حواس کے نشو و نما کا زمانہ
۲	تین سے سات سال تک	شعور ذات کی ابتدا۔ استحضار۔ مقابلہ۔ موازنہ۔ تخیلہ۔ فکر۔

۳	سات سے آٹھ سال تک	زمانہ تبدیلی
۴	نو سے دس سال تک	خیالات میں صفائی پیدا ہوتی ہے حافظہ اور شعور ذات۔
۵	دس سے چودہ سال تک	فکر و فہم اور با قاعدہ حافظہ کی زیادہ ترقی ہوتی ہے
۶	چودہ سے اکیس سال تک	مدرسہ کا اخیر زمانہ۔

یہ ممکن نہیں کہ کشف شخصیت اور اس کے سامان پرورش کے انتظام کے تخمینہ میں درہ تعلیمی نصابوں کی نسبت صواب کا دعوی کیا جائے۔ یہ تو کم و بیش ادھورے اور نامکمل کے ہیں۔

اس نظریہ میں بہت سے نقائص ہیں جن پر آیندہ تفصیل سے بحث کی جائیگی مگر یہ قیمتی اور قابل قدر ہے علمی لحاظ سے بچے کے دماغی کیفیات کی تحقیق اور اس کے قوار ن کے ارتقا کے طریق اور اس کی دماغی بالیدگی کے لئے نہایت مناسب حال اشیاء رش کی فراہمی کی نسبت غالباً یہ پہلی کوشش ہے۔ اس نظریہ میں جس نفع کی جانب اشارہ کیا ہے واقعی وہ بہت بڑا نفع ہے تعلیمی نصابوں کے مرتب کرنے میں یہ نظریہ مدرسین کا نما ہو سکتا ہے لیکن اس نظریہ کو اس سے زیادہ مفید سمجھنا غلطی ہے اس میں بہت سی بیوں کی ضرورت ہے۔ یہ امر یہ بالتحقیق واضح کرتا ہے کہ ماضی قابل نظر انداز نہیں ہے۔ بچہ کی ان ذاتی جبلتوں کے وجود کی طرف اشارہ کرکے جو اس کو اسلاف سے وراثتہً ہیں یہ نظریہ اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ ہم ان جبلتوں کے ساتھ بالکلیہ لڑائی نہیں بلکہ معقولین کے مذہب کے برخلاف ان کی پرورش کا مؤید ہے۔ اس نظریہ سے یہ بھی ر ہوتا ہے کہ بوقت تعلیم ہمیں چاہیئے کہ سادہ سے پیچیدہ کی جانب اور اشیاء مادی سے کی طرف اور حسی نقوش سے ذہنی تلازمات کی جانب اور تجربہ سے عقل کی طرف بڑھائیں۔ نیز اس امر سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ لڑکوں سے ان کی استعداد سے زیادہ

توقع نہ رکھیں۔ چونکہ اس نظریہ سے صحیح طریقہ تعلیم کا ایسا ہوتا ہے اس لیے وہ ہماری توجہ کے قابل ہے۔ تاہم ترتیب نصاب تعلیم کی محض اسی پر بناء نہ کی جائے اس کے تسلیم نہ کرنے کی متعدد اور مختلف وجوہات ہیں چند یہ ہیں

(۱) ٹھیک مساوات جس کا نظریہ والوں نے دعوی کیا ہے واضح نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ وہ اس نقص سے ضرور واقف ہیں لیکن عملاً انہوں نے اس مساوات کو ملحوظ نہیں رکھا۔

(۲) یہ نظریہ ایک ایسے شخص کی دستگیری میں مفید کار آمد نہیں ہو سکتا جو ترقی کے مختلف منازل میں کشمکش کر رہا ہے۔

(۳) اس نظریہ میں انسان کے لڑکپن سے پختگی تک کی زندگی اور ایک قوم کی ابتدا سے لے کر زمانہ حال کی مکمل تاریخ کے درمیان مساوات ہے۔ لیکن جب ایک بچے کی تعلیم صرف ۱۴ سال کی عمر تک محدود کر دی گئی ہے تو اس صورت میں نظریہ کی تطبیق جزئی ہو گی۔

(۴) اگرچہ ایک بچہ کے قوائے دماغی اس کے اسلاف قدیم کے قوائے دماغی کے مساوی ہو سکتے ہیں تاہم وہ ایک علیحدہ جماعت کا رکن ہے اور اس کی دماغی زندگی کی پونجی اس کے اسلاف مذکورہ کے دماغی سرمایہ سے مختلف ہے۔

(۵) اگر ایک نسل کے ایک خاص درجہ میں کچھ مشاغل تھے تو یہ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس لڑکے کو اسی قسم کے مشاغل میں مصروف اور اسی قسم کے خیالات میں منہمک رکھا جائے۔ ہمیں تو اس کی استعدادوں کا ارتقاء اور ان کو درجہ کمال پر پہونچانا مقصود ہے اور یہ مقصد دوسرے بہت سے طریقوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ شکار کرنا کسی طرح کنڈرگارٹن کے کھیلوں کے مشابہ نہیں ہو سکتا تاہم وہ ایک بچہ کے ارتقاء حواس کے لئے

(۵) ...ہمیں اپنے تئیں شکار کے زمانہ کے قصوں تک محدود کرنا ضروری نہیں
(۶) یہ سچ ہے کہ جبلّی استعداد عموماً دلچسپی کو متعین کرتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ بچہ ... جو بہت ہی قدیم ہیں آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ اس کا عکس بالکل صحیح ہے ... طلبا وکن ... توں کی کہانیوں میں تو دلچسپی نہیں لیتے لیکن ہوائی جہازوں کے قصے نہایت دل دہی سے سنتے ہیں۔
(۷) ایک لڑکا مادی اشیاء کا تجربہ کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ انہیں سمجھ سکے لیکن زمانہ ماضی شائستگی کا بیان اس کے لئے ایک مجرد شئے ہے۔
(۸) ایک متنفس نسلی تجربوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ان تمام تجربوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جن میں خاص تجربوں کی انفرادیت وشناخت مفقود ہے۔
(۹) ایک مخصوص تحریک کا مختلف آدمیوں پر مختلف اثر ہونا ممکن ہے یعنے اگر تعلیم میں اس نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جائے تب بھی ہر طرح سے ناکامی کا امکان ہے کیونکہ انسانی طبائع مختلف ہوتی ہیں اس سبب سے ایک ہی طرح کا نصاب تعلیم ممکن نہیں۔
(۱۰) چونکہ کثرت سے چھوٹے چھوٹے راستے قائم کردئے گئے ہیں اور سابقہ منازل کی تفصیلات غائب ہوچکی ہیں اس لئے دور دراز اور پیچیدہ راستہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔
(۱۱) یہ نظریہ ہمیں مائل وراغب کرتا ہے کہ ہم ایک بچے کی ارتقا، ترقی پر زیادہ زور دیں اور موجودہ نفسیاتی ساخت اور دماغی میلان کے جانب کم توجہ کریں حالانکہ یہ وہی اساسی عنصر ہے جس پر تعلیمی نصابوں کا قصر بلند ہونا چاہئے۔ ایک وقت طبعی میلانات اور طبعی تحریکات کثرت سے موجود تھیں اور ایک وقت ان کی ضرورت بھی تھی لیکن اب وہ قلت استعمال سے غائب ہوگئیں اور نہ اب ان کی ضرورت باقی ہے جبلّی تحریکیں عارضی اور ناپائیدار ہوتی ہیں اور قلت استعمال سے وہ مسمار ہوجاتی ہیں اور بعض قائم مقام

ان کی شکل ہی بدل دیتا ہے۔ نصاب تعلیم سے دماغی ورزش کا اہتمام [illegible] نہیں
بلکہ اس کی حیثیت اطلاعی ہے۔ اور اس امر کی واقفیت کہ ایام ماضی میں کسان کیسے [illegible]
تخم ریزی کرتے اور فصل کاٹتے تھے دور حاضرہ کے بچوں کے لئے غیر مفید ہے۔ البتہ یہ بات ہے
کہ جس قدر ہم ترقی کر چکے ہیں اس کو اچھی طرح سمجھنے میں ہمارا ہاتھ بٹائے [illegible] لیکن وسیع ترین معنے
موجودہ زندگی کے طلباء کے لئے سب کچھ ہے۔ ماضی صرف اسی حد تک کارآمد ہے کہ وہ
زمانہ حال کی وضاحت کرنے میں مدد دیتی ہے ورنہ اور کوئی فائدہ نہیں۔ لارڈ ماڈلے
تاریخ کا کبھی مطالعہ نہ کرتے اگر وہ ان کو زمانہ حال کے بعض پیچیدہ مسائل کے سلجھانے میں
معاون نہ ہوتی۔ اور فی زمانہ تو ایسے مشاغل اُبل پڑے ہیں جن کا متقدمین کو وہم و گمان بھی
نہ تھا۔ آج کل قدرت پر انسان کا حکومت کرنا تقریباً خرق عادت ہے۔ قدیم زمانہ میں لوگ
قدرت کی طاقتوں سے خائف ہو کر اس کی پرستش کیا کرتے تھے اب حال یہ ہے کہ ہم
ان پر سوار اور وہ ہمارے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ گزشتہ زمانہ میں بچوں کو تفہیم کرایا جاتا تھا
کہ نہایت خشوع و خضوع سے قدرت کی تقدیس [illegible] ہم (پرستش) کریں۔ اب انہیں یہ سکھایا جاتا ہے
کہ قدرت غیر مضر اور قابل انقیاد ہے بشرطیکہ ہم اس کے قوانین کی کامل واقفیت حاصل کر لیں

(۱۲) حامیان کلچر پاک تھیوری۔

کم از کم ان کے مناظرہ کے رجحان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے موروثی میلانوں کی اہمیت کو
خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں اور ان کی روئیدگی اور استحکام کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن
موجودہ طبعی میلانوں کو صرف ابھارنے اور ان کو بزور مضبوط کرنے پر ہی تعا[illegible] ہے اس کا
کام تو اس سے اعلیٰ اور بزرگ تر امور کی تکمیل کا انصرام ہے۔ نیز اس کا کا[illegible] کہ بچہ کو
تہذیب کے وسیع ترین معنے میں شائستہ بنائے۔ پیدائشی کج عادتیں سیدھی کی جائیں بری اشتہا کا
استیصال کیا جائے۔ قوۃ متخیلہ کی پرورش گزشتہ زمانہ کے سورماؤں کی کہانیوں سے نہ ہو کیونکہ
یہ کم و بیش بے بنیاد افسانے ہیں جو مبالغہ آمیز تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں بلکہ زمانہ حال کے

(اس وقت) تمدن جدید کے کشافوں کی سنسنی خیز حکایتوں سے اس کو (قوۂ متخیلہ) تقویت پہنچ جاتی ہے اور اس قسم کے قصے بے شمار ہیں۔

سیّد ساجد علی

مانٹی ساری طریقۂ تعلیم

بعض تعلیم یافتہ اشخاص ہندوستان میں مانٹی ساری طریقۂ تعلیم کی ترویج و اشاعت کو بدیسی ذہنی پیداوار کی درآمد خیال کرتے ہیں اور بدیں وجہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ بعض کے خیال میں اہل ہند اس طریقۂ تعلیم کے اخراجات کثیر کے متحمل نہیں ہو سکتے ہیں۔ بعض کے نزدیک قدیم دیہی مدارس کا طریقۂ تعلیم ہی سب سے اچھا اور لائق احیا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ جس زادوائل عمر میں بچوں کی تعلیم شروع کرنے کی غرض سے مانٹی ساری مدارس وجود میں لائے گئے ہیں۔ اس عمر میں تعلیم کا آغاز غیر ضروری ہے۔ بلکہ چھ یا سات سال کی عمر ہو چکنے کے بعد تعلیم شروع ہونی چاہئے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ صغر سن بچے مدرسہ کی بجائے صرف گھر ہی میں بخوبی نشو و نما پا سکتے ہیں۔ اس لئے اتنی کم سنی میں محض تعلیم کی خاطر ان کو والدین کے سایۂ عاطفت و محافظت سے علیحدہ کرنا نامناسب ہے۔ یہ اور اسی قبیل کے دیگر اعتراضات مانٹی ساری طریقۂ تعلیم پر وارد ہو رہے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم معترضین کے اعتراضات اور متشککین کے شکوک رفع کر کے یہ امر ان کے ذہن نشین کر دیں۔ کہ اگر اہل ہند اپنے بچوں کی حقیقی ٹھوس اور پر مغز تعلیم کے خواہاں ہیں۔ تو ان کو ہر مدرسہ میں مانٹی ساری طریقۂ تعلیم کے

اجرا کی فکر کرنی چاہیئے۔

مانٹی ساری طریقہ تعلیم کی نفع رساں خاصیت کے متعلق اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے سے قبل ہم کو بلحاظ اصول و عمل اس طریقہ تعلیم کی کُنہ کو پہنچنا چاہیئے۔ جب ہم پر اس کی ماہیت و حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ تو اس وقت بہت سے عقدے خود بخود حل ہو جائیں گے۔ مخفی نہ رہے کہ مانٹی ساری طریقہ تعلیم ایسی شاہراہ تعلیمی ہونے کا مدعی نہیں ہے جس پر گامزن ہو کر بلا محنت و مشقت مدت قلیل میں بچوں کی تعلیم میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ مانٹی ساری درسگاہ میں اگرچہ معمولی نوشت و خواند اور حساب کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں بچوں کو سکھائی جاتی ہیں۔ تاہم یہ درسگاہ اپنی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے موجودہ مدارس سے بالکل جدا اور نرالی ہے۔ یہ تعلیم گاہ "بالک گھر" کے نام سے موسوم ہے اس لئے کہ اس میں کم سن بچے رہتے سہتے ہیں۔ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ کہ یہ درسگاہ عام مدارس اور "بالک باغ" سے مختلف و متبائن ہے۔ اس "بالک گھر" میں بچے نوشت و خواند حساب۔ موسیقی۔ مصوری۔ معماری کے متعلق ضروری معلومات اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ یہ معلومات آزادی و خود مختاری کی زندگی کا جزو لاینفک ہیں۔

مانٹی ساری طریقہ تعلیم بچہ کو تعلیم دینے کا دعوے دار ہونے کی بجائے اس خیال کا مظہر و مؤید ہے۔ کہ ہر قسم کی تعلیم کا سرچشمہ خود بچہ کی ذات ہونی چاہیئے اس لئے کہ ہر بچہ کو اپنی زندگی میں ایک خاص منزل مقصود تک پہنچنا ہے۔ جو چیز تعلیم کے ذریعہ سے بچہ کو مل سکتی ہے یا ملنی چاہیئے۔ وہ حسب پسند انتخاب کرکے خود مختاری سے رہنے سہنے اور [illegible] کو جاننے اور پورے طور پر سمجھنے کی آزادی ہے۔ بچہ کو اس قسم کی آزادی دینے کا [illegible] ہے۔ کہ بچہ ہمارے مذہبی عقائد۔ بھلائی برائی اور خوبصورتی بدصورتی وغیرہ کے بارے میں ہمارے خیالات و تشخصات کی پابندی و تقلید سے آزادی حاصل کرے۔ ہم پر لازم ہے۔ کہ مانٹی ساری طریقہ تعلیم کے منشاء کے مطابق ہر چیز کی نسبت آزادی سے اپنی رائے قائم کرنے یا انداز

ظاہر کرنے۔ اور اپنا معیار مقرر کرنے میں بچوں کی مدد کریں۔ انہیں اپنی قوت انتخاب سے
کام لینے کا موقع دینے کی غرض سے موزوں ماحول کی بہم رسانی میں کبھی غفلت نہ کریں
معتدل آزادی کا لطف اٹھانے دیں اور غیر معتدل آزادی سے دور رکھیں۔ اپنی زبردست
شخصیت کا ایوان عالی شان اپنے ذاتی تجربات پر اور اپنے مضبوط ارادہ کا قصر رفیع الشان
اپنے ذاتی اعمال پر تعمیر کرنے دیں۔ صداقت پر اپنے تخیل کی بنیاد قائم کرنے اور پاکیزہ ابتدا
اپنے گیان کی نیو رکھنے اور خود پرستی میں سے ایثار نفسی کو وجود میں لانے دیں۔ اور ہر بچہ کو
انفرادی طور پر سکھلائیں۔ کہ وہ اپنی اور دوسروں کی عزت کرے اور اپنی ضروریات کے
ذریعہ سے دوسروں کی حاجات سے واقف ہو۔ الغرض اُسے پہلے ایک فرد اور اُس کے بعد
سماج کے قابل بلحاظ رکن کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے کے قابل بنائیں۔

امور مذکورہ بالا کی تکمیل کے لئے ماٹی ساری طریقہ تعلیم مناسب ماحول بہم پہنچاتا ہے
یہ ماحول صحیح طور پر جسمانی روحانی اور عقلی و ذہنی حاجات و خواہشات کو پورا کر دیتا ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ "بالک گھر" میں ایسے آلات موجود رہتے ہیں۔ جو ظاہری و باطنی
قوتوں کی ترقی و شگفتگی میں مدد دیتے ہیں۔ یہ آلات چوبی ہوتے ہیں۔ جو (جیساکہ تجربہ سے
ثابت ہو چکا ہے) بچہ کی توجہ کو اس درجہ تک جذب کر لیتے ہیں۔ کہ وہ اپنے گرد وپیش کی
اشیاء سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے جب بچہ ان آلات تعلیمی کے استعمال میں مشغول ہوتا ہے تو
اس کا چہرہ بوجہ اس شادمانی کے جو باطنی شگفتگی سے پیدا ہوتی ہیں چمکنے دمکنے لگتا ہے۔
اس پر انہماک کی کیفیت طاری ہو جاتی ہیں۔ وہ دار التجارب میں کام کرنے والوں کی طرح
اپنے کام میں محو ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ "مرد صغیر" کے صفات سے متصف ہوتا ہے
وہ احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ اور خوش خلقی و ادب سے پیش آتا ہے وہ آلات تعلیمی سے حیرت انگیز
طور پر متاثر ہوتا ہے۔ اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ اور وہ اطمینان و راحت کی تصویر نظر
آتا ہے جتنی مرتبہ وہ ان عجیب و غریب آلات چوبی کو کام میں لاتا ہے۔ اتنی مرتبہ

وہ ذاتی نشو و نما کے مدارج و مراحل طے کرتا ہے۔

یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ نہ تو ایسی تعلیم مصنوعی تعلیم ہے۔ اور نہ ایسی جگہ معمولی درسگاہ ہے۔ یہ صحیح طور پر بالک گھر کے نام سے موسوم ہے۔ اس لئے کہ یہ بڑے پیمانہ پر ایسا گھر ہے جہاں بچے والدین کے گھروں کے سے احول و برتاؤ سے مستفیض و متمتع ہوتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ہندوستان اس طریقہ تعلیم کو پسند کرکے اس کے نشر و اشاعت کا انتظام کرے گا یا نہیں۔

اگر کسی ملک کو اپنی کمزوریوں۔ اپنی بندشوں۔ اپنی بیچارگیوں اور اپنی غفلتوں سے نجات حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ تو وہ ہندوستان کا ملک ہے۔ زمانہ حاضرہ کے ہندوستان کو علوم و فنون کی مجلس میں موجدکی نہیں بلکہ نقال کی جگہ ملتی ہے۔ یہ ملک اپنے زور ایجاد اور آزادیٔ غور و فکر سے محروم ہو چکا ہے۔ اور یہ وجہ غیروں کی ہدایات اور ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے مجبور ہے۔ لاریب ہندوستانی ذہنیت غلامی کے زیر نگین ہے۔ اس ذلیل ذہنیت کی پیدائش و پرورش کی ذمہ داری گھر اور مدرسہ پر عاید ہوتی ہے۔ صرف مدرسہ ہی عقدہ کشائی کا منبع اور اصلاح کا مبدا ہے۔ اور مدرسہ ہی مذہبی قوت کا معدن اعظم اور سیاسی طاقت کا مخزن حکم ہے۔ قومیں مدارس ہی میں بنتی ہیں اگر ہندوستان مہذب اقوام کی صف اولین میں قابل عزت جگہ حاصل کرنے کا متمنی ہے تو اسے آزادیٔ فہم و ادراک اور آزادی غور و فکر کے علاوہ انفرادی ترقی کے تمام موانعات و مشکلات کے ارتفاع و اندفاع کی آزادی بھی اپنے قبضہ میں لانی چاہیئے۔ مانٹی ساری طریقہ تعلیم کی بدولت فرزندان مادر ہند نعمت آزادی سے اسی طرح بہرہ مند ہوں گے۔ جس طرح ... کے دلکش مالک کے بچے ہو رہے ہیں۔ آزادی کی صحیح فضا کی آغوش میں پرورش پائے ہوئے ... آزادی پسند ہوں گے اور آزادی ہی کے لئے جئیں گے اور مریں گے۔ اگر اولاد آدم دور جدید کے ہر قسم کے ظلم و ستم سے رہائی حاصل کرنے کی تمنا رکھتی ہے۔ تو اس پر واجب ہے۔ کہ وہ اس حریت آفرین طریقہ تعلیم کو قبول کرے جسے مانٹی ساری نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس مقالہ بعد

[ا]ور یہ استفسار کیا جاتا ہے کہ کیا ہندوستان مانٹی ساری طریقہ تعلیم کو اختیار کرے گا؟ اس طریقہ تعلیم [کی بدو]لت محب قانون اور پابند قانون سماج افراد وجود میں آئے گی۔ اور دو اشخاص اور دو [جما]عتوں یا حکومتوں کے مابین اتحاد عمل واحترام باہمی کی روح ترقی کرے گی۔ اور جماعتی حقوق کے [خ]لاف کے بغیر انفرادی حقوق کی حفاظت ہوگی۔ ہندوستان کو اس قسم کے نظامات کی [س]خت ضرورت ہے۔ آزاد اقوام بھی حریت اکمل کے حصول کے لئے اس کے محتاج ہیں لیکن [ا]س اعتراض کا کہ یہ طریقہ تعلیم غیر ملکی ہے۔ کیا جواب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اصول [آ]زادی و خود مختاری حدود ملکی سے بے نیاز اور غیر ملکیت و اجنبیت سے ہر زمان و مکان میں [ب]رتر یا حتی ... ہوتے ہیں۔ اگر آ... ہونا غیر ملکی فعل ہے۔ تو بلاشبہ ہماری غلامی ابدی ہے آلات تعلیمی ہندوستان میں تیار کرائے جاسکتے ہیں۔ یہ آلات لکڑی کے ہوتے ہیں [یہ] لازمی نہیں ہے۔ کہ ان کے بنانے میں اطالی یا انگریزی لکڑی ہی صرف کی جائے اشکال [اق]لیدس والوان مختلفہ وغیرہ کو کوئی شخص غیر ملکی کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔ انہیں غیر ملکی [ک]ہنا بے معنی بات ہے۔ اور نتیجہ ہے تعصب سے مملو اور صداقت سے مبرا حب وطن کا جو [ہم]یشہ مالیخولیا ثابت ہوتی ہے۔ بچہ کی صحیح تعلیم ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی [ب]ین الاقوامی حیثیت کے مدنظر مانٹی ساری آلات تعلیمی کو نہ تو انگریزی آلات کہہ سکتے ہیں اور [نہ] اطالی۔ بلاشبہ ہندوستان نادار ملک ہے۔ لیکن اس کی ناداری ہی کی وجہ سے یہ طریقہ تعلیم [جو] بہت ارزاں و کم خرچ ہے۔ اس کے لئے موزوں ہے۔ ہندوستان آزاد نہ ہونے کی وجہ سے [ا]فلاس ... موجودہ ... اس لئے اسے کسی نہ کسی طرح آزادی حاصل کرنی چاہئے۔ اگر یہ فرض بھی [ک]یا جائے ... برعکس اس کے ... طریقہ تعلیم مصارف کثیر کا موجب ہے تو بھی یہ سودا بدیں وجہ سستا ہے [ک]ہ اس ... قیمت ... آزادی کی گراں بہا تعلیم پاتے ہیں۔ اس طریقہ تعلیم کے متعلق جس غلط فہمی میں [ہ]م مبتلا ہیں۔ اس کا ازالہ ضروری ہے۔ تعلیمی نقطہ نظر سے آلات وغیرہ کی قیمت بہت زیادہ [نہیں] ہے۔ جو روپیہ ہم شادی بیاہ کی رسوم اور برادری کی دعوتوں اور عیش و عشرت کے

غیر ضروری لوازمات پر صرف کرتے ہیں اِس کے منجملہ موجودہ مصارف تعلیمی کے دہ چند کے
برابر رقم کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

قدیم دیہی مدارس کے احیا کا ذکر چھیڑنا حقیقت میں معاملہ زیر بحث کے متعلق
اپنی لاعلمی و بے خبری کو ظاہر کرنا ہے۔ پرانا زمانہ پرانے لوگوں کے ساتھ رخصت ہو گیا۔
ہم نئی دنیا میں ہیں۔ ہمیں صرف "حال" اور "مستقبل" سے واسطہ ہے۔ ہمیں آج یہ معلوم کر لینا چاہئے
کہ کونسی چیز ہمارے لئے "آج" اور "کل" موزوں ہے اور ہو گی۔ ہمارے موجودہ خیالات۔
ہماری موجودہ خواہشات اور ہمارے موجودہ حالات الغرض بشمول تعلیم ہماری تمام اشیاء جدید
برتاؤ کی محتاج ہیں۔ "آج" سے "کل" کا کھوج لگانا ہے۔ پرانی چیزوں کے متعلق ڈینگیں لینے اور
شیخی بگھارنے سے نہ کبھی کوئی فائدہ حاصل ہوا۔ نہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہے۔ ایام گزشتہ کی ان
یادگاروں کو اپنی اپنی جگہ میں آرام سے پڑے رہنے دو۔ وہ قبل ازیں "آج" یعنے دور حاضر کی
تخلیق میں کافی اور نمایاں حصہ لے چکی ہیں۔

اس اعتراض کا کہ بہت کم عمری میں تعلیم کا آغاز نہیں ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ
تعلیم کا عمل تو بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اس کا انسداد ہمارے
اختیار میں نہیں ہے۔ مانٹی ساری طریقہ ذاتی نشوونما کے عمل مذکورہ بالا کا ممد و معاون ہے
یہ کہنا درست نہیں ہے۔ کہ نشوونما کا آغاز سات سال سے قبل نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف
اس کے کچھ تسلیم کر لینا چاہئے کہ اس کے اصول بال پن ہی سے اپنا عمل شروع کرتے ہیں اور
وہ وقت دور نہیں ہے۔ جب کہ اسے عام طور پر بھی تسلیم کر لیا جائے گا۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ گھریلو ماحول۔ محبت والدین وغیرہ کا کیا انتظام۔ اس کا
جواب یہ ہے کہ مانٹی ساری طریقہ کے تحت ان تمام باتوں میں سے کسی ایک بات کو بھی نظر انداز
نہیں کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ بچوں کے گھر والدین کے گھروں میں ہیں بلنے
بچے ان گھروں میں جو طریقہ زیر بحث کے تحت ان کے لئے وجود میں لائے گئے ہیں۔

والدین کے گھروں کے سے ماحول و برتاؤ سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ کامل نشو و نما سے بہرہ یاب ہونے کے لئے بچوں کے واسطے بھی اسی طرح علیحدہ گھر ہونے چاہییں جس طرح ہمارے لئے ہیں۔ جب چھوٹا پودا بڑا ہو جاتا ہے۔ تو نیا گملا درکار ہوتا ہے۔ اور جب بچہ کے دانت نکل آتے ہیں تو نئی قسم کی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح جب بچوں کی نشو و نما کے لئے والدین کے گھر ناکافی ہو جاتے ہیں۔ تو نئے گھروں کی حاجت ہوتی ہے۔ جہاں وہ آزادی سے رہ سکیں "بالک گھر" کے بچے اپنے والدین سے بلا روک ٹوک ملتے ہیں۔ ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ان کی محبت کا لطف اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنے نئے گھر میں یا اپنے والدین کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں ... ان کی جسمانی و روحانی قوتیں رو بہ ترقی رہتی ہیں۔ وہ آزاد اور علیحدہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہم کو لازم ہے کہ اپنی خود غرضانہ محبت سے مغلوب ہو کر انہیں قفس میں بند نہ رکھیں بلکہ یہ سمجھ کر کہ ... انہیں پرواز کرنے دیں۔ اور اس بات کا موقع دیں کہ وہ ہمارے گھروں کو اپنا آشیاں سمجھیں۔ ہم اپنے گھروں میں ان کو ہر وقت خوش آمدید کہنے۔ پناہ دینے اور ان کے ساتھ محبت سے پیش آنے کے لئے آمادہ رہیں۔ علاوہ ازیں "بالک گھر" کا معلم ایک خاص شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ وہ انسانی نشو و نما اور بالیدگی و شگفتگی کے عجیب و غریب منظر کو نظر غائر سے دیکھتا ہے۔ اور اپنے علمی اور روحانی ساز و سامان سے اس کی مدد کرتا ہے وہ انسانی زندگی کو عزیز جانتا ہے۔ وہ صاحب علم ہے اور صاحب بصیرت بھی۔ اس لئے دخل در معقولات کرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ اُسے منصۂ شہرت و ناموری پر آنے سے نفرت۔ کنج خمول و گمنامی میں رہنے سے الفت اور صداقت و حقیقت کی جستجو میں رہنے کا شوق ہے۔ وہ بچوں کی فلاح و بہبود میں بے غرض دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔ بچے اس کی نگرانی میں پرورش پا کر راہ مستقیم سے منحرف و روگرداں نہیں ہوتے ہیں۔ ہمارے لئے بحیثیت والدین یہ امر بہت مشکل ہے کہ اس قسم کے رہنما و معاون کے فرائض ہم خود انجام دیں اس لئے کہ ہم بحیثیت والدین افکار گوناگوں بالخصوص قانون کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور بوجہ عدیم الفرصتی علم النفس اطفال میں مہارت تامہ

حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔ حالاتِ مذکورہ بالا کے تحت ہم پر واجب ہے۔ کہ اس محبت کے
باوجود جو ہمیں اپنے عزیز و لاڈلے بچوں سے ہے۔ بلکہ اسی محبت کی خاطر اپنے بچوں کو لائق معلمین یا
معلمات کے سپرد کر کے ان کی مدد کریں اور ان کے لئے ایسے وسیع گھروں کا انتظام کریں جن کو وہ اپنا
گھر سمجھیں اور جن میں وہ پوری خوشی اور آرام و اطمینان کے ساتھ کامل نشوونما سے بہرہ یاب
ہو سکیں۔

الغرض ماری ساری "بالک گھر" بچوں کے لئے ایک بیش بہا عطیہ ہے اہل یورپ و امریکہ
اس عطیہ سے اپنے بچوں کو نواز رہے ہیں۔ دیکھیں۔ اہل ہند کیا کرتے ہیں۔

نیر جہاں

دیہی جغرافیہ

جغرافیہ کے کتب عام طور پر شہری مدارس کے لحاظ سے لکھی گئی ہیں۔ دیہی مدارس کے
ضروریات کا لحاظ مطلق نہیں کیا گیا۔ چونکہ آج کل دیہی مدارس کی تعلیم اور ترقی کی نسبت زیادہ
دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے اس لئے مختلف مضامین کے مدرسین کی توجہ اس امر کی جانب
مبذول ہو رہی ہے کہ ہر مضمون کی تعلیم جو شہری حالات کے مدنظر دی جا رہی ہے۔ کس حد تک
دیہی مدارس میں دیہی حالات کے مدنظر موزوں ہو سکتی ہے۔

جغرافیہ کی تعلیم میں محض شہری نکتہ نظر کو پیش نظر رکھنے سے اکثر دیہات کے بچوں کو
ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ جغرافیہ کے اکثر مباحث ایسے ہیں جن کی تعلیم دیہی مدارس میں
بمقابلہ شہری مدارس کے احسن طریقہ پر ہو سکتی ہے۔ دیہی مدارس کے مدرسین جو دیہی حالات سے
زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ آس پاس کے جغرافیائی مواد سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھاتے

صرف درسی کتب پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو چیز درسی کتب میں نہیں پائی جاتی اس کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جغرافیہ کی عملی تعلیم کے مواقع بمقابلہ شہری مدارس کے دیہی مدارس میں زیادہ ہیں۔ عملی تعلیم ہمیشہ مضمون کی جان ہوا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے جغرافیہ کی تعلیم جس عمدگی سے دیہی مدارس میں ہو سکتی ہے۔ شہری مدارس میں نہیں ہو سکتی اس مضمون کی تعلیم میں زندگی اور زمین کے مابین کے تعلق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ تعلق اشیاء کی تعریفات سے ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس کو ظاہر کرنے کے لئے مشاہدہ کی سخت ضرورت ہے دریا۔ پہاڑ وغیرہ کی تعلیم دیہی خطہ میں اچھے طرح ہوتی ہے کیونکہ یہ اپنی اصلی حالت میں نمایاں رہتے ہیں۔ اور انسانی دست برد سے محفوظ رہتے ہیں برخلاف اس کے شہر میں انسانی مدد کے باعث طبعی شکلیں اپنی اصلی حالت میں نہیں رہتیں دیہات کے بچے مقامی دریا اور پہاڑیوں میں گھومتے ہیں۔ اپنے تجربہ کی بنا پر ان چیزوں کے متعلق زیادہ معلومات رکھتے ہیں مگر وہ اس قسم کے تجربات درسی کتب کے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے ورنہ ان کے بیان کرنے کی ضرورت ہے البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جو مواد ذاتی تجربہ کی بنا پر فراہم ہوا ہے وہ باقاعدہ ترتیب وار اور ترقی پذیر ہو۔ اس لئے اس خصوص میں مدرس کی رہبری کی سخت ضرورت ہے۔ مواد کو باقاعدہ ترتیب دار اور ترقی پذیر بنانے کے لئے درسی کتب میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مدرس کے طریقہ تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔

دیہی جغرافیہ کی ابتدائی تعلیم میں بچوں کو اصلی چیزوں سے روشناس کرانا زیادہ ضروری ہے لیکن اس کے برعکس دیہی مدارس میں کتاب کے الفاظ ازبر کرائے جاتے ہیں۔ جو جغرافیائی مواد آس پاس موجود ہے اس کو اپنے مطلب کے موافق مفید بنانا ہر مدرس کا فرض ہے۔ درسی کتب کی اندھا دھن پیروی کرنا فضول ہے جو مدرس محض درسی کتب کا پابند رہتا ہے وہ عمدہ تمثیلات قدرتی اشیاء کے ذریعہ نہیں دے سکتا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مشاہدہ کی

بنا پر قدرتی اشیاء کی نسبت معلومات حاصل کرنے کے بعد جو کچھ ان کی نسبت اس باب میں
لکھا گیا ہے آسانی کے ساتھ ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ نہ صرف طبعی شکلیں تمثیلات کے ذریعہ
ظاہر کی جا سکتی ہیں بلکہ طبعی شکلیں اور زندگی کے مابین کے تعلقات بھی بمقابلہ شہروں کے
دیہات میں بآسانی ظاہر کئے جا سکتے ہیں۔

مثلاً سڑک اور ریل کی سڑک کا رخ کس جانب ہے۔ کھیت۔ باغ۔ مرغزار۔ اور
افتادہ زمین کا تعلق ڈھلوان اور مٹی سے۔ زمین کے پانی کا تعلق ڈھلوان مٹی اور فصل سے
دیہات اور قصبات کی ترقی، پانی کے اسباب سطح کے خط و خال کا اثر اچھی سڑک پر دار
حمل و نقل کے سہولتوں پر و نیز اس قسم کے دیگر مبحث جو صنعتی نقطہ نظر سے اہم ہیں۔

ڈھلوان کی اہمیت | زراعت میں مکان کی تعمیر میں اور سڑک کے بنانے میں ڈھلوان کا
لحاظ کرنا ضروری ہے۔ معمولی ڈھلوان پر پانی کم مقدار میں بہتا ہے ایسی زمین پر سڑک اور ریلوی
سڑک آسانی سے بنائی جا سکتی ہے۔ کھیت ترتیب سے طیار کیا جا سکتا ہے اور اگر زمین زیادہ
ناہموار ہو تو سڑک کھیت وغیرہ کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے جہاں ڈھلوان کم ہے
جنگل مرغزار بنجر زمین باغات زیادہ تر غیر ہموار زمین میں ہوتے ہیں۔

مٹی | یہ مبحث بچوں کے لئے دلچسپ اسباق کا سلسلہ قائم کر سکتا ہے۔ کپاس۔ گیہوں، جاول
وغیرہ کے لئے کس قسم کی مٹی کی ضرورت ہے۔ مٹی کا مشاہدہ کرایا جائے مٹی کا تعلق ڈھلوان سے
بتلایا جائے۔ مٹی میں پانی کو جذب کرنے اور خارج کرنے کی قوت بتلائی جائے۔ زمین کاشت کے لئے
طیار ہونے پر زمین کا مشاہدہ کرایا جائے ہل چلانے کا مقصد یہ بتلایا جائے کہ اس سے نہ صرف
گھاس پھوس الگ کر دی جاتی ہے بلکہ مٹی الٹ پلٹ کر دی جاتی ہے۔ تاکہ پانی آسانی سے
مٹی میں جذب ہو جائے نیز پودے کی نشو و نما کے لئے زمین میں قوت پیدا ہو جائے۔

پانی کا بہاؤ | پانی کے بہاؤ کا خیال زراعت میں، عمارت کے بنانے میں اور باؤلیوں کے
کھودنے میں کرنا ضروری ہے دیہی خطوں میں ڈھلوان اور مٹی کا تعلق پانی کے بہاؤ سے آبپاشی

معلوم ہو سکتا ہے۔

پانی کے بہاؤ کا سوال صرف پانی کے زیر زمین اور سطح پر متحرک ہونے کا سوال نہیں ہے بلکہ اچھی ہوا کے میسر ہونے کا دار و مدار اس پر ہے۔ غیر ہموار زمین کے پہاڑیوں کے بالائی حصص پر ہوا بلا روک ٹوک چلتی ہے۔ سرما میں صبح کے وقت بالائی حصص پر وادیوں کے مقابلہ میں کچھ گرمی رہتی ہے نہ صرف سرما میں بلکہ گرما میں وادیوں کی راتیں مرطوب رہتی ہیں بمقابلہ اس کے پہاڑیوں پر راتیں خوش گوار رہتی ہیں۔

آبپاشی آبپاشی کی ضرورت اور آبپاشی کے ذرائع پر روشنی ڈالی جائے۔

آمد و رفت۔ ذرائع غلہ اور دیگر اشیاء کے درآمد و برآمد کے ذرائع کس مقام سے غلہ آتا ہے کس مقام کو غلہ جاتا ہے۔ علاوہ غلہ کے اور کیا سامان درآمد و برآمد کیا جاتا ہے

گاؤں کا بازار کونسی کونسی چیزیں فروخت ہوتی ہیں کس مقام سے لائی جاتی ہے۔

اچھی سڑک اور ریل کی اہمیت بتلائی جائے۔

زراعت ربیع اور خریف آبی اور تابی کی فصل۔ بیج بونے کا وقت اُن حالات کا مشاہدہ جو پودوں کے نشوونما کے لئے ضروری ہیں۔ طیاری و دروے فصل کسان کا وجود اور اُس کی محنت۔ مقامی جنگلی جانور اور پرند اور ان کی وجہ سے فصل کے نقصانات۔ مویشیوں کی اہمیت زراعت میں۔

دیہی صنعت و حرفت گاؤں میں علاوہ زراعت کے لوگ کیا کام کرتے ہیں۔ جلاہا۔ کمہار لوہار۔ نجار کے کام کی طرف بچوں کو متوجہ کیا جائے۔ کپڑا وغیرہ بنانے کے لئے خام پیداوار کہاں سے حاصل کی گئی۔ طیار شدہ اشیاء کو کہاں روانہ کیا جاتا ہے۔ دوسرے گاؤں کا کونسا طیار شدہ سامان استعمال کیا جاتا ہے اس طرح صنعت و حرفت اور اس کی ضرورت کی طرف بچوں کی توجہ منعطف کرائی جائے۔

محمد عبد الغفور

سوئیاں

کیا آپ نے کبھی سوئیاں خریدی ہیں؟
سوئیاں نہایت صاف چکنے سیاہ کاغذ کے
لفافوں میں بند درجنوں کے حساب سے ملتی ہیں
اسی لفافہ کو دیکھئے۔ جو قیمت کہ آپ سوئیوں کی
دے رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ قیمت کا
تو یہ لفافہ معلوم ہوتا ہے!! حیرت ہوتی ہے
کہ یہ چمکیلی صاف سڈول بارہ سوئیاں ایسے
سستے میں کیسے ملتی ہیں؟ ہمارے شہر میں
ایک کاریگر بھی ڈھونڈے سے ایسا نہ ملے گا
جو سال تمام کی محنت میں ایسی ایک سوئی بھی
تیار کر سکے۔ سوئیاں مشین کے ذریعہ ہی بنتی ہیں
اور ہزاروں لاکھوں کے تعداد میں وقت واحد میں
تیار ہوتی ہیں اس لئے اتنی سستی مل بھی سکتی ہیں
سوئیوں کا بنانا کچھ آسان کام نہیں ہے
یوں دیکھا جائے تو شروع سے اخیر تک
ہزار ہا۔ آدمیوں کی محنت کا یہ نتیجہ ہیں
ہم ابتدا سے اس کے تیار ہونے کے حالات

آپ سے بیان کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ وہ دلچسپ ثابت ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ سوئیاں فولاد سے بنائی جاتی ہیں۔ فولاد کیا چیز ہے؟ لوہے کی ایک قسم۔ چنانچہ ایشیا میں سے ہندوستان۔ انڈوچینا۔ جزائر فلپائن۔ مشرقی چین۔ کوریا۔ جاپان سائبیریا اور ترکی ہیں اقلیم یورپ کے ہر حصہ میں افریقہ کے شمالی ساحل یعنے مراکش اور الجیریا۔ جزیرہ مڈغاسکر اور جنوبی افریقہ میں۔ شمالی امریکہ میں سے ممالک متحدہ امریکہ کے مشرقی اور وسطی علاقوں میں اور جنوبی امریکہ کے صوبجات کولمبیا۔ پیرو۔ چلی اور برازیل میں لوہے کی شکل میں بکثرت موجود ہے۔ اس لئے ہماری کہانی کی ابتدا لوہے سے ہوتی ہے۔ لوہا قدرتاً دھات کی شکل میں دوسرے معدنیات وغیرہ کے ساتھ ملا ہوا دنیا کے مختلف حصوں میں پایا جاتا ہے مگر جب تک ان کثافتوں کو دور نہ کر لیا جائے لوہے سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا اس غرض سے ان کثافت کو بڑی بڑی بھٹیوں میں گلایا جاتا ہے اور اس کام کے لئے دنیا کے بعض حصوں میں گرنیاں قائم کی گئی ہیں ہر ایک گرنی میں تین تین چار چار بڑی بڑی بھٹیاں ہوتی ہیں جن کے اونچے اونچے نلوں میں سے دن کے وقت دھواں رات کے وقت شعلے نکلتے نظر آتے ہیں ان نلوں کے منہ تک پہنچنے کے لئے راستے کیا بلکہ چھوٹی چھوٹی ریلوں کے پل بنتے ہوئے ہوتے ہیں۔ جن گاڑیوں میں لوہے کی کچی دھات گار کے پتھر اور بجھے ہوئے پتھر کا کوئلہ لا کر ان بھٹیوں میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ پتھر کا کوئلہ جلانے کے لئے اور چونے کا کنکر یا گار کا پتھر اس لئے ملایا جاتا ہے کہ وہ کھولتے ہوئے لوہے میں سے مٹی یا اس قسم کی دوسری آلائشیں اپنے میں جذب کرلے یہ بیرونی مادے لوہے سے جدا ہو کر اس کی ابلتی ہوئی سطح پر تیرتے رہتے ہیں اور پگلا ہوا لوہا آگ سے ہزاروں درجہ زیادہ گرم چاندی سے زیادہ سفید چمکتا دمکتا بھٹی کے پیندے میں اتر آتا ہے۔ جو فضلہ کہ سطح پر رہ جاتا ہے اس کو سلاگ کہتے ہیں۔ اس کے نکال لینے کے لئے بھٹی کے اوپر کے حصے میں سلاگ کی سطح کے قریب متعدد کھڑکیاں بنائی جاتی ہیں جنہیں کھول دیا جاتا ہے کہ فضلہ بہہ جائے۔

ان سے بہت نیچے اور بھٹی کے پیندے کے پاس جو کھڑکیاں بنی ہوتی ہیں ان سے پگلا ہوا لوہا نکال لیا جاتا ہے۔ اس کے نکالنے کا یہ منظر دیکھنے کے قابل ضرور ہوتا ہے دہکتی چمکتی شعلے مارتی آگ کی چادریں بھٹی کے سوراخوں سے گر کے ریت کے حوضوں میں پہنچتی جاتی ہیں۔ جہاں اسے ٹھنڈا ہونے چھوڑ دیا جاتا ہے ان حوضوں کی سطح صاف نہیں ہوتی بلکہ اس میں نالیاں کٹی ہوتی ہیں۔ انھیں نالیوں میں لوہا اکر ٹھنڈا ہوتا ہے دراصل یہ لوہا ڈھالنے کے سانچے ہیں اور جس وضع میں منظور ہو بنائے گئے ہیں اور عموماً لوہے ایسی وضع قطع پہ ڈھالتے ہیں کہ جس پر کام کرنے میں آسانی ہو۔ اس طرح تیار کئے ہوئے لوہے کو (پگ آئرن) کہتے ہیں۔

لوہے کی تیاری میں پتھر کے کوئلے کی، کچے دھات کی، اور کنکر کی جو ضرورت ہوتی ہے یہ سب ایک دوسرے سے قریب قریب انگلستان میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے دنیا میں سب سے پہلے اس صنعت کو یہیں فروغ ہوا۔ دریائے ٹیس کے دہانے قریب شہر (مڈلس برو) کے نواح میں اور ضلع یارک شائر کے شمال مشرقی علاقوں میں یہ معدنیات بڑی فراوانی سے پائے گئے اور یہیں ایسی بڑی بڑی کمپنیاں قائم ہوئیں جن کے قبضہ میں متعدد لوہے اور کوئلے کی کان اور گنگر کی پہاڑیاں ہیں۔ گویا فولاد سازی میں جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ان کے ہاں موجود ہیں۔ انگلستان کے علاوہ جرمنی کے علاقہ (السس لورین) اور امریکہ کے علاقہ (گریٹ لیکس) میں لوہا کوئلہ اور گار کے پتھر بہت قریب قریب پائے جاتے ہیں سب ہی تو یہاں فولاد سازی کی بڑی بڑی کمپنیاں قائم ہیں چنانچہ جرمنی کی کرپ کمپنی اور امریکہ کی کمپنی اس انتظام سے کام کرتی ہیں کہ ان کی ذاتی ریل اور جہاز چلتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ممالک متوسط میں یہ سہولت حاصل ہے اور یہاں بھی ایک لوہا سازی کا کارخانہ ٹاٹا کمپنی نے قائم کیا ہے۔ مگر وہ یورپ اور امریکہ کے کارخانوں کے مقابل میں بچوں کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ

یہاں کام کرنے کے لئے یورپ کے بہ نسبت بہت زیادہ سہولتیں حاصل ہیں۔ لوہے کو فولاد بنانا جب منظور ہوتا ہے تو پگلا ہوا لوہا۔ حوضوں میں نہیں بہایا جاتا بلکہ بڑی بڑی کڑاہیوں میں دوری بھٹیوں کی طرف لایا جاتا ہے۔ جہاں اس میں چند چیزوں کی آمیزش کر کے حسب ضرورت سانچوں میں ڈھال لیتے ہیں۔

سوئیاں بنانے کے لئے فولاد کو پہلے سلاخوں کی شکل میں ڈھال لیتے ہیں ایک مشین کے ذریعہ ان سلاخوں کا تار کھینچا جاتا ہے اور اس تار کے لچھے بنا کر سوزن سازی کے کارخانوں کو روانہ کر دیتے ہیں اس تار سے سوئیاں بنانے کے کئی طریقے ہیں مگر سب سے زیادہ رائج حسب ذیل طریقہ ہے۔ ایک مشین کے ذریعہ سے اس تار کے ٹکڑے کاٹے جاتے ہیں اور ہر ٹکڑا دو سوئیوں کے ناپ کے برابر ہوتا ہے اور ایسے بہت سارے ٹکڑوں کو فولاد کی تختیوں میں جما کر ہتوڑے سے مار مار کر انہیں سیدھا کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد دوسرے مشین کے ذریعہ سے ہر ٹکڑے کے دونوں سروں کو باریک اور تیز بناتے ہیں ایک زمانے میں یہ کام ہاتھ سے لیا جاتا تھا جس کے سبب سے بڑی دیر میں ایک ایک سوئی تیار ہوتی تھی مگر آج کل یہ سب کام مشین کے ذریعہ ہوتا ہے اور ایک دن میں اتنا کام کیا جاتا ہے جو اگلے زمانے میں ایک ایک مہینے میں بھی پورا نہ ہو سکتا تھا۔ سوئیوں کو اس طرح تیار کر لینے کے بعد اُن میں ناکہ بنانا اور انہیں پالش کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ اِس کے لئے سب سے پہلے ان سوئیوں کے ٹکڑوں کو ایک ایسی مشین میں ڈال دیا جاتا ہے کہ جس میں ناکہ کے مقام دونوں جانب سے سڈھول بنائے جاتے ہیں۔ اگر آپ کسی سوئی کو غور سے دیکھئے تو پائیگا کہ ان خانوں کے بیچوں بیچ میں اس نفاست سے ناکہ بنایا گیا ہے کہ ذرہ برابر بھی اِدھر اُدھر سرکا ہوا نہیں ہے اس طرح خانے بنا لینے کے بعد یہ سوئیاں اب ایک دوسرے کارخانے کو بھیجدی جاتی ہیں جہاں اِن خانوں میں ناکہ بنائے جاتے ہیں اور سوئیوں کو کاٹ کر ان کے سروں کو گول اور انہیں صاف کیا جاتا ہے۔ اکثر کارخانوں میں سوئیاں بنانے کا یہی طریقہ ہے۔ مگر بعض

کارخانوں میں ایسے بڑے بڑے عظیم الشان مشینوں سے کام لیا
کٹے ہوئے ٹکڑے ایک طرف سے ڈال دیے گئے اور دوسری طرف سے بنی بنائی
پالش کی ہوئی سوئیاں نکال لی گئیں۔ مگر ایسے بڑے بڑے کارخانے شاذ و نادر ہی ہیں۔
ناکہ بنانے کے بعد سوئیوں کو پالش کرنے کا کام باقی رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ابھی وہ
ایسی سخت و مضبوط بھی نہیں ہوتیں کہ سینے کے کام میں لائی جاسکیں اس غرض سے
سوئیوں کو گرم کرتے جاتے ہیں اور تیل میں غوطے دیتے جاتے ہیں۔ یوں تپا لینے کے بعد
انہیں ایک ایسی مشین میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جس میں صابون تیل اور باریک ریت
بھری ہوئی ہوتی ہے اس مشین میں انہیں پالش کی جاتی ہے۔ اس طرح کی تیار شدہ سوئی ہے
جس کا اس کثرت سے اس ملک استعمال ہے۔ بہترین سوئیاں انگلستان۔ جرمنی و امریکہ کی
سمجھی جاتی ہیں۔ متمدن اقوام کا کیا ذکر جاہل اور وحشی قوموں نے تک ہڈی کی سوئیوں کا
استعمال ترک کر دیا ہے اور اب دنیا کے گوشے گوشے میں فولادی سوئیاں استعمال
کی جاتی ہیں۔

سید محمد عسکری جعفری

صنعتی مدارس کے جاری کرنے پر چند اشارات

مدراس پریسیڈنسی میں کئی سال سے صنعتی مدارس قائم ہیں۔ یہ مدارس مختلف اوقات میں مختلف مقاصد سے قائم کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے صنعتی مدارس عیسائی مشن کے جاری کردہ مدرسے تھے جو نادار اطفال کے لئے ذرائع معاش فراہم کرنے کی غرض سے قائم ہوئے تھے۔ بعض مدارس ایسے اطفال کو صنعتی تعلیم دینے کی غرض سے قائم ہوئے تھے جو بصورت دیگر اپنے فطرتی میلان کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے ایک یا دو اس مقصد سے کھولے گئے تھے کہ پست طبقوں کی مالی اور اجتماعی حالت کو محنت کے زراعتی کاموں سے بے نیاز کر دینے والے ذرائع معاش مہیا کر کے بلند کیا جائے۔ اور بعض مدارس اس غرض سے جاری ہوئے تھے کہ دستکاروں کے طبقے کی قابلیت اور لیاقت کے معیار کو بلند کر کے مقامی صنعت کو ترقی دی جائے۔ زیادہ تر مدارس صرف افراد کی مالی حالت کو جو اس جانب رغبت رکھتے ہوں بلند کرنے کے لئے نہ کہ پوری پریسیڈنسی کی صنعتی پیداوار کو بڑھانے کے لئے جاری ہوئے تھے

دو قسم کے صنعتی مدارس غالباً کامیاب ہو کر اپنے وجود کو جائز ثابت کر سکتے ہیں۔ ایک وہ مدارس جو صنعتی میلان رکھنے والوں کو ان کے فطری میلان کی تکمیل کا موقع دینے کے لئے جاری ہوئے ہوں دوسرے وہ مدارس جو کاریگروں کی عقل لیاقت اور قابلیت کو کسی ایک

خاص فن میں ایک مخصوص مقام ہے، اندر ترقی دینے کے لئے جاری ہوئے ہوں پہلی قسم کے مدارس کی نسبت یہ بات مسلسل ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ مدرسہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا اگر اس کو احمقوں کی بازیگاہ تصور کرلیا جائے۔ قلم کو لکھنے کے لئے متحرک کرنا آسان ہے۔ لیکن مختلف فنون کے آلات اور ہتیاروں کی نگرانی کرنا اس سے مشکل ہے! وراس کے لئے زیادہ ہوشیاری کی ضرورت ہے جو شخص کافی طور پر ہوشیار نہیں ہوتا۔ اگر اس کو گاؤں کے مدرسہ کا مدرس یا منشی بن جانے کا ایک عمدہ موقع بھی دیا جائے تو ایک کاریگر کی حیثیت سے اس کے کامیاب ہونے کی امید نہیں ہے۔ اگر کوئی صنعتی مدرسہ مجلس صفائی لوکل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ یا کسی عام یا خاص تنظیم کی جانب سے بدیں غرض قائم ہو۔ کہ ایسے اطفال کو صنعتی تعلیم دی جائے۔ جن کے صنعت و حرفت میں عمدہ کام کرنے کا امکان ہو تو ایسے مدرسہ کی کامیابی کے لئے لازمی ہے کہ اس میں موزوں امیدوار (رکروٹ) موجود ہوں۔ کسی لڑکے کو موزوں ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس خاص پیشہ سے لگاؤ رکھتا ہو۔ جس کی اس کو تعلیم دینی مقصود ہے۔ اکثر صنعت و حرفت کے لئے ایسے امیدوار اس بنا پر انتخاب کئے جاتے ہیں کہ وہ طالب علم یا منشی کی خدمت کو عمدگی سے پورا نہیں کرسکتے لہٰذا تاوقتیکہ کہ موزوں امیدواروں کی بھرتی نہ ہوجائے مجلس انتظام کو خاموش رہ کر اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ آیا وہ خود لائق طلباء کو اور ملک یا شہر دونوں کو اپنا وقت اور مال دوسرے کاموں میں صرف کرکے زیادہ فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ یا نہیں۔

اکثر اضلاع میں بعض نجاروں اور سناروں کے بیٹے مدرسے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اور جب تک کوئی مدرسہ وسیع رقبہ فراہم نہ کرے بیرونی طلباء کا انتظام کرنے میں اس کو دقت کا سامنا ہوگا۔ طلبا کو ایسی جائدادوں کے لئے تیار کرنا جن کا وجود ہی نہیں ہے محض رقم اور محنت کا ضائع کرنا ہے۔ اور زیادہ تر طلباء کو ضلع چھوڑ کر کام کی تلاش کرنے پر مجبور کرنا بہ شکل مقامی محصول ادا کنندہ کے لئے قابل جواز ہوسکتا ہے نیز

یہ امر اس نقطہ نظر سے بھی قابل اعتراض ہے کہ اس کی وجہ سے عمدہ فطری زراعت پیشہ لوگوں کو خاص مقامی صنعت یعنے زراعت کے تنزل کے علاوہ بے سود پیشوں کی ترغیب ہوتی ہے۔

اگر مدرسہ کافی بڑا رقبہ زمین فراہم کر سکے تاکہ حقیقی عمدہ طلباء کے داخلہ تک کو محدود کر سکے اور اپنے بیرونی طلباء کو عمدہ جائدادیں دلا سکے تو بھی وہ اپنے کو جائز نہیں ثابت کر سکے گا اگر وہ اس رقبہ زمین میں جہاں وہ واقع ہے۔ کاریگری کے معیار کو بلند کرنے اور ترقی دینے کے لئے ٹرینگ (تربیت) مہیا نہ کر سکے۔ تقریباً ہر فن میں۔ اس کے امیدواروں کو کاریگری ایک عام معیار تک تربیت دی جا سکتی ہے۔ اور اگر کوئی مدرسہ فنون مذکورہ میں ان کاریگروں کو لگا سکے۔ جو مدرسہ کی عدم موجودگی کی صورت میں ملازمت کے دیگر وسائل اختیار کرنے پر مجبور ہوتے تو اس کو اپنے اخراجات حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ایسی ٹرینگ (تربیت) مہیا کرے جو اس متعلقہ فن میں لیاقت کے معیار کو ترقی دے۔

ایسے صنعتی مدارس جو اپنے طلباء کو صنعتی کاموں میں مشغول رہنے والوں سے منتخب کرتے ہیں۔ یا اُن لوگوں میں سے جو صنعتی میلان رکھتے ہوں ان مدارس سے زیادہ عمدہ اور بہتر حالت میں ہوتے ہیں۔ جو زراعتی طبقوں سے طلباء کی بھرتی کرتے ہیں۔

ایسے مدارس بلاشبہ صنعتی تعلیم دینے کے صحیح طریقہ پر مبنی ہوتے ہیں۔ جو کسی صنعتی رقبہ کے اطفال کو ابتدائی صنعتی تعلیم مہیا کرنے کی غرض سے قائم ہوئے ہوں۔ یا طالب علم کے کام شروع کرنے کے بعد اس کے کام سے متعلق مضامین میں جماعتیں قائم رکھتے ہوں اگر ہم اختیاری یا اصلی مزدور کی عقل لیاقت اور قابلیت کو اس کے فائدہ کے لئے جماعتیں کھول کر ترقی دے سکیں۔ اور اسی طرح قرب وجوار میں لیاقت کے معیار کو بلند کر سکیں تو گویا ہم اس خاص صنعت یا پیشہ کو بطور خود قیام پذیر ہو جانے اور اپنے مقامی اور پردیسی ہمسایوں کا مقابلہ کرنے میں مدد دیں گے۔

میرے خیال میں اس قسم کی جماعتیں قائم کرنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کی جانی چاہئے اور ان میں ہمیشہ لازمی طور پر وقیق نصاب نہیں ہونا چاہئے۔ اگر یہ جماعتیں مزدور کو ایک بہتر کاریگر بنا سکیں۔ تو ضرور جاری رکھے جانے کے قابل ہیں۔ اگرچہ ان کا مقصد ابتدائی تعلیم دینے سے زیادہ کا نہ ہو۔ جب تک ہم اس امر پر اصرار کریں کہ ہندوستان کے ہر بچہ کو بارہ سال کی عمر تک عام تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ ملک کے کاریگروں کے لئے عام تعلیمی مضامین میں اس قسم کی جماعتوں کے قیام کی ضرورت باقی رہے گی۔ لیکن جہاں کہیں ممکن ہو ایسی عام تعلیم جو سوجھی۔ صباحی یا شبینہ جماعتوں میں دی جائے۔ ایسی حالت میں جب کہ پیشہ متعلقہ کا کام رکا ہوا ہو۔ اس تعلیم کی جانب رہبری یا اس میں اضافہ کرے۔ گو وہ کیسی ہی ابتدائی ہو۔ اس پیشہ کے اصول اور دستور کے متعلق ہو۔ جس کے ذریعہ سے افراد اپنی روزی کماتے ہوں۔ اس پریسیڈنسی میں اس قسم کی جماعتوں کی بے حد ضرورت ہے ہمارے پاس پورے وقت کام کرنے والے صنعتی مدارس کی زیادہ تعداد ہے ہمارے ہاں نصف وقت کام کرنے والے مدارس بھی ہیں۔ لیکن وہ بھی اس لحاظ سے کہ بعینہٖ نصف وقت ادبی تعلیم میں صرف ہوتا ہے۔ نہ اس لحاظ سے کہ روزی کمانے میں صرف ہوتا ہے پرلاکمڈی کے راجہ کے جاری کردہ مدرسہ پارچہ بافی میں بعض لڑکے صرف نصف وقت کے لئے مدرسہ کو ترقی یافتہ طریقے سیکھنے کی غرض سے آتے ہیں اور اپنے گھروں میں بقیہ نصف وقت روزی کمانے میں صرف کرتے ہیں اس قسم کی نصف وقت کی تعلیم کے لئے بڑی گنجائش ہے خصوصاً بعض گھریلو صنعتوں مثلاً پارچہ بافی وغیرہ ...... کی مشق اور اصول کی تعلیم کے لئے لیکن ایسے مدارس کے قائم کرنے کے لئے یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ بہت زیادہ ابتدائی صنعتی تعلیم کے لئے بھی عام تعلیم کی ایک بنیاد لابدی ہے۔ اور ایسے لڑکوں کو جو نہ لکھ پڑھ سکتے ہوں نہ معمولی حسابات کر سکتے ہیں۔ پارچہ بافی میں وضع [illegible] ابتدائی اصول سکھلانے کی کوشش کرنی بے سود ہے۔ اس لئے ایسے مدارس کھولنے سے

بیشتر جو ابتدائی صنعتی تعلیم ہی مہیا کر سکیں۔ یہ اکثر ضروری ہے کہ تھوڑی سی عام تعلیم کی بنیاد قائم کی جائے۔ یا طالب علم جو پہلے ہی عام تعلیم پا چکا ہے۔ اس میں خالص ادبی قسم کی تعلیم کا اضافہ کیا جائے جس کے ساتھ ساتھ صنعتی بائی تعلیم کا بھی انتظام ہو۔

معقول تعلیم یافتہ نوجوان مزدوروں کے لئے کام کے اوقات میں ملنے والی جماعتوں یا جماعتہائے شبینہ میں صنعتی تعلیم کا انتظام کرنا مقابلتہً آسان کام ہے اور مدراس ٹریڈس اسکولس اور پرامبور (Perambur) میں اس کی شاخیں اس امر کی عمدہ مثالیں ہیں کہ ایک صنعتی رتبہ میں جونیر اہتمامی عملہ کی قابلیت اور ہنرمندی کو ترقی دینے کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔ بدقسمتی سے مدراس ٹریڈس اسکولس اور پرامبور میں۔ معمولی مزدور کے لئے بہت ہی کم سہولت فراہم ہوتی ہے۔ غیر انگریزی داں طلباء کے لئے جماعتیں قائم کی گئی ہیں لیکن ان لوگوں کی عام تعلیمی پستی کی وجہ سے تعلیم کو نقشہ کشی اور دیگر ابتدائی اصول تک محدود کرنا پڑا ہے مدارس میں ابتدائی ٹریڈس اسکول کے قائم کرنے کے لئے ایک اسکیم زیر غور ہے۔ لیکن یہ اسکیم بھی اصل مسئلہ کے بیرونی حدود ہی سے متعلق ہے چونکہ مزدوروں کی زیادہ تعداد اپنی صنعتی زندگی کو بہت ہی تھوڑی یا بغیر کسی عام تعلیم کے شروع کر دیتی ہے اس لئے جب تک عوام کے عام تعلیمی معیار کو قابل لحاظ طور پر بلند نہیں کیا جائے اور اس ملک میں بارہ سال کی عمر تک کی مفت لازمی تعلیم کو کئی سال تک بھی جاری رکھا جائے تو بھی مزدوروں کے لئے مناسب اوقات کی جماعتیں جو عام اور ابتدائی صنعتی تعلیم کا انتظام کرتے ہوں صنعتی ترقی کی ایک حقیقی ضرورت کو پوری کریں گے۔ ان جماعتوں کی کامیابی زیادہ تر مقرر کردہ استاد کی حالت پر منحصر ہوگی۔ ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو جوش عمدہ شخصیت اور تخیل کی خوبیوں سے آراستہ ہو اور ایسا آدمی کسی معقول معاوضہ پر بھی مل سکتا ہے۔ عام مضامین تو وہی ابتدائی تعلیم کے بنیادی عناصر سے متعلق ہوں گے لیکن پڑھنا جس قدر جلد ممکن ہو۔ مقامی اخبارات کے ہونا چاہیئے۔ لکھنا بھی جس قدر جلد ممکن ہو خط نویسی کی شکل اختیار کرے۔ اور حساب بھی روزانہ

عملی سوالات پر مبنی ہونا چاہیئے۔ جوں ہی طالب علم کو معمولی حساب کرنے کے قابل بنانے کے لیے
عام تعلیم کافی طور پر دی گئی ہو۔ ضلع کے پیشہ میں یا اس خاص پیشہ میں جس میں طالب خاص دلچسپی
رکھتا ہو۔ ابتدائی صنعتی تعلیم کا اضافہ ہونا چاہیئے۔ ایسی تعلیم مفید ہونے کی غرض سے طول طویل
نہیں ہونی چاہیے۔ اکثر حالات میں ہر ایک سبق حتی الامکان بذاتہ مکمل ہونا زیادہ آسانی کا
موجب ہے اور ہوشیار اور جوشیلا مدرس ایسے اسباق کے لئے مواد فراہم کرنے میں کوئی
وقت نہیں پائے گا۔ اکثر بڑے بڑے مطابع اب شبینہ جماعتوں اور تعلیم بالغان کے لئے
کتب کی فہرستیں شائع کر رہے ہیں۔ اور اس قسم کی کتابوں کے ایک کم خرچ کتب خانے سے
ایک مدرس جو خود بھی دلچسپی لیتا ہو۔ آسانی کے ساتھ مواد تیار کر سکتا ہے جس سے وہ اپنے
اسباق کو تیار کر سکے۔ سبق کی اسی تیاری میں مدرس کے ناکام ہونے کا زیادہ احتمال ہے
اس لئے کہ جماعت میں صرف شدہ وقت بہت کم نتیجہ برآمد کر سکتا ہے۔ اگر مدرس نے پہلے ہی
اپنا سبق کامل طور پر تیار نہیں کر لیا ہے۔

امدادی شبینہ مدارس جو اس میں بعض کارخانوں سے ملحق رہتے ہیں اس امر کی
عمدہ مثال ہیں کہ ہر معمولی نوجوان مزدور کی واقفیت اور عمدہ استعداد کو کس طریقہ سے
اس کے روزانہ کام کے متعلق صنعتی تعلیم اور اس کے ساتھ ابتدائی تعلیم کے بنیادی عناصر کی
کافی تعلیم دے کر بڑھایا جا سکتا ہے جس سے وہ صنعتی تعلیم کو حاصل کرنے اور اس کی قدر
کرنے کے قابل ہو جائے۔

مزدوروں کی ان جماعتوں کے زیادہ ابتدائی امور کے متعلق کوئی تفصیلی نصاب
مقرر کرنا مشکل ہی ممکن ہے تعلیم زیادہ تر مدرس اور عام مقامی حالات پر مبنی ہوتی ہے
جب تک کہ مدرس نتائج برآمد کرتا ہے اور مقامی مزدوروں کی واقفیت اور عقلمندی کی
سطح کو بلند کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے روزانہ کام کاج اور
اس کے متعلقہ امور کے متعلق ایک عمدہ دلچسپی پیدا کرتا ہے۔ ایک ایسا نصاب مقرر کر کے

اس کی جدوجہد کو محدود کر دینا غیر دانشمندانہ ہے جس کی کسی طرح بھی وہ اتباع نہیں کر سکتا۔
جب ہم کم تعلیم یافتہ قسم کے [illegible] سے علیحدہ ہوتے ہیں اور اپنی توجہ طلبا کے لئے زیادہ منضبط
صنعتی تعلیم کی جانب منعطف کر [illegible] ہیں کے ساتھ ساتھ کافی عام تعلیم بھی ہو۔ جو ان کو اس
قسم کی تعلیم سے مستفید ہونے کے قابل بنا [illegible] ے تو یہ ضروری ہو جاتا کہ اگر ہم معلومات کی
تلاش میں ایک طرفہ [illegible] راہوں کے متعلق [illegible] ات کرنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیں۔ جو شاید
مدرس کے لئے دلچسپ یا [illegible] ایک فرد کے لئے مفید ہو لیکن جماعت کے لئے بحیثیت مجموعی
کوئی خاص قیمت نہ رکھتے ہوں۔ تو ایک ایسے نصاب کے موافق عمل کیا جائے۔ جو پہلے سے
ترتیب دیا جا چکا ہو ایسے نصابوں کی ترتیب میں یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ایک مرتبہ جاری
کر دینے کے بعد نصاب کو کافی مدت تک جاری رکھنا چاہئے۔ اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے
ہر قسم کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور اسی لئے ایسے نصاب کی ترتیب میں یہ ضروری ہے۔ کہ اخلاقی
اور دوسرے قسم کے مواد بھی پیش نظر رکھا جائے جس سے مدرس کو کام پڑے گا۔

ایسا نصاب تعلیم مقرر کرنا محض وقت اور محنت کو ضائع کرنا ہے جس کے لئے ایک
ایسے عام تعلیم کے بنیادی [illegible] تک کافی طور پر مہارت کی ضرورت ہو۔ جو اکثر طلبا کی عام تعلیمی
معیار سے بلند تر ہو۔ اسی طرح کسی درجہ کا ایسا نصاب مقرر کرنا بھی برا ہے۔ جو مقررہ عملہ کی قابلیت
بالاتر ہو۔ جس کو اس درجہ سے تعلق ہو یا ایسا نصاب مقرر کرنا جس کے مطابق مناسب عمل کرنے کے لئے
ایسے آلات کی ضرورت [illegible] مقام میں نہ مل سکیں۔ ایسی تحریرات بہت ہی عمدہ ہیں لیکن
ان کے مطابق عمل [illegible] اگر کوشش کی جائے تو وقت اور محنت دونوں ضائع ہوتے ہیں معلم اور
تعلیم پانے والے دونوں برے نتائج سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اور طلبا کی کمی کی وجہ سے
جماعت بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اگر جیسا اکثر واقع ہوتا ہے۔ نصاب میں ترمیم کی جائے
اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کم یا بالکل نہ کوشش کی جائے تو ممکن ہے کہ عمدہ نتائج حاصل
ہوں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ایسا نصاب مرتب بھی نہ کیا جائے۔ بلکہ نصاب مرتب کیا جائے

جس میں طلبا اور اساتذہ کی استعداد اور اہلیتوں پر کافی غور کر لیا گیا ہو اور یہ بھی لکھ لیا گیا ہو کہ کتنے آلات اور وقت اور جگہ کی ضرورت ہوگی۔ اس سے بہتر نتیجہ حاصل ہونے کی توقع ہو سکتی ہے

قاعدہ اردو موسومہ "بچوں کا قاعدہ" مرتبہ مولوی سجاد مرزا صاحب ایم اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ اوائل سال تعلیمی ۱۳۳۶ف سے تمام مدارس ملک سرکار عالی کی ابتدائی جماعتوں کے لئے شریک نصاب کیا گیا۔

یہ قاعدہ حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد دکن سے بقیمت چار آنہ سکہ عثمانیہ حاصل ہو سکتا ہے

سنا گیا کہ اوائل سال تعلیمی ۱۳۳۵ف سے مدارس ابتدائیہ و ثانویہ کے نصاب میں تبدیلی ہونے والی ہے۔ اساتذہ صاحبان طالب علموں کو اس سے مطلع فرمادیں تو مناسب ہوگا۔

موجودہ زمانہ میں نوجوان نسل کی بے راہ روی اور بے ... خطرناک ہو چلی ہے اور ایسے وقت میں والدین کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور اپنی اولاد کو ابتدا ہی سے فرماں بردار بنانے کی کوشش کریں خصوصاً اس وقت جب کہ بچوں کی فطرت میں قبولیت کی صلاحیت ہوتی ہے۔

ماں باپ اپنے چھوٹے بچوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ان کو گود میں اٹھاتے

کھلاتے اور پیار کرتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی نگہداشت او ہر ضرورت کو پورا کرتے ہیں ان فطری
انس و لگاؤ کا [illegible] گہرا اثر ہوتا ہے ک [illegible] ماں باپ [illegible] کبھی مسکراتا کبھی خوش ہو کر ہنستا ہے
ادھر اس کو ان کی آواز سنائی دی ادھ [illegible] ادھر انہوں نے اشارہ کیا ادھر اس نے
فوراً تعمیل کی یہی زمانہ ہر عادت اور خصوصاً فرماں برداری کے تخم ریزی کا ہوتا ہے بچوں کے
اس [illegible] پوری تعمیل کے فطری رجحان اور صلاحیت سے استفادہ کرنے اور اس کو مستحکم بنانے کا یہی وقت ہے
اس موقع پر اس کا بھی [illegible] رکھنا چاہئے کہ حکم جس کی تعمیل مقصود ہو نہایت نرمی اور
محبت آمیز الفا[ظ] میں دیا جائے اور پھر احکام ایسے اور کیسے ہونے چاہئیں کہ بچہ آسانی سے
ان کی تعمیل کر سکے۔ اس کی بھی احتیاط کرنی چاہئے کہ بچہ کو عذر کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور ہر حکم کی
نہایت خوشی سے نہ کسی عذر کے تعمیل کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ دو سال تک بچے میں استدلال
یا عذر خواہی کی قابلیت ہی نہ[یں] ہوتی۔ جس طرح والدین بچے کی نگہداشت میں احتیاط برتتے
اور کھلی ہوا میں گرم لباس کے بغیر دروازہ کے باہر قدم نہیں رکھنے دیتے اسی طرح عقلمندی کا
یہی اقتضا ہے کہ ہر حکم اور ہر اجازت کے دیتے ہوئے احتیاط سے کام لیں۔ غرض یہ کہ
ابتدا ہی میں جب کہ بچہ نیک [و ب]د میں تمیز کرنے کے قابل نہیں رہتا بلا عذر و حیلہ فرمان برداری کی
اگر عادت ڈالی جائے تو یہی عادت آگے چل کر مدرسہ کے قوانین فرقہ واری۔ ملکی اور قومی
قوانین کی پابندی کی بنیاد ثابت ہوگی۔

جب بچہ ا[illegible] [ب]ڑا ہو جائے اور اس میں شعور اور سمجھ پیدا ہو جائے تو احکام کی
وجہ سمجھائی جائے اور [اس] کے تعمیل کے فوائد اور نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ اس سے ان کے
یہ ذہن نشین ہو جائے گا کہ والدین ان کی بہبودی اور بھلائی کا کس قدر خیال رکھتے ہیں۔ جب
بچہ اپنے آپ پر بھروسہ کرنے لگے تو والدین کو چاہئے کہ اس کو اپنی رائے پر فیصلہ کرنے کا
موقع دیں اور افعال و اعمال میں آزادی دیتے جائیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور بچہ کے
سن تمیز کو پہنچنے تک ماں باپ اپنی نگرانی کو بچے کی ذات میں منتقل نہ کریں تو گھر نفاق و مشکلات کا

آ آج گ ہ ہوگا وجہ ظاہر ہے جب وہ یہ محسوس کرنے لگے گا کہ اپنے طور پر غور و فکر کر سکتا ہے اس میں ہر کام کو کرنے کی جسمانی قابلیت موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ کسی حکم کی تعمیل پر مجبور ہو جائے اگر اس پر بھی اس کی مرضی کے خلاف جبر کیا جائے گا تو اس کے نتائج خراب ہوں گے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ خود سر ہو جائے۔ ہر محل اور موقع پر ماں باپ سے بغاوت مدرسہ کے احکام کی خلاف ورزی اور ملک کے قوانین کو توڑنے لگے۔

شاید یہ کہا جائے کہ بچہ میں فرماں برداری کا جذبہ پیدا کر دیا جائے تو کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا لیکن پھر بھی وہ اس کے مضر اثرات سے بچ نہیں سکتا۔ فرض کیجئے بچہ فطرتاً فرماں بردار واقع ہوا ہے اگر اس کی اس فطری صلاحیت سے غلط فائدہ اٹھا کر حکم کی تعمیل پر اصرار کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی قوت ارادی دن بدن کمزور ہوتی جائے گی وہ عملی زندگی میں داخل ہونے کے باوجود اپنے معاملات اور فیصلہ میں دوسروں کا محتاج رہے گا۔ اس لئے اس کا بہترین علاج وہی ہے جو ہم نے بتلایا یعنے چھوٹے پن ہی سے فرماں برداری کی تخم ریزی کی جائے اور جب وہ بڑا ہو جائے اس میں شعور و سمجھ پیدا ہو جائے تو اس کو اپنے افعال و اعمال اور فیصلہ میں آزادی دیدی جائے اور والدین اپنی نگرانی سے سبکدوش ہو جائیں۔

والدین کی نگرانی سے علیحدگی، اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی تربیت اور اعمال کی آزادی، یہ ساری چیزیں تدریجی ہونی چاہئیں۔ اور جیسے جیسے فکر و استدلال کی قابلیت پیدا ہوتی جائے اسی مناسبت سے اس کو اپنے آپ پر نگرانی اور قابو حاصل کرنے کے زیادہ اور وسیع مواقع دئے جائیں لیکن جس قدر جلد والدین اپنی نگرانی سے بچہ کو سبکدوش کر کے اپنا آپ نگران کر دیں گے اسی قدر اس کے لئے مفید ہوگا۔

نگرانی اٹھا لینا یا اس کو اپنے اعمال میں آزادی دیدینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ بچہ اپنے فیصلہ کی آزادی اور ذمہ داری کو محسوس کرنے لگے۔ نگرانی سے

ہاتھ اٹھا لینے کے بعد بھی اس کو یہ یقین دلانا چاہئے کہ اگر اس سے کہیں لغزش ہو یا وہ کوئی غلطی کرے تو اس کی مدد اور رہنمائی کے لئے وہ ہر طرح موجود ہیں۔ غیر معلوم طریقہ پر نہایت ہوشیاری سے اس کی مدد، رہنمائی اور کفالت بھی کرتے رہیں لیکن ایک حد پر پہنچ کر اس سے بھی سبکدوش ہو جانا چاہئے آخر میں چلکر یہی بچہ مدرسہ اور کالج کا ایک ذمہ دار ضابط اور فرمانبردار طالب علم اور ایک اچھا شہری ثابت ہوگا۔

بمقام کلاپمن چند قابل رحم اندھے لڑکوں کا ایک تعجب خیز کرکٹ میچ ہوا کھلاڑی گیند کو بیٹ سے مار چکنے کے بعد اس بات کے تصفیہ کے لئے کہ رن (دوڑ) بنانا چاہئے یا نہیں۔ گیند کے میدان پار ہونے کی آواز کا انتظار کرتا تھا۔ یہ مقابلہ "نارووڈ نابینا کالج" اور "ایسٹ لنڈن نابینا اسکول" کے مابین ہوا۔ اول الذکر کالج کی ٹیم میں آٹھ کھلاڑی بالکل اندھے اور تین اچھے خاصے بینا تھے۔ ثانی الذکر کے کھلاڑی جزئی طور پر نابینا تھے۔ گیند مضبوط بید کی بنی ہوئی تھی اور اس میں گھنگرو باندھے گئے تھے تاکہ کھلاڑی ان کی آواز کی مدد سے کھیل سکیں گیند انداز (Bowlers) نشانہ جماتے وقت بائیں ہاتھ سے "وکٹ" کو چھوتے اور قدم شماری سے حد (Pitch) کا اندازہ لگاتے تھے۔ اس کھیل میں گولے کے پیچھے دوڑنے اور اس کا پتہ لگانے میں میدانوں (Fielders) کا ٹھیک طور پر اندازہ لگا لینا ایک تعجب خیز بات ہے۔ بہادر بینا جماعت کی پریشانی کا صرف ایک موقع ہوتا تھا وہ اس وقت جب کہ گیند نودان کے پیروں میں آکر ٹھیر جاتی تھی۔

چونکہ اساتذہ کی مالی حالت ہمیشہ سقیم رہتی ہے اور اکثر اساتذہ کے متعلقین کو ان کی غیر متوقع موت پر فاقہ کشی کرنی پڑتی ہے اس لئے اساتذہ ناگپور نے "سرمایہ اعانت باہمی برائے صوبہ جات متوسط و برار" کے نام سے ایک سرمایہ قائم کیا ہے۔ اس مد کے جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

استحکام اصول پر ایسا منافعہ حاصل ہو جائے جو ہر رکن کو اس کے علحدگی پر دیا جائے۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے نامزد کردہ شخص یا اشخاص کو [illegible] رقمی امداد کی صورت میں دیا جا سکے ہر رکن کو بوقت شرکت فیس داخلہ دو روپیہ چندہ [illegible] یہ محفوظ دس روپیہ بمد اعانت [illegible] (Call Fund) دو روپیہ ادا کرنے ہوں گے۔ لیکن سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ ہے علاوہ ازیں ہر رکن کو کسی رکن کی علحدگی و [illegible] آنہ [illegible] موت پر ایک روپیہ بمد اعانت حسب ضرورت ادا کرنا ہوگا۔ اس "سرمایہ" کی [illegible] انتظامی [illegible] کے لئے [illegible] دیگر صوبہ جات کی جو اس قسم کا سرمایہ قائم کرنا چاہیں رہنمائی کر سکتے ہیں۔ ہم صوبہ جات متحدہ اور برار کے اساتذہ کو توجہ دلائیں گے کہ وہ اس تحریک میں حصہ لیں دیگر صوبہ جات کو بھی اس پر عمل کرنا چاہئے۔

مسٹر الملئے چیٹیار نے بمقام چندم برم "منا کیشتی یونیورسٹی" کے نام سے ایک جدید اقامتی جامعہ کے قیام کے لئے بیس لاکھ روپیہ کا عطیہ دیا ہے۔ ہم مسٹر موصوف کو اس فیاضی پر مبارکباد دیتے ہیں۔

محکمہ سرکار عالی صیغہ تعلیمات سے حسب الحکم عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم بہادر مطابع صحیفہ اور اعظم اسٹیم پریس [illegible] ایجوکیشنل پرنٹرس مقرر کرنے کی منظوری صادر [illegible] اور یہ امر عہدہ داران سر رشتہ کے صوابدید پر رکھا گیا ہے کہ ان دونوں مطابع کو کس حد تک [illegible] دیا جائے۔

مولوی سید علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ جبری تعلیم کے مسئلہ پر معلومات حاصل کرنے کے لئے ریاست میسور گئے ہوئے ہیں۔

مکتبہ ابراہیمیہ

دور عثمانی کا اولین مکتبہ ہے۔ جو ایک عرصے سے اہل ملک کی علمی ادبی خدمت گزاری میں معروف ہے ملک کا [illegible]
یہی ایک مکتبہ ہے جس نے کتب بینی کے مذاق کو پبلک میں اُبھارا اور تعلیمی و علمی کتابوں کی نشر و اشاعت سے ملک میں
تصنیف تالیف کی تحریک کی پرچار کر رہا ہے۔ اس کی جانب سے دماغی کاوشوں کے لئے ہر وقت ہونہار اور لائق
اردو انشاء پردازوں کو صلائے عام ہے۔ حال ہی میں ابنائے ملک کے مشترکہ سرمایہ سے انجمن ہائے امداد باہمی کے قانون کے
تحت مکتبہ کی رجسٹری کرا دی گئی ہے۔ تاکہ عوام الناس بھی اس علمی ادارہ میں شریک ہو کر اپنی اجتماعی مالی قوت سے ملک کو
علم و ادب کی دولت سے مالا مال کریں ضمناً اس سے مالی منفعت بھی حاصل کریں۔ مکتبہ میں اردو کتابوں کا اسٹاک
موجود ہے اور ہر وقت اردو کی جدید مطبوعات جو ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں مہیا کرتا ہے درسی کتابیں فن تعلیم کی
کتابیں آلات تعلیم نقشہ جات آلات سائنس بچوں کے عام مطالعہ کی کتابیں، عورتوں کے
مطالعہ کی کتابیں طلباء کو انعام کے قابل کتابیں مدارس کے کتب خانوں کے قابل کتابیں اور
اردو کے مشہور علمی، ادبی اخبار رسالے اور مطبوعہ فارمس یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں ان کے
علاوہ خود مکتبہ بھی وقتاً فوقتاً تعلیمی اور علمی ادبی کتابیں شائع کرتا رہتا ہے اس کی شائع کردہ کتابیں ملک میں بہ نظر تحسین دیکھی
گئی ہیں اب اس نے ایک ماہوار علمی رسالہ بھی مجلہ مکتبہ کے نام سے جاری کیا ہے جس کا چار شمارے شائع ہو چکے ہیں
جن میں علم و ادب لطیف کے بہترین نمونے موجود ہیں اس رسالہ کی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی (ایک) ہے اس کی خریداری کی
شرائط بہت سہل رکھی گئی ہیں تاکہ حتی الامکان ہر شخص مجلہ مکتبہ سے مستفید ہو۔ مدرس صاحبان بھی اس رعایت سے بہت کچھ فائدہ
اٹھا سکتے ہیں یعنی یکمشت یا بدفعات [illegible] روپے کی درسی وغیرہ کتابیں یا [illegible] روپے کی مطبوعات مکتبہ خریدنے پر سال بھر یا چھ ماہ کے لئے رسالہ مفت جاری ہو سکتا ہے
مکتبہ ابراہیمیہ نے جو تعلیمی کتابیں شائع کی ہیں ان کو کشت بک کمیٹی سر رشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی نے منظور کر کے بذریعہ گشتیات
مدارس سرکار عالی کے نصاب تعلیم میں داخل کر دیا ہے یہ کتابیں ملک کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھ کر جدید طریقہ تعلیم کے اصول پر
لائق اور تجربہ کار اساتذہ سے لکھوا کر شائع کی گئی ہیں اور کتابوں سے تعلیمی کورس اور ذہنی تربیت کی تکمیل کما حقہ ہو سکتی ہے
طرز بیان عام فہم زبان سلیس نوشت و خواند صاف لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔

(۱) حاجت الحساب برائے جماعت ضغیر قیمت ۴؍۳؍

(۲) ״ مع ضمیمہ برائے مدرسین قیمت ۶؍

(۳) ״ برائے جماعت اول قیمت ۷؍

(۴) ״ ״ دوم ״ ۶؍

(۵) ״ ״ سوم ״ ۱۲؍

(۶) حاجت الحساب برائے جماعت چہارم قیمت ۴؍

(۷) معلومات دیہی حصہ اول برائے جماعت سوم ״ ۶؍

(۸) ״ ״ دوم ״ چہارم ״ ۶؍

(۹) جغرافیہ ریاست حیدرآباد برائے جماعت چہارم و پنجم قیمت .... ۱۲؍

مکتبہ کی شائع کردہ علمی، ادبی، کتابیں

جس کے متعلق ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم نے بہترین رائیں دی ہیں حسب ذیل ہیں یہ کتابیں ہر کتب خانہ میں رکھنے کے قابل ہیں۔ ان کی بھی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔

(۱) دکن میں اردو مصنفہ محمد نصیر الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل [illegible]

(۲) خیابان اردو مولفہ احمد عارف صاحب [illegible]

(۳) روح تنقید مصنفہ سید غلام محی الدین صاحب قادری ایم اے ۱؍

(۴) تنقیدی مقالات ״ [illegible]

(۵) اردو کے اسالیب بیان ״ [illegible]

(۶) محمود غزنوی کی بزم ادب ״ ۱۲؍

(۷) دنیائے افسانہ مصنفہ محمد عبد القادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی [illegible]

(۸) جواہر کلمات (نظم) مؤلفہ سید غلام مصطفی صاحب ذہین و مختار احمد صاحب [illegible]

(۹) مبادی فلسفہ از میر حسن الدین صاحب بی اے ال ال بی ۱۴؍

(۱۰) آموختہ مصنفہ احمد عبد اللہ صاحب مدرسی متعلم بی اے ۸؍

(۱۱) آثار الکرام حصہ اول مصنفہ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم آر اے ایس ۱؍

(۱۲) شاہ رفیع الدین قندھاری مولفہ محمد عبد الغفور صاحب عابدی ۵؍

(۱۳) خزینۂ اخلاق از سید عبد العزیز صاحب ۶؍

(۱۴) سیر خیر البشر (نظم) از غلام مصطفی صاحب ذہین ؍

(۱۵) نیک بی بی ״ ۲؍

(۱۶) چھوٹا شیطان (نظم) ״ ۱؍

حسب ذیل ماہانہ رسالے بھی مکتبہ سے مل سکتے ہیں

رسالہ	قیمت	رسالہ	قیمت	رسالہ	قیمت
نیرنگ خیال	۵؍۱۰؍	معارف	۹؍۴؍	عالمگیر (خاص نمبر)	۱؍
عالمگیر	۵؍	ہمایوں	۹؍۴؍	نیرنگ خیال (عید نمبر)	۱؍
عصمت	۵؍	زمانہ	۹؍۴؍	زمانہ (جوبلی نمبر)	۱؍۴؍
نبات	۲؍۴؍	مخزن	۷؍	مخزن (سالانہ نمبر)	۱؍
نگار	۹؍۴؍	مجلہ مکتبہ	۷؍	نگار (مومن نمبر)	۱؍

ملک کا علمی خدمتگزار

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی (محدود) اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

رجسٹر نمبر ۱۲

رج ان گ یم ۲۰۶۵

جلد پنجم

نمبر ۲

المعلم

ماہ دے ۱۳۳۸ ف

محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد

(دکن)

صدارت عظمیٰ۔ یعنے باب حکومت سرکار عالی نے بذریعہ مراسلہ نشان (۱۰۲۹) مورخہ ۱۰ فروری ۱۳۳۷ف اعظم اسٹیم پریس کو ازراہ قدر افزائی و رعایا پروری گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر مقرر فرمایا ہے سرکار عالی کی اس قدر افزائی کا کارپردازان مالک مطبع کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد جملہ جلیل القدر عہدہ دار صاحبان سررشتہ تعلیمات و صدر مدرسین و اساتذہ صاحبان و طلبار مدارس خانگی و سرکاری کی

خدمت میں استدعا ہے کہ

حسب منشاء باب حکومت سرکار عالی اس مطبع سے خدمات طباعت و جملہ سامان تعلیمی و کتب درسی و فارمس وغیرہ کے آرڈر سے سرفراز فرما کر مطبع ہذا کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

انشاءاللہ تعالیٰ یہ کارخانہ بھی اپنے معاملہ داروں سے بپابندی وعدہ و اخراجات واجبی اور اپنی سچائی اور خوش معاملگی و خوبی کار سے جو اس کی ترقی کا حقیقی راز ہے مالک و ملک کی خدمت گزاری میں کبھی دریغ نہ کرے گا

خاکسار

سید عبد القادر

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

جلد ۵ | بابتہ ماہ دے ۱۳۳۸ ف | نمبر ۲

جرمنی کے مدارس کا نظام

(۱)

مولوی سید علی اکبر صاحب ایم اے صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و اطراف بلدہ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی کے قابل ترین عہدہ داروں میں شمار ہوتے ہیں ۔ ناظرین کرام سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ اپیریل ایجوکیشن کانفرنس میں نمایندگی کے لئے آپ کا انتخاب ہوا تھا آپ نے وہاں جس عمدگی سے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینے کے مسئلہ پر روشنی ڈالی

وہ عرصہ تک یاد رہے گی۔ آپ گو صرف کانفرنس میں شرکت کی غرض سے روانہ
کئے گئے تھے لیکن آپ کے تعلیمی شغف نے اسبات کی اجازت نہ دی کہ آپ اسی پر
اکتفا فرماتے۔ آپ نے واپس ہوتے ہوئے بعض ممالک یورپ کا سفر کیا یہاں کی
تعلیمی حالت دیکھی اور اپنے تاثرات کو قلمبند کرکے ان سے اساتذہ کو مستفید فرمایا۔
ہم صاحب ممدوح کے مشکور ہیں کہ وہ ازراہ کرم ہم کو جرمنی کے مدارس کے حالات سے
آگاہ فرما رہے ہیں۔

مدیر

اوائل اگست ۱۹۲۷ء میں میں جرمنی گیا وہاں میرا قیام بہ مشکل تین ہفتہ رہا اور چونکہ
میں جرمن زبان سے بھی ناواقف تھا اس لئے جرمنی کے نظام تعلیم کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش
کرنا بہت بڑی جسارت خیال کی جائے گی لیکن جہاں مجھے یہ مشکلات پیش تھیں وہاں مجھے
اپنا مقصد حاصل کرنے میں پروشیا کی وزارت تعلیمات اور ان مدارس کے صدر مدرسین سے
جن کا میں نے معائنہ کیا ہر طرح مدد ملی اور جرمنی کے نظام تعلیم کے نمایاں خط و خال کا مجھ
کو بخوبی علم ہو گیا۔

مجھے توقع ہے کہ جرمنی کے تعلیمی حالات ہندوستان کے اساتذہ کے لئے دلچسپی سے
خالی نہیں ہوں گے۔ میں نے ایک درجن سے زیادہ مدارس دیکھے اور یہ ایسے مدارس تھے
جہاں انگریزی سمجھی جاتی تھی۔ ان مدارس کے صدر مدرسین نے میرے ساتھ انتہائی خلوص کا برتاؤ
کیا اور نہایت صبر و سکون اور مہربانی سے میرے تمام استفسارات کے جوابات دئے۔
بعض نے مجھے پوسٹ کارڈ کی تصاویر تحفتاً دیں جن سے ان کے مدارس کی عمارات اور
تعلیمی اور دیگر مشاغل کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ تصاویر میرے لئے ایک نہایت قیمتی یادگار ہیں
یورپ کی جنگ عظیم سے پہلے جرمنی کے نظام تعلیم کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ معمولی سے
معمولی امور کے لئے قواعد مرتب کئے گئے تھے جن کی پابندی لازمی تھی نہ تو اساتذہ کو

[illegible] قسم کی آزادی حاصل تھی اور نہ طلباء کو اس زمانہ میں تعلیم کا مقصد وفادار رعایا کا پیدا کرنا تھا
[illegible] کہ یکسانیت، ضبط کے احترام اور اطاعت کیشی پر زور دیا جاتا تھا۔ ۱۹۱۸ء کے
انقلاب نے جرمنی میں بادشاہی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور انقلاب کا اثر ملک کے نظام پر
پڑنا ایک لازمی امر تھا کیونکہ مدتوں مدارس شاہی قوت کے قیام کا ایک زبردست آلہ
بنے ہوئے تھے۔ ۱۹۱۸ء کے بعد تعلیم کا نصب العین ہی بالکل بدل گیا۔ دستور وائمر (۱۹۱۹) نے
یہ طے کیا کہ "ہر مدرسہ میں تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ طلباء کو اخلاقی تربیت دی جائے
ان میں پبلک اسپرٹ پیدا کی جائے ان کی شخصیت کی نشوونما کی جائے اور ان کو ایسے
پیشوں کے لئے تیار کیا جائے جن کے لئے وہ موزوں ہیں اور سب سے بڑھ کر جرمنی کا قومی
کیرکٹر ان میں پیدا کیا جائے اور اس کے ساتھ ان میں بین الاقوامی اتحاد کی روح کی تخلیق
کی جائے" اس قانون سے نہایت اہم نتائج مترتب ہوئے اولاً ہر مدرسہ کو پہلے کی
نسبت داخلی نظام اور ضبط و تادیب اور طرز تعلیم میں بہت بڑی حد تک آزادی مل گئی اس
[illegible] کہ اب بھی نصاب تعلیم کا تعین سرکار کرتی ہے لیکن یہ نصاب پہلے سے زیادہ
لچک دار ہے اور اس کی ترتیب و تعین میں حکام متعلقہ مدرس کی شخصیت کا بہت لحاظ
لحاظ کرتے ہیں ثانیاً اب بجائے ریاست کے اغراض کے لئے بچہ کو تعلیم دینے کے اس کی
شخصیت اور انفرادی قابلیتوں کی ترقی کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ثالثاً اگرچہ
قومی تہذیب۔ تمدن اور روایات پر اب بھی زور دیا جاتا ہے تاہم اُس قومی علیحدگی کی
اسپرٹ کو اب پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا جو جنگ سے پہلے جرمنی کی نمایاں خصوصیت تھی
یہ ایک دوسرا سوال ہے کہ بین الاقوامی اتحاد کی روح کو جرمنی کے مدارس میں کس حد تک جگہ
دی گئی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جرمنی کے مدارس ثانویہ میں جدید بدیسی زبانوں پر
جو توجہ کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی بدیسی تہذیب اور کلچر کو سمجھنے اور اس کی قدر
کرنے کی طلباء کو جو تعلیم دی جاتی ہے اس سے اس روح کی نشوونما میں بہت بڑی مدد ملے گی

ابتدائی تعلیم انقلاب سے تعلیمی میدان میں جو تغیر ہوا وہ درجہ ثانویہ کے بہ نسبت درجہ تحتانیہ میں بہت زیادہ نمایاں ہے۔ ان تغیرات کے منجملہ سب سے زیادہ اہم مدارس مشترکہ بابتہ سنہ ۱۹۲۰ء ہے جس کی رو سے یہ لازمی گردانا گیا ہے کہ جرمنی کے طول و عرض تمام بچے اپنے ابتدائی چار سالوں میں یعنی ۶ تا ۱۰ سال کی عمر تک ایک ہی نوعیت کے تحتانوی سرکاری مدرسہ میں تعلیم حاصل کریں۔ اس قاعدہ کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ تمام ابتدائی اور خانگی مدارس جو پہلے اعلیٰ اور متوسط طبقوں کے بچوں کو مدارس فوقانیہ اور وسطانیہ میں شرکت کے لئے تیار کرتے تھے مسدود ہو گئے ہیں۔ دوسرا اہم اثر یہ ہوا ہے کہ ابتدائی تعلیم میں یکسانیت اور جمہوریت پیدا ہو گئی ہے۔ تیسرے یہ کہ مدرسہ کی تعلیم ختم کر کے کسی یونیورسٹی میں شرکت کے لئے پہلے ۱۲ سال درکار تھے اب اس مدت میں ایک سال کا اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ "جمنازیم" یا مدارس فوقانیہ کا نصاب ۹ سالہ ہے اور پہلے طالب علم ۳ سال کی ابتدائی تیاری کے بعد "جمنازیم" میں شریک ہو سکتا تھا۔ لیکن اب وہ ایسی درسگاہ میں [illegible] تک شریک نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ وہ گرنڈ شولے میں چار سال تک تعلیم نہ حاصل کرے۔ ایسے طالب علموں کے لئے جن کی قابلیت غیر معمولی ہے ایک استثنائی صورت بھی پیدا کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ان کو معلمین کی سفارش اور مہتمم تعلیمات کی منظوری سے گزشتہ تین تین سال کی حاضری کے بعد مدرسہ وسطانیہ یا فوقانیہ میں شریک کیا جا سکتا ہے۔

جرمنی کے مدارس اکثر و بیشتر سرکاری ہیں۔ مدرسین کی تنخواہیں سرکاری طور پر ادا کی جاتی ہیں لیکن مدرسہ کا مکان اور لوازمات بلدیات یا مقامی مجالس کی جانب سے مہیا کئے جاتے ہیں۔ مدارس خانگی کی تعداد نہایت قلیل ہے اور جو خانگی مدارس موجود بھی ہیں تو وہ کنڈرگارٹن اور آزمائشی مدارس ہیں۔ ثانی الذکر ایسے مدارس ہیں جن کو سرکاری نصاب و نقشہ اوقات کی پابندی میں آزادی دے دی گئی ہے تاکہ نئے نئے تعلیمی تجربات کرنے میں ان کو سہولت ہو۔

جرمنی کے مدارس ابتدائی میں کوئی اجرت تعلیم وصول نہیں کی جاتی۔ نادار بچوں کو سامان
مفت دیا جاتا ہے۔ جرمنی کے مدارس میں تازہ دودھ بروقت دستیاب ہو سکتا ہے
[illegible]ت کے حصوں میں جن کی تعداد بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہوتی ہے غریب طلبا کو
دودھ بازاری نرخ سے کم قیمت پر دیا جاتا ہے۔

۶ تا ۱۴ سال کی عمر والے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے تعلیم جبری ہے۔ تحتانیہ مدرسہ میں
[illegible] تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد بچہ کو اس کا خود فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ آیا وہ اسی مدرسہ میں
[illegible] جاری رکھیگا یا کسی مدرسہ وسطانیہ یا فوقانیہ میں شریک ہوگا لیکن مدرسہ ثانویہ میں شرکت کا
[illegible]ن بچہ کی مرضی پر نہیں ہے بلکہ اس امر پر کہ وہ شرکت کے قابل ہے یا نہیں ایک کمیٹی
[illegible] کرتی ہے جو چار اراکین پر مشتمل ہے۔ دو رکن تو اس فوک شولے یا مدرسہ تحتانیہ کے مدرس
[illegible]تے ہیں جہاں لڑکے نے تعلیم حاصل کی ہے اور دو رکن اس مدرسہ ثانویہ کے جہاں وہ
[illegible]ریک ہونا چاہتا ہے۔ ایسے ہونہار طلبا کو جو بوجہ ناداری ثانوی تعلیم کے اخراجات
[illegible]داشت نہیں کر سکتے وظایف بھی دئے جاتے ہیں تاکہ وہ تعلیم جاری رکھ سکیں۔

[illegible]صاب | مدارس ابتدائی کا نصاب تعلیمی جرمن زبان۔ حساب۔ ہندسہ۔ ابتدائی سائنس
[illegible] تاریخ جرمنی۔ جغرافیہ [illegible]یت۔ نقشہ کشی گانا۔ ورزش جسمانی اور دستی صنعت پر
[illegible] ہے۔ لڑکیوں کو دستی صنعت اور ورزش جسمانی کی بجائے سوزن کاری سکھائی جاتی ہے
[illegible] جہاں انتظام ہو پکوان خانہ داری کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ جملہ مدارس میں مذہبی تعلیم کا
[illegible]ظام کیا گیا ہے لیکن لازمی نہیں ہے بلکہ والدین اس کا تصفیہ کرتے ہیں کہ آیا بچہ مذہبی تعلیم
[illegible]ل کرے یا نہیں۔

جرمنی میں تعلیم ابتدائی کا مقصد یہ ہے کہ بچے کی قوتوں کا تدریجی نشوونما ہو اور اس کو
[illegible]اعدہ طور پر ایسی جسمانی اور ذہنی تربیت دی جائے جس سے اس کے افعال اور اخلاق پر
[illegible]مدہ اثر پڑے اور اجتماعی زندگی میں وہ اپنے فرائض کا احساس کرنے لگے۔ پہلے چار سال میں

مدارس ابتدائی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بچہ کو اس کے ماحول کے متعلق معلومات بہم پہنچائے جائیں
ونیز پڑھنے۔ لکھنے۔ حساب۔ نقشہ کشی اور دستی صنعت میں اس کو اچھی مشق ہو
ہر مضمون کو الگ الگ تصور کر کے تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ ان میں باہمی [illegible]بت پیدا
مثلاً نقشہ کشی اور نمونہ کاری (Modelling) کی تعلیم کی غرض صرف یہی نہیں ہوتی کہ
بچہ کو ذہانت کے اظہار کا موقع دیا جائے۔ بصارت میں ترقی ہو اور ہاتھ سے کام کرنے کی
تربیت دی جائے بلکہ اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ بچہ کے ذہن میں امتدادی نسـ[illegible]
(Spartial Relations) کا واقعی تصور پیدا ہو جائے۔ اسی طرح جرمنی زبان [illegible]
مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلبار کو اپنے آس پاس کی چیزوں کا علم ہو جائے اور ان کی قوت مشا[illegible]
ترقی دی جائے۔ بچوں کے کھیل کود اور نقل و حرکت کی جبلتوں (Instincts) کو
پیش نظر رکھا جاتا ہے اس سلسلہ میں مجھے ایک دلچسپ منظر یاد آجاتا ہے جو میں نے
برلن کے ایک ابتدائی مدرسہ میں دیکھا۔ لفظ شولے (مدرسہ) کے ادا کرنے اور پڑھنے کا
طریقہ بتلانے سے پہلے مدرس نے اس لفظ کی آواز کو ذہن نشین کرنے کے لئے دو بچوں کو
بلا کر ان کو ایک چھڑی دے کر کہا کہ تم اپنے آپ کو ایک ریل کا انجن فرض کر لو اس پر بچے
چھڑی کو حرکت دینے اور شو شو کہتے ہوئے کمرے کے کھلے حصہ میں [illegible] لگے کہ
گویا انجن چل رہا ہے۔

اصول عملیت | ایک دوسرا اصول جس کی جرمنی کے مدارس تحتانیہ کے مدرسین کو پابندی
کرنی پڑتی ہے وہ "اصول عملیت" ہے۔ اس اصول کے لحاظ سے جو کچھ بچوں کو سکھایا جائے
ان کو ذاتی طور پر اس کا تجربہ کرنا اور عملاً اس کی تعلیم حاصل کرنی چاہیئے یہی وجہ ہے کہ مدارس
ابتدائی میں لڑکوں کے لئے نقشہ کشی دستی صنعت۔ باغبانی۔ تفریحی مشاغل (Excursions)
اور لڑکیوں کے لئے سوزن کاری اور فنون خانہ داری کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اکثر مدارس
تحتانیہ میں طلباء کے لئے کارخانے بھی قائم ہیں جہاں وہ چوتھے سال تعلیمی کے اختتام پر کام کرنا

رت عمل کرتے ہیں۔ برلن کے ایک تحتانیہ مدرسہ کے کارخانے کے دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا
نے سنجاری۔ لوہاری۔ جلد بندی اور دیگر دستکاریوں میں جو مہارت پیدا کی تھی اس سے
متاثر ہوا۔ معلم ایک کتاب کا مصنف بھی ہے جو دستی صنعتوں کی تربیت پر لکھی گئی ہے
س کا ایک نسخہ معلم کی خواہش پر میں نے خرید لیا۔

مدارس جرمنی کے نظام میں تعلیمی تفریحی مشاغل کو بہت زیادہ دخل ہے۔ مدرسہ کے
ات کار ۸ تا ۱ رکھے گئے ہیں۔ دوپہر میں جو وقت بچ رہتا ہے وہ میدانی کھیلوں یا تعلیمی
ی مشاغل میں صرف ہوتا ہے ان تفریحی مشاغل سے بچوں کو نئی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔
پنے گرد و پیش کی چیزوں سے واقف ہوتے جاتے ہیں قوت مشاہدہ میں ترقی ہوتی ہے اور
ب سے زیادہ یہ کہ ایسی تفریح سے مدرسہ کی زندگی کو حقیقی زندگی کے مطابق بنانے میں
ری مدد ملتی ہے۔ تحتانیہ مدارس کی جماعتوں میں جو مضامین لکھائے جاتے ہیں وہ اکثر ایسے
فریحی مشاغل پر مبنی ہوتے ہیں جن میں طلبا نے عملی حصہ لیا ہے نیز ملک کی تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم میں
درسہ کے ان تفریحی مشاغل سے بڑی مدد ملتی ہے۔

اس موقع پر میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس سے یہ معلوم ہوگا کہ جرمنی میں
دارس تحتانیہ کے مدرسین مدرسہ کے کام اور عملی زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کی کس حد تک
کوشش کرتے ہیں۔ ایک تحتانیہ مدرسہ کا میں معائنہ کر رہا تھا جب میں جماعت سوم میں داخل ہوا تو
یں نے دیکھا کہ بچے اپنے کمرہ جماعت کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ مدرس نے مجھ سے ہاتھ ملانے اور
دروازے کے قریب میرے کھڑے ہو جانے کے بعد طلباء سے خواہش کی کہ وہ اپنے اپنے
نقشہ میں اس مقام کو بھی بتلائیں جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ طلباء نے مقام مذکور کو
نقشہ میں ٹھیک ٹھیک ظاہر کیا۔

اصول عملیت کے لحاظ سے ان تمام مدارس میں جن کے معائنہ کا مجھے اتفاق ہوا
بہترین مدرسہ ولمرز ڈورف کا گارٹن آر بائیٹ شولے (مدرسہ باغبانی عملی) تھا۔ یہ مدرسہ

سنہ ۱۹۲۰ء میں قائم ہوا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ مدارس ابتدائی کی اعلیٰ جماعتوں کے بچوں کو بذریعہ باغبانی مانوس کیا جائے۔ اس غرض کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ طلبا سے کھیتوں پر کام کرتے اور حیوانات کی پرورش وغیرہ کی عملی مشق کرائی جائے۔ مدرسہ کا رقبہ ۲۸۰۰۰ مربع میٹر ہے جس میں ترکاری اور میوہ کی کاشت اور پالتو جانوروں کے لئے قطعات علیحدہ کئے گئے ہیں اس میں مویشیوں کا ایک کوٹھا مرغی خانہ۔ آبی جانوروں کی پرورش کے لئے ایک حوض۔ بری حیوانات کے لئے ایک حیوان خانہ طالبات کو پکوان سکھانے کے لئے ایک باورچی خانہ اور ایک کارخانہ کا انتظام کیا گیا ہے جہاں ان تمام آلات کو طلبا بناتے ہیں جو مدرسہ میں استعمال کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ سائینس کی تعلیم کے لئے تجربہ خانہ اور کھیل کے لئے میدان بھی موجود ہے۔ مدرسہ کا زیادہ تر کام کھلے میدان میں ہوتا ہے۔ ان تمام مدارس ابتدائی سے جو مدرسۂ مذکور سے ۵ میل کے اندر ہیں چھٹی ساتویں اور آٹھویں جماعت کے طلبا و طالبات دلمرس ڈراف گارٹن آربائیٹ اسکول کو باغبانی اور مطالعہ قدرت (نیچر اسٹڈی) کی عملی تعلیم کے لئے اپنے سائنس کے مدرس کے ساتھ آتے ہیں۔ مدارس مذکور کو مختلف حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے ہر حلقہ کے طلبا کو ہفتہ میں تین مرتبہ ان ایام میں جو گارٹن آربیٹ شولے کا صدر مدرس ان کے لئے مقرر کرتا ہے۔ حاضری دینی پڑتی ہے۔ گیارہ مختلف مدارس کے ... سے زائد طلبا درجہ ... میں سے روزانہ ۲۵۰ حاضر رہتے ہیں۔ ہر جماعت میں ۳۰ طلبا وہیں کے لئے ... مربع میٹر کا قطعہ الگ کر دیا گیا ہے ہر قطعہ کی پیداوار متعلقہ طلبا اور مدرس آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مشترکہ قطعہ بھی ہے جس پر تمام طلبا کام کرتے ہیں اور اس کی پیداوار طلباء مذکور کو فروخت کر دی جاتی ہے۔ باغبانی کے علاوہ نیچرل ہسٹری سائنس ابتدائی حساب مصطلحات (مسوریشن) اور جغرافیہ کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ حتی الوسع ہر مضمون کی تعلیم کو عملی بنانے کی سعی کی جاتی ہے اور اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے کہ ہر مضمون کا باغبانی سے کیا تعلق ہے۔ مدرسہ میں طلبا کے لئے ورزش اور دستی صنعتوں اور طالبات کے لئے امور خانہ داری کی تربیت کا

اہتمام کیا گیا ہے اپنے اپنے قطعہ ارضی پر کام کرتے ہوئے اس مدرسہ کے طلبا ایسے ہشاش
بشاش تھے کہ طلبا کا ایسا ہشاش بشاش گروہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اس قسم کے مدرسہ سے
طلبا کی صحت برقرار رہتی ہے ان کو قدرت کی راست تعلیم حاصل ہوتی ہے ان کی تخلیقی قوتوں
اور انتظامی قابلیت کو ترقی ہوتی ہے اور ان میں سائنٹیفک اور باہمی امداد کی اسپرٹ پیدا ہوتی ہے
معذور بچوں کی تعلیم | ایسے بچوں کی تعلیم کی جانب جن میں کوئی جسمانی نقص ہوتا ہے جرمنی میں
جیسی توجہ کی جاتی ہے ویسی دنیا میں کہیں اور نہیں کی جاتی اکثر مدارس تحتانیہ میں ایسے بچوں کے لئے
خاص جماعتیں قائم کی گئی ہیں جن کی ذہنیت تو ٹھیک ہے لیکن علالت یا دیگر عارضی اسباب کی
بنا پر ان کی تعلیمی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی ہو یا جن کی زبان میں لکنت ہو۔ کمزور دل و دماغ کے
طلبا کی تعلیم کی غرض سے خاص مدارس (ہلف شولے) بھی قائم ہیں۔ برلن میں میں نے ایک ہلف شولے کا
معائنہ کیا جو آلات تعلیمی کے لحاظ سے معمولی مدارس ابتدائی سے زیادہ اچھا تھا۔ جماعت ابتدائی کے
طلبا کو جن میں سے بعض کی عمر ۹ سال سے زیادہ تھی حساب کی تعلیم کھیلوں کی مدد سے دی جارہی تھی
دستی صنعت کے کام پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ جماعتوں میں طلبا کو نجاری اور
باغبانی کی تعلیم دی جاتی ہے اور ٹیلیفون کا استعمال بتلایا جاتا ہے۔ اور طالبات کو کھانا پکانے
اور خانہ داری کی تعلیم دی جاتی ہے غرض یہ کہ طلبا کو تحتانی نصاب تعلیم کے اختتام پر پیشہ وارانہ
مدارس میں شرکت کے لئے تیار کیا جاتا ہے ہر پندرھویں روز طلبا کا معائنہ طبی کیا جاتا ہے۔ مدرسہ کا
ڈاکٹر نفسیات کا ماہر بھی ہوتا ہے اور اپنے فرائض کو والدین اور اساتذہ ہر دو کی باہمی امداد سے انجام
دیتا ہے۔ ہر طالب علم کے متعلق ایک روئداد رکھی جاتی ہے جس میں طالب علم کے خاندانی حالات
اور مدرسہ میں شرکت کے وقت اس کی حالت اور اب تک اس نے جو ترقی کی ہے اس کی
کیفیت درج کی جاتی ہے۔ سررشتۂ تعلیمات کے مقررہ فارم میں ڈاکٹر۔ مدرس جماعت اور
صدر مدرس کی رائے اور کیفیت کے اندراج کے لئے علحدہ علحدہ خانے ہوتے ہیں۔
برلن میں ایک اور دلچسپ مدرسہ جس کا میں نے معائنہ کیا وہ شار لائنبرگ کا والڈ شولے

یعنی جنگل یا کھلی ہوا کا مدرسہ تھا۔ یہ مدرسہ ان طلباء کے لئے قائم کیا گیا ہے جن کے اعصاب کمزور ہیں یا جو اکثر بیمار رہتے ہیں۔ اس مدرسہ کے لئے مدارس ابتدائی کے صدر مدرسین عہدہ دار طبی کے مشورہ سے طلباء کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور موسم گرما کی میقات کے آغاز میں داخلہ ہوتا ہے کوشش کی جاتی ہے کہ چار یا پانچ مہینہ کے عرصہ میں بغیر طلباء کی تعلیم میں ہرج ہونے کے ان کی صحت درست ہو جائے۔ مدرسہ میں لڑکے اور لڑکیوں کو یکجا تعلیم دی جاتی ہے اور جماعتیں کھلی ہوا میں منعقد کی جاتی ہیں۔ کھیل کی طرف خاص توجہ کی جاتی ہے۔ مدرسہ سے ملحق ایک اقامت خانہ بھی ہے جہاں طلباء کے قیام و طعام کا انتظام کیا گیا ہے۔ مدرسہ کا محل وقوع نہایت صحت بخش ہے اور اطراف کا منظر دلکش ہے۔ احاطہ مدرسہ میں سایہ دار درخت موجود ہیں جن کے سایہ تلے عموماً جماعتیں منعقد کی جاتی ہیں۔ اگر موسم اس کی اجازت نہ دے تو مدرسہ کی عمارت میں کام ہوتا ہے۔ یہ عمارت نہایت ہوا دار اور روشن ہے طلباء کی جسمانی حالت اور صحت کی ترقی کی غرض سے تیراکی۔ اور دھوپ اور کھلی ہوا میں اُن کے لیٹنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ شُش کے امراض کے دفعیہ کے لئے خاص ورزش کرائی جاتی ہے اور معائنہ طبی میں نہایت احتیاط اور توجہ سے کام لیا جاتا ہے۔ مدرسہ کا معائنہ کرانے کے بعد صدر مدرس نے مجھ سے کہا کہ طلباء کے لئے اس خیال سے زیادہ کوئی خیال تکلیف دہ نہیں ہے کہ ان کو اختتام میقات پر مدرسہ چھوڑ دینا پڑے گا۔ اور مجھے یہ سُن کر کوئی تعجب نہیں ہوا۔

اس مدرسہ سے ملحق ایک اور والڈ اسکول ہے جس میں مدارس ثانویہ کے کمزور اعصاب کے لڑکے اور لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ یہاں میں نے دو دلچسپ منظر دیکھے ایک تو وہ جماعت تھی جو مدرسہ کے باغیچہ میں قدرت کے نقش و نگار اتار رہی تھی اور دوسرے بچوں کا وہ گروہ تھا جو مدرسہ کے وسیع اور خوبصورت چشمہ میں تیر رہا تھا۔ مدرسہ میں طلباء کو دوپہر کا کھانا اور دودھ دیا جاتا ہے جس کے لئے ان سے روزانہ تقریباً ایک روپیہ لیا جاتا ہے اس امر کی

کوشش کی جاتی ہے کہ بچوں کے دماغ پر علم سے کم بار پڑے۔ چنانچہ ہر گھنٹہ صرف ۲۵ منٹ کا ہوتا ہے اور گھر کے لئے کوئی کام نہیں دیا جاتا۔ طلبا مدرسہ کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ اکثر وہ تعطیلات کے زمانہ میں پودوں اور جانوروں کی دیکھ بھال کرنے اور کھیلنے کی غرض سے آکر کئی گھنٹے صرف کرتے ہیں۔

تعلیم کنڈرگارٹن | جیسا کہ مشہور ہے جرمنی کنڈرگارٹن کا گھر ہے۔ کنڈرگارٹن عموماً لڑکوں کے مدارس تربیتی سے ملحق ہوتے ہیں اور ان میں ۳ تا ۶ سال کی عمر کے بچے شریک ہوتے ہیں یہ بالکل سیوا کی خدمت بجالاتے ہیں و نیز مدارس ابتدائی میں شرکت کے لئے بچوں کو تیار کرتے ہیں اس لئے یہ ان ماؤں کے لئے ایک بڑی رحمت ہیں جو ملازمت کے باعث دن میں گھر سے باہر رہنے پر مجبور ہیں اور اس وجہ سے اپنے بچوں کی نگہداشت نہیں کرسکتی ہیں۔ میں نے برلن میں دو کنڈرگارٹن کا معائنہ کیا۔ ان میں سے ایک پسٹالوزی فروبل ہوس تھا جو بہت مشہور ہے اور جس کی فروبل کے ایک رشتہ دار نے ۱۸۷۳ء میں بنیاد ڈالی تھی۔ اس درسگاہ میں مختلف عمر کے بچوں کو یکجا جمع کرکے ایک خاندان کی سی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مدرسہ میں پودے لگائے جاتے ہیں جانور اور پرندبھی موجود ہیں جن کی طلبا دیکھ بھال کرتے ہیں کمرہ جماعت کو نہایت سلیقہ سے تصاویر اور خود طلبا کی ساختہ چھوٹی چھوٹی اشیا سے آراستہ کیا گیا ہے طلبا کے حواس خمسہ کی ترقی و تربیت کے لئے جن جن آلات کی ضرورت ہے وہ سب مہیا کئے گئے ہیں۔ اپنی مدد آپ کرنے اور باہمی امداد و اتحاد کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے کھانے کے وقت بچے باری باری سے میز کا کام کرتے ہیں اور یہ ایک نہایت دلچسپ منظر ہوتا ہے۔ مدرسہ میں بچوں کو نہلانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اور ہفتہ میں ایک دفعہ ان کا طبی معائنہ کیا جاتا ہے۔

پسٹالوزی فروبل ہوس کنڈرگارٹن کی معلماۃ کی تربیت کا ایک اہم مرکز ہے۔ کنڈرگارٹن میں جو آلات استعمال کئے جاتے ہیں وہ زیادہ تر خود ٹریننگ اسکول کی طالباۃ کے بنائے ہوئے

ہوتے ہیں۔ بچوں کی تربیت و نگہداشت کا بیشتر کام مستقل اساتذہ و اراکین کی رہنمائی و نگرانی طالبات مذکور کو کرنا پڑتا ہے۔

مدارس آزمائشی | مدارس آزمائشی کا جو گزشتہ چند سالوں میں جرمنی میں جاری کئے گئے ہیں اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور وہ مدارس ہیں جو ہیامبرگ میں واقع ہیں۔ ان مدارس کی خصوصیات یہ ہیں کہ (۱) صدر مدرس اور مددگار مدرسین کا درجہ مساوی ہوتا ہے (۲) طلبار کو خود اختیاری حکومت حاصل ہے (۳) مدرسین اور طلبار میں بدرجۂ مساوات باہمی تعاون ہوتا ہے اور (۴) طلبار کے والدین اور اساتذہ میں گہرے تعلقات ہوتے ہیں۔ ان مدارس کا مقصد بچہ کی شخصیت کو ذاتی تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ابھارنا ہے مجھے ان مدارس آزمائشی کے معائنہ کا موقع نہیں ملا البتہ میں نے ان کے بعض اصولوں کو دیگر مدارس میں کارفرما دیکھا مثلاً جرمنی کے مدارس تحتانیہ میں عموماً صدر مدرس کی حیثیت کسی طرح دوسرے مدرسین سے زیادہ نہیں ہے۔ مدرسین اور والدین کا باہمی تعاون بھی مدارس آزمائشی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کیونکہ والدین کی مجلس مشاورۃ جرمنی میں ہر جگہ پائی جاتی ہے۔

سید علی اکبر

کسی چیز کی حقیقت سے کماحقہٗ واقف ہونے اور اُس کے تمام پہلوؤں پر تبصرہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاً اس کا تجربہ کیا جائے اور ہر جز پر غائر نظر ڈالی جائے اور بالآخر اُن تمام جزوی تحقیق و تنقید کے نتائج کو باہم مربوط کر کے کلی نتیجہ پر پہنچا جائے نظر برآں ہم کو پہلے لفظ تجربہ کے تمام اجزا کی تشریح اور پھر فلسفیانہ نقطہ نظر سے اُن جزوی نتائج سے نتیجہ کلی حاصل کرنا چاہیے بظاہر یہ چھوٹا سا لفظ ہے اور لسان عام میں اس کے معنی بھی بہت محدود سمجھے جاتے ہیں لیکن صاحبان بصیرت و اہل فلسفہ کی نظروں میں اس لفظ کے معنی کی وسعت عمر دنیا کی درازی اور ارض کی وسعت سے بھی متجاوز ہے۔

عوام کی زبان میں تجربہ سے وہ اثرات مراد ہوتے ہیں جو کسی فرد کے دورِ حیات میں اس کے ماحول کے عمل و ردِ عمل سے مترتب ہوں یعنی تجربہ سے وہ صرف انفرادی تجربہ کا مفہوم لیتے ہیں مگر نفسیاتی یا حکیمانہ نظریہ اُس کو بڑھا کر نہ صرف نسلی یا نوعی تجربہ پر حاوی کرتا ہے بلکہ اُس سے بھی آگے ابتدائے آفرینش تک پہنچا دیتا ہے۔ جبکہ حکم کن کی تعمیل میں وہ خمیر اولین تیار ہوا جو زمانہ مختلف اشکال اختیار کرنے اور مدارج ارتقائی طے کرنے کے بعد شکل انسانی میں جلوہ گر اور اشرف المخلوقات ہونے کا مدعی ہوا۔ غرضیکہ تجربہ سے نہ صرف انفرادی عمل و ردِ عمل مراد ہے بلکہ اس لفظ کے مفہوم میں وہ تجارب بھی شامل ہیں جو ہمارے آبا و اجداد نے ہم سے قبل حاصل کئے تھے اور جن کا اعادہ ہم کو حالات ہیولائی میں بہمہ وجوہ کرنا پڑتا ہے لیکن یہ اس مسئلہ کا حیاتیہ پہلو ہے جس سے ہم اس وقت بحث کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ اس کا بھی انفرادی تجربہ میں بہت کچھ دخل اور اس کے ذریعہ انفرادی تجربہ میں بہت کچھ ترمیم ہوتی ہے۔

ف اپنے دائرہ تحقیقات کو تنگ کرکے ہم تجربہ کے اسی جزسے بحث کریں گے کہ جس کا آغاز انسان کی ولادت سے ہوتا اور موت پر ختم ہوجاتا ہے یعنی صرف وہ دور جس میں اُس کا تعلق طبعی دنیا سے رہتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ دور ہے جس میں اُس کو شعور ہوتا ہے اور وہ اپنے ماحول سے متاثر ہوکر متعامل ہوتا ہے۔

متجسس دماغ ابتدائے آفرینش سے انسانی تخیل و اعمال کی ماہیت ۔علل۔ طریقہ کار اور نتائج محصلہ پر غور کرتے آئے ہیں اور اُن کے متعلق مختلف اصول قائم اور متروک کیے گئے ہیں استداد زمانہ کے باعث اُن میں سے بہت کم ایسے ہیں جو ہم تک پہنچ سکے۔ ان میں سے پہلا مسئلہ جو زمانہ کے ظالم ہاتوں سے بچکر ہم تک پہنچا "مسئلہ توارث فطری ہے" افلاطون۔ دیمقراطیس وغیرہ کا خیال تھا کہ بچہ بالغ انسان کا خلاصہ ہے۔ اُن کی قرار داد یہ تھی کہ بچہ کی تمام استعدادیں اور خیالات اُس کی فطری ودیعت ہیں جن کے مطابق اس کا ارتقاء ہوتا ہے۔ اُس کے دنیاوی تعلقات ماحول کے ساتھ اُس کا تعامل اور تغیرات دنیاوی کی لہروں کے تھپیڑے صرف اسقدر اثر رکھتے ہیں کہ اس کی فطری استعداد میں کچھ ترمیم کر دیتے اور باعث حصول تجربہ ہوتے ہیں۔ نیز اُن کا خیال تھا کہ یہ استعدادات مختلف افراد کو مختلف مدارج میں ودیعت ہوتی ہیں۔

اس کے بعد ہم لاک۔ کانٹ و کارلائل کے نظریہ سے دوچار ہوتے ہیں۔ لاک کا قول تھا کہ تمام انسان مساوی استعدادات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اور بعد میں جو اختلافات اُن میں رونما ہوتے ہیں تربیت و تجربہ کی بدولت ہیں اس کی تعلیم یہ تھی کہ بچہ کا دماغ سادہ کاغذ یا سادہ تختی کے مثل ہے۔ جس پر جو کچھ ہم چاہیں لکھا جاسکتا ہے۔ نیز یہ کہ انسان وہی بنجاتا ہے جو تربیت۔ ماحول اور حالات مکانی اُس کو بناتے ہیں۔

کانٹ گو نفسیاتی نظریہ میں لاک سے الگ ہے مگر اُس کا خیال بھی یہی تھا کہ تربیت انسان کو جو چاہے بنا دے سکتی ہے۔ کارلائل کے مقولہ "ابتدائی تربیت و تعلیم کی قادر العنانی" سے معلوم ہوتا ہے

وہ بھی اسی کا قائل تھا۔

ہربرٹ نے خاص کر اس بات پر زور دیا ہے کہ بچہ کا معمولی ارتقاء محض اس کی داخلی تحریکات و اعمال کے خارجی مظاہر کا جو ابتداہی سے معین ہوتی ہیں نتیجہ نہیں ہے۔

ہر دو اہل نظر اپنی دُھن میں حد سے متجاوز ہوکر حقیقت سے دور جا پڑے ہیں کیونکہ ایک نے فطری استعدادات و تحریکات کو مختار کلی قرار دیا ہے تو دوسرے نے خارجی دنیا اور اس کے اثرات کو لیکن حقیقت کی اگر تلاش کی جائے تو غالباً دونوں کے بین بین ہے جس کا ثبوت تجربہ سے بھی ملتا ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بہترین تعلیم اور تربیت حسب دلخواہ نتیجہ پیدا کرنے میں قاصر رہتی ہے۔ بخلاف اس کے کبھی کبھی بدترین تعلیم یا عدم تعلیم کے باوجود بھی دنیا نے ایسے افراد پیش کئے ہیں کہ عقل حیران و ششدر رہ جاتی ہے لیکن یہ مستثنیات ہیں اور اُن کی مثال ایسی ہی ہے کہ جس طرح کوئی خوش نما اور نفیس پھول مذبلہ پر اُگا ہوا نظر آجائے۔

جدید ماہرین علم النفس نے بھی اس نظریہ کو تسلیم کیا ہے اور وہ ہر دو مسائل کی صحت کے قائل اور کہتے ہیں کہ حقیقت دونوں کے بین بین ہے وہ اس کے مقر ہیں کہ فروق موروثہ کو اس میں دخل ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ ماحول اور تربیت کا اس میں بہت بڑا حصہ ہے انسان محض ایک عضویہ ہے۔ بدیں وجہ ایک خاص نوع کا فرد لہذا فطرتاً بلوغ کو پہنچنے پر اُسے اُس نوع کے خصوصیات سے متصف ہونا لازمی ہے اس سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے نہ انکار کی گنجائش ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ یہ انواع عجیبہ مختلفہ ایک طویل سلسلہ ارتقاء و اضعاف کی جدید ترین کڑیاں ہیں۔ کہ جنہوں نے لاکھوں سال میں یہ درجہ حاصل کیا ہے فی الجملہ ہر فرد کو اپنی نوع یا نسل کی مماثلت حاصل کرنے کے لئے اُن تمام مدارج کا اعادہ کرنا پڑتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ وہ اپنی انفرادی ترقی کو بھی جاری رکھتا ہے۔ غرضیکہ ہر فرد میں دو قسم کا ارتقاء متوازی اور ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ انسانی ارتقاء ما قبل پیدائش جس کے متعلق ہم صرف

آثار و نتائج سے حکم لگاتے ہیں مگر مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ نظرانداز بھی کر دیا جائے [illegible]
تو بھی اس کا ارتقاء ایک صورت سے اُن تمام مدارج وحالات کا اعادہ ہی ہے کہ جن کے طے
کرنے کے بعد انسان اپنی موجودہ ترقی یافتہ اور مہذب حیثیت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

بچوں کے اکثر رجحانات صاف اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اجداد کے
اس دورِ ارتقاء سے گذر رہے ہیں جس کو ہم نہایت شوخ چشمی سے (گو انصافاً کسی قدر صحت کے ساتھ)
دورِ وحشیانہ کہتے ہیں۔ چونکہ اُس حد تک پہنچنے کے لئے کہ جہاں سے وہ زمانہ تہذیب کے بچہ کے
مدارج ابتدائی کا آغاز کرے گا اُسے بہت کچھ مراحل طے کرنا پڑتے ہیں۔ اسی لئے انسان کا بچہ
پیدائش کے بعد ایک عرصہ تک مجبور و بے بس رہتا ہے اس بے بسی اور محتاجی کے زمانہ کی
درازی کے خاص وجوہات ہیں۔ نوزائیدہ بچہ اپنے ماقبل انسانی اجداد سے بہت سی باتوں میں مشابہ
رہتا ہے اور اس کے لئے یہ لازمی ہوتا ہے کہ وہ اِن مشابہتوں کا ارتقاع کرے تاکہ اس قابل ہو کہ
انسانوں میں شمار ہو سکے۔ نہ صرف جسمانی حالت کے لحاظ سے بلکہ دماغی لحاظ سے بھی بچہ کو وسیع
مدارج ارتقائی طے کرنا پڑتے ہیں۔ تب کہیں وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی تربیت انسانی بچے
مثل ہو سکے۔ فطرت اس عمل و تربیت کو اس کے زمانۂ بے بسی اور محتاجی میں انجام دیتی رہتی ہے
تا انجام تنظیم و تربیت مذکور بچہ اپنے ماحول سے بالکل بے خبر رہتا ہے۔ اور اس ارتقاء کے
ختم ہونے کے بعد بچہ اپنے ماحول سے متاثر ہونے اور اپنے گرد و پیش کی چیزوں میں دلچسپی لینے کے
علامات ظاہر کرتا ہے۔

قبل پیدائش بچہ جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے بالکل عدیم الشعور یا نیم شعوری حالت میں
رہتا ہے بلکہ پیدائش کے بعد بھی اس کا شعور بہت محدود رہتا ہے۔ گو اسی وقت سے حواسِ خمسہ
اُس کی زندگی میں اپنا دور شروع کر دیتے ہیں لیکن احساسات کے مابین تمیز کی قوت سوائے
اس کے کہ بہت موٹے موٹے تقابلات مثلاً درد و خوشی کا شعور کرے معدوم ہوتا ہے رفتہ رفتہ
اس قسم کے دوسرے تقابلات شعور ظہور میں آتے ہیں اور بچہ مختلف قسم کے احساسات میں تمیز

کرنے لگتا ہے۔ اس سے ہم کو معلوم ہوا کہ جس کو ہم ارتقاء ذہنی کہتے ہیں اُس کے معنی یہی ہیں کہ بچہ رفتہ رفتہ اپنے ماحول اور اپنی زندگی پر اُن کے اثرات سمجھنے لگتا ہے اور جیسا جیسا کہ اُس کے دماغ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور عالم طبعی سے اس کے تعلقات بڑھتے ہیں یہ ارتقاء ذہنی اُس کے جسمانی ارتقاء کے ساتھ ایک خاص عمر تک جاری رہتا ہے اور روز بروز لحظہ بہ لحظہ زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔

ذہن جیسا کہ سب کو علم ہے کوئی ایسا ظرف نہیں ہے کہ جو ربر کی طرح جس قدر اس میں زیادہ بھرا جائے بڑھتا رہے۔ ذہنی زندگی جہاں تک ہم سمجھتے ہیں مشتمل ہے اُن تعاملات پر جو ذہن یا اس کے ذخیرہ خیالات و تصورات اور اُن تاثیرات کے مابین واقع ہوتے ہیں جو عالم اسباب میں پیش آتے ہیں۔ ہر تازہ واقعہ سابقہ تجربات یعنی اُن کے اثرات کے ساتھ شامل اور اُن کی ترمیم و تعمیر کرکے اپنا ایک نقش چھوڑ جاتا ہے۔ تجربات و عوامل کے ذریعہ ذہن کے اُس تاثر کو ذہنی قبولیت کہتے ہیں۔

یہ قبولیت جب کوئی نئی بات پیش آتی ہے تو مجملاً ذہن کو اُس کے قبول کرنے اور اس کے ساتھ تعامل کرنے میں ممد ہوتی ہے اور اس طرح جدید واقعہ ہمارے سابقہ تجربات کی تنظیم میں داخل ہو کر اُس کا جزو بن جاتا ہے۔ ذہن کی اس قبولیت اور جدید واقعہ کو اپنا کر لینے کی استعداد کو ادراکیہ کہتے ہیں جو کہ تجربہ کی بنا ہے۔

عام تجربہ سے اس امر واقعی کی اکثر مثالیں مل سکتی ہیں کہ ہر خیال میں خلقتاً عملی صورت اختیار کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

نیز ذالک کہ کامیابی کا مدار اسی پر ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہے کہ قوت عصبی کا میلان تحریک کی جانب ہوتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات خیالات عملی صورت اختیار نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ خیالات خود اس قدر کمزور ہوتے ہیں کہ قابل لحاظ اثر نہیں پیدا کر سکتے۔ یا ہم خود ان کو فرد کر دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

خیالات بھی قانونِ "بقائے اصلح" کے تحت ہیں۔ جو خیالات صالح
شمار ہوں۔ باقی رہتے اور جو کمزور اور غیر صالح ہوتے ہیں ضائع اور تلف
یہ لازمی ہے کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ خیالات ہمارے تجربہ میں
اُن کو قوت اور عملی صورت اختیار کرنے یعنی حرکت میں آنے دیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکوں میں ادھر کوئی خیال پیدا ہوا کہ انھوں نے و عملی جامہ
پہنایا۔ یہ ان کی خلقت ہے اور ابتدائی تجربات حاصل کرنے میں اُن کی بہت مدد کرتی ہے
جو مدرس اپنے فن کا ماہر ہے یقیناً اس سے فائدہ اُٹھائے گا اور بچوں میں عمدہ خیالات سے
بہ آسانی متحرک ہونے کی عادت راسخ کر دے گا۔ وہ اسی کرشمۂ فطرت کو اپنا معاون بنا کر
اور اکثر عمدہ خیالات کی تحریک کر کے بچوں میں عمدہ عادات کی کشت اور بُرے رجحانات کو
روک کر اُن کی فطری فنا کا باعث ہوگا۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ تحریک اس قدر
روشن ہو کہ حسب دلخواہ اثر پیدا کر سکے۔

ایسا کرنے سے ہم دماغ طفلی کو نہایت بہتر اور صحیح طریقہ پر ارتقا پذیر ہونے میں مدد دیتے ہیں
اس طرح کی مشق ذہن کی قوت گرفت کو ترقی دے کر اس کو نہایت صحیح روحانیت کے راستہ پر
لگا دے گی۔

لیکن تجربہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا
تجربہ کی بنا داخلی ہے یا خارجی۔ جیسا کہ تعریف کرتے وقت پہلے بتلایا جا چکا ہے۔ تجربہ حقیقی
معنوں میں نام ہے محرکات یا اثرات اور ان کے ساتھ ذہن کے تعامل اور بعدہ ادراک کا
تجربہ ایک نہایت پیچیدہ کلیہ ہے جس کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ اس کے بعض حصے
داخلی ہیں اور بعض خارجی۔ جب ہم مختلف تعمیمات پر غور اور ان کا مقابلہ کر کے تمام مخالف
اور موافق آرار کو یکجا کرتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ چونکہ انسان اور اس کا ذہن ذہنی
زندگی کے وجود میں آنے کے اولین اور ابتدائی لوازم ہیں اس لئے انہیں کو فضیلت حاصل ہونی چاہئے

ہونز لرس گا ۔۔۔ پلتا اور پھر معرض وجود میں آتا ہے۔ صرف حصول تجربہ کے
...ل طبعی کی طرف سے پیش ہوا کرتے ہیں اس لئے ہم نتیجہ نکالتے ہیں
...نتیجے اور مواقع خارجی ہوتے ہیں۔
ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ حصول تجربہ کے اجزاء پر غور اور اُن کی حد
مقرر کی جائے ۔۔۔ دکھلایا جائے کہ تجربہ کے بروئے کار لانے میں ان کا کیا حصہ ہے
ان میں سے خاص اور سب سے ممتاز جزو تشویق ہے۔ تشویق سے مراد یہ ہے کہ قبل از تحریک
ذہن میں حالت آمادگی پیدا ہو جائے یہ کیفیت کسی خارجی محرک کے ذریعہ پیدا ہو یا ممکن ہے
کہ ذاتی اثرات وخیالات کا نتیجہ ہو۔ بچے بوجہ اپنے دماغی ارتقار کی عدم تکمیل اور محدود
تجربہ کے عموماً زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے بالغین کا تجربہ وسیع ارادوں کی قوت
ممیزہ واستدلال زیادہ ہوتی ہے۔ تاہم گو زیادہ نہیں مگر پھر بھی تشویق کی سحر کاریوں سے
جو کیفیت تخالف پیدا کئے بغیر اپنا عمل کر جاتی ہیں بہت کچھ اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ تشویق کے لئے
نہ تفہیم کی ضرورت ہے نہ براہین کی وہ خود ہی بلا کسی امداد یا تقویت کے مدارج کامیابی تک
پہنچ جاتی ہے۔ وہ اپنا مقصد اپنی قوت ذاتی سے حاصل کرتی ہے اور تیقن اس کے جلو میں
چلتا ہے۔ لیکن سب اسی وقت ممکن ہے کہ شوق بالذات تشوقات اور پُر قوت حیثیت کا ہو
ممکن ہے کہ بعض لوگ حصول تجربہ میں اس کے اثرات کو زیادہ اہمیت دیں اور بعض کم
مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ محض اپنی سادہ پُرکاری کے اثر سے وہ تجربہ میں بہت کچھ
ترمیم کر دیتی ہے اور محاکات کی طرف رہبری کرتی ہے جو کہ حصول تجربہ کا ایک دوسرا اہم جزو ہے
... محاکات ۔۔۔ کچھ نہیں ہے کہ دوسرے شخص کے عادات اطوار۔ اوضاع
حرکات وسکنات کی نقل کی جائے۔ اس کا آغاز ہماری زندگی کے بہت ہی اوائل زمانہ میں ہوتا ہے
اور آخر عمر تک جاری رہتا ہے۔ محاکات کی دو قسمیں ہیں محاکات ذاتی یا وہبی اور محاکات
غیری۔ ہم خود اپنے ہی اعمال وحرکات کا بار بار اعادہ کرتے ہیں تو اس کو محاکات وہبی کہتے ہیں

اسی محاکات کا اثر ہے کہ بچے اپنے اعضاء کے حرکات کا اعادہ کر۔
حاصل کرتے ہیں۔ اوائل طفولیت میں اُن کے ارتقاء میں اس نے
چل کر دوسری قسم محاکات اُن کی زندگی میں دخل پاتی ہے۔ اور حصہ۔
فرض ادا کرتی ہے۔ اس کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب بچہ ایسی عمر کو
ماحول کا اندازہ کر سکے۔ اور بولنا سیکھ سکے۔ اس زمانہ میں کبھی تو سمجھ کر او ہے۔ بچہ
اپنی دایہ ماں اور اپنے گردوپیش رہنے والے اور اُس سے گہرے تعلقات رکھنے والے
لوگوں کے اطوار و طرز گفتگو وغیرہ کی نقل کرتا ہے۔

اس محاکات غیر وہبی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ارادی وارتجالی۔ اول الذکر بچوں اور عالی
فطرت حیوانات میں دیکھنے میں آتی ہے۔ اور حرکات وغیرہ کی نقل سے متعلق ہے
فطرت اس محاکات پر اس لئے زور دیتی ہے کہ بچوں کے حرکات میں وسعت نیرنگی پیدا ہوجائے
کہ وہ اپنے ماحول معاشرتی سے مناسبت پیدا کر سکیں۔ اس کے سوا اس کا کوئی مقصد نہیں۔
اس کے ذریعہ کسی خاص نتیجہ پر پہنچنا مد نظر نہیں ہوتا بلکہ اس میں صرف دوسروں کا اتباع
مطمح نظر ہوتا ہے۔

محاکات ارادی وارتجالی میں یہ ما بہ الامتیاز ہے کہ اول الذکر میں کوئی خاص
غرض پیش نظر رہتی ہے۔ بجائے اس کے کہ بغیر سمجھے اندھا دھند محاکات یا نقل کرلے۔
بچہ اس غرض کو پیش نظر رکھتا ہے کہ وہ اُس شخص کے مثل ہوجائے۔ جس کی نقل کرتا ہے
اس کے لئے دوسروں کے کیفیات واحساسات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بچہ جب کسی کے
حرکات کی مطابقت کرلیتا ہے تو لوازم کامیابی پر خاص نظر رکھتا ہے۔ گویا اس کا رقیب
بن جاتا ہے۔ بعض اوقات ہم اس وجہ سے نقل کرتے ہیں کہ جس کی نقل کرتے ہیں اُس سے
محبت یا ارادت ہوتی ہے اور اس وجہ سے اس کے حرکات و سکنات ہم کو بھلے معلوم ہوتے ہیں
اور ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم بھی اُسی کے مثل ہوجائیں۔ غرضیکہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے۔

ذرکریں کہ بچے میں علم اور دائرہ تجربہ کو وسیع کرنے میں بیش بہا معاون ہے لیکن یہی خواہش
[illegible] طرف رہبری کرتی ہے بعض اوقات ذہن میں ایک دوسری کیفیت
[illegible] پیدا ہوتی ہے جو محاکات کے اثرات کی ترمیم کا باعث ہوتی ہے۔ یہ خود نمائی
کے حرکات۔ آرار۔ روش یا قوت کی مخالفت یا مقابلت کی تحریک بھی ویسی ہی
ہے جیسی کہ تحریک محاکات۔ علاوہ ازیں دوسرے وجوہ بھی ہیں کہ جو محاکات کے
زور کو کم کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً عمل محاکات کے دوران میں کوئی نئی کیفیت تجربہ میں
آجائے یا قبل تکمیل کو پہنچنے کے محاکات کا جوش کسی وجہ سے ٹھنڈا پڑ جائے نیز بعض حرکات
ایسے بھی ہیں کہ ہم کتنی ہی مشق کریں ان کی تکمیل نہیں کر سکتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خود نمائی بھی
حصول تجربہ کا ایک جزو ہے۔

خود نمائی کی عمل آرائی شعور کی نہایت ابتدائی نمود کے زمانہ ہی سے بچہ میں شروع
ہوجاتی ہے یعنی جوں ہی اس کو یہ شعور ہونے لگتا ہے کہ اس کی ذات کے علاوہ کوئی اور چیزیں
غیر ذات بھی ہیں۔ یہ محسوس کرنے کے ساتھ ہی وہ کوشش کرتا ہے کہ جو غیر ذات چیزیں ہیں وہ
ذات کے تحت آجائیں۔

یہ بات بہت چھوٹے بچے میں بھی دیکھنے میں آسکتی ہے کہ اگر کھیلنے میں اُس کا کھلونا
ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑے اور وہ اُس تک نہ پہنچ سکے تو وہ رونا شروع کرتا ہے۔ یہی فطرت
خود نمائی ہے جس نے انسان کی رہنمائی تمام ایجادات و اختراعات کی طرف کی ہے کہ وہ فطرت کی
قوتوں کو اپنے قابو میں لایا اور نسل آدم کے تجربہ کو وسعت دی۔

لیکن یہ خوب معلوم ہے کہ تمام اجزا جن سے اوپر بحث کی گئی ہے اور جو اگر کُلاً
نہیں تو جزاً ضرور فطری ودیعت ہیں انسان کے لئے جو کہ حیوان جالس ہے کچھ بھی کارآمد نہ ہوتے
اگر زبان وجود میں نہ آتی۔ انفرادی تجربہ ہر فرد کے ساتھ ساتھ فنا ہوجاتا اور وہی راستہ
باربار طے کرنا پڑتا۔ کسی شخص کے خیالات تصورات اور محصلات دوسروں تک پہنچتے۔ اس ذریعہ

رسالت کے بغیر نسل انسانی اب بھی اپنی حالت طفولیت میں ہوتی تمام ایجادیں
موجدین و مخترعین کے ساتھ فنا ہو جاتیں کیونکہ وہ اپنے ہم جنسوں کو آ ر
نہ کر سکتے۔ غرضیکہ زبان نہایت لازم اور اس کے ساتھ نہایت جامع طریقہ
تشکل کرنے اور اُن کو دوسروں تک پہنچانے کا ہے۔ نیز زبان ایک اور وجہ
رکھتی ہے یعنی وہ ہمارے قوائے ذہنی کو قوی کرتی اور حصول تجربہ کو آسان کرد...
مقولہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے کہ زبان متقدمین کے خیالات کا نچوڑ اور نسلی ترقی کا شیرازۂ خیال ہے
اوائل زمانہ پیدائش سے بچہ اُس سے متاثر ہو کر تمیز خیالات جو اُس کی تشکیل میں مضمر ہے
یعنے تصور۔ اشیاء۔ ذات۔ تعلقات۔ علت و معلول۔ سبب و نتائج وغیرہ وغیرہ کا حامل
ہو جاتا ہے۔

ذہن انسانی ہمارے علم و یقین کی حد تک بذاتہٖ اور تنہا کوئی قیمت نہیں رکھتا۔
وہ اُسی وقت قیمت پاتا ہے جب عالم طبعی سے اُس کو تعلق پیدا ہوتا اور اس کے ساتھ
تعامل ہوتا ہے۔ گویہ تعامل کسی درمیانی کڑی ہی کے ذریعہ ممکن ہے اور یہ کڑی دلچسپی ہے
دلچسپی کی اس لحاظ سے ہم یہ تعریف قائم کر سکتے ہیں کہ وہ کسی امر میں اپنے خیالات
و اعمال کو محو کر دینے کا رجحان ہے۔ دوسرے بہت سے رجحانات کی طرح یہ بھی فطری ہے
اور ایک قسم کی چلبلاہٹ۔ آگے چلکر دلچسپی کی تربیت مختلف انواع سے کرنی پڑتی ہے کہ
حصول تجربہ میں معاون ہو۔ دلچسپی کوئی یکرخی حس نہیں ہے۔ ایک طرف تو یہ ایک ذہنی رجحان ہے
اور دوسری طرف وہ اُس شئے میں مضمر ہوتی ہے کہ جو جلب توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ چنانچہ
دونوں اجماعی طور پر تجربہ کی شکل قائم کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر نوع قسم کی چیزیں ہمارے پیش نظر
آتی ہیں مگر اُن میں سے بہت کم جلب توجہ و دلچسپی کرتی ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم کو
اُن سب کا تجربہ ہوتا ہے۔ صرف وہی چیزیں ہمارے تجربہ کا جزو بنتی ہیں جو ہمارے لئے
دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں اور ہم کو اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کرتی ہیں دلچسپی کو اہمیت اس وجہ

... وقوف کو ہمارے لئے ہموار کر دیتی ہے اور جو کچھ ہم سیکھتے یا کرتے ہیں اُسے
... ابی کی شادمانی کو دوبالا کرتی اور ہماری راہ میں جو سنگ ہائے گراں
... س و دفع کرنے میں مدد دیتی ہے۔ گویا دلچسپی حصول و تحصیل کو مسرت اور کھیل بنا دیتی ہے
... انی تجربہ جیسا کہ ہم خوب سمجھتے ہیں بہت ہی ابتدائی زمانہ سے شروع ہو جاتا ہے
... یا خود فطرت اس کے رو براہ ہونے میں ممد ہوتی ہے۔ جوں ہی بچہ کو اپنے ماحول نیز
اپنے جسمانی اعضاء کا شعور ہونے لگتا ہے اُس کو فطرتاً یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ان سے زیادہ
واقفیت حاصل کرے اور اثرات ناقشہ کا اعادہ ہو۔ اسی وجہ سے وہ ان اشیاء و اجسام سے
جن سے اُس کو واسطہ پڑتا ہے کھیلنا شروع کرتا ہے وہ اپنے اعضاء کی حرکات کا اعادہ کرتا
اور اشیاء کو الٹتا پلٹتا ہے تاکہ اُن سے پوری طرح واقف ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ
بچے کا کھیلنا بلا کسی مقصد بلکہ اہم مقصد کے نہیں ہے۔ کھیل کے دو نظریہ ہیں ایک "فراوانی قوت"
اور دوسرا "تطبیقی" اول الذکر کے لحاظ سے کھیل نتیجہ ہے "قوت محرکہ کی تکثیر" کا اور موخر الذکر کی
رو سے حرکات لہوی ایسے ابتدادی اعمال کا مطالعہ ہیں اور ممکن ہے کہ سن بلوغ کو پہنچنے پر
لازم ٹھہریں۔ ہر دو نظریوں میں تتمہ حقیقت پنہاں ہیں غرضیکہ کھیل محض بیکار اور تضیع اوقات
نہیں ہے۔ کسی طرح پر وہ حیوانات اعلیٰ تما انسان کے نشو و نما میں ممد ہوتا ہے تعجب ہے کہ
متقدمین حکماء اور عقلاء اس کو گناہ جانتے تھے۔ غالباً اُن حکما کا خیال اس حقیقت کی طرف
نہیں رجوع ہوا تھا کہ کھیل حیوان میں فطری ہے۔ اور انسان کو جو خود بھی حیوان ہی ہے گو ارتقاء کے
درجۂ اعلیٰ میں سہی دوسرے حیوانات کی طرح کھیل میں ان کا سہیم ہونا چاہیے۔ اس کا باعث
... ... شیطان اور کلیتہً بد ہے۔ اور کھیل شیطان کا کیا اس مقصد کے لئے ہے
کہ بچہ اُس کے قابو سے نکل کر جانے نہ پائے۔ غرضیکہ زمانہ سابق میں کچھ بھی رہا ہو مگر فی زمانہ
بالکل نہ سہی پھر بھی ایک بڑی حد تک کھیل کے متعلق جو سوءِ ظن تھا دفع ہو گیا ہے اور کھیل کو
کار آمد مان لیا گیا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ انسان کے ارتقاء اور تجربہ کی تکمیل میں اس کا بھی حصہ ہے

کھیل قوت کی فراوانی کو دفع کرنے کا ذریعہ بن کر دماغ کو اس سے پُر ہو کر
ہمارے ذہنی وجسمانی قوا کو مشاق بنا کر ارتقاء کا معاون ہوتا اور ہمارے
واسطہ پیدا کرا کر ہمارے ذخیرہ تجربات میں اضافہ کرتا ہے۔ اس لئے بنظر انصاف
اور اس میں شک نہیں کہ کھیل حصول تجربہ کا ایک جزو ہے۔

حاصل کلام جس کو ہم تجربہ کہتے ہیں بہ ظاہر ایک پنج حرفی لفظ ہے مگر اس کا ... نا
واحد فرد کے حیطۂ تصور سے زیادہ بسیط ہے۔ تمام پہلوؤں پر اگر غور کیا جائے اور بنظر امعان دیکھا جائے تو
وہ صرف کسی فرد یا پشت بلکہ نسل انسانی کے ابد الآباد سے اب تک کے مدارج ارتقائی اور
محصلات کا جو ہم کو موروث ہوئے ہیں ماحصل ہے۔ اس کی حقیقت پر اگر خیال جائے تو انسان کے
دائم السیر دماغ اور فطرت کی قوتوں کے باہمی عمل و تعامل کا نتیجہ و خلاصہ ہے۔ اور حیات بہت
محدود ہے۔ کوئی واحد فرد تمام تجربات کے میدان کو طے کرنے سے عاری ہے اس لئے فطرت
اس کی مدد کرتی ہے اور اس میں چند رجحانات ودیعت کر دیتی ہے اب آگے انسان
خود مختار ہے۔ اپنے کام کی بدرجۂ اتم تکمیل کرنے کے لئے لازم ہے کہ پہلے وہ اپنے پیشروں کے
تجارب خیالات اور تصورات پر وقوف حاصل کر لے کہ وہ اس کے لئے بنیاد کا کام دیں لیکن
چونکہ ابتدائے حیات میں بچہ بالکل مجبور و لاچار اور ناقص الارتقاء ہوتا ہے اسی لئے اس کی ارتقا سے
اس کو نتیجہ خیز طریقہ پر متواقف کرنے کا فرض اولین اس کے والدین کے ذمہ رہتا ہے۔ اور بعدہ
اس کے سنین کے بچے اور حقیقی معلم بچوں کے والدین ہی ہیں لیکن جوں جوں دنیا ترقی کرتی گئی اور
معاشرت زیادہ پیچیدہ ہو کر والدین کے اوقات میں مصروفیتوں کا اضافہ ہوتا گیا انہیں اپنا
[illegible] دوسروں کے ذمہ کرنا پڑا۔

رفیع الدین صاحب صدیقی
بی اے۔ بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع عثمان آباد

بے روزگاری

"حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا۔"!

ہماری زندگی آج کل ایسے دور میں ہو رہی ہے جو نہایت اہم اور روز افزوں انقلاب پذیر ہے۔ ہر گوشہ زندگی میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہر پرانی چیز متبدل ہو رہی ہے جو یہ مفید اور امید افزا قلب ہیئت دائرہ تعلیم و ترقی پر بھی اپنا اثر ڈال رہی ہے ہماری انسانی ماہوت کا نقطہ نظر جو دور حال اور جدید (Scientific سائینٹفک) معلومات کی وجہ کافی وسیع ہو چلا ہے ہمارے طرز زندگی اور طریقہ تعلیم پر بھی کافی روشنی ڈال رہا ہے۔ چنانچہ ایک سوسائٹی موسوم بہ (International Fellowship of new Education) لندن میں کچھ عرصہ سے قائم اور کار آموز ہے۔ جس کا اصل منشا، اور مقصد یہ ہے کہ ہماری توجہ اس نئی تحریک (تعلیمی تہذیبی تمدنی اخلاقی وغیرہ) کی جانب منعطف کرائے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہم کہاں ہیں اور ہماری کیا حالت ہے؟ ہمارا ملک جیسے کہ واضح ہے اوہام اور رسومات کی پیروی کے تحت [illegible] ہے اس کے سینہ میں کا چراغ زندگی اب ٹمٹما رہا ہے۔ علاوہ بریں ہمارے ابنائے جنس مروجہ طریقہ اور نصاب تعلیم کے تحت جو صلاح طلب ہے اور جو یہاں کے ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا ہے اپنی زندگی کا کافی اور بیش قیمت حصہ رائیگاں کر رہے ہیں۔

موجودہ آئین تسلیم باوجود زمانہ ایک صدی، کہنہ و دیرپا ہونے کے نامناسب ثابت ہو رہا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم اس کو اپنا ایک سہارا تصور کئے ہوئے ہیں ہماری اس شخص کی سی حالت ہے جو غرق ہوتے وقت ایک تنکے کو بھی غنیمت خیال کرتا ہے۔ اور یہ خود فراموشی

صرف ہمارے ہی لاحاصل "قدامت پسندی" کا بین ثبوت اور نتیجہ ہے جس کے لئے ہم ...

مگر اب ہمیں اس خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہئے اور اس کا احساس کرنا لابد ہے کہ ہمارے نوجوان جو مستقبل کے نونہال ہیں جن کے نشو و نما پر ہمارے ملک اور قومیت کا انحصار ہے ان کی کیا حالت ہے؟ جہاں کہیں بھی نظر ڈالئے ایک ہجوم طلباء نظر پڑے گا۔ جو باوجود بی اے اور ایم اے ہونے کے اپنی زندگی قلت ذرائع معاش کی وجہ نہایت ہی عسرت و تنگی میں بسر کر رہے ہیں۔ اور جن کی پیشانیوں پر الفاظ "فکر و پریشانی" خط جلی میں لکھے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس ناموزوں طریقۂ تعلیم (ادبی) (Literary Education) کے وہ کچھ ایسے خوگر ہو چکے ہیں کہ اپنی اس "طبع ثانی" کو وہ کسی طرح بدل نہیں سکتے اور وہ اپنی طرز زندگی کو گرد و نواح کے مترادف نہیں کر سکتے چہ جائے کہ کسی بہتری یا ترمیم کی ان سے امید ہو۔ لہٰذا اس کا ظاہری نتیجہ یہ ہے کہ قوم کے نظر میں ان کے اس مصنوعی تحصیل تہذیب کی قدر گھٹ گئی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ ذریعہ معاش و معاون قوم و ملت ثابت ہوں اپنی اس محدود ادبی تعلیم (Literary Education) کے تحت اپنے متعلقین کی زندگی اور حصول معاش کو نیست و نابود کر رہے ہیں۔ اور ان کی مثال شہد کی اس مکھی سے دی جا سکتی ہے جو بہ سبب اپنی کاہلی کے دوسروں کے دست نگر ہے۔ مطلب یہ کہ جب انسان خود اپنے پاؤں پر آپ کھڑا رہ سکنے کے قابل ہے تو کیوں دوسروں کا محتاج رہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ حالیہ طرز تعلیم اس حوصلہ افزائی اور تحصیل ذرائع معاش کے مانع ہے نیز یہ کہ سادگی، صنعت، احساس حسن اور دیگر عمدہ خوبیوں سے ہمارے نوجوان محروم ہیں اور ... ہوئے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ گو وہ نظر حقارت سے نہیں تو کم از کم ... کی نظر سے تو ضرور دیکھے جاتے ہیں۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس پر اور تنقید و تحصیل لاحاصل ہے۔ ہم اپنے ناظرین کرام سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ خود اس مسئلہ

اب رہا یہ سوال کہ اس "درد بے درماں" "محض ادبی تعلیم" کا کیا علاج، جو کہ گھن کی طرح ہمارے ملک کے جسد میں سرایت کر گئی ہے اور کر رہی ہے۔ اور پھر یہ سوال کہ ہمارا اس مہم میں کیا مستقبل ہونا چاہئے۔ جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے نوجوان عین "کارزار حیات" میں ایسے اسلحہ کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں جو ان کے لئے غیر موزوں، ناکافی اور بعد میں "زندہ درگور" ہونے کا باعث ہوتے ہیں۔

کوئی اجنبی سرکار سے یہ توقع کہ وہ کسی غیر ملک کی فلاح و بہبود اور خصوصاً اہم ترین "مسئلہ قومی یعنی ترقی و اصلاح تعلیم" میں دلچسپی کے ساتھ کوشاں ہو ایک حد تک ہماری زیادتی ہے لیکن بفضلہ ہمارے یہاں یعنے حیدرآباد میں یہ بات نہیں ہے۔ نہ صرف اپنا والی بلکہ خود ملک بھی تعلیمی و تمدنی دلچسپی کی طرف گامزن ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے ملک کے متمول افراد سے یہ امید بے سود نہیں ہوگی کہ وہ اپنے ذرائع معاش کے ایک جز کو ملک کے ترقی اور اصلاح کے لئے وقف کریں اور گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائیں۔ مگر فی الحال ملک ایسے افراد کی عدم توجہ کا شاکی ہے اور یہ شکایت ایک حد تک حق بجانب ہے۔

ہندوستان نیز ہمارا ملک خصوصاً زراعتی ہے۔ لہذا اس کی بیحد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جملہ مدارس کے نصاب تعلیم میں فن زراعت اور متعلقہ مضامین کو بھی لازمی قرار دیا جائے چنانچہ جب ایک طالب علم مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر دیہات کو واپس لوٹے تو اس قابلیت سے وہ اپنے امور زراعت وغیرہ کو بخوبی و حسن کمال انجام دے۔

لہذا ۵۰ فی صدی طلباء زراعت کے لئے تیار کئے جائیں کسی ملک کے اقتصادی ترقی کے لئے صرف ایک ہی پیشہ کا کارگر ہونا کافی ہے۔ صنعت و حرفت کی ترقی بھی نہایت ضروری و لازمی ہے۔

مغرب کی موجودہ آسودہ حالی صرف صنعتی ترقی پر منحصر ہے۔ لہذا ہمارے ملک میں بھی

صنعتی مدارس اور درسگاہوں (Vocational Institutions) کا نفاذ ہمارے ہی آسودگی و خوشحالی کا موجب ہوگا۔

بس رفتہ رفتہ ہمارے محدود طرز تعلیم کو "صنعتی تعلیم" میں رنگنے کا خیال ہمارے پیش نظر رکھنا ہم پر لازم ہو گیا ہے ورنہ وہ دن کچھ دور نہیں جب کہ "بعد از خرابی بصرہ خواجہ بیدار شد" کی پھبتی ہم پر اڑنے لگے۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

چنانچہ اگر ۵۰ فی صدی طلبا فن زراعت کی تعلیم پائیں تو کم سے کم ۳۰ یا ۴۰ فی صدی صنعتی تعلیم حاصل کریں۔ صرف ۱۰ فی صدی کو ادبی تعلیم دینا موزوں و مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کسی طالب علم کے دلی رجحان اور لگاؤ کسی خاص چیز کی طرف فوراً تاڑ لیا جا سکتا ہے۔ فن زراعت جو بذات خود ایک دلچسپ شغل ہے۔ کم از کم کافی طلبا کا میلان طبع اس کی طرف راغب کر سکتا ہے۔

کسی ملک کے معیار ارتقا کا اندازہ اس کی صنعتی ترقی سے معلوم ہو سکتا ہے چنانچہ انگلستان کا مشہور ناشر اور ادیب رسکن یہ کہتا ہے کہ "زندگی بغیر کسب یا صنعت کے جرم ہے اور صنعت بغیر ہنر کے وحشی زندگی اور ہر تر حیوانیت ہے"۔ دور کیوں جائیے سعدی علیہ الرحمۃ کا حسب ذیل مصرع خالی از حکمت نہیں۔ ع کسب کن تا کہ عزیز جہاں شوی۔

میری یہ ایک استدعا اپنے بے روزگار بھائیوں کی خدمت میں ہے کہ اگر اپنے پاس خوبی قسمت سے زمینات ہیں تو آپ کی کوشش یہ رہے کہ آپ از خود ان کے اصلاح و نگہداشت میں دلچسپی لیں۔ اس کو کارآمد بنانے کی حتی الامکان کوشش کریں۔ کیونکہ ملک کی عمدہ و اعلیٰ تنظیم کا دارومدار اس کے زمینات کی بہتر کاشت اور دیہاتی مرفع الحالی پر مبنی ہے۔ آپ لوگوں کا صرف ادبی تعلیم کے بھنور میں غوطہ زن رہنا خالی از مضرت نہیں۔ نہ صرف خود اپنی ذات کے لئے موجب خطر ہے بلکہ سرکار کا بھی اس میں بے حد نقصان ہو رہا ہے۔ ملک کے امتیازی علامت کا آفتاب بجائے اس کے کہ بام ترقی پر ہو ڈھل رہا ہے۔

صنعتی تعلیم کی تحصیل ہمارے حیات اور سلامتی کے لئے نہایت ضروری ہے جس کے حصول پر آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ ان مصنوعیات پیچیدگیوں اوہام دور از کار رسومات اور علی الخصوص پبلک opinion (جو دستکاری کو گرا ہوا پیشہ سمجھ رکھی ہے) کے خوفناک بھوت پر حاوی ہو جائیں۔

یہی وہ اسباب ہیں جو متحدہ طریقہ پر ہمارے خوشیوں اور امنگوں کی حس کو خس و خاشاک کی طرح کچل رہے ہیں۔ اور جو صریحی طور پر ہماری بربادی کا باعث ہیں۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

سید مجتبیٰ حسین نقوی صدر مدرس فوقانا نائیڈیہ

مدرسہ کی گھڑی

دیہاتی مدارس میں یہ عام شکایت رہتی ہے کہ مدرسہ میں گھڑی نہیں ہے۔ جس سے نظم و نسق مدرسہ میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اور اگر گھڑی موجود بھی ہو تو عام طور پر درست نہیں رہتی اور اس کو درست رکھنا ممکن بھی نہیں ہے۔ گھڑی صرف اس صورت میں درست رہ سکتی ہے جب کہ مدرس اس کو درست کرنا جانتا ہو اس وجہ سے دیہاتی مدارس کے نظم و نسق کے نقائص اکثر غریب گھڑی پر عاید ہوتے ہیں۔

جس مدرسہ کا نظم و نسق گھڑی کی وجہ سے بار بار بگڑتا اور خرابی سے خلل پذیر ہو اس کی حالت اچھی نہیں ہے۔

اگر استاد کو کوئی معمولی آلہ وقت کی پابندی کے لئے بنانا منظور ہے تو بنا سکتا ہے۔

اور اس کی مدد سے مدرسہ کا کام چلا سکتا ہے۔ اس آلہ کے بگڑنے کا خوف نہیں رہتا جس گھڑی کا
نمونہ ذیل میں درج ہے۔ یہ گھڑی منٹ یا سکنڈ نہیں بتا سکتی وہ صرف دن کے لئے کارآمد ہوگی
رات کے لئے نہیں۔ اس کا انحصار تمام تر سورج پر ہوگا۔ اسی لئے اس کو دھوپ گھڑی کہتے ہیں
اس (گھڑی) کے دن کے گھنٹے (۱۲) ہوں گے۔ جب آفتاب اُفق سے اوپر ہو تو مدرسہ کا
کام کلاک کی مدد سے نہ چلایا جائے گا بلکہ مناسب یہ ہے کہ سورج کی مدد سے ہونا چاہئے جیسا کہ دنیا کے
بیشتر کاروبار سورج کے ہی مدد سے چلتے ہیں اگر یہ دھوپ گھڑی بگڑ بھی جائے تو اس کو کسی
گھڑی ساز کی ضرورت نہیں۔

موجودہ زمانہ میں وقت کا اندازہ گھنٹوں کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ دن اور رات کو
(۲۴) گھنٹوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مگر دیہات میں یہ طریقہ مروج نہیں ہے۔ وہاں وقت کا اندازہ
کرنے کے لئے یہ دیکھتے ہیں کہ سورج افق سے کس قدر بلند ہوا ہے۔ اس لحاظ سے طلوع سے
غروب تک کے (۴) حصہ کرتے ہیں جس کی تقسیم ذیل میں درج ہے۔

ڈھائی پل = ایک منٹ ۱ ۱/۲ گھڑی یا ۳ گھنٹے = ایک پہر
۶۰ پل یا ۲۴ منٹ = ایک گھڑی ۸ پہر = ایک دن

دیہاتی لوگوں سے وقت دریافت کیا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ سورج ایک نیزہ
اونچا چڑھ گیا ہے یا دوپہر ہو گئی ہے۔ دیہات کی بولیوں میں ایک پہر، دوپہر، تین پہر
چار پہر وغیرہ الفاظ عام ہیں۔ ولایتی گھڑی کی ایجاد نے اس قسم کے الفاظ و محاورات
خارج کرنا شروع کر دئیے ہیں۔ اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیہاتی بچوں کو ان محاورات
و الفاظ کے اصلی مفہوم سے آگاہ کیا جائے۔

دھوپ گھڑی کے دو حصے ہوتے ہیں

(دیکھو تصویر) ۸
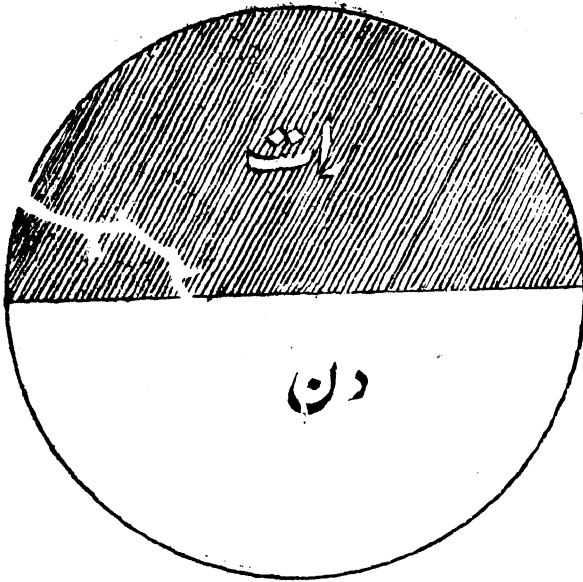
اور ہر حصہ ۱۲ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ جس میں صرف دن کا حصہ ہی استعمال کیا جاتا ہے
اور دن کے ۱۲ گھنٹے (جو گذشتہ سبق میں بتلائے گئے ہیں دیکھو دائرہ کے مرکز پر لکڑی کا
سایہ جب کہ بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے) ہوں گے۔ یہ ۱۲ گھنٹے دو حصوں میں تقسیم کئے جائیں گے
جن کا ہر حصہ (۶) گھنٹے کا ہوگا۔ جب سورج صبح طلوع[1] ہو تو اسی وقت لکڑی کا سایہ ناپ کر
نشان کر دیا جائے مشاہدہ سے معلوم ہوگا کہ اس وقت سایہ بہت ہی بڑا ہے۔ جیسا جیسا سورج
اونچا ہوتا جائیگا۔ سایہ چھوٹا ہوتا جائیگا چنانچہ ۱۲ بجے سایہ بہت ہی چھوٹا ہو جائے گا۔ برخلاف اس کے دوسرے
چوتھائی حصہ میں ۱۲ بجے کے بعد سے شام کے ۶ بجے تک سایہ بڑھتا جائے گا عین شام کے
چھے بجے سایہ اتنا ہی بڑا ہوگا جتنا صبح کے ۶ بجے طلوع آفتاب کے وقت تھا۔

(دیکھو تصویر ۲۰)

---

[1] اس کے لئے استاد کسی جنتری سے جو دیہات میں بہت آسانی سے مل سکتی ہے سورج کا طلوع اور غروب کا
وقت بھی روز معلوم کریں۔ اور مدرسہ کی گھڑی اس کے مطابق رکھیں۔
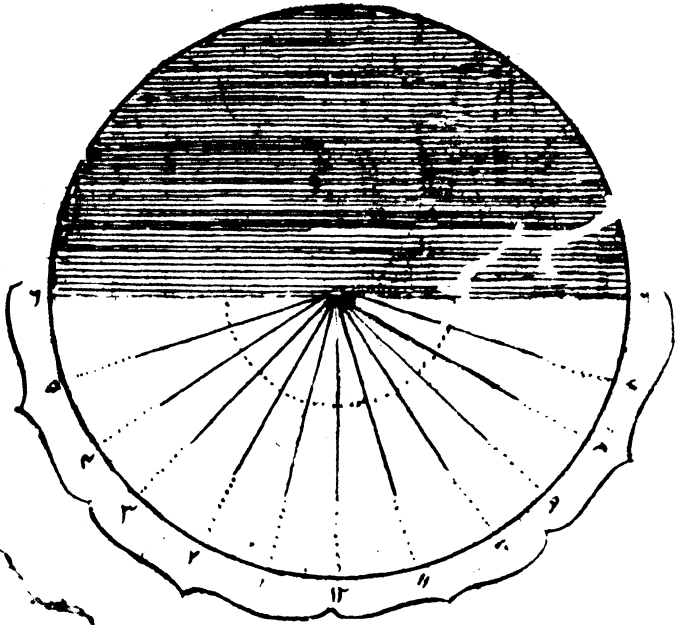
دائرہ کا ہر چوتھائی حصہ اسی طرح چھے حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ جس کے دو حصے ۱۲ گھنٹے کے مساوی ہوں گے۔ اس مشاہدہ سے یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ جب سورج چھے بجے طلوع ہوتا ہے غروب بھی تقریباً چھے ہی بجے ہوتا ہے۔

اس گھڑی کے تین گھنٹے (۶ بجے سے ۹ بجے تک) ایک پہر کے مساوی ہوں گے اور اسی طرح ۱۲ بجے تک دوپہر جو کہ اردو زبان کی روزمرہ میں شامل ہے۔ پورے دن اور رات کے آٹھ پہر ہوں گے۔

یہ گھڑی دیہاتی مدرسہ کے لئے بہت ہی موزوں ہے جب تک زمین اور سورج قائم ہیں اس وقت تک یہ گھڑی کام دیتی رہے گی۔

گھڑی آج کل بہت معمولی چیز ہو گئی ہے۔ اس کی شکل استاد خود اپنے مدرسہ کے صحن میں بنا سکتا ہے۔ اس کے لئے وہی دائرہ استعمال کیا جا سکتا ہے جو پیشتر سے صحن میں کھنچا ہوا ہے۔

کاغذ پر ایک دائرہ بناؤ۔ اس کو موڑ کر دو برابر حصوں میں تقسیم کرو۔ پھر موڑ کر اس کے چار حصے کرو۔ اور دوسرے دن صبح سے مدرسہ کی گھڑی سے مقابلہ کرو۔ اس طرح ہر ایک حصہ (۳) گھنٹے یا ایک پہر کا ہوگا۔ اور چاروں حصے بارہ گھنٹے کے ہوں گے۔ پس ہر تین کا حصہ ایک زاویہ کہلائے گا اس طرح زاویہ کا خیال بچوں کے سامنے پیش کیا جائے کہ وہ ایک موڑ ہے جس کو ہم ناپ سکتے ہیں جیسے ہم لمبان وغیرہ کو ناپتے ہیں۔ اس زاویے کی اکائی اس وقت قائمہ رکھی جائے۔ اس طرح اس دائرہ میں چار زاویے قائمے ہوں گے۔

دائرہ کے مرکز پر دو لکڑی کے ٹکڑے گھڑی کی سوئیوں کا کام دے سکتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے بچوں کو گھنٹے معلوم کرنے کی مشق کرائی جائے۔ اس موقع پر منٹ کا ذکر چھیڑنا مناسب نہیں اور ایک ہی سوئی سے کام لینا چاہئے اور چونکہ ایک زاویہ قائمہ تین حصوں کا ہوتا ہے پروٹریکٹر کے ذریعہ سے معلوم کرکے اس آلہ کا استعمال بھی سکھا سکتے ہیں کیونکہ پیمانہ کی طرح یہ بھی ایک آلہ ہے جس سے زاویے ناپنے کا کام لے سکتے ہیں۔

یہ آلہ ہم مدرسہ میں آسانی سے کسی چپٹے یا موٹے کاغذ کا تیار کر سکتے ہیں۔ اس وقت زاویے کے صرف بڑے حصوں سے کام لینا چاہئے۔ اس کی مشق ہونے کے بعد چھوٹے حصے لے سکتے ہیں اس طرح آہستہ آہستہ ہر ایک زاویہ قائمہ پندرہ برابر منٹوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اس پر سوالات کئے جائیں۔

(۱) پندرہ منٹ کا زاویہ بناؤ ________ (۲) ۴۵ منٹ کا زاویہ کونسا ہے؟ ________

(۳) گھڑی کا پورا دائرہ کتنے منٹوں کا ہوتا ہے؟ (۴) ایک آدمی مشرق سے شمال کی طرف جاتا ہے وہ کتنا زاویہ بنائے گا۔

(۵) گھڑی کے ۳ اور ۱۰ کے بیچ میں کتنا زاویہ ہوگا۔ ناپ کر بتاؤ ________

(۶) ۱۵ منٹ کا زاویہ ۹۰ درجہ کا ہوتا ہے تو پانچ منٹ کا زاویہ کتنے درجہ کا ہوگا؟ اور ایک منٹ کا کتنا ہوگا۔

اب ہم بچوں کو دھوپ گھڑی اور ولایتی گھڑی کا فرق آسانی سے بتا سکتے ہیں کس لیے ایک کے نصف دائرہ کے بارہ حصے اور دوسری کے پورے دائرہ کے بارہ حصے ہوتے ہیں یعنے ولایتی گھڑی کی عقرب سوئی دو دفعہ پورے دائرہ کا چکر لگاتی ہے اور دھوپ گھڑی کی ایک ہی دفعہ گھومتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ولایتی گھڑی میں بارہ گھنٹے اس وجہ سے کئے گئے ہیں کہ اس کی سطح بہت چھوٹی ہوتی ہے اس لیے اس کے چوبیس حصے بہت ہی چھوٹے ہوں گے اور وہ اچھی طرح نظر نہیں آسکیں گے یعنی اس قسم کی گھڑی میں صرف بارہ حصے ہوتے ہیں اب اس قسم کے سوالات کر سکتے ہیں۔

(۱) بارہ بجے سوئیاں کہاں کہاں ہوتی ہیں۔ (۲) تین بجے سوئیوں کی کیا شکل ہوگی ان کا زاویہ کتنا ہوگا

(۳) چار بجے زاویہ کیا ہوتا ہے۔

سمت اور زاویے کا ناپنا | اب طلباء غالباً سیدھی آڑی اور ٹیڑھی لکیروں کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کا باہمی فرق معلوم کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ان کو تیر کا نشان بنا کر اس کا مفہوم سمجھایا جائے کہ یہ ایک سمت کا نشان ہے۔ پھر ذیل کے سوالات کئے جائیں۔ اور یہ فرق بتلایا جائے کہ شکل ایک اور دو میں تیر کا نشان سمت بتلاتا ہے اور شکل ایک میں خط ا الف سے ب کی طرف کھینچا گیا ہے اور شکل (۲) میں خط ب سے ا کی طرف

ا ب
اور
ب ا
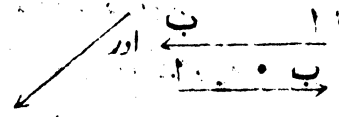
شکل ۱ اور ۲ کا فرق خطوط کی سمتوں کا فرق مانا جائے۔ اس مقام پر یہ بتلایا جائے کہ خطوط کا نام کس طرح دیا کرتے ہیں۔ اب اور با میں فرق کیا ہے۔ خطوط کا نام دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔

دو یا کئی لکیروں کا سمت اور رخ اور ان کے نام ایک ہی ہو سکتے ہیں دیکھو شکل (۴)

آ ——— ب
آ ——— ب

دونوں آلف سے ب کی طرف کھینچے گئے ہیں مگر ان کے موڑ میں فرق ہے۔ یہاں پر مختلف قسم کے لکیروں کا نمونہ بنا دیا جائے۔ مثلاً عمودی۔ افقی۔ منحنی۔ اور ترچھی۔ منحنی اور پیچدار وہ خطوط ہیں جو اپنی سمت بار بار بدلتے ہیں

ایک خط آلف۔ ب (شکل ۴) خطوط آ سے آ۔ ج اور آ۔ ج سے آ۔ د اور آ۔ د سے آ۔ س تک پہنچا ہے۔ اور ہم اس موڑ کو ناپ سکتے ہیں اس موڑ کا نام زاویہ ہے

شکل (۴)

س
د
ج
ب ——— آ

جب یہ موڑ (۹۰) حصوں کا ہوتا ہے تو اس کو زاویہ قائمہ کہتے ہیں۔ اس حالت میں دوسری لکیر پہلی لکیر پر بالکل سیدھی واقع ہوتی ہے۔ اس مثال کے لئے صحن کی لکڑی استعمال کی جائے اور طلبا کو بتلایا جائے کہ اس کا سایہ صبح (۶) بجے سے (۱۲) بجے تک ایک زاویہ قائمہ بناتا ہے۔ اور اس طرح دوپہر (۱۲) بجے سے (۶) بجے شام تک دوسرا زاویہ قائمہ بناتا ہے پس صبح سے شام تک دو زاویہ قائمے بنتے ہیں
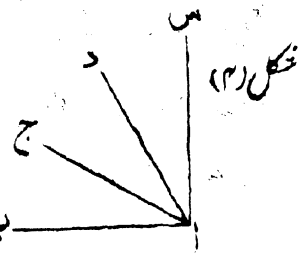
اسی طرح جب کوئی خط مستقیم کئی خطوط کا چکر لگا کر پھر اسی اصلی مقام پر داخل ہو جاتا ہے تو اس دوران میں وہ (۴) زاویے قائمے بناتا ہے۔

طلباء کو کہا جائے کہ ایک زاویہ قائمہ (۹۰) حصے کا ہوتا ہے۔ ایسے چار زاویے کے (۳۶۰) حصے ہوتے ہیں۔ اب اس پر سوالات کر سکتے ہیں۔ ذیل کے زاویے پروٹریکٹر سے ناپ کر بناؤ۔ (۳۰) ڈگری (۶۰) اور (۹۰) اور (۴۵) ڈگری۔ ایک مثلث قائمۃ الزاویہ کاٹ کر اس کے تینوں زاویے ناپو اور بتاؤ کہ تینوں زاویے مل کر کتنے درجے ہوتے ہیں اس طرح دوسری قسم کی مثلث بنا کر ان کے زاویوں کو ناپو اور ہر ایک مثلث کے زاویوں کی میزان کرو۔

*

مینڈک کی سوانح حیات

برسات کا موسم ہے گھن گھور گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں مور اپنے رقص سے جنگل کی محفل کو فریفتہ کر رہا ہے۔ جھینگروں کی جھنگار۔ پپیہوں کی پیہو پیہو اور مینڈک کے ترانے سے ایک آلاپ پیدا ہوتی ہے جس کی داد درخت جھوم جھوم کر دے رہے ہیں۔ یہ ہے قدرتی موسیقی جس میں سن سان جنگل میں بھی خدا کے ترانے گائے جا رہے ہیں اس موسیقی سے متاثر ہو کر شاعر اُسے سراہنے لگے۔

(۱)

ابر و ہوا کے واہ واہ! شکوہ عجب ہی زور تھے
بھبک رہا تھا سب چمن منہ کے جھڑا کے زور تھے
غوک پپیہے مور تھے جھینگروں کے بھی شور تھے
بادہ کشی کے اور تھے عیش طرب کے چھور تھے
باغ میں تا باغباں جتنے تھے شور بور تھے
آپڑے ایسے ناگہاں یہ جو خوشی کے چور تھے

(۲)

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں
اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

(۳)

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگا دیں
جھینگر جھنگاری اپنی سرنائیاں بجا دیں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینہ بلا دیں
پی پی کریں پپیہے مینڈک ملہاریں گا دیں

(۴)

جو مست ہوا دھر کے کر شور ناچتے ہیں
پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا کے اوپر گھن گھور ناچتے ہیں
مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

ہندی کے ایک مشہور کوی نے تو برکھا رت کی تعریف میں مینڈک کی آلاپ کو وید دھن سے تشبیہ دے ڈالی اس نے تو تشبیہ کی حد کر دی۔

دادر دھن چہوں اور سہائی   دید پڑھیں جنو بٹ سمودائی

یہ راگ جو شاعروں کی بلند پروازی کی موجب ہے بچوں میں بھی ایک اُمنگ پیدا کر دیتا ہے اور وہ اس تحقیق میں لگ جاتے ہیں کہ اس راگ کا آلاپنے والا کون ہے۔ اپنے دھن کے پکے بچے آخر ش اس کا پتہ لگا لیتے ہیں اور ان کو عجب حیرت اور مسرت ہوتی ہے جب کہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اس کا برساتی دوست ہے جو اُن کے انگنائیوں میں کبھی اِدھر اچھل گیا تو کبھی اُدھر کود نکلا۔

آؤ اس برساتی دوست سے واقفیت حاصل کریں۔

مینڈک کا ماحول اور آواز کا پیدا ہونا اس موسم میں مینڈک افراط سے پائے جاتے ہیں تالابوں اور پوکھروں کے پانی کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اطراف جمع ہو جاتے ہیں موسم سرما میں جب کہ سردی ناقابل برداشت ہوتی ہے تو وہ زمین میں گُھس جاتے ہیں اور وہیں اپنے بُرے دن کاٹتے ہیں جوں ہی سرما کی شدت ختم ہوتی یہ زمین سے نکل کر پھر پانی میں گھس بیٹھتے ہیں اور ٹرّانے لگتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مینڈکوں کا ایک مقام میں جمع ہونا اُن کی اجتماعی جبلت کا ثبوت ہے۔ مگر یہ بات نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مینڈک کا بچپن پانی میں کٹتا ہے۔ ٹرّانے کی آواز حنجرہ میں سخت وترات الصوتیاں کی بدولت پیدا ہوتی ہے نر مینڈک میں آواز کی گلگیا تھیلیاں بھی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے آواز دو چند ہو جاتی ہے۔ آواز کی گلگیا تھیلیاں اندرونی ہوتی ہیں لیکن ٹرّانے کے عمل میں ہوا سے پھول جاتی ہیں۔ اور گلا بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے

انڈوں کا گچھا مینڈک شادی کرتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد مادہ پانی میں انڈے دیتی ہے۔ یہ انڈے ایک گچھے میں ہوتے ہیں اور ان کی تعداد ۱۰۰۰ – ۲۰۰۰ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مینڈک کے متعدد دشمن ہوتے ہوئے بھی یہ عالم ہستی میں موجود ہے۔ انڈوں کا گچھا ۸ – ۱۲ سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ جب انڈے خارج ہوتے ہیں تو ایک لسدار مادے سے آلودہ ہوتے ہیں

لسدار مادہ کے فوائد لسدار مادہ سے آلودہ انڈے پانی جذب کرکے پھول جاتے ہیں یہ لسدار مادہ بے رنگی اور شفاف ہوتا ہے یہ جھلی انڈوں کے بڑے کام کی چیز ہے اس کی وجہ سے انڈے ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں۔ اس میں بہت سے سبز الگا (Allgae) مقید ہوجاتے ہیں جو روشنی میں آکسیجن خارج کرتے ہیں اور یہ آکسیجن انڈوں کے تنفس کے لئے بے بہا چیز ہے میلے پانی میں جس میں نامیاتی مادہ اور سبز چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں انڈوں کے گچھے پانی پر تیرتے رہتے ہیں مگر شفاف پانی میں یہ تہ آب بیٹھ جاتے ہیں۔ علاوہ بریں جھلی کے باعث انڈوں کا گچھا آبی پودوں سے الجھ جاتا ہے اور دور و دراز منتقل نہیں ہونے پاتا۔ چھوٹے چھوٹے کیڑے اُن کو اپنی خوراک نہیں بنا سکتے۔ یہاں تک کہ یہ انڈے چڑیوں اور مچھلیوں سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ جھلی کا کام اس لئے انڈوں کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کا ناگوار ذائقہ بھی کسی حد تک انڈوں کی محافظت کا باعث ہوتا ہے جھلی کی محدب سطح ایک عدسہ کا کام کرتی ہے پس آفتاب کی شعاعیں جنین پر پڑتی ہیں۔

انڈے رکھنے کے بعد مینڈک اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجاتے ہیں اور انڈے اپنے آپ بڑھتے رہتے ہیں۔

انڈے کی تبدیلیاں انڈے کروی ۲-۳ سم قطر والے ہوتے ہیں۔ اُن کے اوپری حصے کالے ہوتے ہیں نیچے کی طرف ایک سفید داغ ہوتا ہے۔ اوپری حصہ کالا ہونے کی وجہ سے یہ حصہ زیادہ روشنی جذب کرسکتا ہے جو بڑھوار کے لئے مفید ہے پہلی تبدیلی جو وقوع پذیر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کالا رنگ تمام سطح پر پھیل جاتا ہے۔ ایک ہفتہ کے بعد انڈے لمبے ہوجاتے ہیں اور ان کی شکل کچھ کچھ ڈمبل کی سی ہوجاتی ہے۔ دسویں گیارھویں دن سر دھڑ اور دُم یہ تین حصے نظر آنے لگتے ہیں اب اس کی شکل مچھلی کی سی ہوجاتی ہے۔ سر کے ہر جانب منقسم گچھوں کے دو جوڑے نکل آتے ہیں اس کے بعد تیسرا جوڑ بھی نکل آتا ہے یہ گچھے بیرونی گلپھڑے ہیں اور یہی تنفس کے ابتدائی عضو ہیں پندرہ دن کے بعد چھوٹے چھوٹے نوکیے جھلی کے اندر تیزی سے حرکت کرنے لگتے ہیں

اور ایک ایک کرکے باہر نکل آتے ہیں
پھر وہ تمام جھلی سے چمٹ جاتے ہیں عام
لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ غوکچے جھلی سے
اپنی غذا حاصل کرتے ہیں مگر یہ خیال درست
نہیں ہے کیونکہ ان کے ابھی تک منہ نہیں
ہوتے غوکچوں کے سر کے نچلے جانب سنگی[1]
ہوتی ہیں اور انہیں کی مدد سے وہ جھلی
یا پتیوں کو پکڑ لیتے ہیں سنگی دراصل ایک
قسم کے غدود ہیں جن سے ایک لسدار مادہ
رستا ہے جس کی بدولت یہ چھوٹے سے
جانور جائے قیام سے چپٹ جاتے ہیں
چند دنوں کے بعد منہ بھی تیار ہو جاتا ہے
اور اس کے کنارے پر سخت جبڑے اور
جھالردار ہونٹھ ہوتے ہیں۔ ہونٹھوں کے
ان ابھرے ہوئے حصوں کے درمیان
چھوٹے چھوٹے دندانے ہوتے ہیں۔ ان کا
کام غذا کو پکڑنا ہے۔ جبڑوں میں بھی دندانے
ہوتے ہیں جو پاس پاس جڑے ہوتے ہیں
جن کا کام غذا کو کھرچنا ہے۔ غوکچے اب ایلگا
اور دیگر چھوٹے چھوٹے پودوں پر اپنی زندگی بسر کرنے لگ جاتے ہیں۔ نباتی غذا حاصل کرنے کے
ایام میں غذائی نلی بہت بڑھ جاتی ہے۔ پس انہضامی سطح بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔ غوکچہ کے بطنی طرف

[1] Suckers
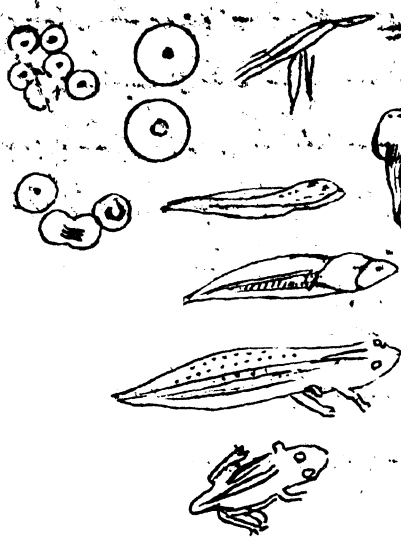
لپٹی ہوئی غذائی نلی نظر آتی ہے۔ اس اثنا میں بیرونی گلپھڑوں میں چند تغیرات وقوع پذیر
ہوتے ہیں۔ گلے کے ہر جانب چار شگاف ہو جاتے ہیں پس گلے میں پانی کے آمد و رفت کا
راستہ بن جاتا ہے ان شگاف کے کنارے اندر کی طرف مڑ جاتے ہیں اور اندرونی گلپھڑے
تیار ہو جاتے ہیں۔ گلپھڑوں کے اگلے حصہ سے سر کے ہر جانب کھال کی ایک تہ نکل آتی ہے
یہ تہ بڑھ کر شگافوں کو ڈھانک لیتی ہے اور اس گھیرے ہوئے حصہ کو گلپھڑوں کی خول کہتے ہیں
آخرش یہ تہ دائیں جانب جسم کی پوشش سے مل جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گلپھڑوں کا
خول بالکل بند ہو جاتا ہے بائیں جانب ایک شگاف کھلا رہ جاتا ہے اور منہ کے ذریعہ داخل شدہ
پانی جو گلپھڑے کو تر رکھتا ہے اسی شگاف کے ذریعہ خارج ہوتا ہے۔ اس وقت تک بیرونی
گلپھڑے بیکار ہو جاتے ہیں اور ان میں دل سے خون کی آمد و رفت منقطع ہو جاتی ہے۔ بتدریج
یہ بیرونی گلپھڑے غائب ہو جاتے ہیں اور تنفس کا کام اندرونی گلپھڑوں سے انجام پاتا ہے
اب تک غوکچہ کی عمر قریب ۴، ۵ ہفتے کی ہو جاتی ہے اور اس کی لمبائی قریب ایک انچ ہوتی ہے
اس کا رنگ نیلا بھورا ہوتا ہے۔ دم کی حرکت سے وہ پانی میں تیزی سے تیرتا رہتا ہے۔
دم (Muscle) عضلات کی بنی ہوتی ہے اور اس کے بطنی اور ظہری دونوں جانب
ایک ایک سفنہ ہوتا ہے۔ اس کا جسم اب بیضوی ہوتا ہے اور دھڑ اور سر میں کوئی امتیاز نہیں
کیا جا سکتا۔ آنکھیں پہلو میں ہوتی ہیں منہ گول ہوتا ہے مگر اس وقت تک سنگی بالکل باقی نہیں رہتی
ساتویں ہفتہ میں دم کے قاعدہ پر دو جھلے ابھر آتے ہیں یہ بڑھ کر پچھلی ٹانگیں بن جاتی ہیں
بتدریج یہ جوڑدار ہو جاتی ہیں اور دس بارہ دن میں انگلیاں بھی نکل آتی ہیں۔ اگلی ٹانگیں بھی
اسی وقت نکلتی ہیں لیکن کچھ عرصہ تک نظر نہیں آتیں۔ کیونکہ گلپھڑوں کی خول سے ڈھکی ہوتی ہیں
پھر دائیاں عضو اس خول سے باہر نکل آتا ہے لیکن بایاں شگاف میں سے باہر نکلتا ہے۔
جب غوکچہ کی عمر تقریباً تین ماہ کی ہو جاتی ہے تو اس کے طرز زندگی میں ایک انقلاب
ہو جاتا ہے۔ اس کی پھرتی میں کمی ہو جاتی ہے اور اس کا کھانا موقوف ہو جاتا ہے۔ کھال کی

بیرونی پوست نکل جاتی ہے سخت ہونٹھ اور جبڑوں کی جگہ اصلی دانت نکل آتے ہیں پھیپھڑے
تیار ہونے لگتے ہیں اور غوکچہ ہوا میں سانس لینے کے لئے پانی کے اوپر نکل آتا ہے جب تنفس کا
کام پھیپھڑوں سے ہونے لگتا ہے تو گلپھڑے غائب ہوجاتے ہیں اور ان کے شگاف بند
ہوجاتے ہیں۔ غذائی نلی بہت چوڑی ہوجاتی ہے اور اس کی لمبائی پہلے کی نسبت $\frac{1}{4}$
رہ جاتی ہے۔ بناوٹ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ غوکچہ کی غذا میں بھی تبدیلی واقع ہوجاتی ہے
پہلے تو غوکچہ نباتی غذا پر بسر کرتا تھا مگر اب اس کی غذا میں چھوٹے چھوٹے کیڑے شریک ہیں۔
اس کا منھ اب بہت چوڑا ہوجاتا ہے اور زبان آگے کی طرف جڑی رہتی ہے۔ اس کی
آنکھیں بھی جو پہلے بالکل کھلی رہتی تھیں کھوپری کے تغیرات کی بدولت سر کی اوپری سطح پر
آجاتی ہیں۔ آنکھوں پر پلک تیار ہوجاتے ہیں۔ دم کی سفنیں تبدریج غائب ہوجاتی ہیں اور
دم بھی چھوٹی رہ جاتی ہے پچھلی ٹانگیں کافی لمبی اور مضبوط ہوجاتی ہیں۔ اور حرکت میں مدد
دیتی ہیں غوکچہ کی دم بھوک کے وقت اُسے غذا مہیا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے غوکچے
جنہیں غذا مہیا نہیں کی جاتی جلدی ~~جلدی چھوٹے~~ بدلتے ہیں۔ جب یہ تمام تبدیلیاں پوری
ہوجاتی ہیں تو غوکچہ اپنی زندگی کے دوسرے منزل میں قدم رکھتا ہے اور اب جوان مینڈک
بن کر پانی کو چھوڑ زمین پر رہنے لگتا ہے۔

مینڈک کی عام ساخت | مینڈک کی کھال چکنی اور تر ہوتی ہے۔ اوپری تہ پتلی اور شفاف
ہوتی ہے اور کینچلی کی طرح بدلتی رہتی ہے۔ کھال پر دو قسم کے غدود ہوتے ہیں جن سے ایک
مادہ خارج ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے کھال تر رہتی ہے۔ اس کی گردن نہیں ہوتی لیکن
سر تکونا ہوتا ہے جس کی اوپری سطح پر نمایاں دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ اوپری پلک چھوٹا ہوتا ہے
اور آنکھوں کے ڈھیلے سے ملا رہتا ہے اور اس ~~سے آنکھ کا ایک~~ چھوٹا سا حصہ ہی ڈھک سکتا ہے
نیچے کا پلک ایک پتلی جھلی ہوتی ہے اور یہ بھی آنکھ کے ڈھیلے سے لگی رہتی ہے۔ جب آنکھ
بند ہوتی ہے تو آنکھ کا ڈھیلا عضلات کے سکڑنے سے اندر چلا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

ہڈی کے جوف (کاسۂ چشم) میں موجود نہیں رہتی بلکہ منہ کے جوف سے ملی رہتی ہے۔
ان دونوں کے درمیان محض ایک جھلی ہوتی ہے۔ نکونے سر کے راس کی طرف دو چھوٹے
نتھنے ہوتے ہیں آنکھوں کے پیچھے کان نظر آتے ہیں۔ یہ بیضوی اُبھرے ہوئے مدور حصے
ہوتے ہیں۔ یہ کان کے پردے ہیں جو آواز کی لہروں کو اندرونی کان تک لے جاتی ہیں۔
مینڈک کا جسم دو اگلی ٹانگوں پر سنبھلا رہتا ہے ان کی کہنیاں آگے کی طرف اور پیر اندر کی طرف
نکلے رہتے ہیں اور جالدار انگلیاں پھیلی رہتی ہیں۔ اگلی ٹانگوں کے مقابلہ میں پچھلی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں
اور پچھلے پیر اور ایڑی کی لمبائی اگلے سے تگنی ہوتی ہے اس کی پیٹھ پر ایک کوب ہوتا ہے
جہاں پر کولھے کی ہڈیاں آخری مہرے سے ملی ہوتی ہیں۔

حرکات مینڈک آہستہ آہستہ رینگتا ہے پہلے یہ اپنی اگلی ٹانگوں کو آگے بڑھاتا ہے اور
پھر اپنی پچھلی ٹانگوں کو کھینچ لیتا ہے جوں ہی کوئی شور ہوا وہ چوکنا ہو جاتا ہے اور اب وہ
اُچھل کر بھاگنے لگتا ہے اور کسی جگہ چھپ جاتا ہے اور اگر پانی کے کنارے پہونچ گیا تو ایک
چھلانگ مارتا ہے اور سر کے بل پانی میں کود جاتا ہے مینڈک کے کودنے میں اس کی لمبی اور
مضبوط پچھلی ٹانگیں بڑی کارآمد ہیں لمبا پیر جست مارنے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ اُسے
زمین پر مڑی ہوئی ٹانگوں کو سیدھا کرکے مینڈک اُچھل پڑتا ہے اور اپنے اگلے پیروں کے
بل زمین پر آگرتا ہے۔ اس کی اگلی ٹانگیں لچکدار ہوتی ہیں جس کی وجہ سے اُسے دھکا نہیں لگتا
پانی میں بھی وہ اپنی پچھلی ٹانگوں سے پھٹکاریں مارتا ہے اور اگلی ٹانگیں جسم کے
پہلو میں سیدھی پھیلا دیتا ہے۔ اس طرح سے وہ پانی میں پھرتی سے تیرتا رہتا ہے۔ پچھلے
پیر جھلی دار ہونے کی وجہ سے پانی کو پھٹکارنے کے لئے زیادہ موزوں ہیں جب کہ وہ آہستہ
آہستہ تیرتا ہے تو اگلی ٹانگوں کو آہستہ آہستہ اوپر نیچے کی طرف حرکت دیتا ہے جب وہ پانی
کسی آبی پودے کے سہارے ٹھہرا رہتا ہے تو اس کی اگلی ٹانگیں سہارے کو پکڑے رہتی
اور پچھلی ٹانگیں پھیلی رہتی ہیں

مینڈک کی غذا مینڈک اپنے منہ کو بہت چوڑا پھاڑ سکتا ہے یہ اس کی بدولت غذا کھاتا ہے
اور غذا گرفتار بھی کر لیتا ہے۔ مینڈک کی غذا میں مکھیاں چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے شریک
ہیں۔ مینڈک کے چاروں طرف ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی افراط ہوتی ہے۔

لہذا اُسے اپنی غذا کی تلاش میں کہیں جانا نہیں پڑتا وہ ان پتنگوں یا کیڑوں کی تاک میں
بیٹھا رہتا ہے۔ جب مکھی اڑتی ہوئی کسی سہارے پر بیٹھنا چاہتی ہے تو وہ اور بھی چوکنا ہو جاتا ہے
۔ وہ اپنی اگلی ٹانگوں کے بل کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایک دو قدم مکھی کی طرف رکھتا ہے پھر ٹھیر جاتا ہے
جب مکھی بالکل بیٹھ جاتی ہے تو ایک جست مارتا ہے اور مکھی کا نام و نشان نہیں رہتا۔ یہ عمل
اس تیزی سے ہوتا ہے کہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ آیا مکھی اڑ گئی یا اُسے مینڈک چٹ کر گیا۔

مینڈک کو اب غور سے دیکھنے سے سب شبہ دور ہو جائے گا۔ مینڈک کسی چیز کو نگلتا ہوا
نظر آتا ہے۔ اس عمل پر آنکھیں تھوڑی دیر بند ہو جاتی ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکھی کا کام
تمام ہو گیا۔ بغور دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ مینڈک شکار کو اپنی زبان سے پکڑتا ہے۔ زبان منہ کے
گلے حصہ سے لگی رہتی ہے۔ اور اس کا آزاد کنارہ گلے کے طرف ہوتا ہے۔ زبان دو حصوں میں
منقسم ہوتی ہے اور جب زبان باہر نکلتی ہے تو تالو کے اگلے حصہ میں واقع غدود کے لسدار
مادہ سے اس کی نوک آلودہ ہو جاتی ہے یہ بڑی تیزی سے بہت فاصلہ تک منہ کے باہر
نکل آتی ہے۔ اگر قسمت کا پھوٹا کیڑا اس سے چھو بھی گیا تو پھر اس کی رہائی ممکن نہیں یہ غذا
اب منہ میں داخل ہوتی ہے اور حلق (Gullet) کے ٹھیک اوپر پہنچ جاتی ہے اگر یہ
غذا ایسی جگہ پر پہنچ سکی جہاں سے آسانی سے نگلی جا سکے تو وہ اپنے آنکھ کے ڈھیلوں کی مدد سے
دھکیل کر اسے گلے میں پہونچا دیتا ہے۔ آنکھ کے ڈھیلے اور منہ کے جوف کے درمیان بعض مقام ایک
جھلی ہوتی ہے۔ لہذا مضبوط ڈوروں اور عضلات کی مدد سے منہ کے جوف میں دبائی جا سکتی ہیں
تاکہ نگلنے کے عمل میں کار آمد ہو سکیں یہ ایک عجیب بات ہے کہ کوئی جانور غذا کے نگلنے میں آنکھوں کو
استعمال کرے۔

جب کہ مینڈک کے شکار میں کوئی بڑا کیڑا آ پھنستا تو دوسرا ہی طرز عمل کام میں آتا ہے۔ بجائے زبان کو باہر پھینکنے کے مینڈک اسے اپنے جبڑوں سے پکڑ لیتا ہے اوپری جبڑے میں دانتوں کی ایک قطار ہوتی ہے اور تالو میں دانتوں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ دانت پیچھے کی طرف جھکے ہوتے ہیں اور ان میں سے شکار نکلنے نہیں پاتا۔

مگر یہ دانت کاٹنے کے کام کے نہیں ہیں۔ نیچے جبڑے میں دانت نہیں ہوتے اس قسم کے جانوروں کے نگلنے میں آنکھ کے ڈھیلے خاص طور پر کار آمد ہیں۔

تنفس اگر آرام سے بیٹھے ہوئے مینڈک کو بغور دیکھا جائے تو اس کی تنفس کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوں گی۔ اس کے نتھنے کھلتے۔ بند ہوتے نظر آئیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ زبان کے نیچے کا حصہ بھی اوپر نیچے حرکت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ تنفس کا عمل ذیل کے طریقے ہوتا ہے۔

جب کہ نتھنے کھلے ہوتے ہیں اور پھیپھڑوں کا راستہ مزمار (Glottis) بند رہتا ہے۔ تل زبان (Floor of the mouth) نیچا کیا جاتا ہے۔ اس عمل میں منھ کی گنجایش بڑھ جاتی ہے اور ہوا نتھنوں کے ذریعہ داخل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فوراً تل زبان اٹھا لیا جاتا ہے اور منھ کے جوف کی ہوا پھیپھڑوں میں دھکیلی جاتی ہے۔ اور مزمار Glottis کھل جاتا ہے۔ جب پہلو کے عضلات سکڑتے ہیں اور لچک کی بدولت پھیپھڑے اپنی پرانی جگہ پر آنا چاہتے ہیں تو ہوا پھیپھڑوں سے خارج ہوتی ہے۔ لیکن اس عمل کے ختم ہونے سے قبل ہی نتھنے پھر کھل جاتے ہیں۔ پس پھیپھڑوں کی ہوا پورے طور پر کبھی خارج نہیں ہونے پاتی۔ لیکن وہ تازہ ہوا سے منھ کے جوف میں مل جاتی ہے اور کچھ نتھنوں کے ذریعہ خارج ہو جاتی ہے یہ بات عیاں ہے کہ تنفس کے عمل میں منھ نہیں کھلتا۔ اگر منھ کھول دیا جائے تو تنفس کا عمل نہ ہو سکے گا اور بیچارہ جانور اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ مینڈک کی جلد سے بھی ہوا کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے پس پھیپھڑوں کے عمل کے موقوف ہونے کے بعد بھی تھوڑی دیر تک وہ جلد کے ذریعے تنفس کا عمل کرتا ہے

مدارس ثانویہ و تحتانیہ کے نصاب تعلیم یعنی اردو و انگریزی ریڈرس اور جماعت فرسٹ فارم سے
مڈل تک کے نصاب حساب۔ جامٹری و جبر مقابلہ کے لئے صرف ایک کتاب اور جماعتہائے سوم
چہارم و فرسٹ و سکنڈ فارم کے نصاب اخلاقیات میں سال آیندہ سے جدید کتب کے شریک نصاب ہونے کی
خبر ملی گئی۔ براہ کرم اساتذہ صاحبان طلباء کو اس سے مطلع فرمادیں۔

سر نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات کی خدمت میں ان کے وظیفہ پر علحدہ ہونے کے
موقع پر ایک سپاسنامہ پیش کرنے کے متعلق غور و خوض کرنے کی غرض سے عہدہ داران و ارکان
سررشتہ تعلیمات کا ایک جلسہ بتاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۸ء مطابق ۱۹ آبان [illegible] ف منعقد کیا گیا۔
جلسہ مذکور میں باتفاق آراء یہ طے پایا کہ عہدہ داران و ارکان سررشتہ تعلیمات کی جانب سے
اس غرض کے لئے بطیب خاطر جو چندہ پیش کیا جائے وہ قبول کیا جائے۔ بشرطیکہ وہ دس
فی صدی مشاہرہ سے زائد نہ ہو۔ چنانچہ حسب تفصیل مندرجہ حاشیہ مبلغ ([illegible]) سکہ عثمانیہ اور ([illegible]) سکہ کلدار چندہ پیش کیا گیا۔

مجلس انتظامی نے تجویز کی کہ۔

۱۔ رقم وصول شدہ سے عصرانہ اور دیگر متفرق ضروریات کے لئے

		سکہ عثمانیہ	سکہ کلدار
۱۔	دفتر نظامت تعلیمات	[illegible]	[illegible]
۲۔	مدرسہ فوقانیہ انگریزی چادرگھاٹ بلدہ	[illegible]	[illegible]
۳۔	محبوبیہ گرلز اسکول بلدہ	[illegible]	[illegible]
۴۔	سٹی کالجیٹ اسکول بلدہ	[illegible]	[illegible]
۵۔	جاگیردار کالج بیگم پیٹھ	[illegible]	[illegible]
۶۔	انجینئرنگ اسکول بلدہ	[illegible]	[illegible]
۷۔	دفتر ڈائرکٹر آف بائز اسکوٹس	[illegible]	[illegible]
۸۔	زنانہ کالج نامپلی	[illegible]	[illegible]

صرف اسی قدر رقم صرف کی جائے جس کی اشد ضرورت ہو۔

۲۔ اور باقی رقم کسی ایسے طریقہ پر محفوظ کرائی جائے جس سے کہ زیادہ سے زیادہ منافعہ حاصل ہو۔

۳۔ اور منافعہ وصول شدہ سے ان گزیٹیڈ ارکان سررشتہ تعلیمات کے لڑکوں اور لڑکیوں کے نام وظائف تعلیمی جاری کئے جائیں۔

نوٹ۔ ارکان سررشتہ تعلیمات میں اساتذہ مدارس امدادی بھی شامل ہوں گے۔

بنا بر رقم وصول شدہ سے حسب صراحت حاشیہ مبلغ ([illegible]) سکہ عثمانیہ اور ([illegible]) سکہ کلدار خرچ ہوئے اور رقم ([illegible]) سکہ عثمانیہ اور ([illegible]) سکہ کلدار بچ رہے ہیں۔

۹۔ عثمانیہ ٹریننگ کالج بلدہ	([illegible])	(۔)
۱۰۔ دفتر صدر مہتممہ صاحبہ مدارس نسوان بلدہ	([illegible])	(۔)
۱۱۔ دفتر صدر مہتمم تعلیمات مستقر بلدہ و اطراف بلدہ	([illegible])	(۔)
۱۲۔ دفتر صدر مہتمم تعلیمات صوبہ ورنگل	([illegible])	(۔)
۱۳۔ دفتر صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف	([illegible])	(۔)
۱۴۔ دفتر صدر مہتمم تعلیمات صوبہ میدک	([illegible])	(۔)
۱۵۔ دفتر صدر مہتمم تعلیمات صوبہ اورنگ آباد	([illegible])	(۔)
۱۶۔ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد	([illegible])	(۔)
۱۷۔ مدرسہ تعلیم المعلمین مرہٹی اورنگ آباد	([illegible])	(۔)
۱۸۔ دفتر مہتمم مدارس صنعت و حرفت اورنگ آباد	([illegible])	(۔)

۱۔ تیاری کاسکٹ	([illegible])	(۔)
۲۔ ایٹ ہوم	([illegible])	(۔)
۳۔ طبع اڈریس	([illegible])	(۔)
۴۔ متفرق	([illegible])	([illegible])
۵۔ واپسی رقم از چندہ وصول شدہ	([illegible])	(۔)

اس غیر متصرفہ رقم کی نسبت یہ طے پایا ہے کہ اس کو کسی کواپریٹیو بنک میں امانتاً جمع کرا دیا جائے اور اس کے منافعہ سے ہر سال حسب قواعد منظورہ کمیٹی عاملہ ([illegible]) ماہوار کا ایک وظیفہ تعلیمی

جاری کیا جائے۔ اور

نیز یہ طے پایا کہ۔

۱۔ اس وظیفہ کو "وظیفہ یادگار نواب مسعود جنگ" کے نام سے موسوم کیا جائے۔ اور

۲۔ رقم مجتمعہ اور منافعہ محصلہ کی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے بشمول ارکان ذیل ایک ماتحتی کمیٹی قائم کی جائے۔

(۱) نائب ناظم تعلیمات (۲) صدر مہتمم تعلیمات بلدہ (۳) معتمد مجلس انتظامی

(۴) بموجب قواعد منظورہ وظائف کے اجرائی کی غرض سے علاوہ ماتحتی کمیٹی متذکرہ بالا کے ایک مجلس انتظامی قائم کی جائے۔

گورنمنٹ مڈل اسکول کامارڈی | ۹ ؍ آذر ۱۳۳۳ف بروز یکشنبہ منجانب اساتذہ مڈل اسکول کامارڈی بوجہ تبدیل جناب مولوی سید غلام دستگیر صاحب سررشتہ ناظر تعلیمات ضلع نظام آباد زیر صدارت جناب مولوی حاجی آغا شیخ علی رضا صاحب دوم تعلقدار جلسہ وداعی بہ شرکت جملہ عہدہ داران مقامی و وکلاء اور جناب ناظر صاحب تعلیمات حال ۵½ بجے سے ۷ بجے شام تک ہوا۔ بعدہ ارپوشانی سید مصطفی سید حسینی طالب علم نے قرأت کی۔ عبدالکریم صاحب مدرس نے ناظر صاحب کی توصیف میں لکھی ہوئی نظم پڑھی۔ سید واحد حسین صاحب مدرس نے منجانب انجمن اساتذہ مدرسہ ہذا اڈریس سنایا اور جناب ناظر صاحب کی خدمت میں پیش کیا مولوی قمرالدین احمد صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی۔ ہیڈ ماسٹر و محمد فصیح الدین صاحب و سعید بن علی صاحب مدرس و پنڈت نارائن راؤ صاحب وکیل نے ناظر صاحب موصوف کے اخلاق محاسن و کارگذاریوں کا اظہار کرتے ہوئے تقریریں فرمائیں۔ مولوی سید غلام دستگیر صاحب ناظر نے اپنے خیالات کے اظہار کے ساتھ ساتھ احباب و مدرسین کا شکریہ ادا کیا۔ جناب صدرنشین صاحب نے ناظر صاحب موصوف کی ادبی و حسابی قابلیت و اخلاص کیشی کا تذکرہ

کرتے ہوئے ان کے محاسن کا لب لباب نہایت خوبی سے بیان فرمایا۔ بعدازاں جناب مولوی قمرالدین صاحب بی اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر مدرسہ ہذا نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ بعد ختم ایٹ ہوم جو مدرسین مدرسہ ہذا کے جانب سے ترتیب دیا گیا تھا جلسہ ختم ہوا۔

سنا گیا ہے کہ وقارآباد تا بیدر ریلوے جو سرکار عالی عنقریب تعمیر کرانے والی ہے وقارآباد سے بجانب شمال جنوب چلکر مورنگاپلی سے پاس اننت گری کے پہاڑی سلسلہ سے گزرے گی بعد ازاں پلی سے جہاں پر پہاڑی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے بلا وقت کوہیر وا یلی کی سطح مرتفع کے بائیں مرلاپلی تک جائے گی۔ اس کے بعد چڑھائی شروع ہوگی جس کے اختتام پہ دریائے مانجرا پار کر کے شہر بیدر کے شمالی دروازہ پر پہنچ جائے گی۔ اور بوقت ضرورت اودگیر تک اس کی توسیع ہو سکے گی۔ غالباً اس پر اکتیس لاکھ روپیہ صرف ہوگا اور اس کی تیاری کے لئے دو سال کی مدت درکار ہوگی۔

اطلاع ملی ہے کہ مولوی نظام الدین صاحب مالک ریاض الاسلام فیکٹری حیدرآباد نے جلندھر کے قریب سنگ مرمر کی کان دریافت کی ہے۔ انجینئر صاحب معدنیات سرکار عالی اس کے معائنہ کی غرض سے گئے ہوئے ہیں۔ اگر واقعی عمدہ سنگ مرمر دستیاب ہوگیا تو باعث حیدرآباد کے لئے بہت مبارک فال ہے

اطلاع۔ اردی بہشت ۱۳۳۰ف کے پرچہ میں اعلان کیا گیا تھا کہ شہریور مہر و آبان ۱۳۲۹ف کے پرچے شائع نہ ہوں گے۔ اور آذر ۱۳۲۹ف سے المعلم کا نیا سال ~~خریداری شروع~~ ہو کر آبان ۱۳۳۰ف پر ختم ہوگا لیکن اس اعلان کے باوجود شہریور مہر آبان ۱۳۲۹ف کے پرچے طلب کئے جا رہے ہیں خریداران صاحبان المعلم براہ کرم اعلان مذکور کو ملاحظہ فرمائیں۔

مکتبۂ ابراہیمیہ

دور عثمانی کا اولین مکتبہ ہے۔ جو ایک عرصہ سے اہل ملک کی علمی ادبی خدمت گزاری میں معروف ہے ملک کا یہی ایک مکتبہ ہے جس نے کتب بینی کے مذاق کو پبلک میں ابھارا اور تعلیمی و علمی کتابوں کی نشر و اشاعت سے ملک میں تصنیف و تالیف کی تحریک کی پرچار کر رہا ہے۔ اس کی جانب سے دماغی کاوشوں کے لئے ہر وقت ہونہار اور لایق اردو انشاپردازوں کو صلائے عام ہے۔ حال ہی میں ابنائے ملک کے مشترکہ سرمایہ سے انجمن ہائے امداد باہمی سرکار عالی کے تحت مکتبہ کی رجسٹری کرائی گئی ہے۔ تاکہ عوام الناس بھی اس علمی ادارہ میں شریک ہو کر اپنی اجتماعی مالی قوت سے ملک کو علم و ادب کی دولت سے مالا مال کریں ضمناً اس سے مالی منفعت بھی حاصل کریں۔ مکتبہ میں اردو کتابوں کا بڑا اسٹاک موجود ہے اور ہر وقت اردو کی جدید مطبوعات جو ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں۔ مہیا کرتا ہے۔ درسی کتابیں فن تعلیم کی کتابیں، آلات تعلیم نقشہ جات، آلات سائنس، بچوں کے عام مطالعہ کی کتابیں، عورتوں کے مذاق کی کتابیں، طلبا کے انعام کے قابل کتابیں، مدارس کے کتب خانوں کے قابل کتابیں اور اردو کے مشہور علمی ادبی ماہوار رسالے اور مطبوعہ فارم یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ خود مکتبہ بھی وقتاً فوقتاً تعلیمی اور علمی ادبی کتابیں شائع کرتا رہتا ہے اس کی شائع کردہ کتابیں ملک میں خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اب اس نے ایک ماہوار علمی رسالہ بھی مجلہ مکتبہ کے نام سے جاری کیا ہے جس کی جلد اول ختم ہو چکی ہے اس میں علم و ادب لطیف کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ اس رسالہ کی سالانہ قیمت (للعہ) اور ششماہی ([illegible]) ہے اس کی خریداری میں سہولتیں پیدا کی گئی ہیں تاکہ حتی الامکان ہر شخص مجلہ مکتبہ سے مستفید ہو۔ مدرس صاحبان بھی اس رعایت سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں یعنی یکمشت یا بدفعات دو روپے کی درسی و دیگر کتابیں (دو روپے کی مطبوعات مکتبہ) خریدنے پر سال بھر یا چھ ماہ کے لئے رسالہ مفت جاری ہو سکتا ہے۔

مکتبہ ابراہیمیہ نے جو تعلیمی کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کو ٹکسٹ بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکار عالی نے منظور کر کے بذریعہ گشتیات مدارس سرکار عالی کے نصاب تعلیم میں داخل کر لیا ہے۔ یہ کتابیں ملک کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھ کر جدید طریقہ تعلیم کے اصولوں پر لائق و تجربہ کار اساتذہ سے لکھوا کر شائع کی گئی ہیں اور کتابوں سے تعلیمی کورس اور ذہنی تربیت کی تکمیل کما حقہ ہو سکتی ہے۔ طرز بیان عام فہم، زبان سلیس و شستہ، کاغذ، لکھائی، چھپائی عمدہ ہے

(۱) حمایت الحساب برائے جماعت صغیر قیمت ۴ر۳ہر
(۲) ؍؍ مع ضمیمہ برائے مدرسین قیمت ۷ر۶ہر
(۳) ؍؍ برائے جماعت اول قیمت ۶ر
(۴) ؍؍ ؍؍ دوم قیمت ۶ر۶ہر
(۵) ؍؍ ؍؍ سوم ؍؍ ۱۲ر

(۶) حمایت الحساب برائے جماعت چہارم قیمت ۱۴ر
(۷) معلومات دیہی حصہ اول برائے جماعت سوم ؍؍ ۲ر۶ہر
(۸) ؍؍ دوم ؍؍ چہارم ؍؍ ۴ر۶ہر
(۹) جغرافیہ ریاست حیدرآباد برائے جماعت ؍؍ چہارم پنجم قیمت ۱۲ر

مکتبہ کی شائع کردہ علمی، ادبی کتابیں۔

جن کے متعلق ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم نے بہترین رائیں دی ہیں حسب ذیل ہیں یہ کتابیں ہر کتب خانہ میں قابل ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔

(۱) دکن میں اردو مصنفہ محمد نصیر الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل ؎
(۲) خیابان اردو مولفہ احمد عارف صاحب ؎
(۳) روح تنقید مصنفہ سید غلام محی الدین صاحب قادری ایم اے ۱۲ر
(۴) تنقیدی مقالات ؍؍ ؍؍ ۱ؔ؍
(۵) اردو کے اسالیب بیان ؍؍ عہ
(۶) محمود غزنوی کی بزم ادب ؍؍ ۱۲ر
(۷) دنیائے افسانہ مصنفہ محمد عبد القادر صاحب سروری ایم اے ال بی ۴ہر
(۸) جواہر کلیات نظیر مولفہ سید غلام مصطفے صاحب ذہین و مختار احمد صاحب عہ

(۹) مبادی فلسفہ از میر حسن الدین صاحب بی اے ال ال بی ۱۴ر
(۱۰) اسوہ حسنہ مصنفہ احمد عبد اللہ صاحب مسدوسی متعلم بی اے ۸ر
(۱۱) آثار الکرام حصہ اول مصنفہ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ام ار اے ایس ۱۲ر
(۱۲) شاہ رفیع الدین قندھاری مولفہ محمد عبد الغفور صاحب عابدی ۵ر
(۱۳) خزینۂ اخلاق از سید عبد العزیز صاحب عزیز ۶ر
(۱۴) سیرۃ خیر البشر (نظم) از سید غلام مصطفے صاحب ذہین ۱ر
(۱۵) نیک بی بی (؍؍) ؍؍ ۲ر
(۱۶) چھوٹا شیطان (نظم) ؍؍ ۱ر

حسب ذیل ماہانہ رسالے بھی مکتبہ سے مل سکتے ہیں

نیرنگ خیال	۵ر۱ر	معارف	۹ر۲ہر	عالمگیر (خاص نمبر)	عہ
عالمگیر	۵ر۱ر	ہمایون	۹ر۲ہر	نیرنگ خیال (عید نمبر)	عہ
عصمت	۵ر۱ر	زمانہ	۹ر۲ہر	زمانہ (جوبلی نمبر)	عہ
بنات	۲ر۲ہر	مخزن	۷ر	مخزن (سالانہ نمبر)	عہ
نگار	۹ر۲ہر	مجلہ مکتبہ	۶ر	نگار (مومن نمبر)	عہ

ملک کا علمی خدمت گزار

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی (محدود) اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

جلد پنجم نمبر ۳

ماہ بہمن ۱۳۳۸ ف

مدیر — محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چھاپا حیدرآباد
(دکن)

*

صدارت عظمیٰ یعنے باب حکومت سرکار عالی نے بذریعہ مراسلہ نشان (۹۶۱)
مورخہ ۱۰ فروردی ۱۳۳۶ف اعظم اسٹیم پریس کو ازراہ قدر افزائی و رعایا پروری گورنمنٹ
ایجوکیشنل پرنٹر مقرر فرمایا ہے سرکار عالی کی اس قدر افزائی کا کارپردازان و مالک مطبع تہِ
دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد جملہ جلیل القدر عہدہ دار صاحبان سررشتہ تعلیمات
وصدر مدرسین و اساتذہ صاحبان و طلباء مدارس خانگی و سرکاری کی
خدمت میں استدعا ہے کہ

حسب منشاء باب حکومت سرکار عالی اس مطبع سے خدمات طباعت و جملہ سامان تعلیمی
وکتب درسی و فارمس وغیرہ کے آرڈر سے سرفراز فرما کر مطبع ہذا کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے
انشاء اللہ تعالیٰ یہ کارخانہ بھی اپنے معاملہ داروں سے بپابندی وعدہ اور اخذ اجرت
واجبی اور اپنی سچائی اور خوش معاملگی و خوبی کار سے جو اس کی ترقی کا حقیقی راز ہے مالک
ملک کی خدمت گزاری میں کبھی دریغ نہ کرے گا

خاکسار

سید عبد القادر

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین بابتہ ماہ بہمن ۱۳۳۸ف

نمبر ۳	بابتہ ماہ بہمن ۱۳۳۸ف	جلد ۵

نذر عقیدت

حضرت اقدس و اعلیٰ مد ظلہم العالی

کی سفر دہلی سے مراجعت فرمائی کے وقت رعایائے دکن نے
جس خلوص کے ساتھ اظہار عقیدت کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لی جانے کی کوشش
کی ہے وہ تاریخ دکن میں نہایت اہم واقعہ گنا جائے گا۔ کمانوں کی تیاری۔ بیرقوں کی زیبائش

روشنی اور عام طور پر شہر کی آراستگی تو معمولی بات ہے۔ ذرا سی توجہ سے یہ سب کچھ
بڑے سے بڑے پیمانہ پر ممکن ہے لیکن وہ خلوص جس کا اظہار ۱۹ ادے سنہ رواں کو
حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں ہوا اسی وقت ممکن ہے جب کہ رعایا کو اپنے مالک سے محبت ہو
اور مالک کو اپنی رعایا کے فلاح و بہبود میں انہماک ہو۔ ناظرین کرام تفصیلی حالات سے
واقف ہو چکے ہیں۔ ذیل میں ہم وفا شعار رعایا کا سپاس نامہ اور اس کا حکیمانہ جواب
جو اپنی آپ نظیر نہیں رکھتا درج کرنے کی عزت حاصل کرتے ہوئے مدرسین صاحبان سے
التماس کرتے ہیں کہ وہ طلباء کو یہ پڑھ کر سنائیں اور مطالب کو واضح کر کے دلنشین کریں
تا کہ بادشاہ اور رعایا میں جو گہرا تعلق ہے اس کی جڑیں مضبوط و پائیدار ہوں۔

ناچیز مدیر

اعلیحضرت قدر قدرت قوی شوکت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی ہز اگزالٹڈ ہائنس سپہ سالار مظفر الملک والممالک نظام الدولہ نظام الملک نواب میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ آصفجاہ سابع

بشرف عرض باریافتگان ———— میرسانند کہ

ہم اطاعت کیش مجلس صفائی بلدہ حیدرآباد دکن کے ارکان سرکار عالی کے جملہ عزیز رعایا و برایا، ساکنین بلدہ کے نمایندوں کی حیثیت سے پیشگاہ اقدس و عالی مدظلہم العالی میں اس غرض سے حاضر ہیں کہ جو خوشی مسرت حضرت اقدس و اعلی مدظلہم العالی کے چند روزہ مفارقت کے بعد بخیر و خوبی اس سفر مظفر سے مراجعت فرمائی کی وجہ سے بلدہ کے رعایا و برایا وغیرہ کے سینوں میں جوش زن ہے اُس کا با ادب تمام اظہار کریں اور حضرت اقدس و اعلی مدظلہم العالی کے قدوم میمنت لزوم کا دلی عقیدتمندی کے ساتھ خیر مقدم بجا لائیں۔

(۱) سب سے پہلے ہم حضرت اقدس و اعلی مدظلہم العالی کے اس شاہانہ الطاف بندہ نوازی کا

عجز وانکساری کے ساتھ شکریہ ادا کرتے ہیں کہ حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہم العالی نے ہماری ناچیز درخواست کو شرف قبولیت عطا فرما کر ہم کو اپنے جذبات عقیدت اور احساسات ارادت کے اظہار کا موقع عنایت و سرفراز فرمایا۔

۲۔ حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہم العالی کی رعایا پروری عدل گستری فراست۔ اور دانشمندانہ فیاضی۔ عاقلانہ ہمدردی مردانہ ہمت یہ ایسے اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ ہیں جو تمام عالم پر اظہر من الشمس ہیں۔ ان صفات شاہانہ سے نہ صرف باشندگان ممالک محروسہ کے قلوب متاثر ہیں بلکہ اُن کا سکہ تمام ہندوستان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس میں نہ کوئی مبالغہ ہے اور نہ کوئی غلو جس شخص نے اُن عظیم الشان استقبالوں اور اُن پرجوش اژدہاموں کو معائنہ کیا ہے یا اُن کے بیانات پڑھے ہیں جو بلدہ ہی سے شروع ہو گئے تھے اور جن کا سلسلہ پایۂ تخت دہلی تک مسلسل جاری رہا کیا وہ یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ تمام اظہار محبت وعقیدت نمود بے بود تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہم العالی کی عالمگیر ہمدردی بے تعصبی علم پروری۔ ہنر نوازی اور شاہانہ دستگیری و فیاضی نے رعایا برایا اپنے پرائے اور یگانہ و بیگانہ سب کے دلوں کو یکساں طور سے مسخر و مفتوں کر رکھا ہے۔ ہم خدام بارگاہ ایسے بادشاہ ظل اللہ کی اس شہرت و نام آوری اور ہر دلعزیزی پر جس قدر اظہار مسرت او فخر و مباہات کریں کم ہے۔ جب ذات شاہانہ کے ساتھ ممالک غیر کے باشندوں کی عقیدت اور ارادات کا یہ حال ہو تو خود ہماری عقیدت و ارادات کا کیا پوچھنا ہے جن کے آرام و آسایش کے لئے ہمارے بادشاہ ظل اللہ کا تمام بیش بہا وقت اور تمام شاہی دولت وقف ہے۔ ہماری زندگی کا کونسا ایسا میدان اور ہمارے تمدن کا کونسا ایسا شعبہ ہے کہ جس میں ہمارے لئے بیحد سہولتیں اور بیشمار آسانیاں نہ پیدا کر دی گئی ہوں۔

ہماری حفاظت دادرسی تعلیم۔ تربیت۔ آسایش صحت۔ تندرستی۔ نیز ترقی تمدن و فلاح بہبودی کے لئے کوتوالی۔ عدالت تعلیمات تعمیرات۔ زراعت۔ تجارت۔ طبابت۔ صفائی آب رسانی۔ آرایش بلدہ ڈرینج کے باضابطہ سررشتے قائم ہیں جو ذات شاہانہ کے خاص سرپرستی

اور دلچسپی کے ساتھ روز افزوں ترقیاں کر رہے ہیں۔ اور آیندہ بھی اسی طرح حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہم العالی کے ذات بابرکات سے ہماری روز افزوں ترقی اور بہبودی کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اور ہم ان معاملات میں متمدن اور مہذب ممالک سے خدا کے فضل سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہ وہ شاہانہ عطیات ہیں جن کے بار احسان سے گردن اُٹھانی مشکل ہے۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

ہم اس سے زیادہ حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہم العالی کا قیمتی وقت لینا سوء ادب خیال کرتے ہیں اور اس چند روزہ عارضی مفارقت کے بعد حضرت اقدس و اعلیٰ مدظلہم العالی و شہزادگان بلند اقبال و شہزادیان فرخ فال کی بصحت و عافیت مراجعت فرمائی پر خداوند تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ :۔

(خداوند عالم) اپنے فضل و کرم سے ہمارے آقائے نامدار اور شہزادگان بلند اقبال و شہزادیان فرخ فال کو تمام آفات ارضی و سماوی سے مامون و مصئون رکھے۔ اور تمام مقاصد دلی میں کامیاب فرمائے زیادہ حد ادب

الٰہی آفتاب عمر و دولت و اقبال تا ابد تاباں و درخشاں باد فقط

گزرانیدہ

مجلس صفائی منجانب رعایائے بلدہ حیدرآباد دکن

۱۱ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ ہجری۔

جواب

ہمارے اڈریس کو میں نے دلچسپی کے ساتھ سنا اور میرا خیر مقدم دارالسلطنۃ کی واپسی پر رعایا نے جس پیرائے میں کیا وہ دکن کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے جس کی میں قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتا اگرچہ سب کو معلوم ہے کہ میرا سفر دہلی انفارمل یعنے غیر رسمی تھا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ دہلی اور نواح دہلی کے باشندوں کی درخواست کو میں نے نامنظور کیا کہ میرے قیام کے دوران میں کوئی پبلک اڈریس پیش ہو یا تقریب کی جائے مگر جب کہ میری عزیز رعایا ہر ایار نے اس معاملہ سے متعلق میرے ہاں دہلی میں درخواست پیش کی تو اسی وجہ سے مجھے اس کی منظوری میں اولاً کسی قدر تامل ہوا مگر یہ محض ان کا جوش عقیدت و دلی جذبات تھے جس نے مجھ کو ان کی درخواست قبول کرنے پر آخر مجبور کیا۔ بہر حال ان کی تاریخی وفاداری و بہی خواہی کے مظاہرہ سے جو کہ وقوع میں آیا ہے میں بے انتہا محظوظ ہوا۔ جن امورات کی طرف اڈریس میں اشارہ دیا گیا ہے میں ان کی تفصیل میں اس وقت پڑنا نہیں چاہتا اور صرف اس قدر کہدینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ان کی فلاح و بہبود ہمیشہ میرے مطمح نظر رہی ہے اور آیندہ رہیگی کیونکہ حاکم و محکوم کا تعلق کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایک قدرتی شئے ہے اور تمدن و ترقی کی اصلی بنا جس پر تمام دنیا کا دار و مدار ہے اس موقع پر میں مسرت کے ساتھ اس امر کو اپنی رعایا پر ظاہر کرتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ خاندان آصف جاہی کے جو تعلقات دوستانہ تاریخی حیثیت سے یک صدی سے زائد قائم ہیں اور تاریخ ہند میں جن کا اب تک خاص و اہم اثر رہا ہے ان میں بفضل خدا یوماً فیوماً

ترقی ہے اور میرے اس سفرِ دہلی سے مجھے اس کا پورا یقین ہو گیا ہے۔

اس موقع پر اس طرف اشارہ کرنا میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ رعایاء ملک کے تمام طبقوں کا باہمی اتحاد ملک کی ترقی کے لئے اور قیام انتظام مملکت کے لئے از حد ضروری ہے اور میں مسرت کے ساتھ اس چیز کو محسوس کرتا ہوں کہ اب تک اس ملک میں مختلف طبقے ایک دوسرے کے ساتھ مثل شیر و شکر رہے ہیں۔ جو کہ دکن کا خاصہ ہو گیا ہے اور اس سے مجھے پوری اُمید بلکہ یقین ہے کہ آیندہ بھی یہی سلسلہ قائم رہے گا اور اس سے اُن بیرونی اثرات کا انسداد ہو گا جو کہ اس زمانہ میں ہر طرف بدامنی کا باعث ہو رہے ہیں بہرحال میں قادر مطلق سے دُعا کرتا ہوں کہ ایک طرف رئیس کو صراط المستقیم پر قائم رہنے کی توفیق عطا کرے اور دوسری طرف رعایا کے قلوب کو ہمیشہ اس کا رفیق کار بنائے اور اُس کی وفاداری کو غیر متزلزل رکھے کیونکہ یہ اجزا بساطِ حکمرانی کے اہم مہرہ ہیں۔

دیہات کے مُسن افراد کی تعلیم

ہندوستان کے اُن اہم اور ضروری مسائل میں کہ جن کے جلد سے جلد حل کئے جانے کی شدید ضرورت ہے مسئلہ تعلیم اور خصوصاً دیہات کے "مسن افراد کی تعلیم" سب سے زیادہ ضروری اور قابل توجہ ہے۔ ممالک متحدہ آگرہ وغیرہ کے سابقہ گورنر سر ولیم مارس اکثر کہا کرتے تھے کہ "پیشوایان قوم پر فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی دیہی آبادی کی تعلیم پر توجہ کریں کیونکہ یہی ہستیاں ملک کے آئندہ قسمتوں کی مالک ہونے والی ہیں" کیمبرج اسیس آن اڈلٹ ایجوکیشن (CAMBRIDGE ESSAYS ON ADULT EDUCATION.) (مضامین جو مسن افراد کی تعلیم کے متعلق لکھے گئے ہیں) میں لکھا ہے کہ "جمہوریت دنیا میں صرف تعلیم یافتہ اقوام میں زندہ رہ سکتی ہے" اور جب تک تعلیم کو عام کرنے کے لئے معقول ذرائع اختیار نہ کئے جائیں اس وقت تک جمہوریت اپنے حقیقی معنوں میں ظہور پذیر نہ ہوسکے گی سر ایم ویس وشویسریا کا قول ہے کہ "جہالت اور افلاس ہندوستان کے توام مصائب ہیں" ہندوستان میں تقریباً چھہتر فی صدی سے زیادہ آبادی دیہی ہے اور مسائل تعلیم کے حل کرنے والوں کے لئے سب سے بڑا میدان عمل ہندوستانی اضلاع ہیں بتدریج چھوٹے بڑے شہر اپنے بچوں کی تعلیمی ضروریات پر کافی وقت اور روپیہ صرف کرنے لگے ہیں اور مدارس میں شریک ہونے کے قابل بچوں کے لئے مدرسوں کا انتظام کیا جارہا ہے۔ توقع ہے کہ تھوڑی مدت میں جہالت کا یہ تیرہ و تار مطلع ان مقامات سے دور ہوجائے گا۔ مگر اضلاع و دیہات کی حالت اس سے بالکل جدا ہے۔ ہندوستان کے تمام دیہاتوں اور دیہی مدارس کا شمار کیا جائے تو فی گاؤں ایک مدرسہ کے حساب سے بھی بانٹنی نہیں پڑتی اور اس وسیع مملکت کی عظیم الشان دیہی آبادی میں ہر پانچ بچوں میں سے ایک بچہ مدرسہ میں جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے دیہات میں نہ خیالات کو وسیع کرنے کے لئے ترغیبی سامان ہے نہ اپنے آپ کو تعلیم دینے کا

شوق پیدا کرنے کے ذرائع' بہت سارے ایسے بچے جنہوں نے دیہی مدارس میں تعلیم پائی ہو عالم شباب کو
پہنچنے تک پھر جہالت کی طرف عود کر جاتے ہیں' اس کا ایک سبب یہ ہے کہ انہوں نے اتنا پڑھا لکھا ہی
نہ تھا کہ مطالعہ کی لذت بخش کیفیات سے محظوظ ہوتے رہتے اور اپنے علم کو باقی یا زیادہ کرنے کی کوشش
کرتے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں کے مطالعہ کے لئے ان کی ذہنیت اور ان کے معلومات کا
لحاظ کرتے ہوئے کتابیں مہیا کرنے سے ہندوستانی زبانوں کے ادبیات عاجز ہیں۔ اس طرح سے
بتدریج ہندوستان میں جہلا کی تعداد سال بسال زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ مدارس پریسیڈنسی کے
اعداد و شمار کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۹۲۱ء میں بہ نسبت ۱۹۱۱ء کے تیس لاکھ جہلا کی
تعداد زیادہ ہوگئی تھی اور بہت ممکن ہے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہو
مسن افراد کی تعلیم کا تعلق ان پڑھ ہستیوں سے مخصوص نہیں۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں
یہ شکل ان افراد کے لئے ہے، جو کچھ پڑھ لکھ سکتے ہیں اور جنہوں نے تھوڑی بہت تعلیم ضرور پائی ہے
اور اس اصول کو مدنظر رکھتے ہیں' ہمارے دیہات اور اضلاع میں کام کرنے کے لئے بہت وسیع
گنجایش ہے اور اس قسم کی تعلیم کی ضرورت آئے دن بڑھتی جا رہی ہے انگلستان میں جو کمیٹی کہ
مسن افراد کے تعلیمی ضروریات پر غور کرنے کے لئے قائم ہوئی تھی وہ اپنی پیش کردہ رپورٹ میں اپنے
اغراض و مقاصد کو یوں ظاہر کرتی ہے کہ "مسن افراد کے تعلیم دینے سے صرف یہی مقصد نہیں کہ فرداً فرداً
ہر طالب علم کے معلومات کو وسیع کیا جائے بلکہ اس کا اہم مدعا یہ ہے کہ ایک ذہین اور تعلیم یافتہ شہریت کی
بنیاد رکھی جائے اور ملک کی سماجی حالت زیادہ بہتر درجہ تک پہونچائی جا سکے" زراعت کے بہترین
طریقے اور طرز زندگی کے بہترین اور صحت بخش اصول اس وقت تک نہیں اختیار کئے جا سکتے جب تک کہ
ملک کے لئے بہتر سے بہتر تعلیمی ذرائع نہ مہیا ہو سکیں" "امداد باہمی" "حفظان صحت" "مقامی سوراج" یا
اس قسم کے دوسرے اصلاحات ہماری دیہی زندگی میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے
جب تک کہ مسن افراد کو کافی تعلیم نہ دی جائے کیونکہ یہی وہ گروہ ہے جو نئی پود کے ترقیوں میں حائل
ہو رہا ہے۔ ہندوستانی بچوں کی چھوٹی چھوٹی ہستیاں زبان حال سے ترقی پکار رہی ہیں مگر یہ مسن

واہیں ان ننھے ننھے ترقی کرنے والوں اور ارتقاء کے اعلیٰ مدارج کے درمیان اپنی جہالت کے سبب سے سد سکندر بنے ہوئے ہیں اور اس رکاوٹ کے دور ہونے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ مُسن افراد میں تعلیم عام کردی جائے۔ جہالت کا لازمی نتیجہ تعصب ہے اور جب تک تعصب اور قدامت پسندی ملک سے دور نہ ہو ترقی کا ملک میں دور دورہ ہو نہیں سکتا مصیبت تو یہ ہے کہ آج کل اصول شہریت کی اہم ذمہ داریاں دیہات میں ایسے کندھوں پر رکھی جارہی ہیں جو جہالت کے بار سے بوجھل ہیں۔ یہ شخصیتیں اتنا علم و تجربہ نہیں رکھتیں کہ اپنے فرائض سے باحسن الوجوہ سبکدوش ہوسکیں اس نقص کو رفع کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ ملک میں مُسن افراد کی تعلیم بہت بڑے پیمانہ پر عام کردی جائے۔ سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ ہم دیہات کی مُسن آبادی کی تعلیم کی شدید اہمیت کو محسوس کریں اس کے رائج کرنے میں جو مشکلات کہ پیش آتی ہوں اُن کا پورا پورا مقابلہ کریں اور اپنے اس فرض کو پوری قوت اور پورے ارادے سے انجام دیں۔

دیہات میں مُسن افراد کی تعلیم کے مسائل اور طریقے بالکل ویسے ہی نہ ہوں گے جیسے کہ شہروں میں انگلستان یا دوسرے ایسے ممالک میں کہ جہاں معمولی سے معمولی دیہات بھی شہروں کی شکل اختیار کر... ایسا ... اور شہری مُسن آبادی کے تعلیمی طریقوں میں بڑے بڑے فرق ہیں تو ہندوستان کا ہر بڑا شہر دیہاتیوں کے لئے ایک پردیسی اجنبی اور غیرمانوس عالم رکھتا ہے شہروں اور دیہاتوں کے مُسن اشخاص کے طریقۂ تعلیم میں نمایاں فرق ہونا چاہئے۔ دیہی مسن آبادی کے تعلیم دینے میں چند اہم اصول ہر وقت پیش رکھے جائیں (۱) سب سے پہلے تو یہ کہ یہ طریقۂ تعلیم بالکل عملی ہو اور ایسا ہو کہ جس سے دیہاتیوں کی روزانہ زندگی کے مشاغل اثر پذیر ہوسکیں (۲) یہ طریقۂ تعلیم ایسا ہو کہ تھوڑی تھوڑی مدت میں تکمیل پذیر ہوسکے (۳) تعلیم پر اُس زمانے میں زیادہ زور دیا جائے جب کہ دیہی آبادی زراعتی کاروبار میں کم منہمک رہتی ہے تاکہ انہیں پڑھنے، سمجھنے اور دماغ پر زور دینے کے لئے کافی فرصت میسر آسکے۔

ہندوستانی دیہاتی ایک عملی انسان ہے جس کا سب سے بڑا عمل زندگی یہ ہے کہ اپنے آمدنی

اور خرچ کے او سطاً یا اگر ممکن ہو سکے تو یکساں رکھے اور وہ مختلف اشیا کو ان کے علمی قدر و قیمت کے پیمانہ پر تولتا ہے۔ وہ ایک نہایت مصروف زندگی رکھتا ہے اور مختلف امور میں سوچنے اور غور کرنے اُسے کوئی دلچسپی نہیں اور جو چیزیں کہ تھوڑی مدت میں نتیجہ آور نہ ہوتی ہوں اُن سے وہ کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اگر تعلیم ایسے طریقہ پر دی جائے کہ اُسے صرف پڑھنے لکھنے کے قابل بنانے کے لئے دو تین سال درکار ہوں تو ہمیں اُمید نہیں کہ وہ اتنی مدت تک مشاغل تعلیم میں منہمک رہے پڑھنے کے قابل ہونے کے بعد اُسے ایسی کتابیں درکار ہیں جو آسانی سے مہیا ہو سکیں زرعی مصروفیتوں زمانہ میں وہ بہت سویرے اُٹھتا ہے اور بہت رات گئے تھکا ماندہ واپس ہوتا ہے اور اس کی خستگی اسے مطالعہ کی اجازت نہیں دیتی۔ ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم مسن آدمیوں کی تعلیم کو دو جداگانہ نظر سے دیکھیں (۱) پڑھے لکھے مسن اشخاص کی تعلیم (۲) مسن جہلا کی تعلیم۔

آج کل مسن جہلا کی تعلیم کا مسئلہ زیادہ اہم اور فوری توجہ کے قابل ہے۔ جہالت کا قوم سے دور کرنا ایسا آسان نہیں جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔ تعلیم کا یہ منشا نہیں کہ صرف جہلا کو پڑھنے لکھنے کے قابل بنا دیا جائے اگرچہ کہ یہ کام بذاتہ کچھ ایسا آسان کام نہیں اور خصوصاً دیہات میں بلکہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اشخاص میں پڑھنے لکھنے کا شوق اور اس شوق کے باسانی پورا کرنے کے لئے اسباب فراہم کر دیئے جائیں اس کے یہ معنی ہیں کہ طریقہ تعلیم ابتدا ہی سے ایسا ہو کہ پڑھنے والے کو اس کے لئے مفید اور اگر اس سے غیر متعلق ہوں تو کم از کم اس کی ذہنیت کے نظر کرتے عجیب و غریب معلومات فراہم ہوتی جائیں یہ سلسلہ تا تکمیل تعلیم منقطع نہ ہو بلکہ طالب علموں کو ہر وقت یہ توقع بندھی رہے کہ ہر نیا درس اُن کے مفید اور عجیب و غریب معلومات کا ایک چھوٹا سا خزانہ ہوگا تعلیم کا وہ پرانہ طریقہ جس میں حروف تہجی کا اور اس کے بعد چھوٹے بڑے الفاظ کا یاد کرنا "پڑھنے" کے قابل ہو [illegible] ری تھا ان دیہاتیوں میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی جلد اُس کا اندازہ نہیں مل سکتا کہ نگارستان علم کیسے کیسے زر و جواہر سے مملو اور کیا کیا عجیب عجیب چیزیں اپنے میں پنہاں رکھتا ہے اسی غرض سے تو ہمنے یہ اصول قائم کیا کہ طرز تعلیم مسن جہلا کے لئے ایسا ہو کہ تھوڑی ہی مدت میں بڑا کام

پیدا ہو سکے اور جلد سے جلد یہ لوگ پڑھنے لکھنے کے قابل بن سکیں۔ ان دہقانوں کی یہ حالت ہے کہ اگرچہ مہینے کی مدت میں یہ پڑھنے لکھنے کے قابل نہ بنائے جا سکیں تو پھر کبھی یہ پڑھنا لکھنا سیکھیں گے ہی نہیں اس لئے ہمیں تعلیم کے ایسے ذرائع پر غور کرنا چاہئے اور ایسے طریقے تجویز کرنے چاہئیں کہ جن سے ہمارا طرز تعلیم جلد سے جلد نتیجہ آور ہونے کے قابل اور اپنے نصاب میں نئی نئی عجیب و غریب اور مفید معلومات کا حامل ہو جائے۔

موگا کا طریقہ تعلیم کہ جس میں ابتدا ایک چھوٹی سی کہانی سے کی جاتی ہے اور اس کہانی کے دوران میں عبارت پڑھنے کے تمام مدارج طے کرلئے جاتے ہیں ایک مفید طریقہ ہے (اردو زبان کا رسم الخط اور خط نستعلیق کے لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں بعوض پورے پورے حروف تہجی لکھے جانے کے ایک ایک حرف کے ٹکڑے کر دئے گئے ہیں اور اگر وہ حرف کسی لفظ کے ابتدا میں آئے تو ایک جدا طریقہ سے لکھا جاتا ہے اور جو آخر میں آئے تو ایک علیحدہ وضع سے اور جو وسط میں ہو تو اس کا دوسرے حروف سے جوڑ نئی نئی شکلیں پیدا کر لیتا ہے اس لئے اردو بلکہ عربی زبان سے نکلی ہوئی کل زبانوں میں موگا کا طریقہ تعلیم شاید اس وقت تک مفید ثابت نہیں ہو سکتا جب تک حروف تہجی جدا جدا نہ لکھے جائیں جیسے کہ انگریزی یا دیگر مغربی اور مشرقی زبانوں کا طرز تحریر ہے۔ مترجم) کہانی طالب علموں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے خصوصاً جب کہ اس کہانی میں ان لوگوں سے متعلق اشیاء اور کیفیات کا ذکر ہو۔ حال میں ہم نے ایک نیا بصری طریقہ اختیار کیا ہے جس میں میجک لینٹرن کی مدد سے چھ ہفتے کے اندر سن رسیدہ افراد پڑھنے لکھنے کے قابل بنا دئے جا سکتے ہیں۔ اس طریق پر عمل کر کے دیکھا اور غور و فکر کرنے سے ثابت ہو چکا ہے کہ اتنی تھوڑی مدت میں طالب علم اخبار کی عبارت پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس طرز میں بڑی خوبی یہ ہے کہ طلباء کے قوائے متخیلہ اور متصورہ کو میجک لینٹرن کی تصویریں مسلسل اپنی طرف متوجہ رکھتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ سہولت بھی موجود ہے کہ طالب علموں کی بہت بڑی تعداد کو وقت واحد میں سبق دیا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس طریق کے اختیار کرنے میں مصارف زیادہ ہوتے ہیں اور اس کی ضرورت ہے کہ اس کام کے لئے آزمودہ کار اساتذہ تلاش کئے جائیں

ٹامل زبان میں [illegible] طرح تعلیم دینے کے لئے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے نے خاص طور پر میجک لینٹرن کے شیشے تیار کیے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک لیکچر بیرو کھولا ہے جہاں ایک مہینے بھر کی تعلیم کے لئے مواد فراہم کیا گیا ہے اور مطالعہ کی ایسی کتابیں مہیا کی گئی ہیں کہ جن میں روزانہ زندگی کے ضروریات اور کیفیات سے متعلقہ مضامین درج ہیں مثلاً حفظان صحت، زراعت وغیرہ وغیرہ۔ کیوں کوشش اس کی نہ کی جائے کہ دوسری زبانوں میں بھی تعلیم کے ایسے طریقے رائج ہو سکیں۔ چین میں جہاں کہ یہ بصری طریقہ تعلیم ایک وسیع پیمانہ پر اختیار کیا گیا۔ تھوڑی مدت میں ہزاروں آدمی جہالت کی تاریکیوں سے باہر آتے دکھائی دیے اور ملک میں تحصیل علم کا ایک نیا شوق پھیلا ہوا نظر آیا۔ قوم نے انجمنیں قائم کیں کہ مسن افراد میں طریقہ تعلیم عام ہو جائے اور محکمہ جات صفائی اور صوبوں کی حکومتوں نے بڑی بڑی رقوم اس کام کے لئے وقف کیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ جب انسان پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائے تو اس کے مطالعہ کے جاری رکھنے کے لئے کافی اسباب مہیا کر دیے جائیں۔ اس کے لئے ایک چھوٹے سے کتب خانے کی ضرورت ہے جہاں ایسی کتابیں مہیا ہوں جو سلیس زبان میں مفید اور دلچسپ معلومات ان تک پہنچا سکیں ایسے کتب خانے مدارس سے متعلق کر دیے جائیں [illegible] کو ہدایت کی جائے کہ وہ طالب علموں کو مطالعہ جاری رکھنے میں مدد دیں۔ بڑے بڑے اشتہارات کے تختے جن پر مفید اور دلچسپ مضامین خوش نما جلی قلم سے لکھے ہوئے ہوں اگر گاؤں کے مختلف مقامات پر آویزاں کر دیے جائیں تو طالب علموں کے شوق مطالعہ کے لگانے میں بہت کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔

پنجاب میں مدارس شبینہ مسن افراد کی تعلیم کے لئے کھولے گئے اور [illegible] پر جوش طریقوں سے کام شروع کیا مگر بعد کامیابی کے کماحقہ آثار نظر نہ آئی اس کا [illegible] سبب یہ [illegible] اساتذہ اس فن کے لئے آزمودہ کار اور مسن افراد کو تعلیم دینے کے طریقوں سے واقف نہ تھے۔ ان کے کام کرنے کا طریقہ یہاں بھی ویسا ہی رہا جو چھوٹے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے انہوں نے اختیار کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود تحصیل علم کی اہمیت اور سود مند اثرات کے مسن بھلا قابل نہ ہو سکے۔

اگر قوم کو منظور ہے کہ یہ مبارک تجویز کامیاب ہو کے ہی رہے تو ہر ہر صوبہ کے حالات کا بغور مطالعہ کیا جانا چاہئے اور اُن کی مناسبت سے مدارس کھولے جانے چاہئیں۔ نئی زمانہ تو مسائل سیاسیات میں اس قدر منہمک ہے کہ اس اہم اور ضروری اصلاح کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں ہوتی حالانکہ اس منزل میں کامیاب ہوئے بغیر میدان سیاسیات کی کامیابی کسی طرح ممکن نہیں۔ قوم میں لیڈروں کی جو بہتات ہو گئی ہے وہ ظاہر ہے مگر اس طرف کوئی لیڈر بھی اس لئے متوجہ نہیں ہوتا کہ اس ریاضت طلب کام میں نمائشی انعامات، امتیازی طرے اور ستائش وشکوہ کی گنجائش نہیں۔ یہ فرض اگر کسی سے ادا ہو سکتا ہے تو صرف اُس وقت جب کہ اُسے فرض کی ادائی سے محبت اور وہ مستقل اور صبر آزما ریاضت کا عادی ہو۔ جہالت کا مرض ہندوستان سے تھوڑے ہی زمانے میں دور ہو سکتا ہے مگر کیسے؟ جب کہ اس کے ہر ہر صوبے کے لیڈر مسن افراد کی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائیں۔

ہندوستان کو سوراج حاصل کرنے کی خواہش ہے اور نمائندگان حکومت کا انتخاب ہر اُن سے ہوگا تو انتخاب کرنے والے اتنا علم اور اتنی سمجھ ضرور رکھتے ہوں کہ وہ حکومت کرنے کے قابل لوگوں کا انتخاب کریں۔ یہ صورت [illegible] تک ممکن نہیں جب کہ نہ صرف جہالت کا قلع قمع ہو بلکہ معیارِ تعلیم اتنے بلند کر دئے جائیں کہ دیہی زندگی [illegible] کے بہ نسبت اعلیٰ ہو جائے۔ ضلع گڑگاؤں میں مشیرین نے دیہی زندگی کی اصلاح کے لئے ایک اسکیم تجویز کر کے اُس پر عمل شروع کیا ہے اور اس اسکیم میں بڑی بڑی کامیابیاں ہوتی نظر آرہی ہیں۔ دیہاتیوں کو یہ بتلایا جا رہا ہے کہ وہ حفظان صحت کی قدر وقیمت کو سمجھیں، بہترین مویشی اور اعلیٰ درجہ کے چراگاہوں کی ضرورت کو محسوس کریں۔ عمدہ اقسام کی کھاد کو پہچانیں اور غور و فکر کرنے سے [illegible] بننے کے اسباب پر قابو حاصل کریں، طاعون، چیچک، ہیضہ وغیرہ کو مہلک وبائیں اور خدا کا [illegible] دیے نہ سمجھیں بلکہ اُن سے بچنے کے اسباب مہیا کریں۔ ان سب کے علاوہ غیر متمدن طرز زندگی کو متمدن بنانا اور غیر سائنٹفک طریقہ زراعت وغیرہ کو سائنٹفک کرنا بھی انہیں سکھایا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ گاؤں کے مسن افراد کی تعلیم کے لئے جو کوئی بھی اسکیم تجویز ہو اس میں ان سب امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اس طریقۂ تعلیم میں میجک لینٹرن اور سینما سے بہت

مدد لی جا سکتی ہے تاکہ عوام کی توجہ اور دلچسپیوں کو پوری پوری طرح سے اکسایا جاسکے ضلع گرگاؤں کے دیہات میں اس وقت تک تیئیس میجک لینٹرن کام کر رہے ہیں۔

دیہی کتب خانوں کے ذریعہ سے گاؤں والوں میں مطالعہ کی خواہش پیدا کی جائے اور انہیں بارہا اس کے موقعے دیئے جائیں کہ جو مضامین کہ وہ پڑھتے ہیں ان کے متعلق وہ بحث مباحثے کیا کریں اور چھوٹے چھوٹے رسالے اور روزنامے، دلچسپ مضامین پر بحث کرتے ہوئے جاری ہوتے رہیں اگر مذہبی کتابیں آسان زبانوں میں شائع ہوں تو مسن اشخاص بہت شوق سے پڑھا کرتے ہیں، چنانچہ عیسائیوں میں تعلیم کا شوق سب سے پہلے مسن افراد میں پھیلا اس کا سبب یہ تھا کہ انجیل مقدس کے نہایت سلیس ترجمے ان کے ہاتھوں تک پہونچائے گئے۔ اگر اسی طرح قرآن شریف یا راماین و مہابھارت کے آسان ترجمے ان دہقانوں کے ہاتھوں تک پہونچائے جائیں تو یہ ترجمے ان کے سماجی ارتقاء میں بڑے [illegible] دگار ثابت ہوں گے مسن اشخاص کو تعلیم دیتے ہوئے ہر وقت یہ امر پیش نظر ہو کہ پڑھنے والا یہ سمجھتا رہے کہ تحصیل علم ایک ایسا راستہ ہے جس کے اختیار کرنے [illegible] جدید معلومات، فطرت کے عجیب و غریب حالات، [illegible] ب کے پیچیدہ [illegible] وجود [illegible] مسرت حاصل کرنے کے صحیح طریقے اور تمدن کے اصلی اسباب اُسے معلوم ہوتے جائیں گے مختصر یہ ہے کہ مطالعہ کی خواہش بہر نوع قوم میں بڑھائی جائے۔

ناٹک کے ذریعہ سے بھی تعلیم کو عام کیا جا سکتا ہے۔ ہر ہندوستانی فطرتاً ایک ایکٹر ہے اور گاؤں والوں کو ڈرامے کرنے کی طرف توجہ کرنے سے فائدہ یہ ہے کہ ان [illegible] پڑھنے لکھنے کی [illegible] پیدا ہو جائے گی اور ڈرامے کی شخصیتوں کی نقل کرتے ہوئے وہ عادت [illegible] ت کو ترقی دینے لگیں گے انگلستان میں مسن افراد کی تعلیم کے جو مرکز ہیں وہاں آج کل [illegible] کے ذریعہ سے تعلیم کو وسیع پیمانہ پر پھیلایا جارہا ہے اور یہ طریق نہایت کامیاب ثابت ہو رہا ہے۔ نہیں صرف اس کی ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اچھے اچھے ڈراموں میں کام کریں بلکہ انہیں کہا جاتا ہے کہ خو[illegible] ڈرامے لکھیں اور اس کی تیاری میں ان کے وقت کا بہت بڑا حصہ عملی مشاغل میں گذرتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ڈرامہ [illegible]

اور ڈرامہ میں کام کرنے کا شوق گاؤں والوں سے شراب خواری کی بد عادت چھڑا سکے ہندوستانی دیہات کی سماجی حالت اور مذہبی رسوم کہ جہاں نشہ بازی داخل عبادت ہو ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں کہ یہاں مسٹر پو پلمے کی امیدیں پوری ہوتی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایکٹر بننے کا شوق اور ولولہ لوگوں میں شراب خواری کی عادت بڑھا دے ہمیشہ سے مخصوص تیوہاروں کے زمانے میں کھلے میدانوں کے ڈرامے ہندوستانی دیہات میں ہوا کئے مگر ان کا کوئی مفید تعلیمی اثر ظاہر نہ ہوا بلکہ ان موقعوں پر شراب خواری بہ نسبت ہر وقت کے زیادہ ہوا کی۔ مترجم)

درسی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدارس شبینہ آسان آسان کاٹیج انڈسٹریز (Cottage Industries) کی تعلیم بھی اپنے ذمے لیں مثلاً مرغیاں، بط وغیرہ کی پرورش، ٹوکرے بننے کی صنعت، شہد کی مکھیوں کی پرورش وغیرہ تجارتی نکتہ نظر سے سکھلائی جائیں۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ ایسے مدرسے مرکز تعلیم ہونے کے علاوہ نفع پہونچانے والے ادارے ہو جائیں گے اور دیہاتیوں کے دلوں میں فطرتاً ان اداروں سے دلچسپی، محبت اور عزت پیدا ہو جائے گی۔ ان مدارس میں ایسے عام مضامین پر لکچر ضرور ہوں جیسے ضلع کی تاریخ، مقامی جغرافیہ، درختوں اور پودوں کی بیماریاں اور ان کا علاج، زراعت کرنے کے سائنٹیفک طریقے، اصول حفظان صحت، اور مقامی صفائی کے برکات وغیرہ۔ المختصر سن افراد کی تعلیم کا نصاب اب وسیع رکھا جائے کہ اس میں دیہاتیوں کی زندگی کی مختلف ضروریات پر کافی روشنی ڈالنے والی تعلیم ہو سکے تاکہ گاؤں والے بہتر درجہ کے مزارع اور بہتر "شہری" بن جائیں۔

مندرجہ صدر یا ان کے علاوہ دوسری مفید تدابیر کو عمل میں لانے کی غرض سے ہر ضلع کا بورڈ سن افراد کے تعلیم کی نگرانی کرنے کے لئے ایک کمیٹی قائم کرے اور اسے ذمہ دار قرار دے کہ ان مفید تجاویز کو فکر کرنے کے طریقہ پر کامیاب بنانے میں کوشاں رہے۔

ہمارا [illegible] پانچ کروڑ ذکور آبادی میں بیس برس سے زیادہ عمر رکھنے والے صرف اسی لاکھ نفوس پڑھے لکھے [illegible] گئے، ان کے علاوہ بیس برس کی عمر والی دس لاکھ "تعلیم یافتہ" عورتوں کی تعداد ہے۔ اعداد و شمار کے ان اعداد سے ظاہر ہے کہ ان ہستیوں کو چھوڑ کر کہ جنہوں نے

کچھ نہ کچھ تعلیم ... ہے صرف جہلا کو تعلیم دینے کی اس ملک میں کتنی وسیع گنجایش ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے مسن افراد کی تعلیم کے یہ معنی نہیں کہ جہلا یا کچھ پڑھے لکھے اشخاص کے معلومات درسی کو وسیع کیا جائے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ قوم کی سماجی حالت کو ہر ممکنہ طریقے سے زیادہ ذہین اور ترقی یافتہ بنایا جائے یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان "جوار باجرے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے" کیا یہ غضب کی بات نہیں کہ اجناس کی حالت درست کرنے کی طرف تو دنیا متوجہ ہو اور انسانوں کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ مسن اشخاص کی تعلیم کا مدعا یہ ہے کہ ملک میں جس جگہ جس شخص کی ضرورت ہو چاہے وہ مرد ہو یا عورت اُسے ایسی تعلیم ملے کہ وہ اپنے فرائض کو انجام دیتے ہوئے اپنی قوم اور نوع انسان کے لئے یکساں مفید ثابت ہو مسن افراد کی تعلیم دینے کے ذرائع اور طریقوں کو واضح کرنے کے لئے جو کتاب لکھی گئی ہے اس نے اپنے نصب العین کو بدیں الفاظ ظاہر کیا ہے۔

" اس کے اب یہ معنی ہیں کہ مرد ہو کہ عورت اپنی فرصت کے اوقات کو ان مفید عام اور غیر پیشہ وارانہ علمی مشاغل میں صرف کرے کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنے کو اور اپنے اطراف کی "دنیا کو اچھی طرح سمجھ سکے اُن ذاتی اور سماجی اوصاف کی جانچ پڑتال کر سکے جو اس کے خیال اور "فعل پر اثر کرنے والے ہیں اور اپنے نسل کی یعنے نوع انسان کی ہر اُس طریقہ سے خدمت کرے" "جس کو کہ وہ ضروری سمجھتا ہے۔"

مطالعہ

ای ایل گنگ نے ایک مضمون "انڈین ایجوکیشن" میں مطالعہ پر لکھا تھا۔ یہ ایک کتاب مصنفہ میک مرے کا خلاصہ ہے بمضمون مفید ہے۔ مطالعہ کتب کے شوقینوں کے لئے شمع ہدایت ہے۔ سطور ذیل میں اسی مضمون کا رواں ترجمہ ہے

مطالعہ کتب میں امور ذیل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) تعین مقصد۔ ہمارا بہت سا وقت۔ بہت سی قوت دماغی مطالعہ میں بیکار صرف ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصد مطالعہ معین نہیں ہوتا۔ ہم ایک کتاب لیتے ہیں شروع سے آخر تک پڑھتے ہیں اور پھر ایک جانب رکھ دیتے ہیں۔ دماغ پر چند نقوش مرتسم ہوتے ہیں اور بس۔ یہ علم نہ قوت دماغی بنتا ہے اور نہ دل میں کسی قسم کی حرکت پیدا کرتا ہے۔ تعین مدعا کی وجہ سے غیر ضروری مسلات سے سروکار نہیں رکھا جاتا۔ اس لئے وقت اور توانائی فضول صرف نہیں ہوتی۔ مطالعہ میں دلچسپی رہتی ہے۔ قوت توجہ کام کرتی ہے دل و دماغ کو تکان اور خستگی ضرورت سے زیادہ محسوس نہیں ہوتی بالمقصد مطالعہ آیندہ تلاش وتحقیق کا محرک ہوتا ہے۔ اس مقصد کا قریب ہونا ضروری نہیں۔ تفریح کے لئے بھی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ مقصد کا تعین آسان کام نہیں۔ اس کے لئے بہت غور وخوض اور وسعت معلومات کی ضرورت ہے۔ تاہم مطالعہ سے قبل کتب مصنفوں۔ مؤلفوں اور مترجموں کے ناموں پر غور وفکر کرنے سے اس کام میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔

(۲) انتخاب واضافہ خیالات۔ مطالعہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔ تعین مقصد کے بعد اس کا نمبر ہے کتاب بین مطالعہ [illegible] وقت مصنف کے خیالات کا انتخاب کرتا ہے۔ اپنے معلومات اور تجربات کا ان میں اضافہ کرتا ہے۔ ان کی باہمی مطابقت اور مخالفت کو دیکھتا ہے اس طرح مطالعہ کرنے [illegible] کا دماغ ایک ایسی لوح سادہ کے مانند نہیں ہوتا ہے جس پر دوران مطالعہ میں

معلومات منقش ہوتی جاتی ہیں۔ بلکہ وہ مصنف کتاب کے ساتھ ساتھ سرگرم تفکر ہوتا ہے۔ دونوں محو ہوکر ایک مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔ ہر دو اپنی اپنی قابلیت اور علم کے لحاظ سے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس سے پڑھنے والے کی شخصیت کو اظہار کا موقع ملتا ہے۔ کتب کتنی ہی ضخیم کیوں نہ ہوں پھر بھی ان میں بہت سے امور تشنہ رہ جاتے ہیں۔ بہت سی باتیں محتاج تشریح و توضیح ہوتی ہیں۔ مدارس کی کتب نصاب کی تو اکثر یہی حالت ہوتی ہے اگر مطالعہ کرتے وقت اس انتخاب اور اضافہ کا خیال رکھا جائے تو یہ کتب دلچسپ ہو سکتی ہیں۔ اسی سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بے سوچے سمجھے رٹنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ یاد کرنے میں مدد ملتی ہے مزید براں اس طرح مطالعہ کرنے سے پڑھنے والے کے دل میں سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ جو حصول علم کا بہترین ذریعہ ہیں۔

(۳) تنظیم خیالات۔ جو معلومات مطالعہ کتب سے حاصل ہوتی ہیں دماغ میں ان کی تنظیم کی بڑی ضرورت ہے ورنہ نہ وہ حافظہ میں محفوظ رہ سکتی ہیں اور نہ قوت دماغ بن سکتی ہیں۔ اس تنظیم کے لیے لازم ہے کہ ایک انبوہ معلومات کو مرتب کیا جائے۔ خیالات کو بہ لحاظ اہمیت جگہ دی جائے ایک خیال کو صدر کا رتبہ حاصل ہو دوسرے خیالات اس کے گرد حسب مراتب مربوط کئے جائیں۔ تمثیلات۔ تشریحات اور توضیحات مناسب مواقع پر جگہ پائیں۔

اسی تنظیم خیالات۔ غور و فکر۔ حسب قابلیت اخذ نتائج اور تحفظ واقعات کی بڑی ضرورت ہے واقعات بجائے خود اور تنہا بہت کم مفید ہوتے ہیں۔ ان کی سود مندی دیگر خیالات کی جماعت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور فائدہ مندی بلحاظ کمیت و کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ مدرسین اکثر تمام واقعات کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس سے دماغ میں ایک انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ بجائے ایک محفل کے جس میں ہر شخص علی قدر مراتب اپنی اپنی جگہ بیٹھا ہو ایک ہجوم ہوتا ہے بے نظم و بے ترتیب

(۴) قابلیت فیصلہ۔ جب خیالات کا انتخاب ہو جائے۔ اس میں ذاتی خیالات کا اضافہ ہو چکے اور تنظیم کا عمل ختم ہو جائے تو قیام رائے کا وقت آتا ہے۔ ہمارے مدارس تحتانیہ کے اکثر مدرسین اس جانب توجہ نہیں کرتے۔ وہ تقریباً ہر ایک واقعہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر وہ تحریر میں

ہو تو پھر شاید ہی کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک صدہا تصورات کی غلطی کا علم نہیں دیو مالا پر عقیدہ اس قابلیت کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اکثر لوگ بہت سے واقعات بے چون وچرا صحیح تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگلے زمانہ میں شاید اس کی زیادہ ضرورت بھی نہ تھی۔ رعایا کے کام چند سمجھ دار حکام کر لیا کرتے تھے۔ ان کے غور وفکر کے فرائض چند علما انجام دے لیتے تھے۔ اور خوش وناخوش نیک وبد زندگی گذر جاتی تھی۔ مگر اب زمانہ بدل گیا ہے۔ بحث ومباحثہ کا دور دورہ ہے۔ حکومت میں انتخاب ورائے عامہ کو دخل ہے۔ علوم میں تنقید کا زور دستور ہے اکثر امور معاشرت کے حسن وقبح پر غور کیا جا رہا ہے مختصر یہ ہے کہ اگر اب بھی قابلیت فیصلہ وقیام رائے صائب نہ پیدا ہوگی تو زندگی مشکل ہو جائے گی اس لئے دوران تعلیم میں مدرسین کا فرض ہے کہ طلبا میں اس کی عادت پیدا کریں۔

(۵) حفظ کرنا۔ یہ بے سمجھے بوجھے یاد کرنا نہیں ہے۔ بلکہ سوچ سمجھ کر یاد کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک اس حفظ کرنے کے متعلق بڑی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ بعض مدرسین طلبا کو ہر چیز رٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں اور بعض کوئی چیز یاد کرانا نہیں چاہتے۔ واقعہ یہ ہے کہ حافظہ نفس انسانی کی ایک خصوصیت ہے۔ جس کا انحصار دماغ کی ساخت پر ہے۔ یہ ساخت میراث میں ملتی ہے۔ اس کا دار ومدار بہت کچھ والدین کے صحت جسم اور سلامتی دماغ پر منحصر ہے! انسان اپنی عمر میں اس کی صحت کو قائم رکھ سکتا ہے مگر اس کی قابلیت تحفظ میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ برداشت سے زیادہ بار سے دماغ پر مضر اثر پڑے یہ ممکن ہے کہ تلازم خیالات سے امداد ملے اور یہ امداد بہت کافی ہوتی ہے دوسرے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ایک شعبہ علم کے واقعات یاد ہونے سے دوسرے مضمون کو یاد کرنے میں مدد ملتی ہے یعنی حافظہ کوئی چاندی کا تار نہیں کہ کوٹنے سے بڑھ جائے حفظ کرنے کے لئے یکسوئی دلچسپی اور قوت ارادہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو کچھ پڑھا جائے اسے بھی یاد... اور پھر اس کے ضروری امور بالترتیب مختصراً ذہن میں محفوظ کر لئے جائیں۔

حفظ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ واقعات ذہن میں محفوظ رہتے ہیں۔ وقت ضرورت بسہولت

ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔ وقت اور توانائی ضائع نہیں ہوتی۔ غور اور فکر میں مدد جلد انجام پاتا ہے۔

(۶) استعمال خیالات۔ یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ جو خیالات کتب سے حاصل کئے جاتے ہیں ان کا مفید استعمال نہیں کیا جاتا یہ خیالات چند دن کے بعد گلدستۂ طاق نسیان بن جاتے ہیں یا گرمی مجلس کے لئے کام آتے ہیں بعض اصحاب کو خیالات کے ایسے مزے لیتے ہیں کہ اعضا عمل کو معطل کر دیتے ہیں۔ مگر ایسا استعمال بہت کم ہوتا ہے کہ ملک و قوم کے لئے مفید ہو سکے خیالات کا استعمال علمی اور مادی ترقی کے لئے ہوتا ہے۔ شوقین مطالعہ خود اپنے غور و خوض سے کتب کی معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے۔ قدیم خیالات کو جدید مقبول عام طریقہ پر ادا کر سکتا ہے گزشتہ علماء اور فضلانے جن حقایق کو مجملاً اور مبہم طریقہ پر بیان کیا ہے ان میں شرح و بسط سے ادا کر کے ہر کس و ناکس کی فہم کے لئے آسان کر دیتا ہے ملک کی زراعت۔ تجارت۔ حکومت کی ترقی اور بہبودی میں مدد دے سکتا ہے۔ مگر وہ سائنس کا گریجویٹ ملک کو کیا فائدہ پہونچا سکتا ہے جو کسی دفتر میں محرری پر مامور ہو جاتا ہے یا پیشہ وکالت اختیار کر لیتا ہے۔

خیالات کے صحیح استعمال کے لئے ضرورت ہے کہ انہیں پہلے خوب سمجھ لیا جائے۔ جزو نفس بنا لیا جائے۔ ان کے ہر پہلو سے واقفیت حاصل کر لی جائے۔ اور پھر ان پر عادتاً عمل کیا جائے۔

(۷) خیالات میں فکر کی ضرورت۔ دنیا میں وہی خیالات مفید ہو سکتے ہیں جن میں فکر سے کام لیا گیا ہو۔ ایک ہی خیال ہر جگہ اور ہر وقت کار آمد نہیں ہو سکتا۔ مختلف مقامات کے حالات جداگانہ ہوتے ہیں اور اور زمانہ سے ماحول میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے جن خیالات میں وقتی حالات و مقام سے موافقت کی قابلیت نہیں ہوتی ہے۔ وہ فرسودہ اور بیکار ہو جاتے ہیں اور اگر ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ ہم ہندوستانیوں کے صدہا خیالات فرسودہ ہو چکے ہیں مگر اسی عدم تفکر کی وجہ سے ہم ان کی ترمیم یا ترک کے لئے آمادہ نہیں۔ انسان کو علم سے متعلق ہمیشہ کشادہ دلی سے کام لینا چاہئے۔ ہمیشہ نئے نئے خیالات کی

ٹوہ میں لگے رہنا چاہیئے۔ اپنے تمام خیالات کی حقیقت کو عارضی سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آیندہ واقعات ایسے پیش آجائیں کہ جو قصر قیاسات و نظریات پر اس وقت قائم کیا گیا وہ یکایک ڈھ جائے۔

معمل تاریخ

معمل طبعیات کیمیا اور حیاتیات تو ہمارے یہاں کے کالجوں میں دیکھنے میں آتے ہیں لیکن معمل تاریخ کو ہمارے ملک کے تعلیمی نظم میں ہنوز کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ اس وقت تک تاریخ کی تعلیم قدیم روایتی طریقہ پر دی جاتی رہی جس کی وجہ سے طلبا میں رٹنے کی عجیب و غریب غیر معمولی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن پادری ہراس پروفیسر تاریخ سینٹ زاویر کالج نے ایک معمل تاریخ کا افتتاح کرکے تدریس تاریخ کا ایک نیا طریقہ اجرا کیا ہے۔ معمل تاریخ ایک کتب خانہ۔ ایک نمایش گاہ اور ایک کمرہ مناظرہ پر مشتمل ہے۔

کتب خانہ | کتب خانہ میں آلات مہیا ہیں جنہیں طلبا اپنے تجربوں میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ آلات تواریخ ہند کے کتب ہیں۔ اس کتب خانہ کے لئے پادری ہراس نے ایسی کتابوں کو ترجیح دی ہے جن میں اسناد جمع کی گئی ہیں۔ اس لئے کہ یہی اسناد تاریخ کی ماخذ و سرچشمہ ہیں یعنے بالفاظ دیگر ایسی بنیادیں ہیں جن پر قصر تاریخ کی تعمیر ہونی چاہیئے۔ یہ وہ کتب ہیں جنہیں پادری موصوف کے طلبا اپنی تحقیقات میں استعمال کرتے ہیں۔ کتب خانہ میں حسب ذیل قسم کی کتب ہیں۔ فنون ہند آثار قدیمہ۔ فن تصاویر۔ کتبہ (؟) مجموعے۔ خطوط۔ کاغذات سرکاری۔ تذکرے۔ روزنامچے سفرنامے۔ معاصری تواریخ۔

بہت سارے طلبا نے اکبرنامہ و آئین اکبری اور دیگر ماخذ تواریخ کے نام تو سنے ہیں

لیکن ایسے طلبا شاذ و نادر ہیں جنہیں ان کتب کے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہو۔ یہاں تاریخ ہند کے طلبا کو یہ موقع حاصل ہے۔ لائبریری کے کمرہ میں انہیں اپنے کام کی موزونیت کے لحاظ سے ایک چھوٹی میز مل جاتی ہے اور روزانہ صبح و شام پادری موصوف کے شاگردوں کی نگرانی میں ذاتی تحقیقات میں مصروف نظر آتے ہیں تاریخ کا مطالعہ بھی اسی طریق پر ہونا چاہیئے۔ لہذا ہم بجا توقع کر سکتے ہیں کہ تحقیقات کے طرز جدید کے تعلیم یافتہ مورخین کا ایک گروہ پروفیسر ہراس کے معمل سے نکل کر ہمارے ملک کے لئے مایۂ ناز اور اس کی تاریخ کے لئے باعث ترقی ثابت ہوگا۔

کمرۂ نمایاں روا اس معمل کا خوشنما کمرہ بی۔ اے اور ایم اے کے طلبا کو تاریخ کے معمولی لکچر دینے کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اور غیر معمولی مجلسیں جنہیں سمنارس کہا جاتا ہے وہ بھی یہیں منعقد ہوتی ہیں۔ اور عام لکچر بھی یہیں ہوتے ہیں گزشتہ سال پادری ہراس نے فنون ہند اور تاریخ ہند سے متعلق مختلف مضامین پر عام تقریریں کی تھیں ان کے بعض طلبائے تحقیقات نے بھی دلچسپ مضامین پڑھے۔ سمنارس صرف ان طلبا کے لئے ہے جو تحقیقات میں مشغول ہیں اور اعلیٰ درجہ تک تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ ان سمنارس سے غرض یہ ہے کہ طلبا ہماری تاریخ کے مختلف فیہ مسائل کا مطالعہ کریں۔ ایک طالب علم کے ذمہ یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ان تمام تحریرات پر بحث کرے جن کے متعلق اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ اس کے بعد پادری موصوف (جو ہمیشہ مجلسوں کے صدر نشین ہوتے ہیں) پیش شدہ ماخذ کے متعلق تاریخی تنقید اور اسلوب بحث کے چند علمی اصول بتاتے ہیں اور آخر میں طلبا خود مسئلہ زیر بحث پر ان اصول تنقید کے مطابق جو ان کے استاد نے بتائے تھے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اس طرح ان کے نوجوان دماغوں کو تربیت دی جاتی ہے کہ وہ جدید اصول تنقید کی روشنی میں تاریخی اسباب کی تحقیق کریں۔

کمرہ مذکور میں ایم اے اور بی اے کے لکچر بھی ہوتے ہیں لیکن ان لکچروں میں بھی ایک غیر معمولی خصوصیت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پادری ہراس کا طرز تعلیم زمانہ حال کے مطابق ہے۔ بعض اوقات اثنائے لکچر میں استاد موصوف دلچسپ نقشے دکھاتے ہیں جو جدید اور بہت ہی سادہ طلسمی فانوس کے ذریعہ سے پردے پر نمایاں کئے جاتے ہیں اور جو نقشے مضمون مناظرہ سے متعلق ہوتے ہیں

اور تقریباً تمام خود پادری صاحب ہی کے اتارے ہوئے ہیں جنہوں نے تمام ہندوستان کا دورہ کرکے تاریخی مقامات اور یادگاروں کا مطالعہ کیا ہے ان کے بہت سے فوٹو جونہایت خوبصورتی سے وسیع کیے گئے ہیں کمرہ کی دیواروں پر آویزاں ہیں۔

نمایش گاہ لیکن عام لوگوں کے لئے محل کا سب سے زیادہ دلچسپ حصہ نمایش گاہ ہے۔ یہ ایک چھوٹا اور بدوضع گوشہ ہے جسے پادری ہراس کی دانشمندی نے فنون ہند اور تاریخ ہند کے ایک بیش بہا معدن کی صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہند کی تصویروں اور قدیم کندہ گریوں اور نقشوں کے نقلی نمونوں سے دیواریں ڈھک گئی ہیں، یہ سب چیزیں ہندوستان ہی سے متعلق ہیں۔ نمایش کے صندوقوں میں قیمتی کتابیں رکھی ہیں۔ مثلاً ان میں کی ایک کتاب شہنشاہ اکبر پر ہے جو ۱۵۹۵ء میں طبع ہوئی تھی۔ کانسوں کی مورتیں۔ راجپوتوں کی نقاشی کے کام۔ پرانے زمانہ کے آثار و باقیات شمالی ہند کے قبل التاریخ زمانہ کے مٹی کے برتن۔ اور ہندوستان کے سکوں کا ایک دلکش مجموعہ جس میں ناظرین نمایش اور طلباء کی فیاضیوں سے روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ نمایش میں مختلف ساخت کے چند توپ گولے چار مرہٹی توپیں اور متعدد شکستہ کتبے اور جنوبی ہند کی دیوتوں کے دو نمونے بھی ہیں علاوہ ازیں نمایش کے ایک خاص حصہ میں ہندوستان اور یورپ کے مختلف ذخائر کتب کے قلمی نوشتوں کی عکسی تصویریں ہیں۔ ان قلمی نوشتوں کو طلباء اپنی تحقیقات میں استعمال کرتے ہیں ان میں بہت کتابیں ایسی ہیں جو ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں۔

محل برائے عام کلیہ سینٹ زاویر میں "شعبہ تحقیقات تواریخ ہند" جو محل تاریخ کا دوسرا نام ہے صرف طلبائے کالج کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان سب کے لئے ہے جو تاریخ ہند کے متعلق کسی قسم کی تحقیقات کرنا چاہتے ہوں تاہم کلیہ مذکور کے طلباء زیادہ ہیں جو ان مواقع سے بیش از بیش مستفید ہوتے ہیں۔ بی۔ اے کے طلباء میں تحقیقی ذوق و شوق پیدا کرانے کے لئے درحقیقت یہ ایک نئی تدبیر اور کوشش ہے! اسی لئے نہ وہ صرف گریجویٹ ہیں جو امتحان ایم اے کے لئے اپنے مضمون کی تیاری میں مصروف ہیں بلکہ بعض بی۔ اے کے طلباء بھی تاریخ کے [illegible]

سعی یہاں تک منگلور یونیورسٹی ہے کہ بی۔ اے کے بعض طلبا کی طبعزاد تحقیقیں طبع ہو چکی ہیں اور ان کو علمی دنیا پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ اور حال ہی میں منگلور کی ناقدانہ تاریخ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اس کے مصنف مسٹر جارج پم ماموریاس ہیں جو پروفیسر موصوف کی بی۔ اے کی جماعتِ تحقیقات کے ایک متعلم ہیں۔

غیر مصنفین کی عدم احتیاج | یہ عمل ہمارے شوق اور امداد کا طالب ہے اور محض ہمارے نوجوان تاریخ دانوں کی تعلیم کے لئے قائم و جاری کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم سب کو چاہئے کہ اس شخصی کارِ عظیم کو بہ نظرِ استحسان دیکھیں اور یہ ظاہر کر دیں کہ ہمیں اپنے ملک کی تاریخ کی تصنیف کے لئے اب غیر ملک کے کسی پروفیسر یا عالم کی ضرورت نہیں۔ اگر تا حال ہمیں ان لوگوں کی ضرورت تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے نوجوانوں کو کما حقہٗ عمدہ تعلیم نہیں ملی تھی۔ لیکن جس قسم کی تعلیم کی انہیں ضرورت تھی وہ ضرورت اس عمل تاریخ نے پوری کر دی ہے۔

ہندوستانی تاریخ کی تعلیم

تاریخ کا موضوع ہے انسان اور اس کا ارتقاء ابتدائے عالم سے آج تک اس لئے مورخ کے لئے اس کی قوم کی تاریخ کے معنی یہ ہیں اس کی گزشتہ زندگی کی تفصیلات ہی نہیں بلکہ اس کے جملہ علوم و فنون کی ترتیب اور اس کے تمام کارناموں کی سرگزشت۔ اسے لازم ہے کہ وہ اپنی قوم کے ہمہ گیر علمی نظریوں میں اس عنصر کو معلوم کرے جو کسی قوم کی دماغی ترقی اور نشو و نما کا باعث ہوتا ہے۔ مورخ کو خود اپنی ذات میں اس جد و جہد اور کوششوں کی آئینہ داری کرنی چاہئے جو اس کے خیال میں اس کی قوم نے ابتدائے تاریخ سے آج تک علم کی افزائش اس کی مخفی اور پوشیدہ قوتوں کے دریافت اور زیادہ کامل اور شاندار انسانیت کے حصول کے لئے کی ہے۔ اسے

ہر حیثیت سے اپنی قوم کی تہذیب کا ماحصل اُس کے مناظر کا مصور۔ اُس کے جذبات احساسات
اور خیالات کا ترجمان اور اس کے عقائد کا نمایندہ ہونا چاہیئے لیکن یہ بھی کافی نہیں۔ اس کے
علاوہ اُس میں قدرت کی طرف سے ایسی صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ چیزوں کو غیر جانبدارانہ
نظر سے دیکھ سکے تاکہ وہ سچ اور جھوٹ میں فرق کر سکے۔ اور اسے اپنی ذات پر اتنا اعتماد اور
اپنے عقائد پر اتنا ایمان ہونا چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی رائے قائم کرکے اُس کی بے دھڑک
اشاعت کر سکے۔ اگر ایک طرف وہ اپنی قوم کی تہذیب و تعلیم کا سچا نمایندہ ہو تو دوسری طرف اسے
قوم کا نقاد اور رہبر بھی ہونا چاہیئے۔ ممکن ہے تاریخ کے بعض معلم ان سخت شرائط اور مطالبات کو
سن کر خائف یا حیران ہوں لیکن اس سے اُس نصب العین پر کچھ اثر نہیں پڑتا جو میں نے پیش کیا ہے
اور اگر اُس کا حصول دشوار ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کی طرف سے صریحاً منہ موڑ لیا جائے
علاوہ اس کے ہم ہندوستانی بحیثیت ایک قوم کے ابھی ابتدائی حالت میں ہیں۔ ہماری قومیت کی
ابھی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔ اس لیے یہی وقت ہے جب ہم اپنے نصب العین کو معین کر سکتے ہیں
اور ہمارے مورخوں کا فرض ہے۔ کہ وہ ہمارے اسلاف کے کارناموں کی صحیح اہمیت ہم کو
بتا کر اور آیندہ کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرکے ہمیں انتخاب میں مدد دیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ
ہندوستانی تاریخ کا معلم ایسے مشاغل میں پڑ جائے جو علمی فضا سے تعلق نہ رکھتے ہوں نہیں۔ بلکہ ہم تو
یہ کہتے ہیں اُس کو اوچھے پن۔ فریب اور لفاظی کا وہ مجموعہ ہرگز نہ بننا چاہیئے۔ جسے آج کل کی
اصطلاح میں لیڈر کہتے ہیں اُس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے طریق تعلیم اور اُس کی پوری روح کو
تبدیل کر دے اور اپنے شاگردوں سے اُس رشتہ سے زیادہ گہرا اور زیادہ قریبی اتحاد ذہنی
پیدا کر دے۔ جو روزمرہ کے کا[illegible] سے پیدا ہوتا ہے اور اُس کا سب سے مدلل اور موثر طریقۂ تعلیم
[illegible]س کی اپنی ذاتی شخصیت اور [illegible]ال ہے۔ نہ صرف تقریر سے بلکہ عمل سے اُستاد کو یہ ثابت
[illegible]نا ہے۔ کہ اُس کی شخصیت میں اُس کی قوم کی روح زندہ ہے۔ کہ وہ اُس قوم کی توقعات اور
[illegible]نگوں کا نمایندہ اور اُس کی تہذیب کی ایک [illegible] علمبردار مثال ہے۔ ممکن ہے [illegible] کی وجہ سے اُس کی

خانگی زندگی بہت محدود یا شاید بالکل برباد ہو جائے۔ لیکن جو اُستاد اپنی زندگی کو بسر یہ ہے کہ بسر کرنا چاہتا ہے وہ یا تو اِس حق کا طالب ہے کہ اُس کے قول و فعل میں فرق ہو یا وہ اُن ذمہ داریوں سے بچنا چاہتا ہے جو اس کے عہدہ نے اُس پر عاید کی ہیں۔ اُستاد دراصل وہی ہے جو قدیم زمانے کے "گرو" کی طرح ایک ہی وقت میں ہمارا معلم، راہ بر اور دوست ہو اور شاگرد کے ساتھ ساتھ علم اور صداقت کی جستجو کرے۔ اگر ہندوستان کی تاریخ کے معلم کو اپنے فرائض کا صحیح احساس ہے اور اس پر عمل کرنے کی قوت بھی ہے تو اس کی بالکل یہی حیثیت ہونی چاہیئے اور اس وجہ سے تاریخ کے معلم کے فرائض عام اُستادوں کے فرائض سے مختلف اور دشوار تر ہو جاتے ہیں۔ سائنس معاشیات، ریاضی وغیرہ ایسے علوم ہیں جن کے کوئی خاص اخلاقی نتائج و اثرات نہیں نہ کوئی ایسی تہذیب و تمدن کی ذمہ داریاں ہیں جن کو بجا لانا اُستاد کے لئے ضروری ہے قبل اس کے کہ وہ اِن کو سمجھ سکے۔ صرف فلسفہ کے اُستاد کے فرائض تاریخ کے استاد کے فرائض سے ملتے جلتے ہیں لیکن جو فلسفی اپنے مضمون کو غیر دل چسپ مشکلات اور خشک "علمیت" سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے اُسے نصف سے زائد مورخ ہونا چاہیئے۔ اور اپنی تعلیم کا ربط فلسفہ کے تاریخی مظاہر کے ساتھ قائم کرنا چاہیئے۔

اِسی طرح ایک مورخ کے لئے بھی ایک حد تک فلسفہ دانی ناگزیر ہے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس مضمون کو فلسفی کے نقطۂ نظر سے یا اسی قدر تفصیل سے پڑھے۔ اُس کی دل چسپی اپنی قوم کے ان شواہد و مظاہر سے ہے جو اُس کی تہذیب کا جزو ہیں لیکن اخلاقی معیار اور نصب العین اگر ہر ملک و قوم کے لئے مختلف نہیں تو یہ ضرور ہے کہ وہ مختلف صورتوں اور طریقوں میں ظاہر ہوئے ہیں اور جہاں تک مورخ کا فرض ہے کہ واقعات پر اپنی رائے کا اظہار کرے اس کو فلسفہ اور اخلاق سے اتنی واقفیت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنی رائے اور فیصلہ کے لئے ایک معیار قائم کر سکے۔

مذاہب کا موازنہ اور مطالعہ | اس سے بھی زیادہ شاید یہ ضروری امر ہے کہ مورخ جملہ مذاہب کا بہ نظر موازنہ مطالعہ کرے اور ان سب میں سے کسی ایک پر ... کا اظہار رکھتا ہو مذہب کے نقطہ سے متعلق تاریخ کل

ہندوستان میں بے اعتمادی اور بدگمانیاں روز بروز بڑھتی جاتی ہیں۔ لیکن مورخ کا فرض ہے کہ وہ ان سے
بالکل متاثر نہ ہو اور سیاسی چال بازوں کے مصنوعی تعصبات اور انسان کے عمیق ترین جذبات میں
تمیز کر سکے۔ اگر انسان کے ارتقاء میں مذہب کو کم دخل ہوتا تو تاریخ بہت مختصر ہوتی۔ اور تاریخ کا
میدان بہت تنگ ہو جائے گا" اگر بہت جلد مذہب کو انسانی امور میں زیادہ دخل حاصل نہ ہوا
تاریخ کے اُستادوں میں عموماً اور ہندوستانی تاریخ کے معلموں میں خصوصاً ان صفات کا ہونا نہایت
ضروری ہے۔ کیونکہ مورخ کی دیانت داری اور ایمان کا اس سے زیادہ سخت امتحان کہیں نہیں ہوتا
اور اس امتحان میں ناکام ہوتا اور سب ناکامیوں سے زیادہ ذلت کی بات ہے۔ قومی مصائب کی
ایک طولانی اور حوصلہ شکن داستان ہے۔ جسے اس کو سمجھنا اور دوسروں کو سنانا ہے۔ اور سب سے زیادہ
دشوار یہ کہ اس کے لئے سند جواز پیش کرنی ہے۔ دنیا میں مذہب کی خاطر لڑائیاں ہوئی ہیں محض طمع کی
خاطر ہوئی ہیں۔ اور بغیر کسی مقصد کے بھی ہوئی ہیں۔ جوانمرد اور جانباز لوگ اپنے ملک کی خاطر
لڑتے ہیں۔ جانیں ضائع کرتے ہیں۔ اور اُسے نہیں بچا سکتے۔ قوت حق پر غالب آجاتی ہے کمزور
اور عاجز لوگوں کے حصہ میں ظلم اور قہر کے سوا کچھ نہیں آتا۔ یہ سب اور اس کے علاوہ اور بہت سی
حقیقتیں ہیں جن سے ایک منصف مزاج ہندوستانی مورخ کو دوچار ہونا ہے پھر اُسے حق اور سچائی کی
نگاہ پر اپنے ذاتی رجحانات اور ہمدردی کو اپنے تمام ذرا ذرا سے مقامی قومی۔ مذہبی تعصبات کو
جنہوں نے در اصل حاصل کیے ہیں اور جو شاید اُسے بہت عزیز ہیں نثار کرنا ہے۔ اور پھر اُسے اُسی کے
ساتھ باوجود ان تمام باتوں کے اپنی قوم کی محبت اور عشق کو قائم رکھنا ہے اور ہر تازہ قومی
حمیت سے اس جذبہ کو فروغ دینا ہے اس کے بلند نظر دماغ میں تمام اختلافات اور متضاد
چیزوں کو ہم آہنگ ہونا چاہیئے اس کے آلہ میں ہر قسم کے تعصبات اور نفرت کو محبت میں تبدیل
ہو جانا چاہیئے۔ ورنہ ہندوستان کی تاریخ یا تو اس کے دماغ کو پراگندہ کر دے گی یا اس کا [illegible]
توڑ دے گی۔

اتنا کچھ تو مورخ کی نسبت۔ اب میں پڑھنے والے

ہم نے اوپر کہا ہے کہ معلم کی اپنی مثال اُس کی تعلیم کا ایک اہم جزو ہے۔ استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ علاوہ تاریخ پڑھانے کے یہ کوشش کرے کہ اُس کے شاگرد دماغ کے علاوہ دل سے بھی سمجھیں اُس سے محبت بھی کریں مثلاً اورنگ زیب اور سیواجی کے مناقشات کے سلسلہ میں فریقین کے ساتھ انصاف کرنے اور خود اپنی ذاتی رائے کو قائم رکھنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ایک اپنی قوم کی کھوئی ہوئی محبوب آزادی دوبارہ حاصل کرنے کے لئے لڑتا تھا تو دوسرا ایک پرانی عظیم الشان سلطنت کے وقار کو قائم رکھنے کی خاطر۔ اس جنگ کو مذہبی تعصبات نے ایک بالکل دوسری شکل دے رکھی ہے اور آج ہمارے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم اس معاملہ کی نسبت فریقین کے حق میں ایک ایک کلمہ خیر کہہ کر اس معاملہ کو ختم کردیں اور اخیر میں اس بات پر افسوس کریں کہ مذہبی تعصبات کی وجہ سے اصلی تاریخی واقعات پر پردہ ڈال دیا گیا ہمیں اپنی پوری حب الوطنی اور غیر جانبداری سے اس معالمہ پر غور کرنا چاہئے۔ حق کا اظہار ضروری ہے خواہ اس کے اظہار میں کتنا ہی رنج کیوں نہ ہو۔ مقامی آزادی جس کے لئے سیواجی نے لڑائی شروع کی ہندوستان کے حق میں ہمیشہ مضر ثابت ہوئی پہلے بھی کتنی ہی دفعہ حملہ آوروں کے سامنے ہندوستان کو اس جذبہ نے بالکل بے دست و پا بنا دیا تھا اور ایسا ہی سیواجی کے بعد کی صدی میں ہوا اورنگ زیب اپنی سلطنت کی تمام قوت اور ذرائع ایک خانہ جنگی میں صرف کررہا تھا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ اپنی اس ابتدائی غلطی کو تکمیل تک پہنچادے کہ شمالی ہندوستان میں بیٹھ کر جنوب میں حکومت کرے

اب ہم جانتے ہیں کہ سلطنت مغلیہ بے جان ہو رہی تھی۔ اور اگر سیواجی نہ بھی پیدا ہوتا تب بھی اس کا زوال یقینی تھا۔ لیکن وہ ایک منظم قوت ہونے کے ایک روایت مستحکم ہو گئی تھی۔ وہ دوبارہ زیادہ آسانی سے ایک زبردست اور قومی سلطنت بن سکتی تھی اگر اس کا وقار قائم رہتا یقینی امر ہے کہ اگر سیواجی جیسی زبردست شخصیت نے یہ مناسب سمجھا ہوتا کہ مغلیہ سلطنت کی خاتمیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کردے اور اپنی خدمات اس کے لئے پیش کرے تو آج ہندوستان کی تاریخ بھی مختلف ہوتی ہم اس نے ایسا نہ کرنے کی وجہ سے اُس کو برا کہنا یا اس کی

یہ قسمت یہ کہنا بیجا ہے۔ اسی طرح اورنگ زیب ہرگز جابر و ظالم نہیں تھا جیسا کہ سیواجی کے پرجوش مداح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُس نے ضرور ایک فاش غلطی کی تھی لیکن واقعات کی جس منطق کے زیر اثر سیواجی بغاوت پر آمادہ ہوا اُسی نے اورنگ زیب کو بھی مجبور کیا کہ وہ اس کو زیر کرنے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کرے۔ دونوں شخصیتیں ہندوستان کی زبردست شخصیتیں ہیں اور ہمیں اون کی وقعت کرنی چاہیئے۔ لیکن بہ حیثیت ایک محب وطن کے جس کو تمام ملک کا مفاد عزیز ہے۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ دونوں بہت بڑی حد تک غلطی پر تھے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کی مخالفت یا اُس کے ساتھ ناانصافی کریں بلکہ ہمیں اس قومی ناعاقبت اندیشی اور مصیبت پر دل سے ملول ہونا چاہیئے۔

غرض ایسے سوالات کی جانب جو ہمارے جذبات کے قابو میں نہ آسکیں یا جہاں دوسروں کے جذبات کا بہت زیادہ لحاظ کرنے سے ہمارے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہو ہمیں کم و بیش یہی رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تاریخ کا اُستاد اپنے شاگردوں میں اور اسی لئے سب سے پہلے اپنے میں ایک پرجوش قومی احساس پیدا کرے جو مقامی تعلقات، ورسطحی مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو اور ہماری گزشتہ تاریخ کو ہماری زندگی کا ایک جزو لازم بنادے۔

چنانچہ اس غرض سے نیز تاریخی ذوق کے لئے ایک مستحکم اخلاقی بلکہ مذہبی بنیاد قائم کرنے کے لئے طلباء میں ان جذبات اور نصب العین کو پیدا کرنے اور فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیئے جو یونانیوں کے نزدیک لفظ ــــ ــــ یعنی "خیر" میں مضمر ہیں اس کی حیثیت محض ایک علمی نظریہ یا رائے کی نہیں ہونی چاہیئے بلکہ یہ ایک گہرا، پائیدار عقیدہ اور ایمان ہونا چاہیئے جو طلباء کی خارجی اور اندرونی زندگی کو ہمیشہ متاثر کرتا رہے اور خود تاریخ کے مطالعہ سے تقویت اور فروغ پاتا رہے اس میں مدد دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُستاد میں ایسا ملکہ ہو جس کے ذریعہ وہ طالب علم کے تخیل کے سامنے گزشتہ زمانے کی بڑی بڑی شخصیتوں کی جیتی جاگتی تصویر بنا کر کھڑی کر دے جن کے کارناموں سے طالب علم میں طاقت اور جرات [illegible] میں

افشا ہو، اور جن کی دانش مندی اُس کو عقلمند بنائے۔

استاد اور شاگرد چھوٹی عمر کے طالب علموں کے لئے تاریخ کے رومانی رُخ پر زیادہ زور دینا ضروری ہے بچوں کے لئے جو تاریخ کی زیادہ گہری حقیقتوں کو براہ راست نہیں دیکھ سکتے یہی ایک ایسی چیز ہے جو مستقل دلچسپی پیدا کر سکتی ہے اگر ان کے دماغ میں اس قدر قابو بھی ہو تو کافی ہے تھوڑا ہی سا ادبی اور جمالیاتی ذوق انہیں مسحور کر دے گا نیکی بھی بدی کی طرح متعدی ہے اور اپنا اثر رکھتی ہے۔ اور اُستاد کو چاہیئے کہ وہ اُسی طالب علم کو جو واقعات اور تاریخوں کی خشک اور غیر دلچسپ داستان سے اجتناب کرتا ہو۔ ایک عمدہ شہری بنادے۔

اب ایک امر اور باقی رہ گیا۔ مطالعہ کے لئے جو تاریخی اشخاص یا زمانہ منتخب کیا جائے اس کا معیار کیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ اُن کا انحصار تمام تر ورنہ زیادہ تر طلباء کے ذوق اور دلچسپی پر ہونا چاہیئے۔ اُستاد کو محض یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ انتخاب مہمل یا بے ربط نہ ہو۔ لیکن تاریخوں اور واقعات کے علم کی بجائے خود کوئی بڑی قیمت نہیں۔ تاریخ کا اصلی موضوع انسان اور اس کی کشمکش اور جدوجہد ہے نہ کہ روز و شب اور سن و سال تاریخ اور واقعات کا سمجھنا محض اس لئے ضروری ہے کہ وہ بہتر گزشتہ زندگی کی پیچیدگیاں اور گتھیاں سلجھانے میں مدد دیتے ہیں اور بس واقعات کی جانچ پڑتال اور تاریخوں کا دریافت کرنا اور اُن کو یاد رکھنا خود بخود آجائے گا ہمارا فرض تو یہ ہے کہ طالب علم کی توجہ کو کسی بڑی شخصیت یا تحریک یا نصب العین پر لگائے رکھیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ ممکن ہے تھوڑی نسلوں کے گزر جانے کے بعد تاریخ کا مطالعہ ہمارے طالب علموں میں محنت علم اور مفاہمت پیدا کر دے گا اور وہ مادر وطن کے وفادار کارکن اور مفید شہری بن جائیں گے تاریخ کے معلم کو ہمیشہ اپنی نظر درخشاں مستقبل پر رکھنی چاہیئے

سیپ کی گھنڈیاں

ایک زمانہ دنیا میں ایسا بھی گزرا ہے کہ انسان لباس پہنا ہی نہ کرتا تھا موسم کے گرم و سرد اور زہریلے کیڑوں سے جسم کی حفاظت کے خیال سے ابتدائی لباس جانوروں کی کھال ہوا کرتی تھی۔ اور اس کو جسم پر قائم رکھنے کے لئے نہ گھنڈیوں کی ضرورت ہوتی تھی نہ بکسوں کی بتدریج سن۔ ریشم یا اُون اور روئی بھی لباس کے لئے استعمال کئے جانے لگے۔ اول اول یہ لباس جسم پر اس طرح لپیٹ لیا جاتا تھا کہ اس میں بھی گھنڈیوں وغیرہ کی مطلق ضرورت نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ دھوتی اور اوڑھنی کی مثال اس وقت بھی موجود ہے۔ مگر یہ طرز بھی بدلتے بدلتے بدل گئی اور آج کل کے لباس میں جس کثرت سے گھنڈیوں کا استعمال ہوتا ہے وہ ظاہر ہے اور گھنڈیاں بھی سیپ کی زیادہ استعمال کی جاتی ہیں۔ مغربی طرز کے کوٹ و پتلونیں ہوں یا مشرقی وضع کے قبا شیروانی وغیرہ گھنڈیوں کے بغیر جسم پر قائم رہ ہی نہیں سکتے۔ گو چاندی۔ سونا۔ پیتل اور تانبے کی گھنڈیاں استعمال کی جا سکتی ہیں اور کی جا رہی ہیں مگر انسان کی ارزاں پسند طبیعت ان میں سے کسی کو بھی سیپ کے گھنڈیوں کے مقابل کامیاب نہ ہونے دیگی۔ اب سیپ کی گھنڈیاں ایک ضرورت کو پورا کرتی ہیں اس لئے انسان کے منفعت پسند اور زمانے نے ایسے فائدہ اٹھانے کے خیال کو اس قدر مدنظر رکھا کہ ان کے حسن ظاہری پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اگر یہ اس ارزانی کے ساتھ میسر نہ آ سکتے تو ان کی آب و تاب یہ چمک دمک انہیں موتیوں سے زیادہ گراں اور عالم کی نظروں میں عزیز کر دیتی۔ کبھی کسی سیپ کی گھنڈی کو آپ نے غور سے دیکھا ہے کہ "روشنی" جب اس پر گر کے پلٹتی ہے تو نہایت خوشنما رنگوں کی لہریں اس میں پیدا ہوتی ہیں کسی میں تو قوس و قزح کا عالم نظر آتا ہے۔ کسی میں طوفانی دریا کے تموج کی کیفیت دکھائی دیتی ہے اور کہیں کہیں لہلہاتے سبزہ کا سماں پیدا ہو جاتا ہے

، مگر یہ بیچارے اتنے سستے ایسے معمولی اور یوں کم قیمت ہیں کہ ان کے ان کیفیات پر غور کرنے کی شاید ہی کسی نے زحمت اٹھائی ہو۔ اگر ان کے بجائے کسی کے ہاں بے بہا موتیوں کی لڑہ اور بیش قیمت جواہرات کے سنگریزے ہوں تو ان کی چمک دمک کی کیفیات سے گھنٹوں لطف اٹھاتے ہیں۔

سیپ کی گھنڈیاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ایک ایک کارخانہ میں بنتی ہیں مگر دریا سے نکل کر کسی کے گریبان گیر یا زینت آستین ہونے تک ان پر جو کچھ گزرتی ہے ایک دلچسپ داستان سے کم نہیں۔ کارخانہ تو وہ آخری منزل ہے کہ جہاں سے صاف اور قابل استعمال ہو کر سیپ گھنڈیوں کی شکل میں دنیا کے سامنے آتی ہے۔ مگر اس کے حاصل کرنے کی منزل اول گھونگا یا سیپ دار مچھلیوں کے وہ اقسام ہیں۔ جن کے پوست کے اندرونی سطح کو قدرت نے سیپ کے ذریعہ مضبوط کیا ہے۔ یورپ اور امریکہ میں جو گھونگا کہ کھایا جاتا ہے یا (مُرس) مچھلی میں بھی سیپ ہوتا ہے اور اس قابل ہوتا ہے کہ اس سے بھی گھنڈیاں بنائی جا سکیں۔ مگر بہترین سیپ جو حاصل کیا جاتا ہے وہ ایک مخصوص سیپ دار گھونگے میں ہوتا ہے جن کے ملنے کی جگہ منطقہ حارہ کے گرم سمندر ہیں۔ مثلاً اقلیم آسٹریلیا کے شمالی اور شمال مشرقی علاقے یا خلیج فارس یا جزیرہ سیلان کا شمال مغربی ساحل اور بحر الکاہل جزائر میں پائے جاتے ہیں۔

اگر ہمیں سیپ کے گھنڈیوں کی حقیقت تلاش کرنی ہے تو گھونگا اور سیپ دار مچھلی سے اس تلاش کی ابتدا کرنی ہوگی۔ گر پہلی مشکل یہ ہے کہ وہ بیان تو نہیں کر سکتے کہ ان میں سیپ آیا کیسے، اور اگر بیان بھی کر سکتے تو کیا بتلاتے۔ کیا ہم بتلا سکتے ہیں کہ ہمارے جسم میں ہڈی کیسے بنی سیپ کی خلقت بھی قدرت کا ایک راز ہے جس کے سمجھنے کے لئے بس یہی کافی ہے کہ ان جانوروں کے جسم میں سیپ پیدا ہونے لگا، جیسے ہمارے جسم میں ہڈی تا کہ ان کے نرم ملائم اجسام کیلئے ایک خوبصورت اور مضبوط سہارا ہو جائے کہ جس میں یہ آرام لے سکیں "پناہ لے سکیں" اور جہاں جا چھپیں

بھی شکل ایک گھر تھا کہ جسم کے اوپر بنا دیا گیا اور جسم کا ایک جزو بن کر رہ گیا۔ انسان کیلئے
ایسی پرلطف خانہ بدوشی ممکن نہیں۔ قدرت کے راز بھی عجیب پیچ در پیچ ہوا کرتے ہیں۔ جو چیز کہ
ان گھونگوں اور مچھلیوں کی حفاظت کی غرض سے عطا کی گئی تھی وہی ان کی ہلاکت کا سبب
ہوتی ہے۔ نہ انہیں سیپ عطا ہوتا نہ اس سیپ میں گاہے ماہے اچھے سے اچھے اور معمولی
سے معمولی موتی پیدا ہوتے نہ انسان ان کی تلاش میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں
ان غریبوں کو مارتا۔

بعض وقت یوں ہوتا ہے کہ ان ننھے ننھے گھونگے اور مچھلیوں کے جسم سے کوئی تکلیف دہ
سنگریزہ یا اس قسم کی کوئی اور چیز چمٹ جاتی ہے جو ان کے نرم نرم پوست میں خراش پیدا کر دیتی
ہے ان تکالیف سے بچنے کے لئے قدرت نے ان میں ایک قوت دی ہے کہ اس تکلیف دہ شئے
کے اطراف سیپ کا لعاب اس طرح لپیٹ دیں کہ وہ گول اور ہموار ہو جائے تہ بہ تہ لعاب اس شئے
کے اطراف یوں لپیٹا جاتا ہے کہ ہر تہ مکڑی کے باریک سے باریک جالے سے بھی کہیں زیادہ
مہین ہوتی ہے اس طرح سیپ میں موتی تیار ہوتے جاتے ہیں اور بعض اس آب و تاب کے
پیدا ہوتے ہیں کہ جس سے سلاطین اپنے تاج کا زیور بنا سکیں حقیقت تو یہ ہے کہ موتی اور
سیپ دونوں ایک ہی مادہ کی دو شکلیں ہیں اور تحقیق جدید ہمیں بتلاتی ہے کہ ان میں اور چونے
میں بھی بہت کم فرق ہے مگر الماس اور کوئلے میں تو اتنا بھی فرق نہیں۔ اسے انسان کی کوتاہ بینی
سمجھئے یا کیا کہ کوئلے کو جلاتا ہے اور الماس کے لئے جل مرنے تیار ہے۔

اقلیم آسٹریلیا کے شمالی اور شمال مشرقی علاقوں میں جو جزائر واقع ہوئے ہیں ان کے درمیان
سمندر کے بہت سارے ایسے ننھے تالاب نما ہیں جو سال تمام ہر قسم کے طوفانوں سے محفوظ رہتے
ہیں۔ ان سمندری تالابوں کی سطح اور ان جزائر کے کنارے سب کے سب مرجان سے اٹے ہوئے
ہیں۔ یہ مرجانی سطح تمام تر بڑے بڑے گھونگوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ بعض ان میں کے ایسے
بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کی کوڑیوں سے تاب دان پیالیوں کا کام لیا جا سکتا ہے آسٹریلیا کے

دوسرے بعض شمال مغربی کنارے کا سمندر بھی بکثرت گھونگے اپنے میں پنہاں رکھتا ہے۔
پھر وہ گھونگے ہیں کہ جن سے بہترین سیپ نکالا جاتا ہے چنانچہ ہر سال ان کے شکار کے لئے
جہازوں کے بیڑے روانہ کئے جاتے ہیں۔

آسٹریلیا کے غوطہ زن سمندر میں دراصل سیپ کی تلاش میں اترتے ہیں اور اس پر اپنی
تجارت و ریاضت کا دارومدار رکھا ہے موتی بھی کبھی کبھی ان کے ہاتھ آجاتے ہیں۔ جب
ان گھونگوں کا حساب کیا جائے جو ایک ایک غوطہ زن نکال لاتا ہے تو موتیوں کی تعداد
ان کے مقابلہ میں بہت کم ہوتی ہے۔ البتہ سیلان و خلیج فارس کے غوطہ زن صرف موتی کی ہی
تلاش کرتے ہیں

آسٹریلیا سے ہر سال سیپ اور موتی کی تلاش میں متعدد بیڑے روانہ کئے جاتے ہیں
بعض ان میں کے سواحل آسٹریلیا پر کام کرتے ہیں اور بعض بحرالکاہل کے جزائر کی طرف نکل جاتے
ہیں۔ ان پر جو غوطہ زن کام کرتے ہیں وہ مثل عرب یا ایرانی یا ہندوستانی غوطہ زنوں کے
پرانی ترکیب سے کام نہیں کرتے۔ ان ایشیائی غوطہ زنوں کے کام کرنے کا طریقہ یہ ہوا کرتا ہے
کہ ننگے دھڑنگے کمر سے رسّی باندھا چھری ہاتھ میں لیا پانی میں کود پڑے سمندر کی تہ پر پہنچے
اور گھونگوں کو جڑ سے کاٹنا شروع کیا۔ ایک منٹ یا دو منٹ انتہا چار منٹ تک سانس
روک سکتے اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے انہیں باہر آجانا چاہیئے اور جو کچھ حاصل ہو سکتا
ہے حاصل کر لینا چاہیئے ورنہ دم گھٹ کے مر گئے یا خالی ہاتھ اوپر آئے۔ کشتی میں جو صاحب
کہ رسّی تھامے ہوئے ہیں اگر انہوں نے رسّی کھینچنے میں غفلت کی یا انہیں کسی حادثہ کی اطلاع
دینی ہے تو سوائے رسّی کو کھینچ لانے کے اس غفلت سے تدارک کرنے یا اطلاع دینے کا دوسرا
کوئی طریقہ نہیں۔ اور یہ یاد رہے کہ سب کچھ چار منٹ کے اندر ہونے کا ہے۔ ان سب باتوں کے
علاوہ جو مصیبت ان غوطہ زنوں کو آئے دن پیش آتی ہے وہ دریائی جانوروں کا مقابلہ ہے۔
اکٹوپس، شارک اور ایسے دوسرے خونخوار بحری درندوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کے ہاں سوائے

پیٹ بھرنا ہے دو تین منٹ سانس روکنے کی قوت کے دوسرا کوئی ہتھیار نہیں ہوا کرتا
اس بے سروسامانی سے جو لوگ موتی کی تلاش میں سمندر کی تہ چھانتے ہوں گے۔ ظاہر
ہے کہ ان میں سے اکثر کسی بری طرح سے ہلاک ہوتے ہوں گے۔

مگر آسٹریلیا اور امریکہ سے جو بیڑے کہ موتی اور سیپ کی تلاش میں بھیجے جاتے ہیں۔
ان پر یہ بدانتظامی نہیں ہوا کرتی وہاں غوطہ زنی کو سائنس بنا لیا گیا ہے اور جو افراد کہ آبائی پیشہ
کی طرح یہ کام نہیں کرتے انہیں غوطہ زنی بڑے حزم و احتیاط سے سکھلائی جاتی ہے۔ ان کے
ہاں غوطہ زنی کے خاص خاص لباس ہوتے ہیں۔ یہ لباس ربر اور فلالن ملا کر بنایا اور ایسا مضبوط
ہوتا ہے کہ درندہ جانور کے دانت اس میں آسانی سے کام نہیں کر سکتے۔ غوطہ زن کی کمر میں ایک
رسی بندھی رہتی ہے جس کا دوسرا حصہ جہاز پر ایک چرخ میں لگا ہوا ہوتا ہے اور یہ چرخ بجلی
کی قوت کی طرح حرکت کرتی ہے اور اس تیزی سے کہ غوطہ زن سمندر کی تہ سے سطح تک چند ہی
سکنڈ میں کھینچ لیا جا سکتا ہے۔ یہ رسی کوئی معمولی سن یا سوت کی بٹی ہوئی نہیں ہوا کرتی بلکہ
ریشم اون سے تیار کی جاتی ہے اور ان کی بنوٹ میں الیومنیم کے باریک تار دئے جاتے ہیں
یہ ایسی مضبوط ہوتی ہے کہ کاٹے نہیں کٹتی۔ لباس کے اوپر غوطہ زن کے سینے اور پشت کی طرف
دو بڑے بڑے جست کی تختیاں لٹکتی رہتی ہیں۔ ان سے دو فائدہ ہیں ایک۔ تو یہ کہ یہ اتنی وزن دار
ہوتی ہیں کہ پانی کے ابھارنے والی قوت کے خلاف غوطہ زن کو جب تک وہ چاہے سمندر
کی تہ میں روکے رکھتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ درندہ جانوروں کے حملوں سے بچانے میں زرہ کا کام
دیتی ہیں۔ اسی غرض سے ربر کے جوتو ں پر بھی جست منڈھا رہتا ہے۔ سر پر ایک خود ہوتا
ہے کہ جس میں سانس لینے کی نلی لگی ہوئی ہوتی ہے جس کے ذریعہ اوپر سے تازی ہوا ہر لمحہ نیچے
روانہ کی جاتی ہے۔ دیکھنے کے لئے آنکھوں کے مقام پر لوہے کی باریک جالی سے محفوظ کئے ہوئے
بڑے بڑے شیشے لگے ہوتے ہیں کمر میں متعدد چھوٹی بڑی چھریاں لٹکی ہوتی ہیں۔ جن سے
گھونگے کاٹ نکالا بھی کام لیا جا سکتا ہے اور اپنی حفاظت کا بھی خود سے ایک تھیلا آویزاں

جس میں گھونگے کاٹ کے جمع کر لئے جاتے ہیں۔ اس طرح سے جو غوطہ زن تیار ہو کر ... ہیں وہ سمندر کی تہ میں بہت دیر تک رہ کر کام کر سکتے ہیں۔

آسٹریلیا اور امریکہ کے بیڑوں میں جو غوطہ زنی کے کام کرتے ہیں وہ جاپانی ہیں یا چینی یا سوتھ سی جزائر کے باشندے۔ ان جزائر والوں کی خصوصیت یہ ہے کہ غوطہ زنی ان کا آبائی پیشہ ہے اور آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے تک یہ قوم آدم خور تھی اور آج بھی اپنے کسی دشمن کو ہلاک کر کے کھا لینا ان کے ہاں کوئی سنگین جرم نہیں سمجھا جاتا۔ بحرالکاہل کے جنوب مغربی علاقوں میں موتی یا سیپ کی تلاش میں جو جہاز کہ آتے ہیں ان میں سے اکثر آسٹریلیا کے ہوتے ہیں اور اس قسم کے ساز و سامان سے آراستہ۔ یہ جہاز ہفتوں اور مہینوں سمندر کی تہ چھانتے پھرتے رہتے ہیں۔ بعض وقت انہیں اس تلاش کے دوران میں بڑے بڑے بیش بہا موتی بھی ہاتھ آ جاتے ہیں۔ عموماً یہ جہاز عمیق سمندروں میں کام نہیں کرتے۔ بلکہ جزائر کے کنارے اور اکثر ایسے کم پانی میں ان کے غوطہ زن سیپ وغیرہ کی تلاش کرتے ہیں کہ دھوپ کے وقت سطح سمندر پر سے تہ میں کام کرنے والا آدمی بالکل صاف صاف دکھائی دیتا ہے۔

گھونگوں کو نکال لانے کے بعد بڑے بڑے چاقو سے انہیں چیرا جاتا ہے اور ان میں موتی کی تلاش کی جاتی ہے اور سیپ سے تمام گوشت علٰحدہ کر دیا جاتا ہے یورپین یا ایشائی قومیں بڑے گھونگے کے گوشت کو کچھ لذیذ نہیں سمجھتیں اس لئے یہ کسی طرح سے کام میں نہیں لایا جاتا۔ بلکہ جوں کا توں دریا میں پھینکدیا جاتا ہے۔

سیپ نکالا تو جاتا ہے ان گرم دریاؤں سے مگر اس کی بیع و شرع مغربی یورپ اور شمالی امریکہ کے بعض شہروں کے سوائے اور کہیں نہیں ہوتی۔ دنیا کے ہر حصہ سے جمع ہو کر یہ سامان ان شہروں کو آتا ہے اور یہاں بڑے بڑے گوداموں میں جمع کر دیا جاتا ہے اور اناج اون چمڑے نمک وغیرہ کی طرح ان گوداموں میں اس کی بکری بھی بذریعہ نیلام ہوتی ہے۔ گھنڈیوں ہی کی تیاری کے لئے یہ سیپ کام آتا ہے بلکہ چاقو چھری وغیرہ کے دستے

[illegible] فریم قلم دوات کاغذ تراش سستے قسم کے زیورات وغیرہ بھی اس سے بنتے ہیں۔

عموماً نہایت معمولی قسم کا سیپ گھنڈیوں کے کارخانوں کو روانہ کیا جاتا ہے یہاں مشین سے چلنے والے آروں کے ذریعہ سے ایسے گھنڈیوں کی وضع میں تراش لیتے ہیں عموماً یہ آرے نلووں کی وضع پر بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کے کناروں پر نہایت باریک اور تیز دندانے بنے رہتے ہیں۔ مشین میں یہ بڑی تیزی سے پھرتے ہیں اور سیپ جب ان کے مقابل لایا جاتا ہے تو خودبخود گھنڈیوں کے ناپ کے برابر کٹ جاتا ہے اس کے بعد گھنڈی کے ہر دو رخ مشین کے ذریعہ سے صاف کئے جاتے ہیں۔ یہ بہت بڑا مشین ہوتا ہے جس میں نہ صرف گھنڈیاں صاف کی جاتی ہیں بلکہ ان کی وضع بھی درست ہوتی ہے کنارے بنتے ہیں اور ان میں حسب ضرورت سوراخ کئے جاتے ہیں۔ یہاں سے نکال کر ایک ٹب میں نہایت ہی باریک ریت کے ساتھ انہیں ڈال دیا جاتا ہے یہ ٹب ایک مشین کے ذریعہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ یہاں گھنڈیوں کو پالش ہوتی ہے۔ پالش ہو جانے کے بعد رنگ اور ناپ کے بموجب انہیں علحدہ علحدہ چن لیتے ہیں اور تختوں پر لگا کر بازاروں میں بھیج دیا جاتا ہے ایک کارخانے میں سال بھر کے اندر لاکھوں کی تعداد میں گھنڈیاں تیار ہوتی ہیں ۔

جذبات اطفال

خواہش اور واقفیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش کو دیکھ کر ماہیت اشیاء کو سمجھے علل و اسباب پر غور کرے اور اپنے خزانۂ دماغ کو معلومات سے پُر کرتا رہے حصول علم کے معاملہ میں انسان کبھی بڑھا نہیں ہے۔ یہ کھاوت صاف ظاہر کرتی ہے کہ واقفیت بہم پہنچانے کے باب میں انسان کو کتنی تشنگی ہے ؎

اکتساب علم از ذوق طلب باز م نہ داشت
دانہ می چیدم ازاں روزے کہ خرمن داشتم

شروع شروع میں یہ خواہش اکتساب بہت تیز ہوتی ہے تھوڑی سی واقفیت بہم پہنچنے کے بعد انسانی تشنگی بہت بڑھ جاتی ہے ؎

جس دن سے ملا ہے شربت دید
پیاس اور مجھے سوا لگی ہے

بعد کو جیسا جیسا علم زیادہ ہوتا جاتا ہے انسان اپنے خالق کی قدرت کاملہ کا قائل ہوتا جاتا ہے اور اپنے قلت معلومات اور عجز کا اعتراف کرتا جاتا ہے ؎

جلوۂ ارض و سما دکھلا کے رہی نیچر بھی چپ
لا الہ و قل ہو اللہ کہکے پیغمبر بھی چپ

بحث اُسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
ایسے ایسے نیپ میں یہ ہوتا نہیں اکبر بھی چپ

اس معیار پر پہنچ کر سکوت زبان گویائی بن جاتا ہے اور تحیر خزانۂ معلومات ؎

فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت
مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں

کھدیا میں لے ہوا تجربہ مجھ کو تو یہی
تجربہ ہو نہیں پاتا ہے کہ مر جاتے ہیں

انسان کے تجربہ جتنے زیادہ ہوتے جاتے ہیں اتنا ہی وہ دریائے ہمہ اوست میں

جاتا ہے اور اپنی کوششوں کے بجائے فضل خدا کا قائل ہوتا جاتا ہے۔ بقول عرفی ؎

چندآنکہ دست و پازدم آشفتہ ترشدم
ساکن شدم میانۂ دریا کنارشد

اور بہ بانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ ہم کو کسی شئے کی اصل ماہیت یا حقیقت کبھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ حکماء قدیم کسی جز کے اوپر سے نیچے گرنے کا سبب زمین کا مرکز مانتے تھے نیوٹن نے بتلایا کہ شئے کے اوپر سے نیچے کھینچنے کا سبب زمین کی کشش ہے پوچھا گیا یہ کیسے معلوم ہوا۔ جواب دیا کہ تمام اجرام فلکی میں کشش کیوں ہے۔ کہا حدت کی وجہ سے۔ پوچھا کہ اچھا حدت کی کیا وجہ ہے۔ جواب دیا اب یہ خدا جانے کہ کیوں ہے۔ غرضکہ انسان ہزار اپنی دانش پر غرہ کرے آخر میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہم مجبور محض ہیں اس لئے زیادہ وقفیت کی کوشش کرنا ع

فروغ تجلی بسوزد پرم

کا مصداق بنتا ہے۔ اصل وقفیت کا راز اپنے اعتراف عجز اور تحیر میں مضمر ہے۔

ہزار بحثیں ہوں فلسفہ کی عیاں بصد آب و تاب تو ہے
ہزار توجیہہ کے ہوں دفتر آخر "کیوں" کا جواب تو ہے

سقراط نے بھی دریائے علم کی ہفتاد سالہ شناوری کے بعد یہی کہا تھا۔

معلومم شد کہ ہیچ معلومم نیست

یہاں ہم کو بلحاظ تفہیم طلاب اس جذبہ اکتساب واقفیت کے ابتدائی مدارج سے غرض ہے اس نوع جذبات سے اثر لے کر بچہ اپنے گرد و پیش کی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے موافق بناتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اگر بچے کے ہاتھ میں کوئی شئے آجائے تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے بعض وقت کھلونوں کو توڑ کر ان پر نگاہ کرتا یہ سب محض اس لئے ہے کہ ہر شئے کو ہر صورت و ہر سمت سے دیکھ مختلف لحاظ نظر کی مدد سے اس کو

پوری طور پر سمجھنا چاہتا ہے یہ خواہش اکتساب کئی جذبات کی شکل میں رونما ہوتی ہے مثلاً

(۱) جذبۂ بازی کھیل کود کے میدان کا اصل منشا یہ ہے کہ بچے کے جسم میں جو غیر ضروری توانائی ہے اُس کو اخراج کا راستہ ملتا رہے اکثر مدرسین شکایت کرتے ہیں کہ فلاں بچہ نہایت شریر ہے نچلا بیٹھنا ہی نہیں جانتا اون کو معلوم نہیں کہ بچہ مجبور فطرت ہے اس کے یہ تمام حرکات اور چلبلاپن اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے جسم سے اوس قوت کو خارج کرنا چاہتا ہے جو تولید خون کے ساتھ ساتھ پیدا ہو کر اُس کو بے چین کرتی ہے اور اپنے خارج ہونے کا اُس سے تقاضہ کرتی ہے جب یہ توانائی خارج ہو جاتی ہے تو بچے کو سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ شگفتہ نظر آتا ہے اس لئے کھیل کود تفریح روح اور فرحت طبع کا ایک ذریعہ ہے خواہ انسان بچہ ہو۔ جوان ہو۔ بڑھا ہو جب اوس پر دماغی کام کا بار پڑجاتا ہے تو نظرتاً ذہنی کسل دور کرنے کے لئے اوس کی طبیعت کا میلان کھیل کود کی طرف ہوتا ہے خوردسال بچوں کے لئے یہ چلبلاپن اون کی زندگی ہے اور اون کا اصل علم بلکہ ترقی اُن کو روکنا گویا بچوں کو مجبور کرنا ہے کہ وہ فطرت سے لڑیں۔ اور ظاہر ہے کہ فطرت سے جنگ کرنے میں آج تک کبھی کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ مدرسین کی اصل دانائی اس میں ہے کہ وہ جذبۂ بازی کو مناسب راستہ دیں۔ تمام ہادیان دین درس و تدریس اس بات پر متفق ہیں کہ بچے کے چلبلے پن کو مسدود کرنے کے بجائے اُس سے جائز اور برمحل کام لینا اصل تعلیم ہے۔

فروبل کا تو ابتدائی تعلیم کلیتاً اساس بازی پر قائم ہے۔ صغیر جماعتوں میں تو کنڈرگارٹن کے طریقے بغیر کام چل ہی نہیں سکتا۔ یہی طریقہ ایسا ہے جو بچے کے حق میں کھیل کا کھیل ہے اور تعلیم کی تعلیم۔ اس جذبۂ بازی میں بھی کچھ نہ کچھ شان خودنمائی شامل ہے جو طالب علم بازی گاہ پر چمکنے کی کوشش کرتا ہے اُسی کو کلاس میں بھی برتر رہنے کی خواہش ہوتی ہے پروفیسر جمیس کا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ انسان کے مجموعی کاموں کے $\frac{9}{10}$ حصہ کی تکمیل محض یہی تفریح نفس اور جذبۂ بازی کے ذریعہ ہوتی ہے بازی گاہ اور کمرہ جماعت میں اکثر خواہش نمود اور رقابت بری نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ معترضین کا خیال ہے کہ اس سے آپس میں بغض اور حسد پھیلتا ہے۔ اس سے اس لڑکے کا

تو بالکل دل ٹوٹ جاتا ہے اور ہمت چھوٹ جاتی ہے۔ جو شومی بخت سے زیر ہو گیا ہو یہ اعتراض اس حد تک صحیح ہے دنیا میں کوئی شئے ایسی نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ مضرت نہ ہو۔ رقابت کا بھی تاریک پہلو ہوتا ہے لیکن اس کا روشن پہلو اس قدر منور ہے کہ خفیف سی خرابیاں اس کے مقابل میں پاسنگ برابر بھی نہیں۔ ٹھیر تریہ یہ کیا ضرور ہے کہ تقابل دو طالب علموں ہی کے درمیان ہو آپ جماعت کا مقابلہ جماعت سے کرائے سکشن کا مقابلہ سکشن سے کرائے اور اسی طرح سے انفرادی تقابل کی مضرت کے اثرات کو کم کر دیجئے۔ خود ایک لڑکے کے کام کا مقابلہ اُسی کے سابقہ کام سے کرائے اور اس کے اچھے کام کی داد دے کر اور ناقص کام پر ملامت کر کے طالب علم کو مزید ترقی کے لئے اکسائے۔

(۲) **جذبہ استعجاب**۔ یہ خواہش اکتساب کی دوسری قسم ہے اس جذبہ کے معنی یہ ہیں کہ انسان نئے تجربات کا بھوکا ہے جب طالب علم کسی شئے کو حیرت سے دیکھتا ہے تو سمجھ جائے کہ وہ اسی قسم کے کام کرنے کی خواہش کرتا ہے اور سازباری حالات کا متلاشی ہوتا ہے۔

جذبہ استعجاب کا سب سے پہلے اس وقت ظہور ہوتا ہے جب بچہ کسی نئی چیز کو دیکھ کر اپنی طبیعت کا اُس طرف میلان پاتا ہے کسی شخص کو کام کرتے ہوئے دیکھ کر اس کا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ اجی یہ کیوں کرتے ہو وجہ معلوم کرنے کے بعد طریقہ کار کی نسبت سوال ہوتا ہے کہ ذرا میں بھی دیکھوں کہ یہ کیسے کرتے ہو۔ جب یہ طریقہ عمل سمجھ میں آجاتا ہے تو اپنے ذاتی آلات کے ذریعہ اپنے ہاتھ پیر سے تجربہ کرتا ہے اور اُن تجربات میں خود اُس کا ذہن اس قسم کے سوالات پیدا کرتا جاتا ہے۔ یہ شئے ہے کیا۔ یہ بنی کیسی تھی دیکھوں ذرا میں تو بناؤں۔ تیاری اشیاء کے بعد طالب علم کا یہ جذبہ استعجاب اس کو ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے اب وہ قانون اور ضابطہ کی تلاش کرتا ہے اور اپنے ذہن میں ایک اُصول مقرر کر لیتا ہے۔ کہ اگر ایسے ایسے حالات جمع ہوں گے تو اس اس طریقہ سے ایسے ایسے نتائج ظاہر ہو سکتے ہیں رفتہ رفتہ وہ اپنے ہر فعل کو اپنے قائم کردہ اُصولوں میں سے کسی نہ کسی ایک کے تحت میں لے آتا ہے۔ اس جذبہ استعجاب میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ

عیب بھی ہے وہ یہ کہ اگر اسکی خاطر خواہ دیکھ بھال نہ کی جائے تو اندیشہ ہے کہ بچہ ایک بے اصول
استعجاب کی صورت اختیار کرے گا کہ ہر چیز کو حیرت سے دیکھے گا لیکن اس کو عمل میں لانے کی کوشش
نہیں کرے گا گویا محض خیالی حیرت پر اکتفا کرے گا اور جو اس سے نتیجہ مرتب ہونا چاہیئے اس حد
تک نہ ذہن کو لگان دے گا نہ خیال کو تجربہ کے قریب تک پہنچائیگا۔ بچے کی اس بے سود حیرت
سے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا۔ مدرسین کو چاہیئے کہ سبق الاشیار کا درس دیتے وقت
اس امر کا لحاظ رکھیں اور اس قسم کے بے فیض استعجاب کا نشو نما نہ ہونے دیں۔ جذبۂ استعجاب سے
کام لینے میں مدرس کو اشیار کے انتخاب کے وقت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جو شئے کہ سبق کیلئے
منتخب کی جائے وہ اوس کے لئے نہ تو بالکل نئی ہونی چاہیئے اور نہ ایسی جس سے کہ بچہ پوری
طور پر واقف ہو۔ بالکل نئی شئے سے بچہ کے دل میں وحشت و خوف پیدا نہ بھی ہو تو بھی درس
کے انتخاب کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے کہ بچہ اوس کی طرف دلچسپی سے متوجہ نہ ہوگا۔ اور
سبق کی اصل غایت برباد ہو جائے گی اگر درس وہی کے واسطے کوئی شئے ایسی منتخب کی گئی ہے
جس سے ایک حد تک بچہ واقف ہے اور ایک حد تک ناواقف تو اس درس میں بچہ کے
جذبۂ استعجاب کو صحیح طور پر کام میں لانے کا بہترین موقع ہے وہ نہ صرف ایسی شئے کو نظر شوق
و حیرت سے دیکھے گا بلکہ اس خیال کے سبب کہ اب دیکھیں کیا ہوتا ہے ہمہ تن محویت بن جائیگا
اگر کسی شئے کے متعلق طالب علم کے ذہن میں پہلے سے کچھ خیالات موجود ہیں تو مدرس کو ان سے
بنیادی کام لینا چاہیئے۔

اس اساس قدیم پر خیالات جدید کی ایک عمارت تو قائم کرنی چاہیئے جتنا قدیم اور جدید
خیالات کو بہتر طریقہ سے آمیز کیا جائے گا اتنا ہی وقفیت اور توسیع علم کی شکل میں نتیجہ بہتر مرتب
ہوگا اس میں سب سے زیادہ اس بات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ خیالات نہ ضرورت سے
زیادہ قدیم ہوں نہ ضرورت سے زیادہ جدید کہ دونوں کا جوڑ نہ مل سکے یہ مناسب شرط ہے جو کوئی
مدرس تناسب سے کام لے گا اپنے کار درس دہی میں خاطر خواہ کامیاب ہوگا اسباق کی ترتیب

میں بھی تناسب گا خیال رکھنا مدرس کے ضروری فرائض میں داخل ہے۔

(۳) جذبۂ اتباع۔ یہ وہ طبعی میلان ہے جو انسان سے کسی کے افعال کی عملاً پیروی کراتا ہے کسی کا اتباع کرنا یا کسی کی نقل کرنا فی الحقیقت اوس کے حرکات وسکنات کو سیکھ لینا ہے۔ اس لئے یہ جذبہ بچہ کے لئے بہترین ذریعۂ تعلیم بن سکتا ہے اگر اس جذبہ سے خاطر خواہ کام لینا ہے تو مدرس کو چاہیئے کہ اس کے تدریجی منازل پر غور کرے اور اُس کو طالب علم کے ذہن میں زینہ بزینہ ترقی دے اس کا پہلا درجہ اضطراری نقالی ہے اس میں انسان بے خیالی کی حالت میں ایک دوسرے کی نقل کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی جمائی لیتا ہو تو دیکھنے والا بغیر ارادے اور بغیر خیال کے جمائی لینے لگتا ہے۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ جب اس قسم کی نقالی کا تعلق ارادہ اور خیال سے نہیں تو یہ طالب علم کے لئے سبق آموز کیسے ہوسکتی ہے لیکن اگر ذرا عمیق نظر سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کی اوائل عمر کا ایک بڑا حصہ اس سے اثر پذیر ہوتا ہے اور اسی جذبہ کی بنا پر اوس کی طفلانہ خصلت مرتب ہوتی ہے۔ بغیر ارادے۔ بغیر خیال کے وہ اپنے قریبی اعزہ اور اپنے ماں باپ کی نقل اُتارنا شروع کرتا ہے اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ بغیر محسوس کئے ہوئے۔ بچہ حرکات افعال اور اعمال میں اپنے ماں باپ کا مثنیٰ ہو جاتا ہے۔ بیٹے کی چال ڈھال سے اکثر باپ کے حرکات وسکنات کا پتہ چلتا ہے۔ گفتگو میں وہی لب ولہجہ آجاتا ہے۔ بات کرنے کا وہی طریقہ ہو جاتا ہے اور نقل وحرکت بالکل ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ اکثر ہکلے تتلے اور بطی الفہم ماں باپ کی اولاد میں یہی عیوب پائے جاتے ہیں اس کا اصل سبب یہی جذبۂ نقالی ہے۔ اس موقع پر یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سرپرست یا ماں باپ ہونے کی حیثیت سے انسان کو کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بچہ چھوٹا ہے ابھی ہمارے بُرے افعال کو کیا سمجھتا ہے جب سمجھ آجاے گی تو اس سے پردہ کرنے لگیں گے۔

آپ کو سمجھ نہ ہو لیکن فطرت نے بچہ کو آپ کے افعال داخل طبیعت کر لینے کی سمجھ دی ہے بچہ کی خفیف الحرکاتی کا سبب اکثر بتایا جاتا ہے کہ دایہ کا دودھ ہے اگر دایہ کمینی نہ ہوتی تو بچہ کی

بھی یہ عادت نہ ہوتی۔ دودھ کی نوعیت بچہ کے خون کو ایک خصوصی صورت میں بدل دیتی ہے لیکن اُس کی پست خیالی۔ کم ہمتی اور خفیف الحرکاتی کا اصل سبب یہی ہے کہ اوس کی دایہ فرومایہ تھی کم ہمت تھی اور کمینہ تھی اوس کے حرکات وافعال سے بچہ نے زیادہ اثر لیا بہ نسبت اس کے کہ اُس کے دودھ نے اُس کی خصلت خراب کی ہو۔ میر اکبر حسین مرحوم نے والدین کی اس فروگذاشت پر کیا خوب فرمایا ہے ؎

طفل میں بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ تو ڈبہ کا ہے تعلیم ہے سرکار کی

دوسرا درجہ ارادی نقالی کا ہے اس درجہ پر پہنچ کر بچہ اختیار اور ارادہ کے ساتھ دوسروں کے افعال کی نقل کرتا ہے۔ مثلاً کسی کی رفتار دیکھکر ویسا ہی بن کر چلتا ہے کسی کی آواز کی نقل کرتا ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ یہ بندروں کی سی نقالی ہوتی ہے اور بچے کے حق میں کسی مخصوص طریقہ گفتگو یا خاص طرز روش سکھانے کے لئے خصوصیت سے معین ہوتی ہے۔ نقالی کی تیسری قسم کو ہم تامی نقالی کہہ سکتے ہیں اس میں بچہ کسی فعل کو دیکھ کر فوراً اوس کی نقل نہیں کرنے لگتا بلکہ اس طریقہ کو ذہن میں محفوظ رکھتا ہے اور کسی دوسرے وقت ویسا ہی کرنے کی کوشش کرتا ہے نیز یہ کہ اس میں مختصر کسی ایک حرکت کی نقل نہیں ہوتی بلکہ متعدد حرکات مل کر ایک نقل کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً جب بچہ بنئے کی دکانداری کی نقل کرتا ہے یا سپاہی کا روپ بھرتا ہے تو یہ گویا اون لوگوں کے متعدد حرکات کا مجموعہ ہوتا ہے یہ نقالی کچھ معمولی نہیں ہے صرف سمجھ دار اور ذی ہوش بچے ہی اس کو کامیابی کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں اس میں صرف متعدد حرکات کو یکجا کر دینا ہی نہیں ہوتا بلکہ اصل دشواری اُن حرکات کی ترتیب اور تنظیم میں ہوتی ہے۔ منتشر حرکات کو یکجا کر کے ایک مخصوص نقل کی شکل میں ترتیب سے ظاہر کرنا فی الحقیقت بڑے کمال و دانشمندی کا کام ہے اس سے بچہ کو اوس کی خصلت سازی میں بہت مدد ملتی ہے اس کے زیر اثر بچہ دوسروں کے محبوب افعال کی کامیابی سے نقل بلکہ اضافہ کرتا ہے۔

اپنی شخصیت کو وسیع کرتا ہے ایک بڑا فائدہ اس سے اس کو یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف بنئے۔ سپاہی یا ماسٹر کے افعال کو اپنی طبیعت کا جزو بنالیتا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کی طبائع کے سمجھنے کا ایک ملکہ حاصل کرلیتا ہے۔ اس سے ملتی جلتی ایک اور قسم دانستہ نقالی کی ہوتی ہے اس میں انسان کسی کی نقل محض اس خیال سے نہیں کرتا کہ اوس کو وقتی طور پر وہ فعل بھلا معلوم ہوا بلکہ ارادتاً اس خیال سے کرتا ہے کہ آئندہ اس کا نتیجہ اس کے لئے بہتر پیدا ہوگا مثلاً وہ بڑھئی کی نقل اس لئے کرتا ہے کہ وہ فن بخاری سے آئندہ زندگی میں کام لینا چاہتا ہے اس لئے نقالی کی یہ قسم بچہ کی خصلت بھی بناتی ہے اور فنون بھی سکھاتی ہے اس موقع پر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ گو زبانی طالب علم کے لئے ایک ذریعہ تعلیم ہے لیکن وہ بسا اوقات اپنی خدمت خاطر خواہ انجام دینے میں قاصر رہتی ہے وجہ یہ ہے کہ طالب علم کا مبلغ علم اتنا بلند یا تجربات ایسے وسیع نہیں ہوتے کہ زبانی تقریر کو سن کر اس کے اثرات خاطر خواہ خوبی و کامیابی کے ساتھ اپنے ذہن میں مرتب کرسکے اس لئے مدرس کو چاہیے کہ فنی تعلیم دیتے وقت زبانی تشریح و توضیح سے زیادہ کام نہ لے۔ طلبا کے سامنے کسی کام کو عملاً کرکے بطور نمونہ پیش کرے اور ان سے اس عمل کی نقل کرنے کے لئے کہے۔ اس طریقۂ عمل سے طالب علم کو اکتساب و تفہیم میں کہیں زیادہ سہولت ہوگی مثلاً اگر ہم مسٹر ماریس کے طریقہ سے ہندوستان کے نقشہ کا خاکہ طلبا سے کھنچوانا چاہیں اور ان کے سامنے اس طریقہ کی زبانی وضاحت یوں کریں۔

"اپنی کاپی میں دو حصے جگہ سیدھے ہاتھ کی طرف اور ایک حصہ الٹے ہاتھ کی طرف چھوڑ کر ایک خطاب کسی لمبائی کا شمالاً جنوباً کھینچو۔ اب کی ج پر تنصیف کرو اور ایک عمود جانب دست راست ک ج برابر اج کے بناؤ اک اور ب ک کو ملاتے ہوئے اب کے برابر خطوط اس اور ب ن کھینچو اور ن اور س کو ملادو پھر ا کو مرکز مانکر اج کی دوری سے جانب دست چپ ایک قوس کھینچو بعد ازاں ب کو مرکز مان کر ب ک کی دوری سے پہلی کو ج پر کاٹو ج ا اور ج ب کو ملاؤ ج کو بڑھا کر ج سے لفظ د پر ملادو۔"

تو طلبا کی خاک سمجھ میں نہ آئے گا کہ ہم نے کیا کہا۔ کسی عمل کے بہترین طور پر سمجھانے کی ترکیب یہی ہے کہ طلاب سے اس کی نقل عملاً کرائی جائے۔ اگر زبانی بتانے کے بجائے اس نقشہ کے خاکہ کو کھینچکر طلاب سے کہا جائے کہ وہ بھی ویسا ہی کھینچیں تو مفہوم اُن کے ذہن نشین نہایت خوبی کے ساتھ بہت کم عرصہ میں ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ طلاب اتنا ہمارے قول سے سیکھتے ہیں۔ اگر ہمارا علم اعلیٰ درجہ کا ہے اور ہم عملاً طلاب کے روبرو اوس کی وضاحت نہیں کر سکتے تو یہ سب علم ہیچ ہے۔ خزانہ مخفی اگر خزانہ ہے بھی تو دنیا کے کس کام کا۔ جاننے کو تو کتابیں بھی ہم سے زیادہ جانتی ہیں پھر نظام تعلیم میں محض وقفیت کے دعوی پر ہماری ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ طلاب کے لئے خاموش کتابیں ہم سے بہتر معلم کا کام دے سکتی ہیں وہ معاوضہ خدمت بھی کم لیتی ہیں اور ستاتی بھی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ؎

کم وہ تھیں کہ خدمت ہی جنہیں ملتی ہے لذت
کھنے کے لئے صاحب عزت تو بہت ہیں۔

(قمر)

تبصرے

مواعظ حبیبہ کتاب کا نام ذومعنی نہیں بلکہ کئی مضمون کا حامل ہے۔ اس کتاب میں جس بزرگ ترین انسان کے حالات درج ہیں ان کا ایک نام "حبیب" بھی تھا۔ ان کے اخلاق فاضلہ "بھی حبیب" تھے کتاب کے مولف کا نام بھی "حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی" المخاطب نواب صدر یار جنگ صدر الصدور محکمہ مذہبی سرکار عالی ہے۔ کتاب کا طرز بیان بھی "حبیبانہ" ہے مطالعہ کنندوں کو چاہیئے کہ وہ اس کتاب کو "حبیب" سمجھیں۔

مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی جب سے بلدہ آئے ہیں ان کا بڑا موضوع

"حبیب" "سیرۃ محمدی" رہا ہے۔ اس موضوع پر ابتداءً تو ان کے مواعظ کی تعداد ہر سال تین چار سے زیادہ نہیں ہوتی تھی مگر اب تو ہر سال تخمیناً تیس ہو جاتی ہے۔

اخبار صحیفہ حیدر آباد دکن میں مولوی فاضل محمد اکبر علی صاحب ان مواعظ کو اپنی یادداشت سے قلم بند کر کے اپنے اخبار میں شائع کرتے رہے۔ اس کے بعد اخبار صحیفہ سے گلبرگہ کی صدا انجمن اصلاح مسلمانان گلبرگہ نے بامداد انجمن اسلامیہ حیدر آباد ان کے تین مضامین کو کتابی صورت میں علٰحدہ علٰحدہ تین نمبروں میں شائع کیا۔ اس کے بعد دوسری انجمنوں نے اصلاح مسلمانان کے "کٹنگ" اور انجمن اسلامیہ کی رقمی مدد سے اس سلسلہ کو (۱۷) نمبروں تک پہنچایا۔

اب خود مؤلف نے ان رسائل میں سے (۱۲) مواعظ کی جلد اول طبع کرائی ہے۔ یہ مواعظ سنہ ۱۳۱۸ھ سے ۱۳۴۲ھ تک کے ہیں۔ کتاب کے شروع میں مضامین کی فہرست درج نہیں ہے۔

دو صفحی مقدمہ میں متعدد کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔ چند مقامات پر اس کی تصحیح قلم سے کی گئی ہے مگر وہ محدود ہے۔ ضرورت ہے کہ بقیہ کتابوں کے ساتھ صحت نامہ لگایا جائے اور آئندہ آڈیشن میں مؤلف کی نظر ثانی کے علاوہ مصحح بھی قابل و ماہر مقرر کیا جائے۔

کتاب پر قیمت اور ملنے کا پتہ درج نہیں ہے مؤلف صاحب اس کو غالباً مفت تقسیم فرماتے ہیں حجم ۱۳۲ صفحہ تقطیع متوسط۔

مجالس میلاد النبی بابتہ ۱۳۴۶ھ کتاب کے مؤلف مولوی محمد شمس الدین صاحب صدیقی منصف وظیفہ یاب ان لوگوں میں ہیں جو وظیفہ لینے کے بعد تصنیف و تالیف کو وہ بھی بخیال نفع ذاتی نہیں بلکہ حسبتہً للہ اپنا مقصد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کی متعدد تالیفات شائع شدہ میں سے تین تالیفات وصول ہوئی ہیں۔ پہلی کتاب میں انہوں نے ۱۳۴۶ھ کے مجالس میلاد کا ذکر کیا ہے جو خصوصیت کے ساتھ بلدہ و ممالک محروسہ میں اور عموماً ہندوستان میں منعقد ہوئے مجالس میلاد کے متعلق ایک مفید ڈائرکٹری (ذخیرہ معلومات) ہے۔ مؤلف نے اس قسم کا ایک رسالہ پانچ سال قبل

۱۳۴۲ھ میں بھی شائع کیا تھا۔ ضرورت ہے کہ مؤلف اس سال بھی یہ رسالہ شائع کریں۔ ترتیب وعنوانات میں چند اصلاحات کی شدید ضرورت ہے چند فریدامور کا اضافہ بھی مفید ہے۔

کتاب کا حجم ۸۰ صفحہ تقطیع متوسط۔ کاغذ سفید چکنا۔ لکھائی جلی اور دیدہ زیب چھپائی نفیس اور صاف شمس الاسلام پریس حیدرآباد کی ہے۔

اعلحضرت بندگانعالی متعالی کی دہلی سے مراجعت کی خوشی میں حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں تو خوب روشنی ہوئی تھی لیکن یہ امر باعث مسرت ہے کہ متعدد مدارس میں بھی اس تقریب میں جلسے ہوئے ہمارے پاس جو اطلاعات وصول ہوئی ہیں ان سے ظاہر ہے کہ مدارس وسطانیہ کاماریڈی و گرمٹکال مدارس تحتانیہ بانسواڑہ تعلقہ بودھن۔ بھکنور۔ ضلع نظام آباد۔ حدگاؤں ضلع ناندیڑ۔ تماکو ضلع نلگنڈہ ماڈل اسکول پربھنی۔ میں صدر مدرس صاحبان نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔

مدرسین۔ والدین اور طلبا کو یکجا جمع کرکے تبادلہ خیالات کی صورت پیدا کی۔ وفادارانہ خیالات پھیلائے اور اپنے اپنے مدرسہ کو مقبول و ہردلعزیز بنانے کی کوشش کی۔

مولوی اسرارالرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ گرمٹکال قابل مبارکباد ہیں کہ ان کے اشاف نے اس مبارک تقریب کی یادگار میں ایک سفری کتب خانہ کا صندوق جس میں ہر زبان کی اخلاقی کتب ہوں گی ضلع گلبرگہ شریف کو دینے کا تہیہ کیا۔ ہم کو اس کی امید ہے کہ ایسے مواقع پر دوامی یادگار قائم کرنے کی کوشش میں اساتذہ ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں گے۔

مکتبۂ ابراہیمیہ

دورِ عثمانی کا اولین مکتبہ ہے۔ جو ایک عرصہ سے اہلِ ملک کی علمی، ادبی، خدمت گزاری میں مصروف ہے ملک سرکارِ عالی میں یہی ایک مکتبہ ہے جس نے کتب بینی کے مذاق کو پبلک میں ابھارا اور تعلیمی و علمی کتابوں کی نشر و اشاعت سے ملک میں تصنیف و تالیف کی تحریک کی پرچار کر رہا ہے۔ اس کی جانب سے دماغی کاوشوں کے لئے ہر وقت ہونہار اور لائق اُردو انشا پردازوں کو صلائے عام ہے۔ حال ہی میں ابنائے ملک کے مشترکہ سرمایہ سے انجمن ہائے امداد باہمی سرکارِ عالی کے تحت مکتبہ کی رجسٹری کرائی گئی ہے۔ تاکہ عوام الناس بھی اس علمی ادارہ میں شریک ہو کر اپنی اجتماعی مالی قوت سے ملک کو علم و ادب کی دولت سے مالا مال کریں ضمناً اس سے مالی منفعت بھی حاصل کریں۔ مکتبہ میں اُردو کتابوں کا بڑا اسٹاک موجود ہے اور ہر وقت اُردو کی جدید مطبوعات جو ہندوستان میں شائع ہوا کرتی ہیں۔ مہیا کرتا ہے۔ درسی کتابیں فنِ تعلیم کی کتابیں، آلاتِ تعلیم، نقشہ جات، آلاتِ سائنس، بچوں کے عام مطالعہ کی کتابیں، عورتوں کے مذاق کی کتابیں طلباء کے انعام کے قابل کتابیں مدارس کے کتب خانوں کے قابل کتابیں اور اُردو کے مشہور علمی، ادبی، ماہوار رسالے اور مطبوعہ فارمس یہ سب چیزیں مکتبہ سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ خود مکتبہ بھی وقتاً فوقتاً تعلیمی اور علمی، ادبی کتابیں شائع کرتا رہتا ہے۔ اس کی شائع کردہ کتابیں ملک میں خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

اب اس نے ایک ماہوار علمی رسالہ بھی مجلۂ مکتبہ کے نام سے جاری کیا ہے جس کی جلد اول ختم ہو چکی ہے اس میں علم و ادب لطیف کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ اس رسالہ کی سالانہ قیمت (للعہ) اور ششماہی (عہ) ہے اس کے خریداری میں سہولتیں پیدا کی گئی ہیں تاکہ حتی الامکان ہر شخص مجلۂ مکتبہ سے مستفید ہو۔ مدرس صاحبان بھی اس رعایت سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں یعنی یکمشت یا بدفعات سہ دو صہ روپے کی درسی و دیگر کتابیں خریدنے پر سال بھر یا چھ ماہ کیلئے لیعہ دو عہ روپے کی مطبوعات مکتبہ رسالہ مفت جاری ہو سکتا ہے۔ مکتبہ ابراہیمیہ نے جو تعلیمی کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کو ٹکسٹ بک کمیٹی سررشتہ تعلیمات ملک سرکارِ عالی نے منظور کر کے بذریعہ گشتیات مدارس سرکارِ عالی کے نصابِ تعلیم میں داخل کر لیا ہے یہ کتابیں ملک کی تعلیمی ضروریات کو مدِ نظر رکھکر جدید طریقۂ تعلیم کے اصولوں پر لائق اور تجربہ کار اساتذہ سے لکھوا کر شائع کی گئی ہیں اور کتابوں سے تعلیمی کورس اور ذہنی تربیت کی تکمیل کما حقہٗ ہو سکتی ہے طرزِ بیان عام فہم زبان سلیس و شستہ کاغذ چکنا لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔

(۱) حمایت الحساب برائے جماعت صغیر قیمت ۔/۲/۔
(۲) ” مع ضمیمہ برائے مدرسین قیمت ۔/۶/۔
(۳) ” برائے جماعت اول ” ۔/۸
(۴) ” ” دوم ” ۔/۶/۔
(۵) ” ” سوم ” ۔/۱۲
(۶) حمایت الحساب برائے جماعت چہارم قیمت ۔/۱۴
(۷) معلومات دیہی حصہ اول برائے جماعت سوم قیمت ۔/۶/۲
(۸) ” دوم ” چہارم ” ۔/۶/۲
(۹) جغرافیہ ریاست حیدرآباد برائے جماعت چہارم و پنجم قیمت ۔/۱۲

مکتبہ کی شائع کردہ علمی و ادبی کتابیں

جن کے متعلق ہندوستان کے مشاہیر اہل قلم نے بہترین [illegible] جو حسب ذیل ہیں یہ کتابیں ہر کتب خانہ میں رہنے کے قابل ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے۔

(۱) دکن میں اردو مصنفہ محمد نصیر الدین صاحب ہاشمی (۱۴/) (۹) مبادی فلسفہ از میر حسن الدین صاحب بی اے ال ال بی (۱۴/)
(۲) خیابان اردو مولفہ احمد عارف صاحب (۱۲/) (۱۰) اسوۂ حسنہ مصنفہ احمد عبداللہ صاحب مسدی متعلم بی اے (۸/)
(۳) روح تنقید مصنفہ سید محی الدین صاحب قادری ایم اے (۱۲/) (۱۱) آثار الکرام حصہ اول مصنفہ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری ایم آر اے ایس (عہ)
(۴) تنقیدی مقالات ” ” (۸/) (۱۲) شاہ رفیع الدین قندھاری مولفہ محمد عبدالغفور صاحب عابدی (۵/)
(۵) اردو کے اسالیب بیان ” ” (عہ) (۱۳) خزینۂ اخلاق از سید عبدالعزیز صاحب عزیز (۶/)
(۶) محمود غزنوی کی بزم ادب ” ” (۱۲/) (۱۴) سیرۃ خیر البشر (نظم) از سید غلام مصطفیٰ صاحب ذہین (۱/)
(۷) دنیائے افسانہ مصنفہ محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی (عہ) (۱۵) نیک بی بی (”) ” (۲/)
(۸) جواہر کلیات نظیر از سید غلام مصطفیٰ صاحب ذہین و مختار احمد صاحب (عہ) (۱۶) چھوٹا شیطان (”) ” (۱/)

حسب ذیل ماہانہ رسالے بھی مکتبہ سے مل سکتے ہیں

نیرنگ خیال	۵ر۰ا ۔	معارف	۹ر۰ا ۔	عالمگیر (خاص نمبر)	عہ ۔
عالمگیر	۵ر۰ا ۔	ہمایوں	۹ر۴ ۔	نیرنگ خیال (عید نمبر)	عہ ۔
عصمت	۵ر۰ا ۔	زمانہ	۹ر۴ ۔	زمانہ (جوبلی نمبر)	عہ ۱۴/
نبات	۲ر۴ ۔	مخزن	۸ ۔	مخزن (سالانہ نمبر)	عہ ۴ ۔
نگار	۹ر۴ ۔	مجلہ مکتبہ	۶	نگار (مومن نمبر)	عہ ۔

ملک کا علمی خدمت گزار

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی (محدود) اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

رج س رع ۲۱

رج ان گ یم ۲۰۶۵

جلد پنجم

نمبر ۴

ماہ اسفندار ۱۳۳۸ف

مدیر

محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد

(دکن)

صدارت عظمیٰ - یعنے باب حکومت سرکار عالی نے بذریعہ مراسلہ نشان (۹۶۱)
مورخہ ۱۰ر فروردی ۱۳۲۷ف **اعظم اسٹیم پریس** کو ازراہ قدر افزائی و رعایا پروری
گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر مقرر فرمایا ہے سرکار عالی کی اس قدر افزائی کا کارپردازان مالک
مطبع کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد جملہ جلیل القدر عہدہ دار صاحبان
سررشتہ تعلیمات و صدر مدرسین و اساتذہ صاحبان و طلبار مدارس خانگی و سرکاری کی
خدمت میں استدعا ہے کہ

حسب منشار باب حکومت سرکار عالی اس مطبع سے خدمات طباعت و جملہ
سامان تعلیمی و کتب درسی و فارمس وغیرہ کے آرڈر سے سرفراز فرما کر مطبع ہذا کی حوصلہ
افزائی فرمائیں گے ۔

انشاء اللہ تعالےٰ یہ کارخانہ بھی اپنے معاملہ داروں سے بپابندی وعدہ اور اخذ اجرت
واجبی اور اپنی سچائی اور خوش معاملگی و خوبی کار سے جو اس کی ترقی کا حقیقی راز ہے ملک و
ملت کی خدمت گزاری میں کبھی دریغ نہ کرے گا

خاکسار

سید عبد القادر

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

نمبر ۴	بابتہ ماہ اسفندار ۱۳۳۸ ف	جلد ۵

ہماری زبان کے نام

نواب صدر یار جنگ بہادر محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کے نام گرامی سے ناظرین کرام بخوبی واقف ہیں۔ ایک مرتبہ سے زیادہ آپ کے عالمانہ خیالات سے صفحات المعلم مزین ہو چکے ہیں۔ ذیل میں ہم آپ کے صدارت نامہ کا ایک حصہ درج کرتے ہیں جو آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس لاہور میں پڑھا گیا۔ اس میں اردو زبان کے نام کے

بابت جو محققانہ بحث کی گئی ہے وہ حقیقت میں بہت ہی مفید اور دلچسپ ہے۔

مدیر

(۱) ہندی | آج جو زبان اُردو کے نام سے مشہور ہے اُس کا اصلی اور مقبول عام قدیم نام "ہندی" ہے۔ یعنے جو زبان دیسی اور پردیسی زبانوں کے اختلاط و ربط سے ہندوستان میں پیدا ہوئی۔ اُس کا نام ہندی قرار پایا۔ اور عہد قدیم سے لے کر اب سے کچھ زمانہ پیشتر تک اُس کا یہی نام رہا۔ ذیل کی شہادتیں اس مدعا کو ثابت کریں گی،

(۱) شیخ سعدی شیرازی نے ایک قطعہ لکھا ہے جس میں، ترکی، گازرونی، تازی، کاشی، قزوینی، شیرازی، وغیرہ زبانوں میں اشعار لکھے ہیں اُس کا مطلع ہے ؎

دلبرے دارم نکو مانندۂ شمس و قمر　　　دلربائے جانفزائے قندخائے چوں شکر

اسی "دلبر" کی زبان سے مذکورہ بالا زبانوں کے اشعار سنوائے ہیں۔ اُس میں ایک شعر ہندی بھی ہے جس کا پہلا مصرع یہ ہے ع

گر بہندی گویدم پانی ہین روٹی کہن[1]

(۲) ترجمہ شمائل الاتقیا، (جو ۱۰۰۰ھ میں دکن میں ترجمہ ہوئی) اپنی حیات کے منجہ اشارت کئے تھے جو شمائل الاتقیا کتاب کون ہندی زبان میں لیاوے"[2]۔

(۳) ترجمہ معرفت السلوک" کتاب معرفت السلوک جو تصنیف مغفرت پناہی ہور شیخ الشیوخ .... ہے فارسی زبانوں تے ہندی زبانوں بیان کر"[3]۔

(۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی زاد المتقین الی سلوک الدین مؤلفہ ۱۰۰۰ھ میں فرماتے ہیں "و یا ہندیان در تقریر فارسی تکلف نہ کنند و ہم بزبان ہندی اکتفا فرمایند"[4]۔

(۵) ترجمۂ قرآن شاہ عبدالقادر دہلوی"۔ اس واسطے اس بندہ عاجز عبدالقادر کو

---

[1] کلیات سعدی مطبوعہ بمبئی ۱۲۵۶ھ صفحہ ۱۷
[2] دیباچہ ترجمہ شمائل الاتقیا نسخہ کتاب خانہ آصفیہ
[3] ترجمہ معرفت السلوک نسخہ کتاب خانہ آصفیہ
[4] اُردو قدیم حکیم شمس اللہ قادری

خیال آیا کہ جس طرح ہمارے والد بزرگوار شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدث دہلوی ترجمہ فارسی کر گئے ہیں سہل آسان ویسے ہی اب ہندی زبان میں قرآن شریف کو ترجمہ کرے۔ الحمد للہ والمنۃ کہ ۱۲۰۵ھ میں میسر ہوا...... دوسرے یہ کہ اس میں زبان ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی متعارف تا عوام کو بے تکلف دریافت ہو۔"[۵۱]

میر تقی میر نے نکات الشعراء میں زبان اردو کو ہندی لکھا ہے۔ چنانچہ آگے آتا ہے انشاء اللہ خاں کے زمانہ میں اگرچہ اُردو کا لفظ رائج ہو چلا تھا تاہم وہ اس زبان کے لئے ہندی کا لفظ بھی استعمال کرتے جاتے ہیں۔ دریائے لطافت میں لکھتے ہیں۔" دریں عبارت ہندی کل ہم تمہارے یہاں گئے تھے .... دیگر" تو" کہ بہندی بجائے" بگیر" مستعمل است علی ہذا القیاس"۔ اخیر زمانہ تک بھی یہ نام باقی رہا۔ چنانچہ جان گلگرسٹ نے جو بیاض اردو شعراء کے منتخب کلام کی جمع کی تھی اس کا نام" بیاض ہندی" رکھا اور ایک اور اردو کتاب کا نام" اتالیق ہندی"[۵۲]۔

مرزا غالب کے خطوط کے ایک مجموعے کا نام" اُردوئے معلی" ہے تو دوسرے کا نام" عود ہندی" یہی وجہ ہے کہ زبان ہندی (اردو) کو تُنّی دوسری دیسی زبانوں سے ممتاز کرنے کے لئے ملک اور لفظ" ہندی" رائج تھا۔

آٹھویں صدی ہجری کی ایک لغت کی کتاب ہے" بحر الفضائل فی منافع الافاضل" اس میں عربی، فارسی، ترکی کے اُن الفاظ کے معنی دیسی زبان میں بھی بتائے ہیں جو اساتذہ و شعرائے فارسی کے کلام میں رائج تھے۔ صدہا جگہ دیسی زبان کے لئے" ہندوی" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً خروں........ ہندوی رائی گویند خرس........ در ہندوی ریچھ گویند علی ہذا القیاس[۵۳]۔

---

[۵۱] مقدمہ ترجمہ قرآن شاہ صاحب ممدوح مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۹۲ھ۔ [۵۲] ارباب نثر اردو صفحہ ۲۰
[۵۳] بحر الفضائل مولفہ محمد بن قوام بلخی نسخہ کتاب خانہ آصفیہ۔

فرشتہ اپنی تاریخ میں ابراہیم عادل شاہ کے ذکر میں لکھتا ہے "و دفترِ فارسی بحرف ساختہ ہندوی کرد"۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں راجہ ایا مل نے عالم گیر کے رقعات مرتب کرا کر "دستور العمل کار آگہی" نام رکھا تھا۔ ۱۱۵۶ھ میں یہ مجموعہ مرتب ہوا۔ اس میں ایک رقعہ کی تمہید ہے "درآیا میکہ شجاع بدفعہ اول در مقابلۂ عالم گیر بادشاہ ہزیمت خوردہ فرار نمود........ و از اتفاقات درآں ایام نوشتہ خط ہندوی اعلیٰ حضرت کہ بنام شجاع فرستادہ بدست آمدہ بود"۔ اور رقعہ مذکور کی عبارت یہ ہے "عرضی........ از سبب گرفت و گیر خطوط استفسار شدہ بود...... چنانچہ از نوشتہ کہ بخط ہندوی بشجاع قلمی گردیدہ بود"۔

(۲) ریختہ | یہ نام بمقابلہ "ہندی" کے بہت جدید ہے۔ اور بظاہر محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں بارہویں صدی ہجری کے وسط میں رائج ہوا۔ ولی دکنی کا شعر ہے ؎

یہ ریختہ ولی کا جا کر اُسے سنا دو
رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کی مانند

یہ لحاظ رہے کہ ریختہ دراصل نظم اُردو کا نام تھا۔ اور زیادہ تر اُسی زبان کے لئے استعمال ہوا جو نظم کی یا شعر کی تھی، زیادہ عام کہو تو فصحا کی۔ چنانچہ میر تقی میر نکات الشعراء کے خاتمے میں لکھتے ہیں۔ "بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است"۔ اس کے بعد یہ چھ قسمیں لکھی ہیں۔

(۱) ایک مصرعہ فارسی دوسرا ہندی
(۲) نصف مصرعہ ہندی اور نصف فارسی
(۳) حرف و فعل فارسی استعمال کریں
(۴) فارسی ترکیبیں مستعمل ہوں
(۵) ایہام
(۶) انداز جو میر صاحب کا مختار ہے۔ جس میں ادا ہندی فصاحت و بلاغت شامل ہے

محمد قیام الدین قایم اپنے تذکرہ مخزن نکات میں کہتے ہیں کہ "ذکر و بیانِ اشعار و احوال شعرائے ریختہ"۔

شاہ عبدالقادر صاحب کی جو عبارت اوپر نقل ہوئی وہ بھی یہ امتیاز ظاہر کرتی ہے

یہی وجہ تھی کہ مشاعرہ کے مقابل میں (جو اُس عہد میں فارسی کلام کے لئے ہوتا تھا) "مراختہ"
کا لفظ ایجاد ہوا۔ حاکم لاہوری اپنے "تذکرہ مردم دیدہ" میں خان آرزو کے حال میں لکھتے ہیں۔
"مراختہ درخانۂ خان آرزو پانزدہم ہر ماہے می باشد" خواجہ میر درد کے حال میں لکھا ہے "با شعر
ربط بسیار دارد بسیار ریختہ کہ الحال در ہندوستان رواج دارد"

(۳) اُردو | سب جانتے ہیں کہ یہ لفظ ترکی ہے لشکر کے معنی میں۔ ابتداءً مغل اور ترک بادشاہ
لشکر ہی میں رہتے تھے۔ اس لئے دربار و سراپردہ بھی لشکر ہی میں ہوتا تھا۔ اس امتیاز خاص سے
شاہی لشکر "اُردوئے معلیٰ" کہلایا اور بارگاہ و سراپردہ کا نام اُردوئے معلیٰ ہوا۔ یہ تو عام بات ہوئی
دیکھنا یہ ہے کہ یہ لفظ ہماری زبان کے لئے بجائے "ہندی" اور "ریختہ" کے کب سے رائج ہوا۔
جن مورخین اُردو نے عہد شاہجہانی کو اُردو کے نشو ونما کا عہد قرار دیا ہے وہ شاہجہانی کے
اُردوئے معلیٰ کی مناسبت سے اس کا اردو نام رکھا جانا تجویز فرماتے ہیں[۵۱]۔ مگر اس کی کوئی سند نہیں کہ
عہد مذکور میں اس زبان کا نام اُردو تھا۔ انتہا یہ کہ دلی کے اردو بازار کا نام بھی اُس عہد میں یہ نہ تھا[۵۲]۔
ہم نے اوپر ثابت کیا ہے کہ ابتداء سے آخر تک ہماری زبان کا نام ہندی رہا۔ جب ولی دکنی نے
مضامین فارسی کی چاشنی ہندی نظم میں پیدا کی تو خاص ادبی و شعری زبان کو ریختہ کہنے لگے۔
اُس وقت تک بھی اُردو کا لفظ اُس زبان کے لئے مستعمل نہ ہوا تھا چنانچہ میر تقی میر، میر حسن دہلوی
قیام الدین قائم نے اپنے اپنے تذکروں میں کلام اُردو کے لئے ریختہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے
اُردو کا لفظ اس مفہوم میں استعمال نہیں کیا۔ ذکر میر اور تذکرہ نکات الشعراء میں میر صاحب
لکھتے ہیں۔ "درفنِ ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبانِ اردوئے معلیٰ شاہجہاں آباد دہلی"۔
(دیباچہ نکات الشعراء) "ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اُردوئے معلیٰ بادشاہ
ہندوستان" (ذکر میر) کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ اُردو کا مولد و ماویٰ دربار تھا نہ بازار۔
اُردو، اُردو بازار سے نہیں نکلی بلکہ اُردو بازار اردو کے لئے بنایا گیا ہے۔ چنگیز خاں اور ہلاکو کی

---

۵۱ آثار الصنادید۔ ۵۲ ایضاً بحوالہ تاریخ مرآت آفتاب نما۔

دھاک ایک عالم میں بیٹھی ہوئی تھی قیاس ہے کہ اُسی اثر سے یہ لفظ روس کے ملک میں پہونچا اُور ڈار (Horda) کے روپ میں وہاں سے یورپ میں آیا اور "ہوڑد" (Hoard) بن گیا دریائے والگا کے کنارے سرائے (ملک روس) میں یا تو خاندان کی محل سرا اردوئے مطلا کہلاتی تھی (Golden ordu) تاش قند اور خوقند میں اب اردو قلعہ کے معنی میں مستعمل ہے[۵۱] اِسی لئے دلی کا قلعہ اردوئے معلی کہلایا ہوگا۔ اگرچہ دلی میں سلطنت کی ابتدا غلاموں سے ہوئی اور عرصہ تک قائم رہی۔ یہ غلام ڈال کے ٹوٹے ہوئے ترک تھے تاہم اُردو کا لفظ اپنے لغوی معنی میں مغلوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں رائج نہیں ہوا۔ جہاں تک عہد بالا کے متعلق کتابیں دیکھی گئیں یہ لفظ نظر سے نہیں گزرا۔ انتہا یہ کہ مذکورہ بالا کتاب لغات میں وہ ترکی الفاظ بھی لکھے ہیں جو اساتذہ کے کلام میں مروج تھے مگر اُس نے بھی اُردو کا لفظ نہیں لکھا۔ حالانکہ باب الف میں دوسرے ترکی الفاظ مذکور ہیں۔ اُردوئے قدیم کے مولف نے مؤید الفضلاء کے حوالہ سے سکندر لودی کے عہد میں اس کا استعمال بتایا ہے۔ مگر پروفیسر شیرانی نے اس کو مجروح کر دیا ہے قطعی طور پر اس لفظ کا استعمال عہد بابری سے پایا جاتا ہے[۵۲]۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس وقت تک "اُردوئے معلی" قلعہ شاہی کے واسطے مخصوص تھا زبان کے لئے عام طور پر استعمال نہیں ہوتا تھا۔ دیکھو سودا کے حال میں میر صاحب فرماتے ہیں "سر آمد شعرائے ہندی اوست" (نکات الشعرا) سر آمد شعرائے اردو نہیں فرماتے۔ اسی بیان میں فرماتے ہیں۔ "شاعر ریختہ ملک الشعرائی ریختہ اور اشاید"۔ یہاں بھی ملک الشعرا اُردو نہیں۔ خواجہ میر درد کے حال میں لکھا ہے "مجلس ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر است"۔ میر سجاد "شاعر خوب ریختہ"۔ فغاں "شعر ریختہ خوب می گوید پاک باز" در مجمع شاعران ریختہ" ولی "در ریختہ خود بکار برد" سید عبدالوالی "میدان ریختہ" غرض ہر جگہ ریختہ ہی ریختہ ہے اردو کہیں نہیں[۵۳]۔ میر حسن کا تذکرہ

---

۵۱ Hobson Johnson by Col. Henry Juler A.C Burnell London 1903 H. J. 639, 640

۵۲ رسالہ اردوئے قدیم ص۳

۵۳ نکات الشعراء

"تذکرۂ سخن آفرینانِ ہندی زبان"۔ "اوّل ریختہ از زبان دکھن رواج یافتہ"۔ (احوال متقدمین) احمد گجراتی کے حال میں "در زبانِ سنسکرت و بھاکا میگویند کہ تصانیف بسیار دارد"........ "دوسرہ ریختہ ہم گفتہ"۔ میر محمد حسن کلیم........ "ترجمہ فصوص در زبان ریختہ کردہ۔ کتابے در نثر ہندی نثر ایجاد نمودہ چنانچہ یک فقرہ بیاد ماندہ۔ قلمی می نماید........ کل کے دن تھے بادشاہ وزیر۔ آج کے دن ہو بیٹھے ہیں اندھے بصیر۔ ایسی دولت سے زینہار........ فاعتبروا یا اولی الابصار"۔ غرض ہر جگہ یہاں بھی ریختہ ہی ریختہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قیام الدین قائم کے تذکرہ میں۔

بعض اہل الرائے کا قول ہے (اور مجھکو اس سے اتفاق ہے) کہ عام طور پر لفظ اردو زبان کے لئے رفتہ رفتہ اٹھارویں صدی کے آخر میں استعمال ہونا شروع ہوا۔ عہد شجاع الدولہ و آصف الدولہ میں سید عطا حسین نے "نوطرز مرصع" تالیف کی۔ اس میں ایک ہی صفحہ میں اپنی زبان کے لئے "ریختہ" "ہندی زبان اُردوئے معلیٰ" استعمال کرتے ہیں۔ خالی زبان اُردو یا اردو وہاں بھی نظر سے نہیں گزری۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ محض لفظ اُردو زبان کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مصحفی ؎

خدا رکھے زباں ہم نے سنی ہے میر و مرزا کی
کہیں کس منہ سے ہم اے مصحفیؔ اردو ہماری ہے

"قواعد زبان اُردو (دریائے لطافت انشا، دیباچہ) داغ ؎

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہدو
کہ آتی ہے اُردو زباں آتے آتے[1]

یہ بحث کہ ہندی کی جگہ پر اُردو نے کیوں قبضہ کیا، آگے ملاحظہ ہو۔

(۴) **ہندوستانی** | چوتھا نام ہماری زبان کا "ہندوستانی" ہے اور یہ خالص یورپین پیداوار ہے۔ اس نام میں خاص غور کی ضرورت ہے اس لئے کہ بعض پیچیدہ مسائل اسی کے

[1] نور اللغات و امیر اللغات

استعمال سے پیدا ہو گئے ہیں۔

سب سے پہلے پرتگیزوں نے سترھویں صدی عیسوی میں ہماری زبان کا نام "انڈوستان" (Indostan) رکھا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمان 'موز' کہلاتے تھے۔ اسی صدی میں زبان کو اندوستانی بھی بول جاتے تھے 'موز' بھی کہدیتے تھے۔ ۱۶۹۷ء میں ہندوستانی زبان (Hindustani language) کا لفظ پایا جاتا ہے۔ ۱۷۲۶ء میں ایک مورخ لکھتا ہے "یہاں کی (ہندوستانی) زبان و ہندوستانڈ" (Hindostand) یا موز" ہے اٹھارویں صدی تک عام طور پر ہندی زبان کا نام 'موز' رہا۔ جیسا کہ ٹامل کا "ملابار" اور بنگالی کا "بنگال" اردو کو اسی طرح "انڈوستان" کہتے تھے۔ اور یہ بھی سن لو کہ شاہی فوج کے افسر اس نیک بخت کو کالی زبان (Black language) کہتے تھے۔ سیاہ تالو تو سنا ہو گا سیاہ زبان بھی سن لو۔ ہندوستانی کے معنی بھی سننے کے قابل ہیں۔" ہندوستانی .... اس ملک کی زبان ہے۔ مگر فی الحقیقت یا لائے ہند کے محمدیوں کی زبان اور بالآخر دکن کے محمدیوں کی زبان جو میاں دوآب کی ہندی بولی سے خصوصاً اور اس حصۂ ملک کی بولی سے جو آگرہ و دہلی کے نواح میں ہے فارسی الفاظ و جملوں کی آمیزش سے بنی۔ اور جو دوسرے غیر ملکی الفاظ کے قبول کرنے کو بھی تیار رہے۔ اس کا نام اردو بھی ہے۔ یہ زبان عرصہ دراز تک مسلمانوں کی زبان عام (Lingua franca) تمام ہندوستان میں خصوصاً رہی۔ اور اب بھی اس کو یہ امتیاز ملک کے بڑے حصے اور خاص جماعتوں میں حاصل ہے۔ اولڈ فیشن کے اینگلو انڈین اس کو موز کہتے تھے اب ہندی کے معنی سنو۔ بہت ہی عام طور پر یورپین ہندوستان کی اُن زبانوں کو کہتے ہیں جو فارسی محاورات سے بمقابلہ ہندوستانی کے کم متغیر ہوئی ہیں جو خصوصاً ممالک مغربی و شمالی (اب صوبجات متحدہ شروانی) کے دیہاتی رقبے ہیں اور اُن کے سرحدی مقاموں میں

Hobson Jobson pp. 417, 418, 639, 640, 415, 584

بولی جاتی ہیں۔ ہندی کا سب سے قدیم کلام "چاند بردائی" کی مشہور نظم ہے"۔ گرابرسن نے اپنی کتاب میں جس کا نام "ہندوستان کا موجودہ دیسی ادب" ہے تین زبانوں سے بحث کی ہے مارواڑی، ہندی، اور بہاری، ان کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ زبانیں ہندوستان کی ہیں جس سے مراد راجپوتانہ میان دوآب جمنا و گنگا کنارہ دریائے کوسی تک ہے"۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "میں نے پردیسی ادبی اُردو کو خارج از بحث رکھا ہے"۔ اسی مستند ماہر زبان کا ایک اور فقرہ قابل غور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "انیسویں صدی کا نصف اول جو مرہٹوں کی حکومت سے لے کر غدر کے زمانہ تک رہا۔ ایک ممیز عہد ہے۔ گزشتہ صدی کی ادبی تباہی کے بعد یہ ترقی اور تجدد کا دور تھا شمالی ہند میں اسی زمانے میں عملاً مطبع کا ظہور ہوا۔ اور تلسی داس کی روح کی رہ نمائی سے صحیح قسم کا ادب سرعت کے ساتھ تمام ملک میں پھیل گیا۔ یہ زمانہ ہندی زبان کی پیدائش کا تھا جو انگریزوں کی ایجاد تھی جس کا پہلا استعمال تالیف نثر میں گلکرسٹ کی زیر تعلیم ۱۸۰۳ء میں للوجی لال نے کیا جو پریم ساگر کے مؤلف تھے"[۵۱]۔ اس بحث کی مناسبت سے فورٹ ولیم کی خدمات ادبی پر پھر ایک نظر ڈالنی مناسب ہے۔ اٹھارویں صدی کے خاتمے پر لارڈ ولزلی کے عہد میں فورٹ ولیم کالج سرکاری افسروں کو یورپین اور دیسی زبانوں کی تعلیم دینے کے واسطے قائم ہوا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ اُس کے صدر مقرر ہوئے جن کی سرپرستی میں بہت سی اردو کتابیں لکھی گئیں۔ اسی دور میں اُردو کے لئے "ہندوستانی" کا لفظ سندی ہو گیا۔ چنانچہ جان گلکرسٹ نے اپنی مشہور "انگریزی ہندوستانی" ڈکشنری لکھی جو کلکتہ سے ۱۷۹۰ء میں شائع ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس ہندوستانی علم اللسان[۵۲]۔

میر امن باغ و بہار میں لکھتے ہیں "جان گلکرسٹ صاحب نے .... فرمایا کہ قصے کو ایسی ٹھیٹ ہندوستانی گفتگو میں جو اُردو کے لوگ ہندو مسلمان۔ عورت۔ مرد۔ لڑکے

---

۵۱ Grierson's The Modern Vernacular Literature H. VIII, XXI.

۵۲ ارباب نثر اردو ص ۲۰۱۷

جاتے۔ خاص عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ۔۔۔۔۔"

فورٹ ولیم کی سرپرستی کی جہاں اُردو نثر ممنون ہے وہاں للوجی لال کی تصانیف بھی ہیں جن کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ "اُنہوں نے اپنی کتابوں کے ذریعے زبان اور طرز بیان کا ایسا پسندیدہ نمونہ پیش کیا کہ متاخر ہندی اہل قلم نے اسی پر اپنی تحریروں کی بنیاد رکھی ان دونوں (للوجی لال اور سدل مسرا) نے اس زمانہ کی عام اُردو مؤلفین کے برخلاف اُردو تحریر سے عربی فارسی کے ثقیل اور غیر مانوس الفاظ نکال کر سنسکرت کے کم اور برج بھاشا کے زیادہ سلیس اور عام فہم الفاظ داخل کئے اور اپنی کتابیں دیوناگری رسم خط میں لکھ کر ہندی نثر نویسی کے اعلیٰ نمونے قوم کے آگے پیش کئے[1]"

گرائرسن کی شہادت ملاحظہ ہو "سنہ ۱۸۰۳ء میں گلگرسٹ کی زیر تعلیم للوجی لال نے مخلوط اُردو میں (جو اکبر کے لشکری شاگرد پیشہ کی اور بازار کی جہاں تمام قوموں کے آدمی جمع ہوتے تھے زبان تھی) پریم ساگر لکھی۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ مؤلف نے اسم اور حروف ربط ہندی الاصل بجائے عربی و فارسی الاصل کے استعمال کئے۔ اس کا نتیجہ عملاً ایک نو ایجاد بولی ہوئی جس کی گرامر اگرچہ نمونہ سابق کے مطابق تھی مگر محاورہ بالکل بدل گیا۔ یہ نئی زبان جس کو یورپین ہندی کہتے ہیں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بطور ہندوؤں کی زبان عام (لنگوا فرینکا) کے اختیار کر لی گئی اور اس کی ضرورت تھی وہ پوری ہو گئی۔ یہ زبان مسلمہ ذریعہ ادبی نثر کا تمام شمالی ہند میں بن چکی ہے۔ اگرچہ بوجہ اس کے کہ وہ کہیں کی بولی نہیں نظم نگاری میں کام نہیں آئی اگرچہ بڑی سے بڑی ذہانت نے اس کی کوشش کر لی ہے مگر کامیاب نہ ہوئی۔ لہذا شمالی ہند میں آج کل ادب کا یہ لاثانی عالم نظر آتا ہے کہ اس کی نظم ہر جگہ مقامی بولیوں میں لکھی جاتی ہے۔ خصوصاً برج میواڑی [illegible] بہاری میں اور اس کی نثر ایک یکساں [illegible] کسی [illegible] شاعر کی مادری زبان [illegible]

---

[1] ۔ باب نثر اردو صفحہ ۱۵۹

نہیں اور جس کو اُس کے ایجاد کنندوں کی سرپرستی نے بزور منوالیا۔ اس لئے کہ اُس میں ابتدائً جو کتابیں لکھی گئیں وہ نہایت عام پسند حیثیت کی تھیں۔ اور اس وجہ سے کہ اُس نے ایسا ہنر ان پالیا جس میں وہ علانیہ طور پر مفید ثابت ہوئی"[۱] ڈی ٹاسی کے بیان پر بھی ایک نظر مناسب ہے یہ مشہور فرانسیسی مصنف ادبی بیان میں مؤلفین و شعراء کے مذہب کا تعین ضروری سمجھتا ہے سنی شیعہ کی تصریح کرتا ہے۔ نصرتی کو برہمن بنا دیتا ہے۔ زبان کی تقسیم بھی اسلامی اور ہندوی کرتا ہے۔ اپنے خطبہ دوم (۱۸۵۱ء) میں کہتا ہے" ہندوستانی زبان کی ہندوی اور اسلامی شاخوں کا علم ادب صرف کثیر ہی نہیں بلکہ مختلف نوعیت کا بھی ہے۔ سنسکرت کے فریق سے (جن کی زبان ہندو ہندوستانی ہے) ہمیں شکنتلا کا قصہ ملے گا۔ فارسی کا فریق (جن کی زبان اسلامی ہندوستانی ہے) ولی کا دیوان پیش کرے گا۔ اب رہا خالص ہندوستانی فریق اس سے ایک کتاب "مہرو ماہ" آپ کو سناؤں گا جس طرح ہندوستانی لکھنے کے دو طریقے ہیں ایک فارسی حروف مسلمان ہندوستانی کے لئے دوسرا دیوناگری میں ہندو ہندوستانی کے لئے ہندوی اور مسلمانی دونوں شاخوں میں نظم مقفیٰ ہوتی ہے۔

ایک قصہ نظم میں جس کا نام "سخت جگر" ہے بال مکند سکندر آباد کے رہنے والے نے لکھا ہے۔ اگرچہ یہ شخص ہندو ہے جو اس کے نام سے ظاہر ہے۔ مگر اُس نے یہ تصنیف اردو ہی میں کی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ اُردو شمال میں مسلمانوں کی ہندوستانی ہے"۔ یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ کیا سکندر آباد نواح دہلی میں بھی ہندو مسلمانوں کی بولی جدا جدا تھی؟

تیسرا لکچر ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء "ہندوستانی اہل ہند کی زبان ہے مگر یہ زبان اپنے حقیقی حدود سے باہر بھی بولی جاتی ہے۔ خصوصاً مسلمان اور سپاہی اس کو تمام جزیرہ نما ئے ہندوستان میں نیز ایران تبت اور آسام میں بھی بولتے ہیں۔ اہل یورپ ہندی سے ہندوؤں کی بولی مراد لیتے ہیں جس کے لئے ہندوی بہتر ہے اور مسلمانوں کی بولی کے لئے

---

[۱] Grierson's Modern Vernacular Literature of Hindustan ch. X p. 107

ہندوستانی کا نام قرار دے لیا ہے۔ اور شمال کے مسلمانوں کی زبان یعنے ہندوستانی اردو۔ ممالک مغربی و شمالی کی سرکاری زبان قرار دی گئی ہے۔ ہندوستانی زبان۔ یا ہندوستانی (یعنے ہندوستان کی زبان) کی یہ تفرقی (یعنے ہندی اور اردو) مذہب نے پیدا کی ہے۔ اور اس لئے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندی ہندوؤں کی اور اردو مسلمانوں کی زبان ہے[ل]

فورٹ ولیم کالج اور دیگر یوروپین ادبی سرگرمیوں کا منجملہ بہت سے نتائج کے جو ایک نتیجہ زبان کی تفرقی کا پیدا ہوا اس کا قصہ ستارۂ ہند راجہ شیو پرشاد کے قلم کی زبانی سنئے راجہ صاحب کی نسبت گرائرسن نے لکھا ہے "وہ اپنی اس کوشش کے لئے مشہور ہیں کہ ہندوستانی زبان کے ایک ایسے طرز کو عام فہم بنا دیں جس کو وہ آگرہ دلی اور لکھنؤ یا خاص ہندوستان کی عام بولی کہتے ہیں جو فارسی سے گراں بار اردو اور سنسکرت سے گرانبار ہندی کے درمیان میں ہے اس کوشش نے ایک گرما گرم اور ہنوز غیر منفصل مباحثہ باشندگان ہند کے درمیان پیدا کر دیا ہے[ع] غرض راجہ صاحب لکھتے ہیں "یہ عجیب غریب بات ہے کہ ہماری دیسی زبان سوا ترایسے دو خطوں میں لازماً لکھی جائے جیسے فارسی اور ناگری ہیں۔ ایک سیدھی طرف سے لکھا جاتا ہے دوسرا الٹی طرف سے لیکن یہ بالکل انوکھی بات ہے کہ اس کی گریمریں بھی دو ہوں۔ یہ حماقت ڈاکٹر گلکرسٹ کے وقت کے پنڈتوں اور مولویوں کی بدولت وجود میں آئی۔ وہ مامور تو اس امر پر تھے کہ بالائے ہند کی عام زبان کی ایک عام صرف و نحو بنائیں۔ مگر انہوں نے دو گریمریں بنا دیں ایک خاص فارسی عربی کی دوسری خالص سنسکرت اور پراکرت کی۔ مولوی سنسکرت سے ناواقف تھے اور انہوں نے یہ بات نظر انداز کی کہ ہماری زبان کی بنیاد آرین ہے۔ اسی طرح پنڈت سامی اثرات مابعد کے قبول کرنے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ یہاں سے وہ اردوئے فارسی نکلی جو سرکاری دفتروں میں ہے جس کو عام آبادی نہیں سمجھ سکتی ہے۔ اسی طرح پریم ساگر کی خالص ہندی ناقابل

[ل] رسالہ اردو جولائی ۱۹۲۲ء ترجمہ خطبہائے ڈی ٹاسی مترجمہ نواب مسعود جنگ بہادر

Grierson's M. V. L. p. 148 [ع]

فہم ہے۔ ایک تو قومیت سے اس قدر عاری ہے کہ مقبول عام نہیں ہو سکتی دوسری طفلانہ انداز
اُن واقعات سے انکار کرتی ہے جن کے اثر سے اردو ایک زبان بن گئی۔ نتیجہ بد اس کا یہ ہوگا کہ
بجائے عام دیسی زبان کے اسکول گریمر بنانے کے یا بالفاظ دیگر ایک ایسی عام گریمر کی جو فارسی
اور ناگری دونوں حرفوں میں بے کھٹکے لکھی جائے .... ہمارے یہاں دو متضاد
اور مخالف جماعت کی کتابیں ہیں ایک مسلمان اور کایستھوں کے لئے دوسرے برہمنوں اور
بنیوں کے لئے[٤]" دوسری جگہ لکھتے ہیں "نادان مولویوں اور پنڈت دونوں کی یہ بڑی بھول ہے
کہ ایک تو سوائے فعل اور حرفوں کے باقی سب الفاظ صحیح فارسی عربی کے کام میں لانا چاہتے ہیں
اور دوسرے صحیح پانن کی ٹکسال کی کھری کھری سنسکرت گویا یہ جو ہزاروں برس سے ہم ہی لوگ
ہزاروں حالتوں کے سبب سے ہزاروں رد و بدل اپنی بولی میں کرتے چلے آئے ہیں وہ اُن کے
رتی بھر بھی لحاظ کے قابل نہیں بلکہ اُس دستور کی جسے ایک طبعی قانون کہنا چاہیے اُن کے آگے
کچھ گنتی ہی نہیں۔ سخت مشکل سنسکرت لفظوں کو جو ہزاروں برس دانت ہونٹھ جیبھ سے ٹکراتے
ٹکراتے گول سڈول پہاڑی ندی کی بٹیا بن گئے ہیں پنڈت جی پھر ویسے ہی کھردرے سنگھاڑے کی طرح
نکیلے پتھر کے ڈھوکے بنانا چاہتے ہیں جیسے وے ندی میں پڑنے سے پہلے پہاڑ سے ٹوٹنے کے وقت
رہتے ہیں اور مولوی صاحب اپنے عین قاف کام میں لانا چاہتے ہیں۔ کہ بے چارے لڑکے
بلبلاتے بلبلاتے اونٹ ہی بن جاتے ہیں۔ پر تماشا یہ ہے کہ ادھر تو مولوی صاحب یا پنڈت جی
ایک لفظ صحیح کہنے میں یا پردیسی ہونے کے تصور میں اسے کالے پانی جانے کا حکم دیتے ہیں
اور اُدھر تب تک لوگ سو لفظوں کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ دیس کی بولی کا فارسی
عربی ترکی اور انگریزی لفظوں سے خالی کرنے کی کوشش ویسی ہی ہے جیسے کوئی انگریزی کو
یونانی رومی فرانسیسی المانی وغیرہ پردیسی لفظوں سے خالی کرنا چاہے۔ یا جیسے وہ ہزاروں
برس پہلے بولی جاتی تھی اُس کے اب بولنے کی تدبیر کرے[٥]" ایک اور ماہر زبان کی رائے

---

[٤] اردو صرف و نحو کا انگریزی دیباچہ مطبع سرکاری الہ آباد ۱۸۷۵ء مؤلفہ راجہ شیو پرشاد

[٥] تتمہ زبان اردو صرف و نحو مذکورہ بالا۔

سنا کر اس داستان کو ختم کرتا ہوں " تمام تر کوشش یہ کرنی چاہئے کہ ملک کی زبان اُردو ہے یعنی تین چالیس برس اُدھر کی اُردو جس کی بنیاد ہندی ہے۔ بیرونی الفاظ کی بے تکلف آمیزش کے ساتھ کیونکہ یہی وہ شکل ہے جس میں وہ خود بخود متشکل ہوئی ہے۔ اُس کے رنگ برنگ ہونے کو برداشت کرنا بلکہ سراہنا چاہئے۔ درآں حالیکہ مصنوعی یکسانیت ملک کی مرادف ہوگی........ بہت تھوڑا زمانہ گزرا کہ ہندو اور مسلمان دونوں کی زبان کا ایک ہی روزمرہ تھا اگرچہ ہندو ابتدائی موانست اور شاید ایسے مضامین کی قدرتی نوعیت کی وجہ سے بھی جن کا تعلق دیومالا سے ہو فطرۃً (لیکن نہ لازم یا متناسب طور پر) زیادہ سنسکرت کے استعمال کرتے اور مسلمان اپنی مذہبی نوعیت سے زیادہ فارسی کے الفاظ۔ اب عین وقت ہے یہ خیالی امتیاز پھر وحدت میں ڈبو دیا جائے اور ملک کی زبانِ عام تناسب کے مطابق ہندوستانی کے نام سے مشہور ہو۔ ان مباحث کے مختلف پہلوؤں پر اور اُن کے آثار و نتائج پر غور و تامل بمقابلہ کسی طویل لفظی بحث کے زیادہ مناسب اور نتیجہ خیز ہوگا۔

ایک ضروری اطلاع۔

اب تک المعلم کا دفتر بلگرامی ہوس میں توپ کے سانچہ پر تھا لیکن اب بمقام "شبستان" متصل اے۔ سی گارڈ سیف آباد حیدرآباد دکن منتقل ہو چکا ہے۔

پس، براہ کرم ناظرین المعلم آیندہ اس پتہ سے مراسلت وغیرہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

مینجر

"Some objections to the Modern style of official Hindustani" by F. S. Growse, M.A. (Oxon) B.Sc

تجارتی و معاشی مدارس ثانویہ

مسٹر سنک لال ایچ وکیل۔ ایم اے۔ ایل ایل بی۔ ایف ایس ایس نے ۱۹۱۵ء میں تعلیم پیشہ وری پر ایک رسالہ شائع کیا تھا جس میں زراعتی اور تجارتی مدارس ثانویہ کی ضرورت کی جانب توجہ دلائی تھی اور ایک تجارتی مدرسہ کا نصاب تعلیم بھی تجویز کیا تھا، اس کو دس سال ہوئے جس میں سے آخری سات سال موصوف نے یورپی ممالک خاص کر انگلستان میں تجارتی تعلیم کے متعلق معلومات حاصل کرنے پر صرف کئے۔ واپسی پر اس سال مسٹر وکیل نے مدراس کے قومی مدرسہ فوقانیہ کا معائنہ فرمایا جو سکونتی تعلیم گاہ ہے اور اسی لئے سرکاری مدرسہ فوقانیہ سے اس میں اخراجات تعلیم زیادہ ہیں طریقۂ تعلیم میں ذرا سا فرق ہے۔ نصاب تعلیم وہی ہے جو سرکاری مدارس میں رائج ہے۔ قومی مدرسہ میں زیادہ اخراجات ہونے کے سبب صرف ذی استطاعت اصحاب کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ مسٹر وکیل نے مدرسۂ اشتریہ بمبئی اور مدرسۂ سیواسدن، بروچ کا بھی معائنہ کیا۔ اس قسم کے تمام مدارس میں اساتذہ نہایت پرجوش وکار گزار ہیں مگر باوجود اس کے بھی طلبا نہیں آتے اور اس طرح عوام کی حقیقی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ اس لئے تعلیم پیشہ وری کے مدارس کے بابت موصوف کی رائے ہے کہ:-

تجارتی مدرسہ چلانے کے لئے زیادہ اخراجات کی ضرورت نہیں ممکن ہے کہ تجارتی اصول سے چلا کر ان سے منافع بھی حاصل ہونے لگے، خاص کر بمبئی، کلکتہ، احمدآباد، حیدرآباد وغیرہ جیسے بڑے بڑے شہروں میں۔ ایسے مدرسوں کا کامیابی کے ساتھ چلنا آسان ہے۔

ایسے مدارس کے ابتدائی اخراجات کے سوا جو چالو اخراجات طلبا کی ادا کردہ اجرت تعلیم سے برداشت کئے جائیں۔

امداد اور مالی عطیات ہر ممکنہ ذریعہ سے حاصل کئے جائیں۔ بعد میں اگر داخلہ میں اضافہ ہو تو اجرت تعلیم میں بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے اور جو منافع حاصل ہوا اس کو اساتذہ کے بونس Bonus اور ہوشیار و مستحق طلباء کی اجرت تعلیم جزو یا کل معاف کرنے میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

طلباء کی مادری زبان ہی ذریعہ تعلیم قرار دینی چاہیئے دوسری یورپی اور ہندوستانی جدید السنہ مثلاً ہندوستانی، ہندی، مرہٹی، بنگالی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی جوں جوں مانگ بڑھے خواہش ہو رائج کی جائیں۔ انگریزی لازمی زبان دوم قرار دی جانا مناسب ہے۔

ہر طالب علم جو سب سے نیچی جماعت میں داخلہ کا خواہش مند ہو اس میں پہلے سے اتنی استعداد ہونی چاہیئے جو ابتدائیہ درجہ یعنے احاطہ بمبئی کے فورتھ اسٹینڈرڈ کے برابر ہو۔

نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے جو طلباء کی تعلیم درجہ بہ درجہ مکمل کرتا جائے۔ مثلاً تین سال، پانچ سال اور سات سال کے بعد، اس طرح اگر طالب علم اس منزل پر مدرسہ ترک بھی کردے تو وہ عملی زندگی میں ایک خاص معیار تک کام کرنے کے قابل ہو جائے آغاز مدرسہ کے وقت صرف چار، پانچ ابتدائی جماعتیں ہونی چاہئیں اور سالانہ ترقی کرتا سال بہ سال اونچی جماعتوں کا اختتام کرتے رہنا چاہیئے۔

مدرسہ کی مختلف جماعتوں میں طلباء کی عمر اوسطاً ۱ سال سے ۱۸ سال تک ہوگی مندرجہ بالا باتیں ذہن نشین کرنے کے بعد ذیل میں تجارتی و معاشی مدرسہ وسطانیہ نصاب کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے!

جماعت اول

(۱) علم الحساب I

(۲) زبان ملکی۔ (الف) کتاب جس میں کیمیا اور طبعیات کے متعلق اسباق ہوں۔

(ب) آسان مضمون نگاری۔

(۳) تاریخ ہند جدید سنہ ۱۷۰۷ء تا ۱۹۱۹ء ب م

(۴) جغرافیہ I ایشیا، ہندوستان کے متعلق تفصیلی معلومات

(۵) انگریزی۔ I

(۶) صفائی اور ذاتی حفظ صحت۔ ہاتھ سے کپڑے دھونا اور پھٹے کپڑے سینا وغیرہ

(۷) اخلاقی اصول۔ قومی اور عالمگیر I

جماعت دوم

(۱) ریاضیات (الف) علم الحساب II

(ب) علم ہندسہ (صرف چند اثباتی و عملی مسئلے)

(ج) دیسی حساب کتاب I

(۲) تاریخ ہند قدیم (سنہ ۱۷۰۷ء ب م تک)

(۳) زبان ملکی (الف) کتاب جس میں نباتات، حیوانات اور انسان پر اسباق ہوں

(ب) کسی عام فہم عنوان پر کوئی مضمون لکھنا۔

(۴) جغرافیہ II یورپ

(۵) انگریزی II

(۶) اخلاقی اصول۔ قومی اور عالم گیر II

(۷) ڈرائنگ اور آلات نجاری کے استعمال میں دست کاری۔

(۸) ....

جماعت سوم

(۱) ریاضیات (الف) علم الحساب مکمل

(ب) دیسی حساب کتاب

(۲) زبان کی (ج) کتاب جس میں ارضیات اور علم نجوم پر اسباق ہوں۔

(د) کوئی مضمون لکھنا۔

(۳) (الف) تاریخ انگلستان جدید ۱۴۸۵ ب م تا ۱۹۱۴ء م

(ب) دنیا کا جغرافیہ

(۴) مبادی معاشیات

(۵) انگریزی II

(۶) (الف) اخلاقی مسائل

(ب) ڈرائنگ اور بخاری

(۷) ....

جماعت چہارم

(۱) زبان ملکی (الف) مبادی استخراجی منطق

(ب) تجارتی خط و کتابت

(۲) انگریزی (الف) کتاب

(ب) کسی تجارتی عنوان پر ایک آسان مضمون

(۳) ریاضیات (الف) جبر و مقابلہ (چار قاعدہ۔ سادہ مساوات اور عملی مسائل

(ب) انگریزی کھاتہ نویسی I

(۴) ہندی، ہندوستانی یا کوئی اور دیسی زبان I

(۵) جغرافیہ (طبعی، معاشی اور تجارتی)

(۶) حکومت ہند

(۷) ....

جماعت پنجم

(۱) ملکی (الف) تجارتی خط و کتابت

(ب) معاشیات پر مضمون

(۲) انگریزی (الف) کتاب

(ب) تجارتی خط و کتابت I

(۳) (الف) انگریزی کھاتہ نویسی

(ب) اصول معاشیات

(۴) ہندی، ہندوستانی یا کوئی اور دیسی زبان II

(۵) تجارتی قانون

(۶) مابعد الطبیعات (خالق و حاکم مطلق کا ذکر)

(۷) عملی کام

جماعت ششم

(۱) انگریزی (الف) تجارتی خط و کتابت

(ب) کسی تجارتی یا معاشی عنوان پر کوئی مضمون

(۲) معاشیات (الف) معاشی تاریخ ہند

(ب) معاشی تاریخ انگلستان

(۳) تنقیح حسابات

(۴) تجارتی قانون II اور صنعتی قانون

(۵) فرانسیسی یا ایک تیسری دیسی زبان I

(۶) دنیا کی عام تاریخ

(۷) عملی کام

جماعت ہفتم

(۱) ایک انگریزی کا مضمون
(۲) معاشیات ریاستہائے متحدہ امریکہ، جاپان، جنوبی افریقہ اور اسٹریلیا کی معاشی تاریخ کا خاکہ۔
(۳) معاشیات کی کوئی خاص شاخ (الف) پبلک فائی نانس
(ب) بنکنگ، روپیہ اور روپیہ کا بازار
یا (ج) بین قومی تجارت
(۴) مبادی معاشرت
(۵) فرانسیسی یا ایک اور تیسری دیسی زبان II
(۶) عملی کام

جماعت ہشتم

کسی تجارتی کارخانہ یا انتظامی دفتر میں عملی کام کرنا اور ایک تفصیلی مضمون لکھنا۔
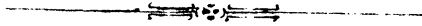
مدرسہ وسطانیہ مکتھل میں صنعت و حرفت

رسالہ المعلم میں اتنی گنجایش نہیں ہے کہ مدارس کی سالانہ رپورٹیں درج کی جاسکیں لیکن مولوی سید محمد جواد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات ضلع محبوب نگر نے ایک ایسے مدرسہ کی رپورٹ بغرض طبع روانہ فرمائی ہے کہ ہم اس کو بخوشی شائع کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مدرسہ وسطانیہ مکتھل میں مولوی سید قاسم صاحب جو کچھ کر رہے ہیں وہ دوسرے صدر مدرسین کے لئے شمع ہدایت کا کام دے گا ہم مولوی صاحب موصوف کو ان کی کارگزاری پر جو با معاوضہ قیمی انجام دی گئی ہے نہایت خلوص کے ساتھ مبارکباد دیتے ہیں اور متوقع ہیں کہ وہ مدارس تحتانیہ میں صنعت و حرفت کی تعلیم کا آغاز کرنے کے متعلق ایسی ہدایتیں بذریعہ المعلم دیں گے جو دوسرے صدر مدرسین کے لئے کار آمد ثابت ہونگی۔

آخر میں ہم مولوی سید محمد جواد صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے از راہ کرم رپورٹ مذکور بغرض اشاعت عنایت فرمائی۔

مدیر

مدرسہ صنعت و حرفت نارائن پیٹھ مدرسۂ وسطانیہ مکتھل میں ۱۲ مہر ۱۳۳۵ف سے [illegible] کیا گیا۔ ۱۳۳۴ف میں جس میں مدرسہ پورے طور پر نارائن پیٹھ میں رہا۔ صرف (ہما [illegible]) کا مال تیار ہوا اور [illegible] کا مال فروخت ہوا۔ اس کے مقابلہ میں ۱۳۳۶ف میں ([illegible]) کا مال تیار ہوا۔ اور ([illegible]) کا مال فروخت ہوا۔ ۱۳۳۵ف تقریباً تمام نارائن پیٹھ میں ہی گزرا ہے اس میں ([illegible]) کا مال تیار ہوا اور ([illegible]) کا مال فروخت ہوا۔ اس کے مقابلہ میں ۱۳۳۶ف ([illegible]) روپیہ کا مال تیار ہوا اور ([illegible]) کا مال فروخت ہوا اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ

سنہ ۱۳۳۷ف ... کو ۱۳۳۴ف و ۱۳۳۵ف پر ہر طرح مالی ترجیح اور برتری حاصل ہے۔ علاوہ مالی
برتری کے یہ امر بھی طمانیت بخش ہے کہ نارائن پیٹھ میں صرف پارچہ بافی
جب مدرسہ ہذا مدرسہ وسطانیہ ملحقہ میں ضم کیا گیا تو ... موازنہ کے اندر چار ... نئے
شعبہ ہائے۔ نجاری۔ بید بافی۔ کمبل بافی۔ خیاطی اور سوزن کاری قائم کئے گئے۔ باوجود اضافہ
شعبہ جات کے خود شعبۂ پارچہ بافی کی ہر مد میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ
کیا جاسکتا ہے کہ مدارس صنعت وحرفت مدارس وسطانیہ کے زیر نگرانی رہ کر جیسی کامیابی
حاصل کرسکتے ہیں علیحدہ اور غیر متعلق رہ کر ویسی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ بعض اہل الرائے کا
یہ خیال ہے کہ صدر مدرسین مدارس وسطانیہ وفوقانیہ صنعتی فنون سے ناواقف ہوتے ہیں وہ
کس طرح مدارس صنعت وحرفت کی منتظمی کے فرائض انجام دے سکیں گے لیکن تخمۃ جات
اعداد و شمار اس خیال کی تردید کرتے ہیں چنانچہ مدرسۂ ہذا پر ۱۳۳۴ف و ۱۳۳۵ف میں
ایک منتظم مواجبی (۱۵) کارگزار رہا سنہ ۱۳۳۶ف و ۱۳۳۷ف میں مدرسہ ہذا صدر مدرس مدرسہ
وسطانیہ ملحقہ کے زیر انتظام بلا یافت الونس منتظمی رہا۔ مدرسہ ہذا مدرسہ وسطانیہ میں ضم ہونے
حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) دوسالہ تنخواہ منتظم مقداری (...) کی بچت خزانہ سرکار میں ہوئی۔

(۲) دوسالہ مدت میں (...) روپیہ کا مال تیار ہوا اور (...) کا ...
فروخت ہوا جس ... سرمایہ میں معتد بہ اضافہ ہوا۔

(۳) ... صنعت پارچہ بافی کے اندرون موازنہ متعدد صنعتوں کی تعلیم جاری ہوئی

(۴) بجائے (۳۷) طلباء کے (۱۵۵) طلباء صنعتی تعلیم سے مستفید ہو رہے ہیں

(۵) نارائن پیٹھ میں صرف پارچہ بافوں کے چند بچے پارچہ بافی کی تعلیم پاتے تھے لیکن
ملحقہ میں ہر قوم و ہر مذہب وملت کے طلباء صنعتی تعلیم پاتے ہیں۔

(۶) نارائن پیٹھ میں طلباء کو صنعتی تعلیم سے نفرت تھی لیکن یہاں صنعت پیشہ کی

تعلیم سے نفرت نہیں ہے۔ اور یہ فائدہ سب سے بڑا اور قابل قدر
تدنہ میں عامتہ الناس کو تعلیم صنعت وحرفت سے اُنس اور محبت پیدا ہوگئی ہے
ابتدائی مدارس صنعت وحرفت کو مدارس علوم وفنون سے علٰحدہ رکھنا درست ہے۔ لیکن
رے ملک میں جہاں لوگوں کو صنعت وحرفت سے نفرت ہے غیر موزوں ہے۔ چنانچہ مدرسہ
نارائن پیٹھ میں سالہا سال سے مڈل اسکول سے علٰحدہ رہا۔ لیکن اس کو وہاں مطلق کامیابی
ں ہوئی۔

اسٹاف مدرسہ۔ مدرسہ صنعت وحرفت کے تمام اسٹاف سے نارائن پیٹھ میں
صرف پارچہ بافی کا کام لیا جاتا تھا۔ لیکن مدرسہ ہذا جب تقل پر منتقل ہوا تو کئی ملازمین
مدرسہ جو نارائن پیٹھ کے باشندے تھے ملازمت سے دست بردار ہوگئے۔ اُن کی
خالی شدہ جائدادوں پر متکھل میں نجار۔ خیاط۔ کمبل باف کا تقرر کردیا گیا۔ جدید شعبہ جات کے
قیام سے مدرسہ کے جسد مردہ میں تازہ روح پھنکی گئی۔ جس مدرسہ سے نارائن پیٹھ میں
۱۳۳۴ف و ۱۳۳۵ف میں نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ اُس کو یہاں آنے کے بعد وہ
ہر دلعزیزی حاصل ہوگئی کہ ہر مذہب وملت کے لڑکے حسب خواہش صنعتی تعلیم
پانے لگے اگر نارائن پیٹھ کی طرح یہاں بھی صرف پارچہ بافی کی تعلیم دی جاتی تو صرف
پارچہ بافوں کے بچوں کے سوائے کسی اور پیشہ کے لوگوں کے بچے تعلیم نہ پاتے چنانچہ
اب یہاں بھی شعبۂ پارچہ بافی میں پارچہ بافوں کے بچے ہی تعلیم پاتے ہیں دوسرے
اس کے خواہشمند نہیں ہیں۔ شعبۂ خیاطی ونجاری میں ہر پیشہ کے بچے تعلیم پارہے ہیں
اس سے ظاہر ہے کہ پیشہ پارچہ بافی ہمارے ملک میں ہر دلعزیز پیشہ نہیں ہے۔
اس پیشہ کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے مہاتما گاندھی نے انتھک سعی فرمائی۔ اور
فرما رہے ہیں۔ لیکن اب تک اُن کو بھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس ناچیز
منتظم نے پہلے ہی یہ خیال کرلیا تھا کہ اگر اس مدرسہ کو نارائن پیٹھ کی طرح صرف

پارچہ بافی کے گورکھ دھندے میں پھنسایا جائے گا تو اس کو ہرگز کامیابی نہ ہوگی
لہٰذا پارچہ بافی کے ساتھ نجاری و خیاطی وغیرہ شاخیں بھی قائم کی گئیں تاکہ
پیشہ وروں کے بچوں کو اپنے آبائی پیشہ کے سیکھنے کا موقع ملے۔ اندرونِ موازنہ شعبہ جات
مذکورہ بالا کے علاوہ شعبۂ آہنگری کی اسکیم مرتب کرکے بغرض منظوری صدر میں پیش
کی گئی تھی جس کو اربابِ صدر نے شرفِ منظوری عطا فرمایا۔

۲۔ **مکان مدرسہ**۔ جب مدرسہ نارائن پیٹھ سے منتقل کیا گیا تو مدرسہ کے لئے کوئی
وسیع مکان موجود نہ تھا ابتداءً پور فنڈ کے دو علیحدہ مکانوں میں بلا کرایہ رکھا گیا۔
ایک بڑے مکان میں جو اندرون آبادی اور مدرسہ وسطانیہ کے قریب تھا شاخ
پارچہ بافی و کمبل بافی قائم کی گئی۔ اور دوسرے چھوٹے مکان میں جو مدرسہ وسطانیہ کے
محاذی اور متصل ہے شعبۂ نجاری اور خیاطی رکھا گیا۔ جب پارچہ بافی کے کاروبار میں
وسعت ہوئی تو پور فنڈ کا بڑا مکان ناکافی ہوا۔ لہٰذا پور فنڈ نے ایک دوسرا پختہ اور
وسیع مکان مدرسہ وسطانیہ کے قریب ترماہانہ پانچ روپیہ کرایہ پرلے کر شاخ پارچہ بافی کو
دیا بلحاظ لاگت و وسعت یہ مکان دس روپیہ ماہانہ کرایہ کا ہے۔ دوسرے لوگ اس کے
خواہشمند بھی تھے لیکن خاص اثرات کے تحت پانچ روپیہ ماہانہ کرایہ پر لیا گیا۔ مدرسہ کی
خوش قسمتی ہے کہ ایک وسیع مکان کم کرایہ پر مل گیا۔ مکان مذکور کی منظوری کی
کارروائی صدر میں پیش ہے۔ امید کہ منظوری شرفِ صدور لائے گی۔ اب چونکہ
روپیہ ماہانہ کے وظائف منظور ہوئے ہیں اور جدید آلاتِ صنعت کی خریدی کی
منظوری بھی شرفِ صدور لائی ہے طلبائے مدرسہ میں شوق تعلیم صنعت و حرفت بھی
بڑھتا جارہا ہے۔ کاروبار مدرسہ یوماً فیوماً وسعت پذیر ہوتے جارہے ہیں۔ لہٰذا ایک
ایسے وسیع مکان کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ جس میں جملہ شعبہ جات صنعت و
حرفت جاری رہ سکیں۔ اگر اربابِ صدر اس مسئلہ پر خاص توجہ مبذول فرما کر ایک مدرسہ

مکان کی تعمیر کی منظوری صادر فرمائیں تو مدرسۂ صنعت و حرفت نے گزشتہ ۵ سالوں میں
تنگ و ناکافی مکانوں میں رہ کر جس قدر ترقی کی اور عہدہ داران معائنہ کنندہ سے خراج
تحسین حاصل کرتا رہا۔ جدید وسیع اور کافی مکان میں اس سے کہیں زیادہ ترقی کے
مدارج طے کرکے المضاعف خراج تحسین حاصل کرے گا۔

۴۔ **سرمایہ** مدرسۂ ہذا میں متعدد شعبہ جات قایم کئے گئے ہیں اور ان شعبوں کی
تعلیم بھی دی جارہی ہے لیکن کمی سرمایہ کی وجہ سے کاروبار خاطر خواہ نہیں چل رہے ہیں
اگر کافی سرمایہ ہوتا تو ۱۳۳۷ف کے اعداد و شمار ارباب صدر کو محو حیرت کرتے
اور مدرسہ کو اپنی قابلیت کے اظہار کا پورے طور پر موقع ہاتھ آتا۔ عطائے سرمایہ
متعلق صدر میں کارروائی پیش ہے۔ اگر اس کو جلد شرف منظوری عطا فرمایا جائے
تو مناسب ہے۔

۵۔ **آلات صنعت**۔ خریدی آلات صنعت کے لئے ارباب صدر نے مبلغ
(الـ ۱ ما ہے) کی منظوری ۱۳۳۶ف میں صادر فرمائی لیکن محاسبی ضلع کے اعتراض کی
وجہ رقم ایک عرصہ تک معرض التواء میں پڑی رہی بہت سی مراسلت اور طویل
کارروائی کے بعد آخر کار آبان ۱۳۳۷ف میں محاسبی ضلع نے رقم مذکور کی منظوری دی
رقم حاصل کرلی گئی۔ جدید آلات صنعت خریدے جارہے ہیں اس جدید منظوری نے
ارباب صدر نے مدرسہ میں ایک نئی جان ڈال دی ہے۔ اہالیان کیتھل کی یہ
خوش نصیبی ہے کہ ارباب صدر ان کے بچوں کی صنعتی تعلیم کی طرف خاص توجہ
مبذول فرماکر خریدی آلات کے لئے ایک معتدبہ رقم کی منظوری صادر فرمائی۔
وظائف تعلیمی۔ اخیر ۱۳۳۶ف تک وظائف تعلیم کی ماہانہ مقدار (ـہ) تھی یہ
امر محتاج صراحت نہ تھا کہ اس قدر قلیل رقم وظائف میں نونہالان ملک صنعتی تعلیم سے
خاطر خواہ استفادہ حاصل نہیں کرسکتے۔ لہذا ارباب صدر نے ان کی فلاح و بہبود کے

منظر نہایت فیاضی اور فراخ حوصلگی سے ماہانہ دوسو روپیہ کی منظوری ۱۳۴۷ف کے ابجٹ میں صادر فرمائی۔ اہلیان ملحقہ ارباب صدر کا جس قدر شکریہ ادا کریں کم ہے۔ کبھی اس احسان بے پایاں کے بارگراں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ خدائے پاک ارباب صدر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ٹ انضباط اوقات۔ طلبا صنعت وحرفت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ طلبا جو پورے اوقات مدرسہ صنعت وحرفت میں تعلیم پاتے ہیں۔

(۲) وہ طلبا جو مدرسۂ وسطانیہ میں تعلیم پاتے ہوئے روزانہ ایک پیریڈ صنعتی تعلیم پاتے ہیں

چونکہ طلبا میں صنعتی تعلیم کا شوق ترقی پذیر ہو گیا ہے۔ لہذا صدر میں گزارش پیش کی گئی ہے کہ مدرسہ کے اوقات روزانہ بجائے پانچ گھنٹہ کے چھ گھنٹے اور صنعتی تعلیم بجائے ایک پیریڈ کے دو پیریڈ کئے جائیں اگر طلبائے وسطانیہ روزانہ دو پیریڈ صنعتی تعلیم پائیں گے تو فن تعلیم کے ساتھ صنعتی تعلیم بھی حاصل کریں گے اور مدرسہ سے نکلنے کے بعد ملازمت کے محتاج نہ ہوں گے جو طلبا پورے اوقات مدرسہ صنعت وحرفت میں تعلیم پاتے ہیں ان کے تین پیریڈ روزانہ نوشت وخواند حساب ودینیات ڈرائنگ کی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ باقی چار پیریڈ میں وہ صنعتی تعلیم پاتے ہیں۔ اس طرح مدرسۂ صنعت وحرفت میں پورے اوقات صرف کرنے والے طلبا بھی عام نوشت وخواند ڈرائنگ اور دینی معلومات سے بے بہرہ نہیں رہتے کسی پیشہ یا صنعت کے ساتھ نوشت وخواند۔ حساب۔ ڈرائنگ کی تعلیم ضروری ہے زیور علم سے آراستہ ہوئے بغیر کوئی شخص اپنے فن میں ترقی نہیں کر سکتا۔

قدیم الایام سے قصہ گو کی ایک با اثر شخصیت رہی ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کو پیر و جوان دونوں خوش آمدید کہتے تھے اور اس پیام مسرت لانے والے کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اس کی پیشین گوئیاں اور قصص مثل سم سم کے ہر محفل میں بار پاتے اور جس کی رخصت پر اظہار رنج کیا جاتا۔ قوم کی خانہ بدوشی کی حالت میں قبیلہ کے سب سے زیادہ طاقتور اشخاص یا تو ان کے سردار تھے یا قصہ گو۔ اول الذکر اس لئے کہ وہ اپنے دشمنوں پر فتح یابی حاصل کرتے تھے اور موخرالذکر اس واسطے کہ وہ اپنی عقل و دانش سے اپنے ساتھیوں کا دل بہلاتا اور جب لوگ آگ کے گرد اس کے قصص سننے کو بیٹھتے تو اس کی قابلیت کو خداداد خیال کر کے اس کی عزت کرتے ان دونوں کا رتبہ انسان فانی سے بدتر مگر خدا سے کمتر تھا۔

وحشی انسان بھی مثل مہذب آدمی کے اقتدار کا دلدادہ تھا۔ اور یہ دیکھ کر کہ اس کی قابلیت نے اس کو بڑا بنا دیا ہے اس سے اس طرح کام لیتا تھا جس سے ترقی مزید ہو۔ سامعین کا جوش و خروش دیکھ کر اس کی خواہشات کا دروازہ کھل جاتا ہے جب وہ اپنی مقبولیت کی تعریف یا مذمت یا اظہار مسرت سنتا ہے تو ہر طریقہ پر ان کو بڑھانے کی کوشش کرتا ہے اور ہر موقع پر ان سے متمتع ہوتا ہے جب قوم خانہ بدوشی کی زندگی سے گذر کر زرعی پیشہ اختیار کر لیتی ہے تو اس وقت وہ دلچسپی مزید کا باعث بن جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ ایک شے یادگار مقرر ہی نہیں ہوتا بلکہ نوجوانوں کو تعلیم بھی دیتا ہے کہ اپنے قبیلہ کی روایات کو زندہ رکھیں۔ وسط ایشیا میں آدمیوں کی ہجرت سے قبل صرف قصہ گو ہی کی ذات تھی جو ان کے اجداد کے کارناموں کو محفوظ رکھتی تھی۔ فطرت کے راز کو جو اولین انسان کی گفتگو کا

لازمی موضوع تھا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔ آسمان پر آفتاب کی سیر بادلوں کا ہر آن نئی نئی شکلیں بدلنا۔ طلوع و غروب کا سماں اور تاروں بھری رات سے اُس کو تعجب اور خوف پیدا ہوتا تھا۔ اس وقت وہ اسی طرح ششدر رہ جاتا تھا جس طرح آج کل کے بچے اُن کے متعلق وہ ویسے ہی سوالات کرتا تھا جس طرح بیسویں صدی کے بچے اپنی ماؤں سے کرتے ہیں جن کو وہ اپنے سے عقلمند خیال کرتے ہیں۔ اور جس شخص سے سوال کرتے تھے وہ خود بھی حیران ہو کر ایک قسم کے توہم کا یقین دلاتے تھے جس کا منشا یہ تھا کہ باتوں کی بارش آسمانی گائیوں کے تھنوں کا دودھ ہے جس سے زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ طوفانی سمندر ناہموار پہاڑ اور گھاٹیاں دیو اور بھوتوں کا مسکن ہیں جو لوگوں سے بدلا لیتے اور بربادیاں پھیلاتے ہیں اور سورج ایک کارآمد مخلوق ہے جو تاریکی کے دیو کو بھگا دیتا ہے اور تمام فطرت کی حفاظت کرنے والی اشیا، ان اگلے لوگوں کی نظر میں نگہداشت رکھنے والے بہادر اور نیم خدا تھے۔

پشتوں پر پشتیں گذرتی رہیں اور نوجوان اپنے بزرگوں سے اس علم کو ورثہ میں پاتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ قصص ان کے دلوں میں ایسے قدر جاں گزیں ہو گئے کہ وہ قبیلے جہاں ہجرت کر کے جا بسے ان کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اور وہ نئے ملکوں میں دوبارہ بیان ہوئے اور وہاں کے مقامی حالات کے لحاظ سے ان میں ترمیم ہوتی گئی۔ جو آج تک دیو مالا کی شکل میں موجود ہیں۔

قصہ گوئی زبان سے یہ شئے ہمیشہ کے لئے زندہ رہتی کیونکہ اس کا فرض تھا کہ وہ بچوں کو وہی قصص سکھا دے جو ان کے والدین جانتے تھے۔ جب قوم تہذیب کی طرف گامزن ہوئی تو اس نے راہائے فطرت کے علاوہ کچھ اور بھی ان کو سکھانا شروع کیا یعنے قبیلے کے بہادری کے کارناموں کو دہرانا شروع کیا یہاں تک کہ نوجوان اس قدر گرویدہ ہو کر اس پر رشک کرنے لگے کیونکہ وہ غیر معمولی قوتوں کا حامل خیال کیا جانے لگا۔ اور اُس کے

الفاظ پر یقین کیا جانے لگا یہاں تک کہ اُس نے اپنے زمانہ کے خیالات کو قوم میں پختہ کر دیا گر خود اُس کی خوبی یا زشتی کے لحاظ سے اُس کے خیالات بلند یا پست ہوتے تھے۔ دنیا کی خوش قسمتی کہ قصہ گو اپنے ساتھیوں سے زاید عقلمند ہوتے تھے وہ مثل شعرا یا خواب دیکھنے والوں کے تھے جو زندگی کو آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ وہ نیکی کی تعریف اور بدی کی مذمت کرتے اور یہ تعلیم دیتے کہ حق کو باطل پر ہمیشہ فتح ہوتی ہے اور گناہ کا لازمی نتیجہ سزا یابی ہے اور نیکی کی جزا کا قانون مسلم ہے۔ وہ لوگوں کو کامیابی کے لئے اسی طرح اُکساتے جس طرح پہ ان کو بہادروں سے رشک کرنے کو جو زمانہ گزشتہ میں تھے اور اب جن کو صدیاں گزر چکی ہیں اور جو عقل و قوت ان سے فائق تھے۔ ان کی تلقین انسان کی نہایت درجہ خوفناک تاریخ کے اسباق ہیں۔ اسکندر اعظم نے بیان کیا تھا کہ خانہ بدوش شاعر ہومیر کی نظموں نے اس کو فتوحات کی ترغیب دلائی۔ آئرلینڈ کے سنہرے زمانہ میں برائن نامی — BRIAN ایک ادنیٰ درجہ کے بھانڈ سے بہتر کوئی شخص نہ تھا صلیبی جنگجو جنہوں نے یورپ کو مشرقی تعلیم دیکر نشاۃ ثانیہ عطا کی اپنی پرانی روایات کو ترک کرکے ہرگز ایسا نہ کرتے جب کہ ان کو پیٹر دی ہرمٹ PETER THE HERMET کی زبانی یہ معلوم نہ ہوتا کہ مقامات مقدسہ کو ناپاک کیا گیا ہے ہر ایک قصہ خوان اپنے ساتھیوں پر حکمرانی کرتے ہوئے امراء و بادشاہوں کی تاریخ مرتب کرتے تھے اکثر ان کے زیادہ طاقتور مالک ہوتے تھے جن کے ہاتھوں میں ان کی قسمت کی باگ تھی۔

کوئی زمانہ یا قوم ایسی نہیں جس کو قصہ جات سے الفت نہ ہو کیونکہ جذبات کی بھوک انسانی وراثت ہے جو لوگ معمولی طور پر بھی بچوں کی زندگی کا ایک محدود علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بچہ قبل پڑھنے کے گہوارہ کے قصص سنکر خوش ہوتا ہے اس کے بعد وہ کتب کے میدانوں کی سیاحت کرتا ہے لیکن اس وقت بھی وہ قصہ کو کتب میں پڑھنے کی بہ نسبت سننے کو ترجیح دیتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بولنے والے کی آواز اور شخصیت اُس کو ہوشیار اور قوی کرتی رہتی ہے۔

بچپن کے سنے ہوئے قصص دماغ پر نقش کالحجر ہو جاتے ہیں اور سننے والے ان کو
برسوں ساتھ رکھتے ہیں اور چونکہ وہ اس کے خیالات ہو جاتے ہیں اس لئے اس کے خیالات
سنوارنے میں ممد ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو بچہ بکثرت قصے سنتا ہے وہ بچپن ہی میں صحیح اور غلط میں
تمیز کرنے لگتا ہے۔ جب وہ اچھے قصص پڑھتا ہے اور سن رشد کو پہونچتا ہے تو اس وقت
اس کو بہترین فروشندہ بھی راغب نہیں کرسکتا سالہا سال تک یہ خیال کیا گیا کہ قصہ گوئی
کنڈرگارٹن اور پرائمری تعلیم میں مفید ہے۔ لیکن بڑے لڑکوں کے لئے بہت کم اس کا انتظام
کیا گیا۔ مگر عرصہ سے یہ خیال بھی جاتا رہا اور یہ سمجھ لیا گیا کہ بیان کرنے والے کی ہنرمندی اور
قوت دماغی پر یہ شئے منحصر ہے۔ جو بچے کی اخلاقی و مذہبی ترقی میں مفید ہے۔ اور جو آگے
چل کر اس کو آدمی بننے میں مدد دیتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر قسم کی دلچسپی ہر جگہ
موجود ہے۔ لیکن قصہ گوئی سب سے بڑھکر اور اہم کام انجام نہیں دیتی۔ اس کی وجہ یہ ہے
کہ قصے کے انتخاب اور بچوں کے رجحان سے ناواقفیت ہے جو اس کو سنتے اور اثر لیتے ہیں
قبل نصف امیدوں کے پورا ہونے کے قصہ گو اشخاص کو بچپن کی دلچسپی قصص سے واقفیت ہونا چاہئے
اس لئے ان کا انتخاب نہ صرف اس بنا پر ہونا چاہئے کہ وہ اس کے بیان و زبان و خیالات
مطابق ہے بلکہ بچے کے دماغی رجحان اور اس کی عمر کے موافق ہے یا نہیں جو اس کو سنتا ہے
اس کو جاننا چاہئے کہ قصہ گوئی محض دلچسپی کے لئے نہیں ہوتی گو وہ دلچسپ ضرور ہوتی ہے
لیکن اس کا مقصد نوخیزوں کو خوش کرنے کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے اس لئے اس اعلیٰ مقصد کو
کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ جس قصہ کا انتخاب ہو وہ دماغ کو کوئی دیرپا چیز سکھا دے
اخلاقی اور مذہبی نشو و نما میں معاون ہو۔ قصہ گوئی مناسب شرائط کے ساتھ برتنے سے
بہت سے مسائل کے حل میں جو معلموں کو پیش آتے ہیں مدد دے سکتی ہے۔ یہ جذبات کے
ابھارنے کے علاوہ اخلاقی اور مذہبی تعلیم۔ تاریخ جغرافیہ و نیز اسباق الاشیا میں زیادہ دلچسپی
پیدا کرسکتی ہے۔ ادب کے سمجھنے کی قوت کو پیدا کرسکتی ہے۔ ادب کے سمجھنے کی قوت کو بیدار کرتی

ہر قسم کے علم و ہنر و فن موسیقی کے علاوہ بچے کی قوت فیصلہ کو بڑھاتی۔ اور سستی و چمکدار اشیاء کے مقابلہ میں گراں و پائدار کا فرق سکھاتی ہے مدرسے کے خشک کام کی دردسری کو رفع کرتی اور عام اطلاعات بہم پہونچانے و نیز ہمدرد و مفید زندگی گزارنے کے قابل بناتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مدرس تمام کام خود ہی انجام دے اور اس طرح بچوں کو سست و کاہل بنا دے اور نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک زائد مضمون کا اضافہ ہو کیونکہ (CURRICULEM) میں یونہیں مضامین کی بھرمار ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بچہ کو خود ہی کام کی طرف رہنمائی کرے اور اس کے جوش و رغبت کو بڑھاوے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ لازمی مضامین کو زیادہ روشن کرکے طلباء کو زائد شوق کے ساتھ پڑھنے پر راغب کرے۔

اگر قصہ گو اپنے کام کو زیادہ قیمتی بنانا چاہے تو اس کو بچپن کی دلچسپی قصص کا بخوبی علم ہونا چاہئے۔ قصہ کا دل اور ڈھانچا ان واقعات سے بنانا چاہئے اور ان آدمیوں کو اس میں شامل کرنا چاہئے کہ بچہ خیال کرے کہ وہ ان کے ساتھ ہے اور ان کے حرکات کو پسند کرکے ان کے پیچھے چلتا ہے۔ ان پر ترحم یا مذمت یا خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ ان شرائط کے تحت لڑکے لڑکیاں یا جانور جو قصہ میں کام کرتے ہیں کتاب سے غیر مانوس نہیں ہوتے بلکہ اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ ان آدمیوں اور جانوروں کو جانتا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو پسند کرتا ہے اور وہ خود بھی قصہ کا ایک جزء ہوتا ہے اور خود بھی اپنے آپ کو قصہ کا ایک فرد خیال کرتا ہے اس سے اس کے جذبات کو تحریک ہوتی ہے اور اس کی قوت اندازہ بڑھ جاتی ہے۔ اب قدرتی طور پر یہ خیال ہوتا ہے کہ آیا ان قصص کو کیونکر منتخب کیا جائے اور اس کا خزانہ کہاں سے ہاتھ آوے۔ اور اس قسم کے دلچسپی کے قصص کہاں سے ملیں کیا کوئی ایسا قاعدہ ہے جو نوآموز یا ناتربیت یافتہ کو غلطی سے بچانے میں رہنمائی کرسکے۔ ہاں ایسا رہنما موجود ہے۔ نفسیات کے اصول کے مطابق ہر بچہ پیدائش سے بالغ ہونے تک دماغی

ترقی کے مختلف دوروں سے گذرتا ہے جن سے اس کی دلچسپی متعین ہوتی ہے۔

چھوٹا بچہ جو تین سال سے لے کر چھ سال تک اپنی جانی ہوئی اشیاء سے دلچسپی رکھتا ہے وہ اب تک خیال کے اس دور میں نہیں پہونچا ہے جس میں وہ یقین کرانے کی دنیا کی سیر کرتا ہے اور پریوں کے ساتھ کھیلتا ہے لیکن یقینی دنیا میں رہتا ہے اس کی توجہ ان اشیاء اور لوگوں میں منعطف رہتی ہے جن کو وہ خود جانتا ہے۔ ماں۔ باپ۔ کتے۔ بلیاں۔ گائیں گھوڑے مرغی کے چوزے اور اپنے ہم سن لڑکے اس لئے اس وقت وہ انہیں کے قصص میں دلچسپی لیتا ہے۔

اس زمانہ میں وہ قصے خاص طور پر اس کو مرغوب ہوتے ہیں جن میں تکرار ہو۔ اگر ان کا کوئی جزو رہ جاتا ہے تو اس سے مایوس ہو جاتے ہیں اور تکرار ان کے ڈرامائی عنصر کو قوی بنا دیتی ہے۔ تصاویر کو زندہ کرنے میں مدد دیتی ہے اور بچہ جو لذت پہلے بار محسوس کرتا ہے اس کا تجربہ دوبارہ پھر کرنا چاہتا ہے۔ ایسے قصص جن میں جانوروں کی بولیاں یا چیخ شامل ہوتی ہے اس عمر میں بہت پسند ہوتے ہیں۔ خرگوش کی صدا۔ کتے کا بھونکنا بلی کی میاؤں مرغی کا کڑکڑانا قصے کو نہایت دلچسپ بنا دیتا ہے کیونکہ یہ آوازیں اس کو اپنے خانہ باغ یا سڑک پر اکثر سنائی دیتی ہیں۔ اور اس کی دلچسپی واقفیت پر مبنی ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ابتدائی عمر میں تیقین کا زمانہ تین سال سے ۶ چھ سال تک رہتا ہے۔ اس لئے قصہ گو کو جانوروں اور بچوں کی سوانح بیان کرنی چاہئیں اور اس امر کا خاص طور پر خیال رہے کہ ان میں ان کی بولیاں ضرور شریک ہوں اور جو بار بار دہرائی جائیں۔

جب بچہ تیقن کا زمانہ گزار چکتا ہے تو اس وقت وہ دوسروں کو یقین دلانے کے دور میں داخل ہوتا ہے اور اس وقت وہ ان قصص کو جو ایک مرتبہ سنے جا چکے ہیں سننا بالکل پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اب اس کا جی کھیلوں میں لگتا ہے اس وقت وہ خود اپنے آپ سے ایک جداگانہ جزو ہوتا ہے اور ایسی چیزوں کا بہانہ کرتا ہے جو امکان سے باہر ہوں۔

اب وہ زیادہ تجربہ چاہتا ہے اس لئے اس وقت وہ ایسے قصے سنا چاہتا ہے جن میں تخیل کی بلند پروازی ہو لیکن تجربات پر مشتمل ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ مکھی آنکھ مارتی ہے کتے کی ناک تر اور ٹھنڈی ہوتی ہے بلی اپنے پنجے سمیٹتی ہے اور گویا دم اٹھا کر چلتی ہے ان کو دیکھ کر وہ متعجب ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ اب تک ایک محدود وجدت رکھتا ہے اس لئے کہ اس کے دماغ میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ ان کے معنی اس کی سمجھ میں آجائیں۔ وہ تعجب خیز قصص کو کام میں لاتا ہے جن کو بعض لوگ ابتدائی زمانہ کے قصص کہتے ہیں۔

قدیم ابتدائی زمانہ کے لوگ اپنے تخیل اور خوف کی وجہ سے قدرتی طاقتوں کو صفات انسانی سے منسوب کرنے لگے اور جنگل اور میدان کی بسنے والی قوموں نے ان کو زیادہ غیر مادی خیال کرکے متحرک اشیاء میں شمار کرنا شروع کیا ان کے دماغ میں بعض اوقات خوبصورت پریوں کی شکل میں اور اکثر خوفناک دیو بھوت یا بربادی پھیلانے والے شیاطین یا ان کے بچانے والے دیوتا تھے۔ اس طرح خیالی و مذہبی قصص کی ابتدا ہوئی۔ بچوں کو ایسے قصص سے نہایت درجہ دلچسپی ہوتی ہے اور بیان کنندہ کو پورا مواد حاصل ہوسکتا ہے کیوں کہ ہندوستانی دیومالا میں اس طرح کے سیکڑوں قصے جو نہایت پرانے ہیں لوگوں کی زبانی سنے جاتے ہیں لیکن اب تک احاطہ تحریر میں نہیں آئے اور تا حال ان کو کسی نے جمع نہیں کیا۔ پریوں کے قصے جو قوم کی زندگی کے ساتھ شروع ہوتے ہیں وہ زمانہ حال کے بچوں کے لئے بھی مفید ہیں ان سے مراد اس قسم کی حکایات ہیں جیسی کہ (ANDERSON اور GRIM –) میں موجود ہیں۔ چھوٹے بچے ان کو سن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور بار بار ان کو سننا چاہتے ہیں۔ چونکہ یہ قصے ہی قوم کی زندگی میں ایک مستقل جگہ رکھتے ہیں اس لئے اب تک بچوں کی تعلیم میں مدد دیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بلا انتخاب و ترمیم ہوبہو بچوں کو سنا دیے جائیں جس طرح بے صاف کیا ہوا اناج مرغی کے بچوں کو دیا جاتا ہے۔ بہتیرے تو ایسے ہوں گے جن کو مطلق سنانا چاہیے۔ نہایت ہوشیاری سے ان کے درجے قائم کرنے چاہئیں کیونکہ وہ اول اول

ان قصوں کو پسند کرتے ہیں جن میں بجائے بڑے آدمیوں کے بچے ہی HERS ہوں جو پلیٹ فارم پر لائے جائیں اور بچے کی قوت متفکرہ کو ترقی دینا چاہئے اور اس کے دل میں اس کا شک ہونے پا دے کہ کن کو وہ قابل یقین یا اصل سمجھے اور کن کو غلط تصور کرے بلکہ خود اس کو اپنی مرضی سے خیالی دنیا میں سیر کرنے دینا چاہئے۔ لیکن اس کو یہ سمجھنے دینا چاہئے کہ وہ یقین کرانے والی دنیا میں ہے نہ کہ واقعات جن میں وہ خود رہتا ہے۔ اس کا خیال اکسانا چاہئے اور جذبات کو متحرک کرنا چاہئے لیکن اتنی گہرائی تک نہیں جس میں پہونچکر وہ یہ خیال کرنے لگے کہ مدرس نے اس کو دھوکہ دیا۔

بچپن کے اس دور کے لئے خیالی قصص کے انتخاب کرنے میں اوّل سب سے پرانے قصے لینا چاہئے جن کی بنا خود قوم کے بچپن میں پڑی اور انہوں نے بیشتر آدمیوں کو خوش کیا۔ وہ عرصہ دراز کی جانچ پڑتال میں ٹھیک اترے اور جو نہایت درجہ خوبصورت الفاظ میں بیان ہوئے ہیں اور جو اصول پیدا کرنے والے اور تعلیم کو سنوارنے والے اور اطمینان بخش ہیں۔ اور بعد کے پیدا شدہ قصص جن کو بڑے بڑے مصنفین نے مثل HANS - CHRISTIAN ANDERSON نے اختراع کیا ہے۔

قصہ کا کام انسانیت پیدا کرنا ہے نہ کہ حیوانیت۔ اس کا مقصد مسرت پیدا کرنا ہے نہ کہ سمجھدار بچے کو بدلہ لینے والے قصص سنا کر مخوف کرنا۔ اگر وہ ایسا ہے تو اس کو اپنے قصص میں نہ منتخب کرنا چاہئے خواہ وہ بالکل محدود دیوں (یعنی دیوؤں) ہو دوسرے اُن قصوں کو شامل کرنا چاہئے جو اسی زمانہ کے لئے موزوں ہوں۔ ان کو علم سائنس کی روسے لینا چاہئے جو قوت ...متحرک کریں کہ روح کو عقیدہ و اخلاق خراب کردیں جب بچہ خیالی دنیا سے گذر کر اصلیت کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ اس وقت اس کو پریوں کے قصہ میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی اس وقت وہ اس حالت میں ہوتا ہے جیسا کہ ابتدائی آدمی تھا جب کہ وہ قومی آگ کے سامنے بیٹھکر مختلف مناظر قدرت کو انسانی صفات سے متصف ہوا بیان کرتا تھا۔ سننا پسند نہ کرکے مہمات کے سر کرنے اور یہ جاننے کے لئے کہ اس کے

گرد و پیش کے اشخاص کے باہر کیا ہے خواہشمند ہوتا ہے۔ بچوں میں یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے تجربات کو دہرادیں اس لئے وہ خوفناک باتوں اور ہمت کے دھنوں میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ مستعدی آنکھیں کھولے ہوئے ان کے قریب ہی موجود ہوتی ہے اس لئے ان کے تجربہ کا قریب ترین حصہ قصص کے سننے اور پڑھنے میں ہوتا ہے۔ یہ دور تقریباً ۸۔ اور ۱۲ سال کے درمیان میں گزرتا ہے اگرچہ کوئی مستقل حد اس کی مقرر کرنی ذرا دشوار ہے کیونکہ بعض افراد کی حالت بالکل مختلف ہوتی ہے لیکن عام طور پر بچے کی عمر میں کوئی بھی ایسا وقت نہیں ہوتا جبر ہر قصہ گو کو اس سے بہتر اور باموقع تخم ریزی کا ہو اور رفتہ رفتہ جس سے بہترین پھل نہ پیدا ہوں جیسے کہ بہادری کے زمانے میں ہوتے ہیں۔ فطرت انسانی ہر زمانے اور ملک میں یکساں رہی ہے اور جب تک انسان نہایت درجہ روشن خیال نہ ہو جائے وہ صرف قوت جسمانی کی بہادری سے مرعوب ہوتا ہے اس کے نزدیک دماغی اور اخلاقی قوت رکھنے والا بہ نسبت قوت جسمانی کے بہادر نہیں ہوتا۔ لہذا اس زمانے میں کسی دوسری شئے کا بدل غیر مفید ہوگا اور اس جوع البقر سے لڑکے لڑکیوں کو آسودہ کرنا چاہئے اگر ان کو توانا مرد و عورت بنانا ہیں تو نہایت اچھی غذا دینا چاہئے۔ بہادری کے قصص بچوں کے لئے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ نیم مہذب قوموں کے حالات ہیں جو بالکل عنصری معلوم ہوتے ہیں اور لڑکے لڑکیوں کو جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

سوانح عمریاں اور تاریخی بیانات بھی بہادری کے قصص کی ضروریات پورا کر سکتی ہیں کیونکہ لڑکے لڑکیاں بوجہ بہادری کے بیانات کو پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی روحیں پاک اور سچی ہوتی ہیں اس لئے وہ حقیقی واقعات کو کیوں نہ پسند کریں یا یہ خیال غلط ہے کہ سوانح عمری غیر دلچسپ شئے ہے کیونکہ بچپن کے قصص بڑے آدمیوں کے۔ بڑے حکمرانوں بڑے رہنماوں۔ راستہ ہموار کرنے والوں۔ بڑے اعلیٰ پایہ کے مقنن، مصور، موسیقی داں اور مصنفین کے نہایت درجہ اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں جو نہایت خوبی کے ساتھ نوجوانوں کے لئے کام آسکتے ہیں۔ اور بیان کنندہ ان سے نہایت بہتر طریقہ پر کام لے کر ان کو بخوبی استعمال کر سکتا ہے۔ الغرض

جون آف آرک۔ کرامول۔ سروالٹر ریلے۔ نلسن۔ نیپولین گریبالڈی۔ ابرہ رابرٹ۔ بروس
ولیم راسن۔ ولیم ٹل اور دوسرے درجنوں آدمی موجود ہیں جن کو کام میں لایا جاسکتا ہے ان کے
علاوہ ہر ایک زمانے اور ملک کے تاریخی قصص بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ جو بہادری کے
کام بچوں نے کئے ہیں ان کو بھی ہر ایک بچے کو جاننا چاہیے۔ اس زمانے میں جب کہ
مہم سر کرنے کی روح ترقی پر ہوتی ہے تو ہم لڑکے لڑکیوں کو کیونکر روک سکتے ہیں کہ مکان سے
فرار ہوکر ویسی زندگی بسر نکریں۔ لیکن ایک مرتبہ ان کو بہادروں کی زندگی بسر کرنے کی اجازت
دیکر اگر ان کو مخوف کر دیا جاتا ہے تو ان کی روحیں ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔

قصہ کی تعمیر کیونکر کی جائے

قصہ گوئی چونکہ قدرتی ہنر ہے اس لئے ان کے بیان کنندہ کے لئے اس کے اصولوں کا
علم ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ایک مصور یا نقاش کو اور وہ بھی اس علم کے بغیر ضرورت کے
مطابق سامان مہیا نہیں کرسکتا لیکن اس کو انتخاب میں محدود رہنا چاہیے۔ جو کچھ چھپا ہوا موجود ہے
اس کے دیکھنے کے خود ان کو بہت مواقع حاصل ہوتے ہیں ان سے فائدہ اٹھائے۔ اور ایسے
مزاق سے جو اس کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور جن کو وہ بالکل نہیں جانتے ان کو صرف کرکے
اپنی قابلیت سے ان کو جلا دے کر اور مختلف اقسام میں ترتیب دے کر انہیں اس قابل بنادے
کہ وہ بچوں کی سمجھ میں بخوبی آسکیں۔

زبانی قصہ کی ابتدا تمہید سے نہ ہونی چاہیے کیونکہ پہلے ہی لفظ کے زبان سے نکلتے ہی
بچہ کسی واقعہ کے ہونے کی امید رکھتا ہے لیکن اگر کوئی شئے نہیں ہوتی تو اس کی توجہ ہٹ جاتی اور
اس کی دلچسپی جاتی رہتی ہے اس لئے بیان کرنے والے کو اپنے کردار فوراً ہی اسٹیج پر لاکر کام شروع
کرا دینا چاہئے اور اس کو انتظار میں نہ رکھنا چاہئے۔ جس وقت وہ ان کے بالوں آنکھوں
اور لباس کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی کچھ کام بھی کرتے ہوئے دکھانا چاہیے۔ اکثر ابتدا میں کچھ تشریحی الفاظ

کہنا پڑتے ہیں لیکن ان کو اس طور پر کرنا چاہیئے کہ سننے والا متعجب نہ ہونے پاوے اور قصہ کے
شروع میں اس کا موقع بالکل نہ رہنا چاہیئے۔ قصہ انسانی دلچسپی پر مشتمل ہونا چاہیئے البتہ تحریری
قصہ اپنے کرداروں کے بیانات پر دلچسپی کا باعث ہوتا ہے اور مقامی رنگ و روغن اس کو
درکار ہے لیکن زبانی قصہ صرف خوبصورت ڈھانچا چاہتا ہے۔ اگر وہ بڑے طریقہ پر ترتیب
دیا گیا ہے۔ تو اپنے مقصد میں ناکامیاب ہوگا کیونکہ اس وقت وہ ایک پائیدار نقش نہیں بٹھا سکتا
بیان کا طریقہ زبانی قصہ میں بہتر طریقہ پر اس کی ابتدا کرنا ہے بعد کے واقعات کا برتنا کسی قدر
آسان ہے مثلاً۔ ایک مرتبہ۔ یا بہت زمانہ گذرا۔ فوراً ہی بچہ کی توجہ کو اپنی طرف منعطف
کر لیتا ہے قصہ خواں خواہ نیا ہی شخص کیوں نہ ہو لیکن اچھی ابتدا کرکے اس کو یقین ہوتا ہے کہ
وہ آخر تک اپنے سامعین کو متوجہ رکھ سکے گا بخلاف اس کے اگر ابتدا اچھی نہ ہو سکی تو وہ آخر تک
ناکامیاب ہی رہتا ہے۔

دوسرے درجہ پر قصہ کا جسم غور طلب ہے یعنی ان واقعات کا سلسلہ جو نیچے سے اوپر کو
بتدریج چڑھتا ہے اور اس کو آخر چوٹی تک پہونچنے میں متعدد وقفے یا انتظار کشی سے بھرا ہوا
ہونا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ سننے والا برابر سوچتا رہے کہ آئندہ کیا واقع ہونے والا ہے
بچہ جس قصہ کو ختم ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ ایسے قصہ کو بار بار بھی سنکر
خوش ہوتا ہے جس نے اس کو ایک مرتبہ مخوف کر دیا ہو کیونکہ اس تراش کو زیادہ آزمانہ
چاہتا ہے۔ لیکن ایسا قصہ جس میں انتظار کشی کی زحمت نہ ہو وہ بالکل رائیگاں جاتا ہے۔

(STEVENSION) کہتا ہے کہ قاعدہ بالکل مختلف ہونا چاہیئے یعنے قصہ کا کام دلچسپی
پیدا کرنا امید کرنا متعجب کرنا لیکن ہمیشہ خوش کرنا ہے اس کو بدلتے رہنا چاہیئے لیکن
صفائی کی جدت کا اثر نہ جانے پاوے بالفاظ دیگر یہ کہ واقعات کا تسلسل ایک دوسرے کے
بعد باقاعدہ ہونا چاہیئے۔ اور ایک سے دوسری کڑی ملانے کو بھی کچھ ہونا چاہیئے اس مثال کے
گھریلو معنی لیتے ہوئے یہ کہ سارا ڈھانچہ ایک دائرہ کے گرد مرکوز ہونا چاہیئے جو نہایت

خوشنما ہو اور اس میں ایسے راستے ہونے چاہئیں جن سے ہیرو اوپر چڑھتا اور باہر نکلتا ہو۔ باہر نکلنے اور چوٹی پر پہونچنے سے یہ مطلب ہے جیسا کہ ڈاکٹر (PARRD) کہتا ہے کہ اس کو دلچسپی اور جذبات کے ابھار کا بام ہونا چاہئے یا دوسرے لفظوں میں زینہ کا اوپری سرا ہونا چاہئے اور سارا قصہ اس طرح حرکت کرے کہ بلا شکست خطوط میں اوپر کو چڑھے اگر وہ ایسا نہ کرے گا یا سلسلہ کا تاگا کہیں سے ٹوٹ جائے گا یا کوئی شئے بقدم یا مؤخر ہو جائے گی تو قصہ خواں سامعین کو متوجہ کرنے سے محروم رہ جائے گا۔ قصہ کی چوٹی سننے والے بچہ کو متعجب کر دے لیکن ننھے بچوں کے لئے انتظار کشی کا عنصر سیدھا سادھا ہونا چاہیئے اور نتیجہ میں مکرر ہونا اس کام کو بخوبی پورا کر سکتا ہے۔

اوپر پہونچنے کے بعد زبانی قصہ کو فوراً تیزی کے ساتھ نیچے اترتے ہوئے ان سے فتح کرنا چاہئے۔ اور اکثر بہترین قصص وہ ہیں جو چوٹی پر پہونچکر فتح ہوں۔ ان میں اخلاق کی تعلیم نہ ہونا چاہئے۔ اور نتیجہ کو خود بچے کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دینا چاہئے وہ اس کو نہایت صفائی سے دیکھتا ہے اور اس سے بیحد متاثر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے اس کو چند منٹ خود غور و خوض کرنے کے لئے چھوڑ دیا جائے اور اس پر مزید گفتگو نہ کی جاوے آواز میں اتار چڑھاؤ قصہ کی صفائی کے لئے ضروری ہے اور سکون تعجب خیز طریقہ پر مؤثر ہو کر قصہ کی دلچسپی کو دوبالا کر دیتا ہے۔ سمجھدار بچے کچھ سننے کی امید میں کان لگائے رہتے ہیں اگر درمیان میں کچھ توقف ہوتا رہتا ہے تو انتظار کشی باعث رغبت ہونے لگتی ہے۔ سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے درمیان میں اگر بچے سے غلطی سرزد ہو تو اس کو اس وقت نہ ٹوکا جائے۔ اگر کوئی بچہ اظہار دلچسپی نہ کرے تو بھی اس کا نام نہ لینا چاہئے گویا وہ قصہ اسی کو سنایا جا رہا ہے۔ اور یہ بات اس کو ضرور محسوس ہوگی اگرچہ سامعین کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ گویا وہ صرف اسی کے فائدہ کے لئے بنایا گیا ہے۔

قصہ گوئی ادبی خوبیوں کے اعتراف کی طرف رہنمائی کرتی ہے

تعلیم کا ایک سب سے بڑا مقصد بچوں کے لئے یہ ہوتا ہے کہ ادب کی خوبیوں کو سمجھ سکیں اور مدرس کی توجہ زیادہ تر اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ سال اول و دوم و سوم کے بچوں کو خواندگی اور شعراء کی نظموں کا انتخاب جو تربیت اطفال پر مشتمل ہوتی ہیں زبانی یاد کرایا جاتا ہے جس میں اسٹیونسن اور یوجینی شامل ہیں۔ اور بعض اوقات نظم خوانی کا سبق یاد نہ ہونے پر بعد ختم مدرسہ بچوں کو بار بار ... لیا جاتا ہے۔ تو اس وقت مدرس کو ناکامی ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے ایسے مدرسے بھی ہیں جہاں پڑھائی کا گھنٹہ خوشی کا گھنٹہ ہوتا ہے۔ جن مدارس میں دلچسپی کے لئے گیت گائے جاتے ہیں وہاں یہ وقت جلد گزر جاتا ہے ایسے مدارس جہاں خود مدرسوں نے تحصیل علم کیا ہے وہ حقیقی طور پر مفید ہیں اور خوشی خوشی بچے وہاں پڑھتے ہیں۔

یہ یقین کرنا غلط ہے کہ مدارس کا کام آدمی کو قابل بنانا ہے بلکہ تعلیم کا مقصد آئندہ کی خوشی ہونا چاہئے۔ اس طریقہ پر چل کر آئندہ کی خوشی کا امکان ہوتا ہے لڑکا یا لڑکی جس کو اول اول عمدہ نظم یا نثر سے سابقہ پڑتا ہے اگر وہ اس سے خوش نہ ہو تو وہ یقیناً عمدہ نمونہ ادب کا نہیں ہیں لیکن اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ بعض اوقات آدمی پہلی ملاقات میں ناگوار خاطر ہوتا ہے لیکن اس سے متواتر سابقہ پڑنے پر لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اگر ہمیں بچوں کو اچھا ادب پسند کرنے والا آدمی بنانا ہو تو شروع ہی سے اس کی رہنمائی اس جانب کرنا چاہئے بچوں کو ادب کا شوقین بنانے کے لئے ہم قصص سے کام لے سکتے ہیں۔ کیونکہ قصہ خوانی ان کے لئے نہایت دلچسپ ہوتی ہے اور وہ اس وقت مزید دلچسپ ہو جاتی ہے جس وقت وہ ادب کو کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ قصہ کے ذریعہ سے وہ نہ صرف خوشی کو دوبالا کر سکتے ہیں بلکہ اس کے ذوق کے معیار کو بلند کر سکتے ہیں ہم ان کو علم سکھا سکتے ہیں لیکن وہ اس طرح کچھ بھی نہیں سیکھ سکتا اگر ادب کا

گھنشہ جبریہ اور سزا کے ساتھ ختم ہو۔ اگر کوئی قصہ اس کے سامنے خوبصورت تصاویر لاتا ہے اور عمدہ زبان و خوش بیانی پر مشتمل ہوتا ہے تو وہ بے خبری میں اچھی زبان کا ذوق پیدا کر کے اس سے لطف اٹھاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ نہ صرف قصے کے واقعات کا تسلسل ہی پاتا ہے بلکہ الفاظ اور ... علم حاصل کرتا ہے۔ بعض جملے اس کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں اور استاد جو بچوں کو قصص دہرانے کی ہدایت کرتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ بچہ اکثر وہی فقرے یا جملے استعمال کرتا ہے جو قصہ گو کی زبان سے نکلتے ہیں۔

ایک مصنف کی زندگی کے واقعات سے بھی بچہ کو متاثر ... اور اس طرح ان کو اس کی تصانیف کے متعلق بھی کچھ جاننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ایسا کرنے میں ایک بات کا خیال ضروری ہے کہ بچپن کے ذوق قصہ خوانی کا تقاضہ یہ ہے کہ بچوں کو صرف بچوں ہی سے دلچسپی ہوتی ہے! اس لئے ان کو اس طرح نہ شروع کرنا چاہئے کہ جب کہ آر۔ ایل۔ اسٹیونسن ایک بچہ تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک مرتبہ شمالی حصہ ملک میں ایک بچہ تھا جس کا نام رابرٹ تھا یعنے بچے سے شروع ہو کر بڑے آدمی کی طرف رہنمائی کرنا چاہئے نہ کہ آدمی سے لے کر بچہ کی طرف۔ بچوں کی دلچسپی اپنے مثل دوسرے بچوں کی طرف دیکھ کر فطری اصول پر ان کو اس شخص کی طرف بتدریج لے جانا چاہئے کہ وہ کیونکر اس مرتبہ کو پہونچا۔ بعض بچوں کو ادب کے کسی ٹکڑے کا شوق قصے ہی کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے یا ان کا خیال ادھر راغب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک قصہ سے دوسرا قصہ پیدا ہوتا ہے جس کی ان کو رغبت ہوتی ہے۔

کسی قصہ کا فوراً ہی بیان کر دینا کافی نہیں ہوتا کیونکہ سامعین کا سب سے بڑا کمال ان کے خاکے کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور جو ان کے طرز تحریر پر منحصر ہوتا ہے۔ کرداروں کے بیان کا ڈھنگ انسانی عقل اور ان کا فلسفہ جو وہ اپنے ہیروؤں کی زبان سے ادا کرتے ہیں۔ لڑکا یا لڑکی جو اپنے اسکول کے زمانہ تعلیم میں ان سے واقف نہ ہو وہ کبھی ان کو نہیں جان سکتے۔ یہ نہایت درجہ بہتر ہے کہ بچے کی مدرسے کی زندگی ادب سے دلچسپی لینے میں صرف ہو جو اس اصولی تعلیم سے

نہایت درجہ بہتر ہے جس میں صرف چند منتخبات پڑھائے جاتے ہیں جس سے ان کا علم محدود ہوسکتا ہے لیکن قصہ خوانی اس کو ترقی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور بغیر اس قابلیت کے حاصل کئے ہوئے ان کی زندگی بالکل محدود اور ایک طرفہ ہوتی ہے۔ ادب کے وسیع میدانوں میں پہونچنا بغیر ان مثالوں کے ممکن نہیں ہے لیکن اگر ان سے پوری واقفیت پیدا کرنا ہو تو ان مثالوں کو دلچسپ طریق پر پیش کرنا چاہیئے۔ اول اول ان کو مثل ایک نظارہ کے دیکھنا چاہیئے تاکہ ان کی پوری تصویر ان کے سامنے ہو۔ ان کی کامل خوبصورتی کو دکھلانا چاہیئے نہ کہ صرف بعض خوبیوں کو ادبی دنیا میں ہر ایک ۔۔۔ مزے لینا آیندہ کے لئے دوسرے جواہرپاروں کی ترغیب دلاتا ہے اس لئے مدرسین کے لئے صرف قصہ ہی ایک ایسا قیمتی آلہ ہے جو پردے پر پوری تصویر کا عکس ڈال کر دکھا سکتا ہے جس سے ان کی پوری خوبیاں بچوں پر آشکارہ ہوجاویں۔

باقی آئندہ

مبادی نباتات مؤلفہ جگ موہن لال صاحب جیدی لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدرآباد دکن ایک ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اردو زبان میں نباتات کے بابت بہت ہی کم کتابیں ہیں اور ایسی جو تحتانیہ مدارس میں استعمال کی جاسکیں تقریباً غیر موجود ہیں۔ اس کی اشاعت بھی بروقت ہوتی ہے کیونکہ آج کل زراعت کی جانب عام طور پر توجہ کی جارہی ہے اس کتاب کے چندباب المعلم میں شائع ہوچکے ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی معمولی ہے حجم (۱۰۲ صفحے) قیمت (عہ) ملنے کا پتہ۔ مکتبہ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

سیرت و کردار مصنفہ مولوی محمد عبدالرحمن صاحب رئیس کے دیکھنے سے مسرت ہوئی

اس کے دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ وہ ایک ایسے صاحب کی مصنفہ ہے جو دفتر کی چکی میں پستے رہنے کے باوجود علمی مذاق رکھتے ہیں دوسرے انہوں نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے جو کہ عموماً مدارس میں نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس کتاب کا پہلا اور دوسرا باب مدرسہ اور ان کے آداب اور اخلاق سے متعلق ہے۔ تیسرے میں ملک و مالک کی محبت و خدمت گزاری کی غایت بتلائی گئی ہے اور چوتھے میں عام اخلاق و آداب کی وضاحت کی گئی ہے۔ طرز تحریر دلچسپ و رواں ہے۔ لیکن اس میں ایک خامی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ وعظ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی ایک چیز ہے جس سے بچہ کی طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ قصہ کہانی سے کام لیا جاتا اور کہیں کہیں واقعات کی چاشنی دے دی جاتی تو کتاب کا حسن دوبالا ہو جاتا۔ یہ کتاب ہر مدرسے کے کتب خانہ اور ہر دس بارہ برس کی عمر کے طالب علم کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ حجم (۵۶) صفحہ قیمت (۸/) ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدر آباد دکن

شہنشاہ دوجہاں مؤلفہ لال دین خاں عابد ایم اے۔ یہ کتاب رسول اللہ صلعم کی مقدس زندگی کے بابت ہے اور ایسے طرز پر لکھی گئی ہے کہ طالب علموں کے مناسب خیال ہے انعامات و کتب خانہ جات کے لئے موزوں و مناسب ہے۔ بلحاظ حجم (۲۰۴) اس کی قیمت (عہ) ایک کم ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ ملنے کا پتہ اخبار تعلیم انارکلی لاہور۔

۱

حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس اپنی عمر کے پندرہ سال گزار چکی ہے اس پندرہ سال کے عرصہ میں اس کا نواں اجلاس عالیجناب سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر صدر اعظم سرکار عالی کی عدیم الفرصتی کے باعث نواب صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور سرکار عالی کی صدارت سے (ٹون ہال) باغ عامہ حیدرآباد دکن میں منعقد ہوا۔ خطبہ صدر استقبالی نواب فخر یار جنگ بہادر نے دیا جس میں روحانی واخلاقی تعلیم اور حیات مابعد الموت کے مسائل پر غور کرنے کے لئے توجہ دلائی۔ اس کے بعد نواب صدر یار جنگ بہادر نے اپنے خطبہ صدارت میں جامعۂ عثمانیہ اور سررشتۂ تعلیمات کے کارہائے نمایاں کے ذکر کے بعد کتب خانہ جات کی ضرورت اور آسان طریقہ کار پر روشنی ڈالی قواعد مدارس خانگی کو حق بجانب ثابت کرتے ہوئے اس کے احکامات کی توضیح وتشریح کی۔

اس مرتبہ کانفرنس نے زیادہ تر گزشتہ تحریکات کا اعادہ کیا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر اور طلباء کانفرنس کے کاروبار میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ اور بہ نسبت سال گزشتہ اس سال اضلاع کے نمایندوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔

۲

یہ امر مسلمہ ہے کہ مکھیاں بہت سے امراض پھیلاتی ہیں لیکن ہندوستان میں بالخصوص ان کے انسداد کی فکر نہیں کی جاتی۔ باورچی خانہ جو کہ مکھیوں سے بالکل پاک رہنا چاہئے مکھیوں کا گھر بنا رہتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مکھیوں کو انسان کی خوش قسمتی سے ایسا برا نہیں سمجھا جاتا جیسا کہ پسو۔ جوں اور کھٹمل کو برا خیال کیا جاتا ہے۔ مدرسین اس طرف توجہ کریں تو گھر مکھیوں سے اور بدن امراض سے پاک ہو جائیں گے۔

مثل مشہور ہے بڑا سر سردار کا۔ اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ بڑا سر رکھنے والا صاحب ۔ دماغ ہو۔ ۔ یں بھی عام طور سے یہ خیال تھا لیکن بیسویں صدی میں پرانے خیال کی سائنس کی کسوٹی ۔ ہوتی ہے۔ بڑے آدمیوں کے دماغ کو ان کے مر ۔ بعد ناپ تول کر دیکھا جاتا ہے چنانچہ اس تفتیش کا نتیجہ درج ذیل ہے

نام		وزن دماغ
اناتول فرانس	(مشہور عالم)	۳۶ اونس (وسط آدمی کے دماغ سے بارہ اونس کم)
امانول کانٹ	(جرمن فلسفی)	۵۶ اونس
بسمارک	(جرمن مدبر)	۶۳ اونس

بڑا سر یا بہ الفاظ دیگر وزنی دماغ رکھنے والوں کا عقلمند ہونا ضروری نہیں ہے۔ تمام عالم اناتول فرانس کی علمیت کا قائل ہے۔ ہر ایک اس کا لوہا مانے ہوئے ہے لیکن اس کے چھوٹے سے سر میں صرف ۳۶ اونس وزن کا دماغ تھا۔ بعض امراض کی وجہ سے بھی دماغ کا وزن زیادہ ہو جا سکتا ہے۔ بہر حال تاریخ یہ ضرور بتلاتی ہے کہ بڑے لوگ بڑا سر رکھتے ہیں۔

عرصہ سے ریاست میسور میں طلباء کے طبی معائنہ کی طرف توجہ کی جا رہی ہے۔ چنانچہ شہر بنگلور میں اس کا آغاز بھی کیا گیا۔ اب ناظم تعلیمات نے طلباء کے طبی معائنہ کے متعلق ایک سکیم تیار کر کے اس کی منظوری حاصل کرلی ہے ۔ اس کے بموجب ان تمام مقامات پر طلباء کا طبی معائنہ شروع ہو جائے گا جہاں کوئی ڈاکٹر موجود ہے۔ بحالت موجودہ اس کے نفاذ سے سرکار پر چوبیس ہزار چھ سو چار روپیہ سال کا خرچ عاید ہوگا لیکن توقع ہے کہ طبی فیس سے آٹھ ہزار تین سو اسی روپیہ اور مد لوکل فنڈ سے آٹھ ہزار پانچ سو نود روپیہ وصول ہوں گے اس طرح سرکار پر تقریباً نو ہزار روپیہ سال کا بار پڑے گا۔

ریاست بڑودہ کی تازہ رپورٹ منظہر ہے کہ سال زیر رپورٹ میں آمدنی ۲۲۰ لاکھ سے بڑھ کر ۲۴۶ و ۶۲ لاکھ ہو گئی۔ خرچ ۱۹ و ۲۰۴ لاکھ ہوا جو گزشتہ سال پر تقریبا ... لاکھ زیادہ تھا۔ ریاست کے سرمایہ میں ۶۱ لاکھ کا اضافہ ... جو قابل ...

معلوم ہوتا ہے کہ موٹر کاروں کی تعداد کے اضافہ کے ساتھ ساتھ حیدرآباد میں مرض دق وسل میں بھی زیادتی ہو رہی ہے۔ کچھ عرصہ سے یہ مرض منحوس اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اعلحضرت ... نے جن کو اپنی عزیز رعایا کا ہر وقت خیال رہتا ہے اس کے علاج وانسداد کی تدابیر اختیار کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی جس کے اراکین ناظم طبابت اور کرنل اینڈرسن وغیرہ ہیں۔ اس کمیٹی نے اننت گری کا پہاڑ جو وقارآباد کے قریب ہے قیام شفاخانہ کے لئے منتخب کیا تھا لیکن اب سنا جا رہا ہے کہ اراکین کمیٹی میں کچھ اختلاف رائے ہو گیا ہے دیکھئے اس کی کب یکسوئی ہوتی ہے۔

اضلاع کے صدر مقام پر آب نوشی کی تکلیف عنقریب دور ہونے والی ہے۔ اعلحضرت بندگان عالی نے ہر مستقر ضلع پر نل اندازی کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور اس حکم کی تعمیل ایک کمیٹی کے سپرد فرمائی ہے جس کے اراکین مسٹر باسکر۔ نواب علی نواز جنگ اور مسٹر کالنز ہیں۔ اس کمیٹی نے مولوی ... مرزا صاحب کو جو آب رسانی کے ماہرین اضلاع کے صدر مقامات پر آب نوشی کے انتظامات کرنے کے لئے منتخب کیا ہے۔

حیدرآباد ایتھلیٹک ایسوسی ایشن کے سالانہ اسپورٹس جس میں ممالک محروسہ کے کالج اور مدارس کے طلباء حصہ لے سکتے ہیں بخیر وخوبی یکم فروردی کو عالی جناب مہاراجہ سر صدر اعظم یمین السلطنت بہادر کی موجودگی میں ختم ہوئے۔ ممدوح الشان نے بکمال نوازش

مقررہ انعامات تقسیم فرمائے۔ منجملہ اٹھارہ انعامات کے آٹھ انعامات چادر گھاٹ ہائی اسکول نے حاصل کئے۔ ما بقی ماندہ سٹی کالج۔ محبوب کالج۔ نظام کالج۔ دارالعلوم۔ مدرسہ فوقانیہ نامپلی وغیرہ تقسیم ہوئے۔

سید محمد ہادی صاحب صدر مہتمم ورزش جسمانی شب و روز انتظامات اسپورٹس میں مصروف تھے۔ صاحب موصوف اور ان کے معاون اسپورٹس کی کامیابی پر قابل مبارک باد ہیں۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مستقر بیدر میں ایک صاحب مولوی رفیع الدین صاحب وکیل ہیں جن کے پاس سکہ جات۔ قلمی تصاویر و قدیم اسناد کا نہایت عمدہ ذخیرہ ہے۔ صاحب موصوف نے یہ سب کچھ ذاتی دلچسپی سے جمع کیا ہے۔ منجملہ اور اسناد کے مدرسہ محمود گاوان کی اصلی سند بھی ان کے پاس ہے جو ضرور اس لائق ہے کہ خرید کر عمارت مدرسہ میں رکھی جائے۔

راجپوتانہ کے ایک بڑے مہاراجہ بہادر کے پاس ان کی رعایا نے جو مطالبات پیش کئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں کہ اخبارات کے داخلہ کی اجازت دی جائے نئے مدارس کھولنے کی اجازت دی جائے۔ اور مسلمانوں کو مسجدوں میں مکتب قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔

حیدرآباد وائی یم سی اے کا ہر سال ایک تقریری مقابلہ ہوتا ہے جس کے لئے نواب مسعود جنگ بہادر نے ایک چاندی کا کپ دیا ہے۔ تقریریں صرف بزبان انگریزی کی جا سکتی ہیں اور تیاری کے لئے صرف چند منٹ دیے جاتے ہیں۔ اس دفعہ پہلی مرتبہ چادر گھاٹ

ہائی اسکول کے طلبا، تقریری مقابلہ میں شریک ہوئے اور انہوں نے نہ صرف مـ
ـحاصل کیا بلکہ اور بھی چند انعامات لئے۔

شاید پہلی دفعہ حیدرآباد میں آل انڈیا لیڈیز کانفرنس علی گڑھ کا ... نفیس دلہن رحیم صاحبہ نواب صدر یار جنگ بہادر صدر ... مدور امور مذہبی آنریری سکرٹری کی کوشش سے لیڈی ... سر آسمانجاہ بشیر الدولہ ... کی صدارت زیر لیڈی صاحبہ ... کی ڈیوڑھی میں منعقد ہوا باہر ... مستورات شریک جلسہ ہوئیں جن میں بھوپال کی آبرو بیگم صاحبہ قابل ذکر ہیں۔ کئی مضامین پڑھے گئے۔ تحریکیں پیش و منظور ہوئیں شاید زنانہ کانفرنس ہونے کے باعث اس کانفرنس کی روئیداد کسی مقامی اخبار میں بھی نظر نہیں آئی۔ اتنا ضرور سنا گیا کہ پردہ کے مسئلہ کے بابت بہت کچھ اختلاف آرا تھا۔ ایک مختصر جماعت موجودہ پردہ میں اصلاح کے لئے کوشاں تھی لیکن بحث مباحثہ نے ایسا رنگ اختیار کیا کہ کوئی تصفیہ نہ ہو سکا اور کانفرنس اس اہم مسئلہ کو یونہی چھوڑ برخاست ہو گئی۔

مدرسہ نسواں اردو لاتور کا جلسہ سالانہ بصدارت سیدہ ظہیر النسا بیگم صاحبہ صدر معلمہ مدرسہ مذکور منعقد ہوا۔ اس میں تقریباً دو سو مستورات شریک ہوئیں۔ صدر صاحبہ نے فوائد تعلیم پر مؤثر تقریر فرمائی۔ اہل ہنود خواتین نے بھی تعلیم کے فوائد اور جہالت کے نقصانات کو واضح کیا آخر میں حاضرین جلسہ کی چاء و شیرنی سے تواضع کی گئی اور شاہ جمجاہ دکن و شہزادگان بلند اقبال و صاحبزادیاں فرخندہ فال کے اقبال و ترقی کی دعا کے بعد یہ جلسہ برخاست ہوا سیدہ ظہیر النسا بیگم صاحبہ کی کامیابی قابل مبارکباد ہے۔

مولوی عبد السلام صاحب منشی فاضل نے از راہ کرم گشتی کتب خانہ کے بابت جو چند امور کی صراحت فرمائی ہے وہ ناظرین کرام کی آگاہی کے لئے درج ذیل ہے۔

صندوق میں جتنی کتابیں ہیں ان کی ایک فہرست مقوہ پر لکھ کر صندوق میں رکھی جائے۔ صندوقوں کی کتابوں کا اندراج دفتر میں ایک رجسٹر کے اندر بھی کرلینا چاہئے (۲) ہر صندوق میں ہدایات عامہ کا ایک اعلان مقوہ پر چسپاں کرکے لگایا جائے ایک اعلان متذکرہ کی نقل با ہذا منسلک ہے (۳) کتب خانہ صندوق پہلے مستقر کے مدرسہ پر روانہ کیا جائے یا اس مدرسہ پر روانہ کیا جائے جس نے پوری صندوق [illegible] یا تیاری کے لئے رقم عطا فرمائی یا دوسرے تعلقہ کے مستقر پر روانہ کیا جائے اس مدرسے صندوق ذریعہ چپراسی مدرسہ متصلہ مدرسہ پر روانہ کئے جانے کی ہدایت کی جائے اسی طرح ایک مدرسہ دوسرے قریبی مدرسہ کو صندوق روانہ کرتا رہے۔ (۴) بلحاظ فقرہ ۳ گشت صندوق کا ایک پروگرام صندوق کے اندر رکھا جائے اس قسم کا ایک نمونہ بھی باہذا منسلک ہے۔ (۵) ہر مدرسہ پر صندوق ایک ماہ رکھا جائے زمانہ تعطیلات معتبر جہاں منقضی ہو وہاں صندوق بجائے ایک ماہ کے ماہ تیر میں بھی رہے اس مراسلہ کے خانہ ایک تا ۴ کے اندراجات دفتر مہتممی میں ہوں۔ خانہ ۵ و ۶ کا اندراج مدرس وصول کنندہ اور خانہ ۷ و ۸ کے اندراجات مدرس گیرندہ صندوق کرے (۶) ہر صندوق میں ایک کتابچہ داد و ستد کتب بھی رکھا جائے جس کا نمونہ اس طرح کا ہو۔

نشان سلسلہ	نام مدرسہ	نام کتاب	نام مدرس گیرندہ	تاریخ اخذ کتاب	دستخط گیرندہ	تاریخ واپسی و دستخط
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷

ایک ایسا پودا دریافت ہوا ہے جس کا رس برص اور جذام کا حکمی علاج ہے اس عرق کے موجد کا دعویٰ یہ ہے کہ بیس برس کے عرصہ میں یہ منحوس مرض دنیا سے ناپید ہو جائے گا اس پودے کا انگریزی نام ([illegible]) ہے یورپ میں اس کی کاشت کے لئے ہر ملک میں رقبے مخصوص کئے جا رہے ہیں

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ۱۰ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے اُن کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ؔعہ) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ ۳ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عـــہ	صہ ۸ر	ے ۸ر
سہ بار	ءعـــہ ۸ر	للعـــہ	اعہ ۸ر
ششماہ	سعہ	ءعـــہ ۸ر	صعـــہ
سالانہ	صعـــہ	للعـــہ	ءعـــہ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

دفتر رسالہ المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن

جلد پنجم
نمبر ۵

ماہ فروردی ۱۳۳۸ ف

محمد سجاد مرزا ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد
(دکن)

صدارت عظمیٰ - بینے باب حکومت سرکار عالی نے بذریعہ مراسلہ نشان (۹۶۱)
مورخہ ۱۰ فروردی ۱۳۲۷ف اعظم اسٹیم پریس کو ازراہ قدر افزائی و رعایا پروری
گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر مقرر فرمایا ہے سرکار عالی کی اس قدر افزائی کا کارپردازان مالک
مطبع کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد جملہ جلیل القدر عہدہ دار صاحبان
سررشتۂ تعلیمات و صدر مدرسین و اساتذہ صاحبان و طلبا مدارس خانگی و سرکاری کی

خدمت میں استدعا ہے کہ

حسب منشا ارباب حکومت سرکار عالی اس مطبع سے خدمات طباعت و جملہ
سامان تعلیمی و کتب درسی و فارمس وغیرہ کے آرڈر سے سرفراز فرما کر مطبع ہذا کی حوصلہ
افزائی فرمائیں گے۔

انشاء اللہ تعالیٰ کارخانہ بھی اپنے معاملہ داروں سے پابندی وعدہ اور ادا اجر
واجبی اور اپنی سچائی اور خوش معاملگی و خوبی کار سے جو اس کی ترقی کا حقیقی راز ہے مالک و
ملک کی خدمت گزاری میں کبھی دریغ نہ کرے گا

خاکسار

سید عبدالقادر

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و تاجر کتب و پبلشر نظام گزٹ چار مینار حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

جلد (۵)	بابتہ ماہ فروری سنہ ۱۳۳۸ ف	نمبر (۵۱)

فلسطین میں معلمات کی تربیت

ایک نوآباد ملک کے تعلیمی مسائل کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کے قبل
میں یہ واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ میرا مضمون صرف عرب لڑکیوں کی تعلیم سے متعلق ہے
چونکہ فلسطین کا سرکاری محکمۂ تعلیم ابھی یہودی بچوں کی تعلیم کا بلاواسطہ ذمہ دار نہیں ہوا ہے

فلسطین ایک ننھا سا ملک ہے جو ویلز سے کسی قدر بڑا ہے لیکن چونکہ یہاں کی آبادی شہری اور دیہی دو طبقوں پر منقسم ہے اور ان طبقوں کی ضروریات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اس لئے یہاں کی تعلیم میں اکثر دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دیہی زندگی کا محور زراعت اور گلہ بانی ہے اور شہری زندگی کا ملجا وماوا کاروانی تجارت ۱۹۱۸ء میں انگریزی قبضہ کے وقت یہاں کے شہروں میں ترکوں کے قائم کردہ چند مدارس نسواں تھے لیکن ان مدارس کے لئے تربیت یافتہ معلمات نام کو نہ تھیں اس لئے ہمارا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ مدارس نسواں کے لئے جن کی ملک میں عام طور پر ضرورت ظاہر کی جارہی تھی اسٹاف فراہم کرنے کی غرض سے ایک قسم کا تربیتی مدرسہ قائم کریں۔ یہاں سے ہمارے پہلے مسئلہ کی ابتدا ہوتی ہے جو فرقہ اور مذہب سے متعلق ہو۔

فلسطین کے باشندے اب فلسطینی کہلاتے ہیں یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جو نہ صرف دیہات اور صحرا کے ایسے خالص عربی اصل اشخاص پر حاوی ہے جن کا طرز زندگی حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے اب تک نہیں بدلا بلکہ اس میں وہ مخلوط النسل عرب بھی شامل ہیں جو گذشتہ (۲۰۰۰) سال کے عرصہ میں فاتحین کے ساتھ آئے یا دوسرے ممالک سے آکر بس گئے ہیں۔ ان لوگوں کے مختلف مذاہب نے بھی ایک خاص مسئلہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ اگر عربوں کا زیادہ تر حصہ مسلمان ہے لیکن عیسائی عربوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور ہم سے خیال میں دنیا کے کسی حصہ میں مشرقی اور مغربی عبادت گاہوں کو باہمی مخالفت اس مقدس مقام سے بڑھ کر اور کہیں نہیں ہے حالانکہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے ہم مختلف فرقوں کو مذہبی نعش کے اطراف یک جا پاتے ہیں۔

تربیتی مدرسہ کے قیام کے وقت ہمیں مختلف درجہ اور مذہب کے لوگوں کو ایک سائبان کے تلے جمع کرنے کی دقت کا مقابلہ کرنا پڑا میرے خیال میں یہ صرف شوری حکومت کے روادارانہ طرز عمل پر لوگوں کے اعتماد کا نتیجہ تھا کہ ہماری تجویز کامیاب ہوسکی۔

ہم ہر طالب علم کو اوس کے اپنے مذہب کی تعلیم دینے کی کوشش کرتے ہیں ۱۹۱۲ء میں جب ہم نے اس کام کو شروع کیا تھا تو ہم کو عیسائی لڑکیاں بکثرت ملتی تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مقابلتاً آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں اور مشن اسکول کی وقتاً فوقتاً حاضریوں کی بدولت اونہیں گھر کی خلوت گزینی ترک کرنے کی عادت پڑ گئی تھی مسلمان لڑکیاں بہت مشکل سے ملتی تھیں صرف غربا کی لڑکیوں یا محتاج یتیموں ہی کو اقامتی مدارس پر شریک ہونے پر مجبور کیا جا سکتا تھا اور انہیں بچوں کو پڑھا کر روزی پیدا کرنے کی غرض سے تربیت دیجاتی تھی۔ ایسی صورتوں میں ان لڑکیوں کا آخری مقصد صرف تنخواہ پانے کی توقع ہوتی تھی اونہیں پیشہ کا شوق نہ تھا لیکن اب یہ بدظنی بتدریج کم ہوتی جارہی ہے چنانچہ گذشتہ ماہ انٹرنس کے امتحان میں (۲۱) جائدادوں کے لئے (۹۶) درخواستیں وصول ہوئیں جن میں (¼) درخواستیں مسلمان لڑکیوں کی تھیں اور اب ہمارے (۶۶) طالبات میں مسلمان لڑکیوں کی تعداد اس نسبت کے مطابق ہے۔

اُمیدواروں کے انتخاب کے لئے بہترین طریقوں کا تعین ہمارے دوسری دقت ہے۔ لڑکیوں کے لئے سرکاری طور پر ثانوی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ ہم ابھی ابتدائی درجہ میں ہیں جب لڑکی (۱۴) یا (۱۵) سال کی عمر میں ابتدائی مدارس کا نصاب ختم کر چکتی ہے تو اس کا تصفیہ کرنا ناممکن ہوتا ہے کہ وہ کامیاب معلمہ بن سکے گی یا نہیں اور اکثر اوقات ناقابل لڑکیوں کو تربیتی نصاب کی تکمیل کے قبل ہی مدرسہ سے نکال دینے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس خیال سے کہ حکومت آئندہ مالی نقصان سے محفوظ رہے ہم نے اب یہ تجویز کی ہے کہ اب لڑکیوں کی شرکت پر دو سال کی غرض مدت کے لئے سالانہ ۲۱ پونڈ فیس لی جائے اور اگر اس کی رفتار ترقی اچھی ہے تو فیس معاف کردی جائے۔

دوسرا مسئلہ جو حل طلب ہے یہ ہے کہ دیہی اور شہری مدارس کی ضروریات کی پابجائی ہم کس طرح سے کر سکتے ہیں شہری مدارس سے لیکر ۱۵ سال کی عمر کی

لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں۔ ان میں چھ جماعتیں ہوتی ہیں جن میں سے پہلی دو کنڈر گارٹن کے اصول پر کام کرتی اور لڑکیوں کو آئندہ تعلیم کے لئے تیار کرتی ہیں۔

ٹریننگ کالج کا چار سالہ نصاب جو کنڈر گارٹن یا معلمی سے متعلق ہوتا ہے ختم کر لینے کے بعد اکثر طالبات شہری مدارس میں کام کرنے کی خواہش کرتی ہیں۔ دیہی مدرسہ کا کام بالکل مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہاں مختلف عمروں کی پچاس لڑکیاں ایک ہی کمرہ میں اور ایک ہی معلمہ کے زیر تعلیم ہوتی ہیں جس کی وجہ سے معلمہ کا کام ہرقلی ہوتا ہے دور دراز دیہاتوں کو بہت کم لڑکیاں جانا پسند کرتی ہیں۔ عیسائی لڑکیاں مسلم دیہاتوں میں نہیں بھیجی جا سکتیں اور مسلم لڑکیاں اوس وقت تک کہیں نہیں جاتیں جب تک کہ وہاں اون کا کوئی عزیز نہیں ہوتا جس کے پاس وہ رہ سکیں۔

ظاہر ہے کہ دیہی مدارس کا نصاب شہری مدارس کے نصاب سے بالکل مختلف ہونا چاہیئے۔ دیہات میں بے علمی، بیماری اور غلاظت (جو خصوصاً قلت آب کی وجہ سے ہوتی ہے) کو دور کرنے کی جد وجہد کرنی پڑتی ہے اور لڑکیوں کو قانع اور بکار آمد زندگی بسر کرنے کے لئے تیار کرنا پڑتا ہے اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک چھوٹے سے مدرسہ میں دو جداگانہ نوعیتوں کی تربیت کا کس طرح سے انتظام کیا جائے اس کا ایک حل تو یہ ہو سکتا ہے کہ دیہی معلمات کا ایک نصاب صرف تین سالہ رکھا جائے اور اس کے ساتھ ضمنی طور پر شہری معلمات کا دو سالہ نصاب شریک کیا جائے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لڑکیاں جن کی مالی حالت خراب ہوتی ہے چھوٹے نصاب کو زیادہ پسند کریں گی۔

تنخواہوں کا مسئلہ بھی ایسا ہے کہ اوس کے متعلق ہوشیاری کے ساتھ تصفیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا دیہی مدرسہ کی معلمہ کو جس کے فرائض نہایت اہم ہوتے ہیں اور جس میں جدت طرازی اور عمدہ کیرکٹر کی دو اہم خصوصیات ہوتی ہیں اپنی شہری ہمجولیوں سے کم تنخواہ ملنی چاہئے؟

دوسرا اصل یہ بتلایا گیا ہے کہ معلماۃ کو شہروں میں متعین کرنے سے قبل چار یا پانچ سال کے لئے دیہاتوں کو کار آموزانہ حیثیت سے بھیجا جائے اس کا نتیجہ اول تو یہ ہوگا کہ دیہی مدارس کی تعلیم نوجوان لڑکیوں کے ہاتھوں میں رہے گی اور دوسرا یہ کہ جب وہ چار پانچ سال کے بعد گاؤں سے شہر کو واپس ہوں گی تو مشق نہ ہونے کی وجہ سے اپنی طالب العلمانہ زندگی میں حاصل کئے ہوئے علم کو کھو چکی ہوں گی۔

ان حالات میں ہم اپنے راستہ کی تلاش میں ہیں اور ہمارا موجودہ نصاب شہر اور دیہات کی متحدہ ضروریات کی تکمیل کی غرض سے مرتب کیا گیا ہے۔ نصاب کا چوتھا سال پیشہ وری تربیت کے لئے وقف کر دیا گیا ہے جس میں معلمی کی بہت کچھ مشق کرائی جاتی ہے۔ طریقہ تربیت کے اہم مسئلہ کے متعلق میں کانفرنس کا وقت نہیں لوں گی لیکن میری خواہش ہے کہ کسی مناسب موقع پر ان اراکین سے جو تربیتی کلیوں کے انتظام کے ذمہ دار ہیں اس بارہ میں بعض سوالات کروں۔

ٹریننگ کالج میں شریک ہونے کے بعد پہلے تین سال تک طالباۃ مابعد تحتانی اصول پر عام تعلیم پاتی ہیں۔ ذریعہ تعلیم عربی ہے اور اس زبان کی پیچیدگیوں کی تشریح کے لئے جس کی صرف و نحو اور لغت بہت وسیع ہے بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ قدیم عربی زیادہ تر لوگوں کے لئے جو دیہی زبان استعمال کرتے ہیں ایک بند کتاب سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لوگوں کی موجودہ نہ کہ قدیم زبان کو نئے علوم کا ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے کسی زبردست مصلح کی ضرورت ہے۔

عام تاریخ اور جغرافیہ عالم نیز عربی بولنے والی قوم کی تاریخ اور جغرافیہ کے تفصیلی مطالعہ کو ہم بے حد اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان دو مضامین کی عمدہ تعلیم قومی اور مذہبی مخالفتوں کو دور کرنے کا بہترین ذریعہ ہے جو ہمارے چھوٹے سے ملک میں وقتاً فوقتاً پھوٹ پڑتے ہیں انگریزی بحیثیت زبان غیر پڑھائی جاتی ہے اور ہر لڑکی

مدرسہ ترک کرتے وقت اس تیسری سرکاری زبان میں اچھی مہارت حاصل کر چکی ہوتی ہے
نصاب کا بقیہ حصہ اون مضامین سے تعلق ہے جو ایک غیر ترقی یافتہ ملک میں لڑکیوں اور
عورتوں کی زندگی پر خاص اثر ڈالتے ہیں۔ میرا اشارہ سوزن کاری مختلف قسم کی دستکاری
نقشہ سازی۔ نمونہ کاری۔ مطالعہ فطرت (جو خاص فلسطین سے تعلق ہوتا ہے) کھانا پکانے
کپڑے دھونے۔ امور خانہ داری حفظان صحت اور بہبودی اطفال کی طرف ہے۔ فلسطینی
لڑکی میں رنگوں اور صورت وشکل کی تمیز کا فطرتی ذوق ہے جسکو اگر تازہ کیا جائے تو حیرت
ناک نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔ ورنہ اس کو اس حالت پر چھوڑ دیا جائے تو یہ لڑکیاں مشینوں کے
بنے ہوئے مغربی بھدے نمونوں کی اس خیال سے نقل اوتارے گی کہ وہ جدید فیشن کے
آخری نمونے ہوتے کے اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔ ہم اس بدمذاقی کی اصلاح ایک نمونہ
کاری کے نصاب کے ذریعہ کر رہے ہیں جو عربوں کے زرین زمانہ کے فن کاری کے نمونوں
پر مبنی ہے۔ نیز اس غرض سے عربی عورتوں کے قدیم لباس کے بیل بوٹوں کے کام وغیرہ
کو زندہ کر رہے ہیں۔ ہماری یہ کوشش کہاں تک کامیاب رہے گی اس کا تصفیہ صرف زمانہ
کر سکتا ہے۔ شہروں میں دیسیوں کا اصلی لباس دن بدن غائب ہوتا جارہا ہے اور مسلمان
لڑکیاں ٹریننگ کالج کو بالکل یوروپی لباس میں آتی ہیں وہ گھٹنوں تک کے گون پہنتی ہیں
سر کے بال کٹواتی ہیں اور اونچی ایڑیوں کے جوتے پہنتی ہیں۔ مدرسہ کا ایک لباس
(school uniform) بنا کر اور سیریں گھر اوں پہننے پر زور دے کر ہم نے کم سے
کم درال میقات میں ایک قسم کے اچھے ذوق اور یکسانیت کو قائم رکھنے کی کوشش
کی ہے لیکن اگر اس پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے تو لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ
ہم لڑکیوں کو موجودہ تہذیب کی نعمتوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ میں یہ عرض کروں گی
کہ یہ مسئلہ اون تمام لوگوں سے متعلق ہے جو مغرب کے قریب رہنے والے مشرقی اقوام
میں کام کرتے ہیں۔ حفظان صحت اور بچوں کی بہبودی کی تعلیم ہمارے کام کا بے حد

اہم جزو ہے۔ ۹ سال قبل میں نے ایک معلمہ سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اس مضمون کی تعلیم دے سکتی ہے۔ اوس نے جواب دیا کہ ہاں اگر مجھے کتاب دو تو دے سکتی ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ اوس زمانہ میں "صفائی" پر ایک درس دیا جا رہا ہے تھا جس کے سلسلہ میں ایک مضمون بلی پر تھا معلمہ نے بلی کی نقل اتار کر بتایا کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو صاف رکھتی ہے بچوں سے کہا گیا کہ وہ معلمہ کی نقل اتاریں۔ چند لمحوں کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ سب چھوٹی لڑکیاں اپنی آستینوں کو چاٹ رہی ہیں اور اپنے منہ پر سے پھیر رہی ہیں۔ اس سبق کا اختتام بھی پرلطف طریقہ پر ہوا۔ جب سب لڑکیوں نے متحدہ طور پر دس مرتبہ یہ جملہ پکار کر پڑھ لیا کہ "بلیاں پرندوں کو کھاتی ہیں"، تو ایک پرندہ کو زمین پر چھوڑا گیا۔ ساتھ ہی ایک بلی جو الماری میں بند تھی پرندے کی طرف جھپٹی لیکن میں نے اوس کو جلد سے پکڑ لیا معلمہ مذکور جماعت کے کام کو حقیقی زندگی کے مطابق بنانے کی انتہائی کوشش کرتی تھی اب ہم اس سے زیادہ اچھے کام کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اب ہمیں محکمہ صحت عامہ سے امداد مل رہی ہے۔ گذشتہ سال ہمارے ہاں کی لڑکیوں نے حفظان صحت اور بہبودی اطفال کے نصاب کے سلسلہ میں مدرسہ کے ڈاکٹر کے ساتھ جا کر علاج کا عملی تجربہ حاصل کیا۔ یہ وہ بیماریاں ہیں جن میں مدرسہ کے (۴۰) فیصد بچے مبتلا ہوتے ہیں۔ اور میں شکریہ کے ساتھ لکھوں گی کہ روزانہ علاج سے یہ فیصد (۹۲) سے جو سات سال پہلے تھا (۴۰) تک گھٹ گیا ہے۔ مواضع میں جہاں نرسیں نہیں ہوتیں یہ لڑکیاں ڈاکٹر کے نسخہ کے مطابق روزانہ علاج کرتی ہیں۔ علاج بہت آسان ہے صرف چند قطرے ٹپکانے پڑتے ہیں اور چاندی کے نائٹریٹ سے چھونا پڑتا ہے حادثات بہت کم وقوع میں آتے ہیں اگرچہ ہم نے حال ہی میں سنا ہے کہ ایک معلمہ نے کونین کی خوراک بطور حفظ ماتقدم دینے کے مدرسہ کے کل بچوں کو سوڈا نائٹریٹ (Soda Nitrate) اندرونی استعمال کے لئے دیدیا تھا لیکن خوش قسمتی سے صرف چند گھنٹوں کی تکلیف رہی۔

بچوں کی کھلائی پلائی کا عملی کام بہبودی اطفال کی مہتمہ کے زیر نگرانی کیا جاتا ہے ایسے ملک میں جہاں بچوں کی اموات زیادہ ہوتی ہیں معلماۃ کی تربیت کا یہ بھی ایک اہم جزو ہے۔

میں نے چند روز قبل کہا تھا کہ ہمارے آخری امتحانات میں علم خانہ داری کا مضمون لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ہم اس مضمون کے عملی تجربات کو خاص وسعت دیتے ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے کالج کے اقامت خانہ میں رہنا لازمی ہے میرا خیال ہے کہ ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ اچھی اخلاقی تربیت صرف اسی طریقہ سے ہو سکتی ہے مسٹر کیامن برومفیلڈ نے اس چیز کی اچھی طرح سے صراحت کر دی ہے اس لئے میں کچھ اور کہنا ضروری نہیں سمجھتی۔ کالج میں قیام لازمی ہونے کی وجہ سے گھر کا سارا کام خود طالباۃ باری باری سے کرتی ہیں۔ اس طرح سے چمنیاں صاف کرنے کا کام اس سے زیادہ محنت والے کام سے بدل جاتا ہے۔ کہیں بستر پھیلانے کا کام ہوتا ہے اور کہیں برتن دھونے کا زیادہ تر وقت سینے پرونے اور دوسرے دستی کام کے لئے وقف کیا جاتا ہے کیونکہ ان معلماۃ کو ایسی لڑکیوں کو پڑھانا پڑتا ہے جو گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہیں اور جنہیں کسی فنوں کی فرصت رہتی ہے۔ صرف عیسائی لڑکیاں دوکانوں اور دفاتر میں کام کرنے کی غرض سے گھر کے باہر نکلتی ہیں۔ اور ان میں سے بھی صرف چند ہمارے بڑے شہری مدارس میں سوزن کاری کی ایک خاص جماعت کھولی گئی ہے جن میں تحتانی تعلیم سے فارغ شدہ لڑکیاں شریک ہوتی ہیں۔ ان سے اجرت تعلیم لی جاتی ہے۔ اکثر لڑکیاں اپنا لباس غربھی تیار کرنے کی غرض سے جماعت میں زیادہ مدت تک شریک رہتی ہیں میں نہایت مسرت کے ساتھ آپ کو یہ معلوم کرانا چاہتی ہوں کہ اخلاقی ترغیب اور بعض اوقات مفتی سے درخواست کرکے ہمارے محکمہ نے بچپن کی شادیوں کو بھی بتدریج گھٹا دیا ہے۔ بچپن کی شادی سے میری مراد گیارہ یا بارہ سال کی عمر میں شادی ہے۔

ہم نے جسمانی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے ہماری اکثر لڑکیاں گذشتہ جنگ کے افسوس ناک مصائب کی وجہ سے ٹھٹری ہوئی اور غیر نشو نما یافتہ ہیں۔ ہم اون کی جسمانی حالت میں کھیل ورزش اور گانے کے باقاعدہ نصاب کے ذریعہ ترقی دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ لڑکیوں کو (Guide) بنانے کا ہے لیکن Guides کا کام کالج کی چار دیواری ہی میں کرنا پڑتا ہے کیونکہ مسلمان والدین پردہ کے اصول کی خلاف ورزی یا ایسے کسی کام سے جو پردہ کے خلاف سمجھا جائے رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔

ادبی و فنی تعلیم کا انضمام

مسٹر ماتھسن نے فنی تعلیم کے بابت جو خیالات امپیریل ایجوکیشنل کانفرنس میں ظاہر سرمائے وہ نہایت قابل قدر ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس وقت جبکہ فنی تعلیم کی طرف سرکار ورعایا کا خاصہ رجحان ہے مندرجہ ذیل مضمون غور سے دیکھا جائے گا۔

مدیر

مسٹر ماتھسن نے نفس مضمون پر تقریر کرنے سے پہلے امپیریل ایجوکیشنل کانفرنس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ وہ دیسی ریاستوں کے نمایندوں کی جانب سے اس امتنان و شکر کے اظہار کی اجازت چاہتے ہیں جو اس کانفرنس کی پہلی دعوت پر انہوں نے محسوس کیا ہے۔ اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رقبہ آبادی اور وسعت کے نظر کرتے دیسی ریاستوں کو سلطنت برطانیہ میں ایک اہمیت حاصل ہے اور اگر چہ کہ سماجی۔ اقتصادی اور تعلیمی مسائل ان کے ہاں بھی بعینہ علاقہ انگریزی کے سے ہیں تاہم ان کی مخصوص اور انفرادی اغراض و مشکلات اور بہت ممکن ہے کہ اپنے تجربوں اور مشاہدوں کی بنا پر جو انہیں تعلیمی تحریکات میں حاصل ہوئے ہیں وہ اس کانفرنس کے لئے کچھ نہ کچھ قیمتی معلومات فراہم کر سکیں۔

مقرر صاحب نے کہا کہ ان کے تفویض کردہ بحث پر گفتگو شروع کرتے ہوئے وہ یہ کہدینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے خیالات (آراء) ایسے تجربات کی بنا پر ہیں جو ریاست میسور (جس کے کہ وہ نمائندے ہیں) اور ہندوستان کے زیر مشاہدہ حصوں کی موجودہ حالات سے مختص ہوں۔ انہوں نے بیان کیا کہ اس وقت یہ خیال میسور میں عام طور پر عمل گیا ہے کہ وہ طرز تعلیم جو آج کل کے تحتانی اور وسطانی مدارس میں رائج ہے اور جس میں صرف ادبیات کی تعلیم و تدریس پر انحصار کیا گیا ہے ملک کے لئے مفید نہیں رہی۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوانان ملک کی ایک بہت بڑی جماعت میں زرعی اور ایسے صنعتی و حرفتی مشاغل سے جو سماجی اقتصادیات کے روح رواں ہیں نہ صرف بے پروائی بلکہ ایک تنفر سا پیدا ہوگیا ہے ملک میں ہر طرف اس کی پکار ہے کہ پیشہ وری۔ فنی اور صنعتی تعلیم کا انتظام اخلاقی و ادبی تعلیم کے عوض یا اس کے ساتھ ساتھ کیا جائے۔ اس وقت میسور میں یا ہندوستان کے اور حصوں میں تعلیمی دنیا کے ارباب حل وعقد کے آگے تحتانی اور وسطانی مدارس میں علمی اور فنی اغراض کا تصادم ایک اہم اور غور طلب مسئلہ ہوگیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم و تربیت کا لحاظ کرتے علمی اور فنی اغراض میں زمانہ قدیم سے روایتاً ایک ضد چلی آرہی ہے۔ تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ عملی قابلیت اور استعداد کے لئے فنی تعلیم دنیا میں پہلے وجود میں آئی اور فلسفہ تعلیم کے ارتقائی مدارج میں علوم ادبیات کے ذریعہ شخصی اور ذاتی تربیت کا خیال اس کے بعد کا ہے۔ مگر مغرب میں سوسائٹی کی درجہ بندی نے اور ہندوستان میں ذات پات نے کہ جس میں اونچی اور نیچی قوموں کے درمیان اہم امتیاز رکھے گئے ہیں علمی و فنی اغراض کی باہمی ضد کو اور بھی قوی کردیا۔ اونچی ذات والوں سے ہندوستان میں اور دولت مندوں سے یورپ میں یہ توقع کی گئی تھی کہ انہیں شخصی تعلیم و تربیت کے لئے زیادہ وقت اور موقع حاصل ہے اور غریب یا نیچ قوم کے افراد سے صرف ضروریات زندگی کی فراہمی کی امید تھی مگر سوسائٹی کی جمہوری تنظیم میں جو سلطنت برطانیہ کے ہر حصہ کے لئے از حد مفید ثابت ہوئی ہے اس طرح سے علم و فن کے اغراض کا تصادم

نہ ہونا چاہیے اور ہر ایک کو اس کا موقع ملنا چاہیے کہ اپنی نمایاں اور مخصوص قابلیتوں کو ترقی دے سکے اور اپنی شخصی اور انفرادی زندگی کو مدارج کمال تک پہونچا سکے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس کے کمال کا معاوضہ ملک اپنے لئے فنی خدمات اور فن کی تعلیم کے شکل میں طلب کرے حقیقی فلسفہ تعلیم میں علمی اور فنی اغراض ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ممد و معاون واقع ہوئے ہیں مثل اور ممالک کے ہندوستان میں بھی حکومت نے پہلے علمی اغراض کی ضرورت کو تسلیم کیا اور ان کی تکمیل کرنی شروع کی فنی ضروریات خانگی طور پر پورے ہوتے یا ان میں قدیم طریقہ استاد وشاگردی کا رائج رہا۔ مگر جب اقتصادی حالات کے تغیر کے سبب ان قدیم تاریخی طریقوں سے موجودہ فنی ضروریات پورے نہ ہو سکے تو ملک نے محسوس کیا کہ باقاعدہ اور منظم فنی تعلیم ایک سماجی ضرورت ہے اس کے لئے بھی حکومت کی اعانت اور اس پر حکومت کا اختیار ویسا ہی لازمی ہے جیسے اور تمام تعلیمی اور تربیتی تنظیموں پر۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی ملک کے مختلف حصوں میں فنی اور صنعتی مدارس کھولے جانے لگے۔ مگر موجودہ ارادوں سے کہیں زیادہ کی ضرورت اس وقت محسوس کی جا رہی ہے۔

جہاں جہاں کہ درجہ بندی اور فرقہ بندی اور ذاتوں کا امتیاز موجود ہے وہاں فنی مدارس علمی مدارس کے دوش بدوش قائم کر دیے جانا بہت کافی سمجھا گیا ہے۔ مگر ایک جمہوری سوسائٹی میں مسئلہ تعلیم کو اس طرح سے حل کرنے کی کوشش کرنا مفید نہیں تحصیل علم کے مواقع سب کو مساوی طور پر حاصل ہونا چاہیئے۔ مساوی مواقع حاصل ہونے سے یہ مطلب نہیں کہ وہ سب کو یکساں میسر ہوں۔ عام مدارس میں جو ایک ادبی اور تعمیلی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے وہ مدارس ابتدائی کی ہر ایک شرکت کرنے والے کے لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ تحتانیہ اور فوقانیہ مدارس اس وقت ایسے مقام سمجھے گئے ہیں کہ جہاں ہر ایک طالب علم کو یونیورسٹی کے اعلیٰ تعلیمی درس گاہوں تک پہونچنے کے لئے تیار کیا جائے۔ یہ نکتہ نظر بدلنا چاہیے ان مدارس میں بہت بڑا حصہ طالب علموں کا ایسا ہوتا ہے کہ جن میں ادبی تعلیم کے اونچے درجوں

تک پہونچنے کی نہ صلاحیت ہے نہ خواہش اور سلسلہ تعلیم کے مختلف منازل پر مزید تحصیل علم کی قابلیت نہ رکھنے سے مدارس سے علحدہ ہوتے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض فنی اور صنعتی مدارس کی شرکت اختیار کر لیتے ہیں مگر اپنے کو حقیر تحصیل علم میں ناکامیاب اور پست درجہ کا انسان سمجھتے ہوئے ایسے طالب علموں کا جو ادبی تعلیم کے بلند منزلوں تک پہونچنے کی صلاحیت نہیں رکھتے مدارس کے مختلف جماعتوں سے اس کثرت کے ساتھ نکلنا نوع انسان کو رائگاں کر رہا ہے اور ملک کے لئے ایک بڑا سماجی نقصان ہے اس تضیع اوقات سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ عام مدارس میں ادبی تعلیم کے مبادیات کے ساتھ ساتھ مختلف قابلیت اور صلاحیت رکھتے ہوئے طالب علموں کو اس کا مساوی موقع دیا جائے جس چیز میں وہ کمال پیدا کر سکتے ہیں اس کی طرف اپنے وقت کے بہت بڑے حصے کو صرف کر سکیں۔ عام تعلیمی مدارس کا فرض ہے کہ وہ انفرادی طور پر ہر طالب علم کے رجحان طبیعت کو معلوم کریں اور اسے نہ صرف زندگی میں اپنا راستہ اختیار کرنے میں مدد دیں بلکہ اس راستے میں آئندہ کامیاب ہونے کے قابل بنا دیں۔ اس اصول کے تسلیم کر لینے اور اس پر کاربند ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مدرسوں میں نصاب تعلیم کو بہت وسیع اور بعض ایسے مضامین کو ضرورتاً داخل کر دیا جائے جو ضروریات زندگی سے متعلق ہوں۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ انگلستان اور بعض دوسرے ملکوں نے اس اصول کی اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے اور طریقہ تعلیم کو اس سانچے پر ڈھال رہے ہیں۔

عام مدارس میں فنی تعلیم کا انتظام کرنا نہ صرف اس لئے ضروری ہے کہ مختلف قابلیت اور صلاحیت رکھنے والے طالب علموں کو مساوی مواقع دئے جائیں بلکہ صنعتی اور فنی تربیت کے ہر ایک تجویز اور طریقہ میں اس طرح کی ابتدائی تعلیم کی شدید ضرورت ہے۔ ہندوستان کے مڈل کلاس جماعتوں میں دست کاری سے ایک گونہ بے پروائی پائی جاتی ہے۔ اور عموماً اس کلاس کے لڑکوں میں نہ دست کاری کی صلاحیت ہے نہ ایجاد کا مادہ علاوہ بریں اس جماعت کے بعض جز ایسے ہیں کہ ان میں تاجرانہ ذکاوت ہے اور نہ کاروبار میں دلچسپی لینے کی عادت۔ سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ سوسائٹی کی ان جماعتوں میں کاریگری سے رغبت صنعت و حرفت سے دل چسپی اور کاروبار کی قابلیت کس طرح پیدا کی جائے۔ اس قسم کی صلاحیت پیدا کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ صرف فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم کے مدارس کھول دیے جائیں بلکہ عام مدارس کے ابتدائی تعلیم و تربیت میں ان کا خاص لحاظ رکھا جائے کہ لڑکوں کو "آنکھ اور ہاتھ کی استعمال"، کی تعلیم دی جا سکے۔ اور ان میں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے اور مشکلوں کے حل کرنے کی قابلیت پیدا کی جائے۔ اگر فنی مدارس کو حقیقتاً مفید بنانا ہے تو عام مدارس کے نصاب میں اس طرح کی اصلاح چاہیئے کہ نہ صرف لڑکوں کو عقل استعمال کرنے اور ہاتھ سے کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے والی تربیت کو بھی اس نصاب میں ایک مقام دیا جائے بلکہ ادبیات کے ساتھ ساتھ معقولات کی بھی تعلیم ہو۔ ان مدارس کی آخری جماعتوں میں چند خود اختیاری فنی کورس ایسے رکھے جائیں کہ جن میں پیشہ وارانہ مشاغل سے دل چسپی اور میلان پیدا کرنے کا بلکہ پیشوں کو اختیار کرنے میں سہولت پیدا کرنے والی تعلیم کا طلبہ کی اس بہت بڑی جماعت کے لئے انتظام کیا جائے جو یونیورسٹی تک پہونچنے کی نہ اپنے میں صلاحیت رکھتے ہیں نہ دارالعلوم کے مصارف برداشت کرنے کی استعداد اور اس لیے مجبور ہیں کہ فنوں اور پیشوں کے تعلیم دینے والے مدارس میں داخل ہوں یا صنعتی مشاغل اور تاجرانہ کاروبار میں منہمک ہو جائیں۔

اس امر پر خصوصیت سے زور دیا جانا چاہیئے کہ صنعتی یا فنی مدارس کے اغراض و مقاصد اور طرز تعلیم میں اور عام مدارس کے فنی تعلیم کے طریقوں میں نمایاں اور اصولی فرق ہو۔ عام مدرسوں میں فنی تعلیم بالراست مخصوص فنون سے متعلق نہ ہو بلکہ ایسی عام ہو کہ طلبہ کو آگے چل کر مختلف فنوں اور پیشوں سے متعلقہ تعلیم حاصل کرنے میں سہولت ہو سکے اور ان میں انسانی پیشوں کی قدر افزا بصیرت۔ ان سے ہمدردانہ مواصلت اور فنی ذکاوت پیدا ہونی چاہیئے۔ علاوہ بریں یہ نصاب عام تعلیمی اغراض کے ماتحت ہوا کرے۔

اس کے برعکس فنی یا صنعتی مدارس میں اس کی کوشش کی جائے کہ لڑکوں میں مخصوص فنون کی مہارت اور کام کرنے کی قابلیت پیدا ہو۔ اول الذکر نصاب عام تعلیم میں فنی رجحان پیدا کر دیتا ہے۔ طلبہ کو اس کا موقع دیتا ہے کہ مختلف آزمائشیں کریں تاکہ انہیں اپنی فطری قابلیت اور میلان طبیعت کا اندازہ ہو۔ علاوہ اس کے اگر وہ آئندہ کسی مخصوص فن کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو موجودہ نصاب اس کے لئے منزل اول ہو جائے اس کے مقابل میں فنی مدارس کی تعلیم محدود نفع کے اصول کو پیش نظر رکھنے والی ایک خاص پیشہ یا فن کے لئے تیار کرنے والی اور بیوپار اور کاروبار کے اقتصادی کیفیات کا نمونہ ہوتی ہے۔ ان سب باتوں کے علاوہ عام مدارس کی فنی تعلیم نہ صرف عام اور عوام کو فائدہ پہونچانے والے نصاب سے مطابقت کرتی ہے بلکہ اس نصاب کا ایک حقیقی اور قیمتی جز ہو ساتھ ہی ساتھ فنی اور پیشہ وارانہ مدارس میں عام تعلیمی مضامین کو ایک چھوٹی سی ہی جگہ دے کر یہاں کے نصاب کو محدود تنگ اور نفع خاص سے مختص نہ رہنے دیا جائے۔

عام مدارس اور فنی مدارس کا باہمی تعلق اس طرح قایم کرنا چاہیئے کہ تعلیمی اور فنی اغراض ہم آہنگ ہوتے جائیں تعلیم عام کے تین درجوں (تحتانیہ۔ وسطانیہ اور فوقانیہ) کی مطابقت کرتے ہوئے فنی تعلیم کے بھی تین درجے قرار دئے جائیں۔ اس نصاب کا ابتدائی یا تحتانیہ درجہ اس غرض سے ہو کہ وہاں مزارعین۔ اہل حرفہ۔ دست کار اور فیاکٹری میں کام کرنے والوں کو تعلیم دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نصاب تعلیم عام کے تحتانیہ درجہ کی کہ جہاں پڑھنا لکھنا اور ابتدائی ریاضیات سکھائے جاتے ہوں، مطابقت کرتا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہاں آنکھ اور ہاتھ کے استعمال کرنے کی اور ذکاوت۔ قوت امتیاز اور قوت تحریک کے کام میں لانے کی تعلیم دی جائے گی۔ ہندوستان میں جہاں کہ دیہی آبادی زیادہ ہے اس ابتدائی درجہ کا طریق تعلیم مقامی خصوصیات اور حالات سے خاص مناسبت رکھتا ہوا ہو کہ طلبہ اس میں ایک گونہ واقف کارانہ اور معقول دلچسپی

نہ لے سکیں۔ دیہی حلقوں میں اس ابتدائی تعلیم کا "مغز" باغبانی ہوا کرے۔ ان مدارس
تحتانیہ کے آخری تین درجوں میں (جو ہندوستان میں مڈل اسکول کہلاتے ہیں) جہاں
طلبہ کی عمر عموماً تیرہ یا چودہ برس کی ہوا کرتی ہے نصاب میں فنی درس اس طرح داخل
کئے جائیں کہ لڑکوں میں فنون اور پیشوں کی طرف میلان پیدا ہو جائے۔ مقرر نے بیان
کیا کہ میسور میں آج کل یہی ہو رہا ہے۔ متعدد مدارس میں ایسے فنی مضامین نصاب میں
داخل کئے گئے ہیں جیسے زراعت، کیڑوں سے ریشم نکالنا، نجاری، بید کا کام، دباغت کا
کام، چمڑے کا کام، پارچہ بافی، آہنگری لڑکوں کے لئے اور خیاطی اور زردوزی کا کام
لڑکیوں کے لئے۔ فنی تعلیم کے ثانوی درجہ میں طلبہ کو ایسی صنعتوں اور صنعتی مشینوں وغیرہ
کی تعلیم دی جائے جس میں مستعملہ سائنٹفک قوتوں اور ذریعوں کو سمجھنے اور استعمال کرنے
کی قابلیت طلبہ میں پیدا ہو سکے۔ فنی تعلیم کے اس دوسرے درجہ کے شروع ہونے کے
پہلے عام تعلیم کا ثانویہ مدارس میں نصاب ایسا ہونا چاہیئے کہ تعلیم حقیقی یعنے علمی سائنس کو
اس طرح سکھلایا جائے کہ طبیعی اور فطری علوم میں اور ریاضیات و ہندسہ کے مبادیات
میں طلبہ کو اچھا وقوف حاصل ہو۔ اس درجہ کے آخری دو سال میں مختلف فنی مضامین
میں سے اپنے لئے کسی ایک کو اختیار کر لینے کا طلبہ کو موقع دیا جائے اور اس اختیار
کردہ فن کے لئے تعلیم کا انتظام رہے۔ یہاں پیشوں اور فنون کا مرتبہ مدارس ابتدائی
کے آخری کلاسوں کے برعکس صرف دست کاری کے درجوں تک محدود نہ ہونا چاہیئے
بلکہ طریقۂ تعلیم ایسا وسیع اور سودمند ہو اور اس میں سائنس کا جز اس قدر شامل رہے
کہ لڑکوں کو اپنی عقل و ذکاوت کے استعمال کرنے کا اور اپنے سائنٹفک معلومات کے
ہوشیاری کے ساتھ کام میں لانے کا موقع ملا کرے۔ اس ضمن میں میسور کے مدارس
فوقانیہ میں حسب ذیل فنون و پیشوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ الکٹرک وائرنگ (برقی
کا مکانوں میں چراغوں میں پنکھوں میں جھولوں میں یا اسی قسم کے دوسرے موقعوں پر

بانا) جائنری فیٹرس کا کام (نجاری کا ایک اعلیٰ درجہ) خطاطی اور چھاپہ خانہ کا کام۔ سروے (پیمائش) اور نقشہ کشی کا کام۔ پارچہ بافی، شارٹ ہینڈ، ٹائپ رائٹنگ۔ کاروباری خط و کتابت اور کاروباری حسابات اور کتابات کا رکھنا۔ تجویز یہ ہوئی ہے کہ جیسے جیسے سرمایہ اجازت دیتا جائے ویسے ویسے دوسرے مضامین بھی نصاب میں داخل ہوتے جائیں مثلاً زراعت، دواسازی اور دوافروشی تلغراف کا کام موٹر درست کرنے اور صاف کرنے کا کام۔

غرض یہ ہے کہ بقول کارلائل ہر موقع پر تربیت کا انتظام ہو سکے ثانویہ مدارس کی اونچی جماعتوں میں اور مدارس فوقانیہ میں طلبہ کو اس کا موقع دیا جائے کہ عملی تحریکات کے مختلف شعبوں میں آزمائش کر کے دیکھ لیں اور ایسی تحریکات اور فنوں میں انتخاب کا موقع حاصل رہے اور وہ بھی اس طرح سے کہ ہر بعد کا انتخاب پہلے انتخاب سے مقابلتاً محدود دائرہ میں ہوتا کہ بتدریج انتخاب کرنے والا کسی ایک خاص فن یا پیشے تک پہونچنے کے قابل ہو سکے سب سے اول ابتدائی تفریق ان لوگوں میں ہو جو بالکل عام تعلیمی نصاب اختیار کرنا چاہتے ہیں اور وہ لوگ جو فنی یا عملی تعلیم کی طرف راغب ہیں مدارس ثانویہ طلبہ کو ایسے راستے پر لے چلیں کہ جہاں انھیں اپنے لئے کسی خاص تجارت فن یا پیشے کے انتخاب کرنے کا موقع ملے اور جس کی تحصیل کے لئے وہ فنی مدارس میں باقاعدہ شرکت کر سکیں۔

مقرر صاحب نے بیان کیا کہ وہ فنی تعلیم کے ان اعلیٰ درجوں پر بحث نہیں کرنا چاہتے جو تعلیم عام کے مدارج جامعہ سے مساوی ہوں کیونکہ یہ مضمون ان کے مبحث سے خارج تھا بلکہ انہوں نے اپنی تجاویز کو اجمالاً پانچ سرخیوں میں ظاہر کیا جو حسب

(۱) فنی تعلیم اور تعلیم عام کے اغراض و مقاصد ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

واقع نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے کے لئے تکمیل اور اتمامی ہوں

(۲) مدارس عام کے جملہ کلاسوں میں جو تعلیم دی جائے وہ ایسی نہ ہو کہ طلبہ کو صرف یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے تیار کر سکے بلکہ ان لوگوں کے لئے جو ادبیات سے دلچسپی نہ رکھتے ہوں اور فنوں اور پیشوں کی تحصیل کا خیال رکھتے ہوں مفید ثابت ہو۔

(۳) عام مدارس کے نصاب کو اس طرح بدلا جائے کہ ان میں فنی مضامین کی تعلیم ضروریات زندگی کے عملی حالات کو مدنظر رکھ کر دی جائے۔

(۴) عام مدارس کا فنی نصاب اس طرح تجویز کیا جائے کہ طلبہ میں فنون کی طرف میلان پیدا ہو نہ اس طرح سے کہ ان میں خاص فنون کی مہارت پیدا کر دی جائے کیوں کہ یہ کام فنی اور پیشہ وارانہ تعلیم کے مدارس سے متعلق ہونا چاہیئے

(۵) فنی تعلیم و تربیت کا نصاب درجہ بدرجہ تعلیم عام کے نصاب سے مطابقت کرتا رہے۔

حافظہ اور معنی
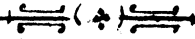
اگر ہم نظم کے ایک مصرع کو یاد رکھنا چاہیں تو اس کے لئے کم وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اتنے ہی الفاظ کی تعداد کو نعبت سے لے کر حفظ کریں تو نسبتاً بہت زیادہ وقت درکار ہوگا۔ اس بات کی وجہ کہ نظم یاد کرنے میں کم وقت صرف ہوتا ہے یہ ہے کہ اس میں الفاظ مل کر معنی پیدا کرتے ہیں اور دوسری صورت میں یہ بات نہیں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم ایک عام قاعدہ کو معلوم کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ معنی کے تعلق کی وجہ سے حافظہ کو مدد ملتی ہے اور یاد رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

لہٰذا ہم کو ہر اس چیز کے معنی معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کو ہم یاد رکھنا چاہیں اور اگر کسی چیز کے کوئی معنی ہی نہ ہوں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ بلاوجہ ہم اپنے دماغ کو اس سے بوجھل بنائیں؟ یہ سچ ہے کہ بعض لوگوں کا حافظہ الفاظ اور فقرات کے لئے اچھا ہوتا ہے۔ لیکن یہی بات طوطوں اور کمسن بچوں میں بھی ہوتی ہے غلط فہمی سے اس بات کو ذہن کی چالاکی یا ہوشیاری تصور کر لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ بعض اشخاص ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو حافظہ کی قوت پر فخر کرتے ہیں لیکن مقصد و منشاء اور کمال کے نظر کرتے اس قوت کا اس حافظہ سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جو ہر اس چیز کے معنی سمجھنے پر مبنی ہوتا ہے جس کا یاد رکھنا ضروری ہو۔ ہم کو چاہیئے کہ کوشش سے اس قسم کی فہم حاصل کریں۔

ہمارا جو کچھ مطلب ہے اس کی ایک مختصر مثال ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اندازاً بارہ اعداد کی ایک قطار تیار کرتے ہیں:-

۲۰۱۵۱۲۹۱۶۶۱۰۶۶

بغیر کسی زیادہ تکلیف کے ہم ان اعداد کو یاد رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان ہی اعداد کو معنی کے لباس سے آراستہ کر دیں گے تو ان کا یاد رکھنا بدرجہا آسان ہو جائیگا ذیل میں یہی بارہ اعداد درج ہیں:۔

۱۰۶۶ ، ۱۲۱۵ ، ۱۴۹۲

اب بتلاؤ کہ دونوں میں کونسا طریقہ یاد رکھنے کے لئے آسان تر ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرا طریقہ، اس لئے کہ ہم نے ان اعداد کو تین مسلسل سنین میں منقسم کر دئے ہیں۔ جن کو شاید ہم مدرسہ میں پڑھ چکے ہیں۔

کاروبار میں ہر چیز کے کچھ نہ کچھ معنی ہوتے ہیں اور ہمارا کام یہ ہے کہ ان معنوں کو معلوم کریں۔ موجودہ دنیا میں بے کار یا بے معنی اشیاء کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اعداد، قیمت، مقدار، صفت، ترتیب وغیرہ کسی چیز کو ظاہر نہیں کرسکتے؟ کسی حالت میں بھی جب ان کو یاد رکھنا ہو تو تم کو چاہیئے کہ ان سے کچھ نہ کچھ معنی متعلق کر دو تم اس بات کو بھول سکتے ہو کہ کوئی عدد ۳۲ ہے یا ۲۳ اور متعجب ہو سکتے ہو کہ کونسا عدد پہلے تھا۔ لیکن یہ اعداد ان روپیوں کو ظاہر کریں جو تم کو اپنی آئندہ تنخواہ سے ادا کرنا ہے تو تم ان دونوں اعداد کو کبھی مخلوط نہ کرسکو گے اس حالت میں ان کو مخلوط کرنا یا بھول جانا ناممکن ہوگا۔ یہی خیال تم اپنے کاروبار سے بھی متعلق کر دو۔ اور نہ ہی مردہ مواد سے بالکل سروکار رکھو بلکہ اس کو حقیقت سے مربوط کر کے زندہ اور قوی کر لو تو پھر حافظہ ہر موقع پر تیار رہے گا۔ ہم بار بار یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ حافظہ میں ناکام ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ صرف آواز نہ کہ مطلب کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم کو چاہیئے کہ اس پرانے ضرب المثل کے مطابق عمل کریں:

(Take care of the sense) مطلب کی احتیاط کرو اور آواز خود اپنی آپ احتیاط کرلے گی (and the sounds will take care of themselves)

اب ایک لمحہ کے لئے اگر ہم اپنی اعداد والی مثال پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کو بطور تواریخ تسلیم کرنے کے علاوہ ہم کچھ اور بھی کئے ہیں یعنی یہ کہ مفرد اعداد کو چار چار کے مجموعوں میں ترتیب دینے سے ہم اپنے خیال کی وحدت یا (اکائی) کو وسیع کئے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی اہم اصول ہے ہم کسی جانب بھی اس وقت تک زیادہ ترقی نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم بڑے بڑے مجموعہ ہائے خیال (اکائیاں) تیار کرنا شروع نہ کر دیں جب ہم چار چار عدد کو سمجھ جاتے ہیں تو ایک ایک عدد کو سمجھنے سے بہت زیادہ ہم ترقی کر سکتے ہیں۔

بچہ اپنے پیسوں میں پہلے دھیلے اور رفتہ رفتہ ایک پیسہ کا تصور کرتا ہے۔ مدرسہ کی عمر کو پہنچنے تک وہ غالباً چھ پیسوں کا تصور کر سکتا ہے۔ اس کی ماں ان روپیوں کا خیال کرتی ہے جن کو وہ اس ہفتہ مکان پر خرچ کرنے والی ہوتی ہے اور باپ غالباً کئی سو روپیوں کو ایک اکائی کے طور پر تصور کرتا ہے۔ اور اگر وہ کوئی محاسب ہو تو غالباً دوسروں کے روپیوں کی نسبت ہزار کو ایک اکائی تصور کر سکتا ہے باپ اگر صرف دھیلے ہی کا تصور کرتا رہے تو اس کو کام کرنا بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا قومی فضول خرچی بھی اسی سلسلہ کے مشابہ ہے جو حد سے زیادہ عمل میں لایا گیا ہے۔ اُس وقت ہم کئی لاکھ کا تصور ایک اکائی کے طور پر کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس قدر رقم تک اپنا ہاتھ بھی نہیں لے جا سکتے۔

معمار بھی ایک معمولی خشت ساز ہے۔ اس لئے کہ وہ اینٹوں پر ہی غور کرتا رہتا ہے اور جب تک وہ ان چھوٹی اکائیوں کا خیال کرتا رہے گا نہایت ہی غربت کی حالت میں رہے گا۔ جوں ہی وہ اپنی اکائی یا وحدت خیال کو صدہا یا اس سے زیادہ تک

وسیع کر دے گا تو بہت جلد وہ ایک سربر آوردہ معمار بن جائے گا۔ اور جب وہ پورے ٹھیکہ کا ایک اکائی کے طور پر تصور کرے گا تو غالباً معماروں کا سردار ہو جائے گا یا خود اپنے میر عمارت کی حیثیت اختیار کرے گا اس لئے کہ اس کی اکائی اس وقت اتنی بڑی ہو گی کہ اینٹ کے مختلف اقسام اس میں شامل رہیں گے۔ بالکل اسی قسم کی ترقی الفاظ سے لے کر ادب تک ہے پہلے ہم حروف تہجی میں پھنسے رہتے ہیں۔ اس کے بعد یک حرفی دو حرفی، سہ حرفی، چہار حرفی، پنج حرفی الفاظ کے ساتھ درجہ بدرجہ پھنسے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایک ہی نظر میں ہم تمام الفاظ پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور حروف کے متعلق کچھ خیال ہی نہیں کرتے۔ اس کے بعد ہم جملوں اور فقروں کو لیتے ہیں کہا جاتا ہے کہ ایک رسالہ کے مدیر کا حس اس بارہ میں اس قدر ترقی یافتہ ہوتا ہے کہ پورا مضمون اس کے واسطے ایک اکائی کا کام دیتا ہے۔ اور ایک ہی نظر میں پورے مضمون کو سمجھ لیتا ہے۔ غالباً یہ صحیح ہے اور ممکن ہے کہ غلط ہو۔ لیکن ہر حالت میں معلومات میں ترقی کا ذریعہ بھی بڑی بڑی اکائیوں کو ترتیب دینے کا ہے اور صرف معلومات و معنی ہی حافظہ کی ترقی کا باعث ہیں۔

میں نے ایک پست قد لڑکے سے ایک کارخانہ میں ایک دن گفتگو کیا۔ جہاں کے کاروبار ابھی ابھی ایک محدود کمپنی میں منتقل ہو چکے تھے میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ ڈائرکٹر ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا "نہیں" میں نے اس کا سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ جب وہ بڑا ہو جائے تو خود اپنا ذاتی کارخانہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اب یہاں مقام غور ہے کہ اس کا جذبہ کس قدر صحیح اُصول پر مبنی ہے۔ تیل کی قندیلوں سے صفائی اشیاء کا کام اور اس سے مرمت اشیاء کا کام اور اس سے آگے اپنا ذاتی کارخانہ قائم کرنے کا خیال۔ ہر قدم پر اکائی حسب طریقہ بالا وسیع اور وسیع تر ہوتی گئی ہے۔ اور تخیل ہمت اور جرأت دلاتا گیا ہے یہ لڑکا ضرور ترقی کرے گا اس لئے کہ وہ صحیح راستہ

پر گام زن ہے۔

جب ہم کسی قدر طویل چیز کو یاد رکھنا چاہیں۔ چاہے وہ کوئی نظم ہو۔ یا غزل یا ڈرامہ کا کوئی حصہ تو ہم کو چاہیئے کہ اس کو شروع سے آخر تک پوری طور پر پڑھ لیں تاکہ اس کا عام مطلب سمجھ میں آجائے۔ جب یہ صاف ہو جائے تو فرداً فرداً اشعار یا حصص کو یاد کریں اور قدرۃً وہ اس طریقہ سے یاد رہ جائیں گے لیکن اگر ہم عوام کے مانند عمل کریں اور اس کا ایک ایک شعر یا ایک ایک حصہ یاد کریں تو جب تک ہم آخری حصہ تک نہیں پہنچیں گے معنی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ اس طریق عمل سے غیر ضروری اور بے کار محنت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اور دوسرے طریق عمل سے وقت کم صرف ہوتا ہے اور نتیجہ بہتر ظاہر ہوتا ہے۔

الفاظ کے معنی اور اکائی کو وسعت دینے کے متعلق متذکرہ بالا خیالات اکثر حالات میں کار آمد ہیں مثلاً موسیقی میں تناسب کے معنوں کا علم ہی ایک بڑی مدد ہے۔ اور موسیقی کا حافظ حقیقی معنوں میں بغیر اس کے ناممکن ہے صنعت و حرفت میں یہ بات بے کار ہوگی کہ ہم کسی ایسی مشین کو دیکھ کر یاد رکھنے کی کوشش کریں جس کے لاتعداد پرزوں اور حصوں کے معنی سے ہم ناواقف ہوں۔ لیکن جیسے ہی ہم ان حصوں کے معنی کو سمجھ لیں گے تو مشین کے متعلق ہمارا حافظہ قوی ہو جائے گا۔ الفاظ کے ہجوں کے متعلق بھی اس کے معنی کی وجہ سے جو ماخذ لفظ کے لحاظ سے ہوں۔ ہم بہت سی غلطیوں سے باز رہیں گے بہر حال معنی جاننے کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جن کے اظہار کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔

تعلیم بذریعہ قصہ گوئی

(۲)

قصہ گوئی گانے کے میلان کو ابھارتی ہے

مدارس نہ صرف عوام کے لڑکے لڑکیوں کو تربیت ہی دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں کھانے کمانے کے قابل ہو جاویں بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ ان کے لئے ایسے ذرائع مہیا کریں جن سے وہ اپنے دلوں کو خوش بھی رکھ سکیں اور ان میں وسیع اور گہرے جذبات پیدا ہو جاویں اس کی روحیں قوی ہو کر اس قابل ہو جاویں کہ ان میں حقیقت اور خوبصورتی کا احساس ترقی کر جائے اور اپنے ابنائے جنس کے غم و شادی میں ان کی ہمدردی بڑھ جائے۔ اس لئے بعض مدارس میں مصوری و موسیقی بھی داخل درس ہے جو فنون کی بڑی شاخیں ہیں لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم بچوں کو ایک پیشہ ور گویا یا مصور بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ معمولی طور پر ان میں عام انسان بننے کی صلاحیت پیدا کرا دیتے ہیں کہ وہ رنگ و خوبصورتی کو سراہ سکیں اور اس طرح اپنا دماغ وسیع اور دل کو خوش کر سکیں۔

نوجوان جو سنتے ہیں اس سے ان کا مذاق ترقی کرتا ہے۔ جس بچے کو بہتر لوگوں کی صحبت ملے گی اس کی زندگی بھی بہتر ہو گی اور وہ خود بھی دوسروں کو خوش کر سکے گا۔ علاوہ اس کے بچوں کو گانے اور ایکٹ کرنے کی تعلیم دینا چاہیئے اور ان کو اس کے مواقع دینے چاہئیں کہ وہ اچھا گانا سن سکیں اور موسیقی کے ٹکڑے کو زیادہ دلچسپ بنانے کے لئے اس کے مصنف کے قصہ کو بھی بیان کرنا چاہیئے۔ اس طرح وہ موسیقی کے اعلیٰ مذاق کے دلدادہ ہو جاویں گے۔ ایک اٹلی کے شاعر کا قول ہے کہ جو شخص دنیا کو ایک اعلیٰ خیال یا نیا راگ دیتا ہے وہ گول کنڈہ کے ہیرے سے بھی بیش قیمت ہے۔ اس لئے جو شخص بچے کو ایک اعلیٰ خیال یا موسیقی کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے وہ کچھ اس سے کم

قیمتی کام انجام نہیں دیتا جو اس کے مصنف نے کیا ہے۔ وہ بھی مثل اس معمار کے ہے جو ایک بنیاد پر مضبوط عمارت کو تعمیر کرتا ہے اس لئے اس قسم کی محنت بھی بلا معاوضہ پائے ہوئے نہیں رہتی۔

قصہ گوئی فنون لطیفہ کی خوبیاں سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

جو بچہ ابتدا ہی سے عمدہ تصاویر دیکھتا ہے تو اس کو ان کی شناخت کی عادت پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ رنگین یا چمکیلی تصاویر کو پسند نہیں کرتا۔ اس کا مذاق عمدہ اور نفیس تصاویر دیکھنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اس سے کم درجہ کی شئے پسند نہیں کرتا۔ ایک عمدہ نمونہ مصوری کو دیکھکر اس کو خوشی ہوتی ہے اور بھڑکیلی تصاویر سے تنفر پیدا کرتی ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہ فطری طور پر اس سے بے پرواہ بلکہ وہ اعلیٰ شہ پاروں کی قدر و قیمت کو سمجھنے لگتا ہے۔

مدارس اور مکانوں میں صرف درجہ اعلیٰ کی تصاویر کا رکھنا اور بچوں کو ان کے متعلق کچھ بتلانا کافی نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ ان کی خوبیوں کی طرف متوجہ بھی کئے جاویں تو صرف اس قدر کہ ان کا مفہوم و مقصود سمجھ جاویں اور ان کو یہ بھی خیال ہو کہ کتنا استقلال اور کس قدر وقت ان کی تیاری میں صرف ہوا ہوگا۔ معمولی طور پر بچوں کو قبل اس کے کہ ان کا مذاق خود ہی درست ہو اس کی طرف توجہ دلانا چاہیئے۔ تاکہ ان کا مذاق صحیح ہو سکے لیکن کیا تصاویر کی تربیت ان کی خوبیوں کا احساس اس کو کرا دے گی۔ نہیں اس وقت قصہ گوئی نہایت متعجب خیز کام کرسکتی اور اس طرح ہم بچے کی دلچسپی کو دوبالا کرسکتے ہیں۔

فنون کے میدان میں سوانحی قصہ جات غیر معمولی طور پر قیمتی ہوتے ہیں۔ کیوں کہ ایک صناع کی زندگی کے حالات اور اس کے شہ کاروں کی نقل پیش ہونے پر ان میں احساس پیدا ہونے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ صناعی کی خوبیوں کے پرکھنے کا معیار مقرر

کرنے میں بچپن کی دل چسپیوں کو مد نظر رکھنا چاہیئے کیونکہ بہت سی تصاویر جو بہتر تو ہوتی ہیں لیکن انہیں بچوں کو دکھلانا بے کار ہوتا ہے۔

قصہ گوئی اور تعلیم مذہب | تعلیم کا کام نہ صرف علم سکھانا یا ایسی قابلیت پیدا کرنا ہے جس سے آئندہ مزید ترقی علم ہو سکے اور جس سے وہ اپنی زندگی کی جدوجہد کر کے کامیابی تک پہونچ سکے بلکہ اس کو اس درجہ کی مذہبی تعلیم بھی دینا ہے جو اس کو دوسرے انسانوں میں زندگی بسر کرنے کے قابل بنا دے تاکہ اوروں کے جذبات کی قدر کرنا سیکھ لے۔ جیساکہ گوئٹے نے کہا ہے "اپنے سے بڑوں کی توقیر چھوٹوں کی عزت اور برابر والوں کی قدر کرنا" اس کو یہ سکھانا چاہیئے کہ وہ یہ جان سکے کہ خود اس کی ہستی ایک بڑے کل کا جز ہے اور شخصی خواہشات سے بہتوں کا بھلا ہوتا ہے۔ اس کو یہ بھی سکھانا چاہیئے کہ ایک فرد کی حیثیت سے اس کے ذمہ سوسائٹی کے کچھ فرائض ہیں۔ سوسائٹی میں جو قوانین ہوتے ہیں اُن کی اطاعت اور ان اصولوں کی پیروی جن سے ایک خاندان مشترکہ طور پر خوشی سے بسر کرتا ہے شہری اور قومی زندگی کیا ہے، ہر ایک مدرس کو چاہیئے کہ وہ مذہبی تعلیم میں اس بات پر خاص توجہ دے کہ کیا حق اور کیا غلط ہے جس کو عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور ان ہی خیالات کو ایسی پختگی کے ساتھ ذہن میں جمانے کی کوشش کرے کہ جس سے وہ نقش کالحجر ہو جاویں۔

مذہبی معیار قائم کرنے میں بھی بالکل اسی اصول پر چلنا چاہیئے جیساکہ فنون لطیفہ ادب یا موسیقی کے لئے ضروری ہے۔ ہم کو اس کے عقلی جذبات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور اس کو یہ معلوم کرانا چاہیئے کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے وہی صحیح ہے۔ بعض واقعات یا نصائح پیش کرنے پر یہ کام پورا نہیں ہو سکتا۔ ہر مدرس اس سے واقف ہے کہ جو وقت بچے کو ہدایات دینے میں صرف ہوتا ہے اس کا نتیجہ بہتر نہیں ہوتا تو اس کے لئے ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ اس کو صرف یہ سنا دینا کہ تم فلاں کام کرو اور فلاں مت کرو کافی نہیں ہے

جس وقت اس کو حکم دیا جاتا ہے تو خوف کی وجہ سے اس کی اطاعت کرتا ہے لیکن یہ ڈھنگ اس کے کردار کو جو قوت کا نتیجہ ہے مضبوط نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی کام کے اعلیٰ معیار تک پہونچا سکتا ہے۔ وہ بچے کو ضدی کر کے اور بھی سخت کر دیتا ہے کہ وہ ہی اول موقع پر ان احکام کی خلاف ورزی کرے۔ مذہبی تعلیم کا یہ منشا نہیں ہے کہ بچے کو روکیں بلکہ اس کو اس قدر روشن خیال بنا دیں کہ وہ اس نقطہ پر پہونچ کر خود ہی اپنی محافظت کرے جیسا کسی کا قول ہے کہ اس کا مقصد بہترین نفع اٹھانا ہے۔ وہ اس قدر ترتیب کن ہے کہ بچہ اس کو بڑے شوق و محنت سے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ جو خیال اپنے پیش نظر رکھتا ہو وہ ایسا خوبصورت ہو کہ اس کے حصول کے لئے وہ ہر قربانی اور سختی اٹھانے پر تیار ہو جاوے۔ اس لئے ذریعہ قصہ خوانی اس کو اس منتہائے نظر کی طرف لے جانا چاہیئے جس سے وہ نہایت صفائی سے بہ نسبت کسی دوسرے طریق کے سمجھ سکتا ہے۔ کیوں کہ قصہ اچھے کاموں کی ترغیب دیتا اور برے افعال سے نفرت دلاتا ہے۔

مذہبی تعلیم دینے میں اس کی سخت ضرورت ہے کہ مضمون صحیح طور پر اخذ کیا جاوے اور جو قصے اس کے لئے استعمال کئے جاویں اس کے سن کے لحاظ سے بھی موزوں ہوں اور ہر قصہ میں ایک سبق آموز شئے ہونا چاہیئے جس کو لڑکے لڑکیاں پڑھ کر ایک مضبوط اور سچی زندگی گذارنے کے قابل ہو جاویں۔ اخلاقی تعلیم گود ہی سے شروع ہونی چاہیئے اس کے لئے ماں یا مدرس کو ابتدائی قصہ جات کی ضرورت ہے۔ جن کی مذہبی قدر ہو۔ ان کو اتنی ہی جلد شروع کرنا چاہیئے جتنی کہ جھولے کے قصص شروع ہوتے ہیں بالکل ابتدا ہی میں بچے کو اس یقین پر لانا چاہیئے کہ دنیا میں ایک اعلیٰ قانون بہ نسبت اپنی مرضی یا خوشی کے بھی موجود ہے۔ اس کو اطاعت سکھانا صفائی جانوروں پر رحم۔ حق العباد کی نگہداشت سچائی محنت ایمانداری اور خلق لازمی ہے۔ اور یہ اسباق سوائے قصہ گوئی کے کسی دوسرے طریقہ پر بچہ کے ذہن نشین نہیں کئے جاسکتے۔

ایسے قصص جن میں بچوں کو نقدی انعامات دئے جاتے ہیں تو ان میں بیان کرنے والے کو اس بات پر زور دینا چاہیئے کہ سب سے بڑا انعام وہ اطمینان دلی ہے جو کسی اچھے کام کو انجام دینے پر حاصل ہوتا ہے۔ کیوں کہ جو بچہ زیادہ تر مادی انعام کا ذکر سنتا رہتا ہے تو اکثر اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ روپیہ یا مٹھائی اچھے لفظوں میں اعتراف ہی اچھے کرموں کا صلہ ہے اگر کسی وقت اس کو انعام نہ ملا تو وہ اچھے کاموں ہی کو شروع سے بے فائدہ خیال کرنے لگتا ہے۔ بہت سی حکایات یا پریوں کے قصص خاصی مذہبی سمت رکھتے ہیں۔ اور بیان کنندہ عام ادب سے بہت کچھ اخذ کر سکتا ہے۔ تاریخ و سوانح عمریاں خصوصاً نہایت درجہ زرخیز رہتی ہیں جن سے بڑے لڑکوں کے لئے مصالحہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ کوئی شے ان کی سمجھ میں اور ان کے دل پر اس قدر مؤثر نہیں ہوتی جتنا کہ حب الوطنی کا ایک سبق۔ وفاداری۔ خیر خواہی۔ بہادری یا اطاعت جن پر چل کر ایک شخص جو آزمائش میں پورا اترا اور کامیاب ہوا۔ اس کے حالات پڑھنے میں ہوتا ہے۔

قصہ گوئی تاریخ کے ذوق کو بڑھاتی ہے

یہ کہا گیا ہے کہ جو لڑکا سو میں سو فیصدی نمبر حاصل کرلے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو شیکسپیر سے نفرت ہو تو وہ ناکامیاب ہے لیکن حقیقت میں ناکامیاب وہ مدرس ہے جس نے اس کو تعلیم دی۔ اور وہ یوں صحیح ہے کہ وہ مدرس جس کا کام محض تاریخ کے غیر دلچسپ واقعات یا مشہور تاریخ و سنین کا شمار بہ نسبت ایک رنگین قصے کے ہو وہ ضرور ناکامیاب ہے۔ تاریخ کی تعلیم کامیابی سے دینے کا مفہوم یہ ہے کہ واقعات کی متحرک تصاویر بچے کے سامنے پیش کی جاویں۔ اس کو یہ دیکھنے کے قابل بناتا ہے کہ ساری قوم کی مجموعی رفتار زمانے میں کیا ہے۔ جنگجو لوگوں کی شکست و فتح کو دیکھنا۔ بڑے بڑے مدبران کی آوازوں کو سننا جن کی عقل نے سلطنتیں قائم کیں اور ان مردوں یا عورتوں کے ساتھ سیر کرنا جن کی زندگی کے قصص نے دنیا کی تاریخ مرتب کی ہے۔ بچے کے لئے ان چیزوں کو مفید بنانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ

ان کو اسی طرح محسوس کرے جس طرح ادبی خوبیوں کو محسوس کرتا ہے۔ اس کو اس امر میں محدود رہنا چاہیئے کہ لائق ہستیوں کو قبول اور نالائقوں کو رد کرے اور کرداروں کے ساتھ ان کی خوش نصیبی یا بدبختی پر ہمدردی کرے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شئے مثل تاریخی جنتری۔ جو اوقات مدرسہ میں تو کیفیت وہ ہوتی اور ختم پر بالکل نسیاً منسیاً ہو جاتی ہے ان کے لئے موزوں نہیں ہے۔

قصہ گوئی بچہ کو تاریخ سے نسبت دیتی ہے اور وہ اس کے ذریعہ سے زمانہ گذشتہ میں پہنچ جاتا ہے اور اس وقت اس کی حیثیت نہ صرف ایک تماشائی کی ہوتی ہے بلکہ وہ تمام انسانی حرکات و اعمال میں حصہ لیتا ہے۔ اگر ہمارے تمام کتب خانے چھین لئے جاویں اور تمام دارالاشاعت بند ہو جاویں تب بھی ہم بچوں کو تاریخ سکھا سکتے ہیں اور نہایت کامیاب طریقہ پر قصہ گو کے ہنر سے کام لے سکتے ہیں۔ ہم قصے کے ذریعہ بچے کو سکھا سکتے ہیں کہ ان کے اجداد نے زمانہ گذشتہ میں کیا کیا اور اسی ذریعہ سے ان کے طرز معاشرت کو بھی دکھا سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں نے کیا کرنے کی ہمتیں کیں جن کو وہ خود اب کر رہے اور ایک زندہ طریقہ انسان کے رہنے سہنے اور چال چلن کا بتا سکتے ہیں۔ عام معنوں میں یہی تاریخ ہے جس کو قصہ گو زمانہ قدیم میں تعلیم کرتے تھے۔

مطابع کے زمانے سے قبل ہر جگہ کتب صرف قلم ہی سے لکھی جاتی تھیں۔ اس وقت سوائے راہبوں کے کوئی نہ پڑھتا تھا اور سوائے بادشاہوں کے کسی کو میسر نہ آتی تھیں۔ اس وقت سوائے قصہ خوانی کے کوئی دوسرا ذریعہ تاریخ کی تعلیم کا نہ تھا۔ محلوں کے ہال پرانے زمانے کے قصص سے گونجتے تھے۔ گانوں کے سبزہ زاروں میں لوگ مجتمع ہو کر ان کو ذوق سے سنتے تھے۔ بادشاہوں اور امرا کے زمانہ کے بچے اپنے ملک کے قصص سے دربدر پھرنے والے بھائیوں کے ذریعہ واقف ہوتے تھے لیکن ہمارے زمانہ والے اب صرف کتابوں کو پڑھ کر جان سکتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ انہوں نے قصوں میں

سُنا ہے اس کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں اور جو کچھ سابق میں پیش آچکا ہے آئندہ بھی اس کا ہونا ممکن ہے۔ آج کل کے بچے بھی مثل زمانہ سابق کے بچوں کے دنیا کے قصص کو زندہ کر سکتے ہیں اور تاریخی قصص کو بچوں کی دل چسپی کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

بچے کی اول توجہ صرف روزمرہ کی چیزوں کی طرف مرکوز ہوتی ہے اور اس ذریعہ سے انجانی ہوئی چیزوں کی طرف منتقل ہوتی ہے کنڈر گارٹن کے بچے اول اپنی قریب کی اشیا سے دل چسپی لیتے ہیں بعد میں دوسرے مقامات کی طرف خود ہی رجوع کرتے ہیں۔ مرد۔ عورت۔ بچے۔ جانور دوسرے بچوں کی زندگی کا جز ہوتے ہیں۔ اپنی قریب کی چیزوں کے علم کے بعد دوسرے مقامات کی اشیا کی زندگی کا علم ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کی قوت متخیلہ کو توجہ دلانے سے وہ سمجھنے لگتا ہے جس سے اس کی ہمدردی اور سماجی رجحان کو ترقی ہوتی ہے۔ اس لئے تاریخ کی تعلیم میں اپنی گرد و پیش کی اشیا کے علم کے بعد اس کو دنیا کے دیگر حصص میں پہونچنا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ بچہ جو کچھ اپنے ماحول میں ہوتے ہوئے دیکھتا ہے اس سے زمانہ گذشتہ کے واقعات کی طرف رہنمائی کرنا چاہیئے اور نیز یہ کہ دوسرے دور دراز ممالک میں کیا ہو رہا ہے۔ اس طرح اس کی قوت متخیلہ کو ترقی ہوتی ہے۔ اور لڑکے لڑکیوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا لیکن جب خشک تاریخی بحث ان کے سامنے پیش ہوتی ہے تو غور و فکر کی عادت اس سے پیدا نہیں ہوتی۔ واقعات مثل پردہ پر رنگین تصاویر کے ان کو دکھلائے جائیں اور یہ صرف قصہ گوئی کے ذریعہ سے ممکن ہے جو خیالی اشیا کو اصلی بنا سکتی ہے جن کا بوجہ بغیر تجربہ ممکن نہیں ہے اس لئے ذریعہ قصہ گوئی نہایت آسانی کے ساتھ ان کو دکھا سکتے ہیں اور جو کچھ ہم ان کو معلوم کرانا چاہتے ہیں بتلاتے ہیں۔

سوانحی قصص یا کسی بڑے رہنما کا قصہ جو اپنے ہمجنسوں سے بہت اونچا ہو گیا ہو۔ وہ مثل (Matterhorn) کے جو (Valais) کی پہاڑی کے

دامن میں واقع ہے وہ تاریخ کے معلمین کے لئے فائدہ مند ہے۔ اس کے خاکے کی یکسانیت ڈرامے کی طرح توجہ کو منعطف کراتی ہے اور تمام تاریخی مواد نہایت آسانی و آزادی کے ساتھ کام میں لایا جاسکتا ہے۔ پس اگر بچہ کو تاریخ انسانی سکھانا ہو تو ان کو صرف سوانحی قصص پر محدود نہ رکھنا چاہیئے۔ بلکہ عوام نے جو حصہ تاریخ انسانی کے مرتب کرنے میں لیا ہے اس کا بھی خیال دلانا چاہیئے۔ انگلستان کے عوام جن کے قوی بازوؤں پر اس کی آزادی منحصر ہے یا وہ گم نام فوج جس نے اہرام مصری اور دیوار چین کا بنایا ہے وہ بھی قابل توجہ ہیں بعض بچوں کو ہیرو (HERO) سے محبت کرنا سکھاتے ہیں صرف شخصی کمالات پر زور دے کر ہم یک رُخا بنا دیتے ہیں۔ پس جو مدرس تاریخ کو دلچسپ بنانا چاہتا ہے تو اس کو اپنی معلومات کو قصص کی صورت میں ڈھال کر پیش کرنا چاہیئے اور مستند مورخوں کی مدد لے کر تصویر کا پس منظر تیار کرنا مناسب ہے جس سے اس کی کوشش رائگان نہ جائے وہ ہر قصے کو بالکل ایک جیتی جاگتی صورت میں پیش کرسکتا ہے جس کو بچہ خوشی خوشی پڑھ لے گا اور اس کا تاریخی سبق اپنے اصلی معنوں میں سمجھا جاسکے گا۔ یہ شئے ان کے لئے ہزاروں تاریخوں اور واقعات کے خزانوں سے بہتر ہو گی جو صرف امتحان میں کامیابی کے لئے رٹ لئے جاتے ہیں اور وہ تم میں بے کار پڑے پڑے ضائع ہو جاتے ہیں۔ نہ تو ان کے کچھ معنی ہوتے ہیں اور نہ وہ درستی دماغ میں کوئی مدد دیتے ہیں اور نہ ان کا اثر اس کی زندگی پر پڑتا ہے۔

لیکن اگر مدرس انہیں واقعات کو ایک جیتے جاگتے یا رنگین قصوں کی صورت میں پیش کرتا ہے تو اس سے زائد کوئی شئے دل چسپ نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ دنیا کے قصص کا کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جو بچے کے لئے دل چسپ نہ ہو۔ خواہ وہ بحر منجمد شمالی کا ذکر ہو یا قطب جنوبی کا۔ خواہ وہ مسلح فوجوں کے چمکدار ہتیاروں کا ہو یا بھولی بھالی صورت والے فقیروں کا۔ عوام سے متعلق ہو یا امرا سے لیکن وہ سب اس میں روح پھونکنے والے

ہوئے ہیں۔ وہ ایسی اطلاعات مہیا کرتے ہیں جو بچہ کے لئے ضروری ہیں۔ جن سے اس میں ایسی سمجھ پیدا ہو جائے گی جو تاریخیں یا خاکے نہیں دے سکتے۔ کیوں کہ وہ ان لوگوں کے ہمراہ رہا ہے جنہوں نے تاریخ بنائی ہے۔

ہر بڑا مورخ زمانہ گذشتہ کے واقعات شماری سے کہیں زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسا صناع ہے جو ان مردوں یا عورتوں کو اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہے جو زمانہ سابق میں گذرے اور اپنے کاغذات میں گوشت اور خون کی مخلوق پیدا کر دیتا ہے۔ اور ان میں اس قدر تازگی اور دلچسپی ہوتی ہے گویا کہ یہ سارے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے گذر رہے ہیں (Hallam, Hume, Paget, Motley, Prescott, Froissart) نے تحقیق نہایت شاندار طریق پر کی ہے۔ جیسا کہ (Hugo یا Balzac) نے پیدا کیا تھا۔ ان لوگوں نے اصلی کرداروں کو اسی شان سے پیش کیا جیسا کہ اگلے لوگوں نے نہیں ان کو یہ سمجھانا چاہیئے کہ ایک شخص بلا تلوار باندھے ہوئے یا گھوڑے پر سوار ہوئے بغیر بھی ملک کی خدمت کر سکتا ہے۔

ہم بطور تمثیل یہ بتاتے ہیں کہ (Robert Fulton) نے اول اول دخانی جہاز ایجاد کیا۔ وہی ایک غیر معمولی رہنما بچہ تھا۔ جس نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھایا اور نوجوان کو دکھلانے کے لئے پھریرے اڑاتا پھرا۔ اس کے ناکامیابی یا فتح و شکست کے قصے یا یہ واقعہ کہ (Clermont) نے نیویارک سے دینی تک ۱۸۰۷ء میں کامیابی سے سفر کیا۔ لیکن اس قصہ کو بیان کرنے میں درمیانی ابواب کے بغیر صرف ہم اس کا کوئی قصہ اپنا پورا اثر نہیں دکھاتا۔ لیکن بچوں کو اس شاندار ایجاد کے تمام روشن و تاریک پہلو بتلانا چاہئیں لیکن جب ہم اس کی رائے یا (Peina) کے کنارے کی شفقت امید و نامرادی کے تمام حالات جو اس کو پیش آئے بیان کرتے ہیں تو سارا قصہ نہایت دلچسپ اور ناقابل فراموش ہو جاتا ہے۔ وہ (Clermont) کے

قصہ کو صرف اس لئے یاد رکھتے ہیں کہ جیسی ہی گھاٹ پر ان کو کشتیاں دکھائی دیتی ہیں یا سمندر میں جہاز نظر آتا ہے اس وقت (clement) کے بچپن کا قصہ ان کے دماغوں میں تازہ ہو جاتا ہے جس کی بدولت یہ شئے پیدا ہوئی تھی ۔

مدرس جو تاریخ کو ایک دلچسپ قصہ کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کو محض واقعات کا مجموعہ خیال نہیں کرتا اور جو انسان کی اندرونی و بیرونی قوا کی ترقیوں سے واقف ہے ۔ جو اپنے گھڑے ہوئے فرضی قصوں کو دلیر بہادری کے قصص بھی جانتا ہے ۔ سچے قصص کو زیادہ روشن کرنے کے لئے ان کو چمکاتا ہے جن سے بڑے بہتر نتائج کا امکان ہے ۔ تاریخ کا کوئی زمانہ یا پہلو ایسا نہیں ہے جو قابل نظر انداز ہو ۔ بچوں کو ان خاکساروں کے کام کی بھی قدر و قیمت بتلانا چاہیئے جو صرف محنت مزدوری سے اپنی روزی کماتے ہیں ۔ ہم کو صاف طور پر یہ دکھلانا چاہیئے کہ جو شخص جنگی جہاز کی بھٹی میں کوئلہ جھونکتا ہے وہ بھی ویسا ہی محب وطن ہے جیسا کہ ایک امیر البحر ۔ اس کی بھی ایسی ہی ضرورت ہے جیسا کہ امیر البحر کی کیونکہ بغیر ان کے بیڑہ نہیں چل سکتا ۔

اکثر اوقات تاریخ میں جنگی واقعات زیادہ تر نظر آتے ہیں اور صلح و آشتی کے کام کم دکھائی دیتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف جنگی اور بہادری کے ہی کام نہایت اہم ہیں ہم اکثر بچوں کو یہ یقین دلانے میں ناکام رہتے ہیں کہ صوبہ لودین کے کسان جو اپنی محنت سے غلہ پیدا کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح ملک کے خیر خواہ ہیں جس طرح وہ فوجیں جو اپنے افسران کے زیر حکم جنگ کے لئے پیش قدمی کرتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں ۔ ہمارا عام رجحان صرف بچوں کو جنگی واقعات سکھانے میں رہتا ہے لیکن امن امان کی برکتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ ہر جدید صنعت کی تاریخ بھی جو دنیا کے لئے مفید ہے ایک طویل قصہ مخالف طاقتوں کی کامیابی و ناکامی کے جھگڑوں کا ہے ۔ ان میں بھی واقعات کا تسلسل اور فتح و شکست کے اوقات اور مد و جزر کے حالات ہیں جو اگر اپنے تمام امکانات میں پیش نظر ہوتے

ہ بھی لڑکے لڑکیوں کے لئے ویسے ہی دل چسپ ہوں گے جیسا کہ روس پر نپولین کا
حملہ۔ اس قسم کے لڑائیوں کے واقعات سے ہرگز غفلت نہ برتنا چاہیئے جو انسانی خون کے
ہاتھوں سے ملوث نہیں ہیں۔

قصہ گوئی جغرافیہ میں دل چسپی پیدا کرتی ہے

تعلیم جغرافیہ میں بھی قصہ ویسا ہی کارآمد ہے جیسا کہ تاریخ میں کیوں کہ بچے کو اپنے اردگرد کے کاموں سے دل چسپی ہوتی ہے لیکن جب
اس کو یہ علم ہوتا ہے کہ امریکہ، آسٹریلیا یا روس میں بھی لوگ یہی کام کر رہے ہیں جو وہ اپنے
ملک میں ہوتے دیکھتا ہے اور وہ لوگ بھی مثل اس کے باپ چچا یا ہمسایوں کے انہیں مشاغل
میں مشغول ہیں تو فاصلہ کا اثر اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے اور جس ملک سے اس کا
تعلق سب اس کے قریب اور حقیقی ہو جاتے ہیں۔ جغرافیہ عام معنوں میں اس خیال یا احساس کا
نام ہے جو غیر ممالک میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا ترجمہ ہوتا ہے۔

یہ تمام کام قصہ کے ذریعہ سے بخوبی انجام پا سکتا ہے۔ اور اس مضمون کے سکھانے
میں وہی زائد قیمتی شے ہے یہاں رام کہانی پریوں کے قصص نہایت کامیابی سے استعمال
ہو سکتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے بچہ دنیا میں انسانی جد و جہد کو دیکھ سکتا ہے اور اس سے
دوسرے ملکوں کے لوگوں کے خیالات سے زائد ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ
بہتیری تمثیلات میں بعض مستقل اطلاعات خاص مقامات کی حاصل ہوتی ہیں۔ اور دور دراز
مقامات کی زندہ تصاویر اسکی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ جو بچہ الف یاب کی حالتوں
میں پہاڑوں کے قصص سنتا ہے اور وہاں کے لوگوں کے بہادری کے کارناموں سے
واقف کرایا جاتا ہے اس کے نزدیک نقشہ میں یہ چیزیں ایک معمولی سیاہ دھبہ نظر نہیں
آتیں۔ جب وہ سنتا ہے کہ دو مینڈک جاپان سے دنیا کی سیر کو نکلے۔ تو وہ یہ ہرگز نہیں
کہہ سکتا کہ کینا ڈو جنوبی امریکہ میں ہے کیونکہ وہ مقام قصہ کے ذریعہ سے اس کے دماغ
میں ثبت ہو گیا ہے۔ اور وہ اس شئے سے متعلق ہے جس سے اس کو تفریح حاصل ہوئی

وہ وہیں رک جاتا ہے اور چونکہ جغرافیہ کا منشاء صرف دماغ میں خالی خولی واقعات کا ٹھونس دینا نہیں ہے بلکہ اس کے افق کو بڑھا کر اس کو ساری دنیا اس کے قرب وجوار کے مقابل کرنا ہے اس لئے اس کو ایسی اطلاعات بہم پہونچانا چاہیئے کہ جس سے اس کا منتہائے نظر وسیع ہو سکے جس سے تمام دنیا کے لوگ اس کے قریب ایک مخلوق نظر آنے لگیں ۔ اور سارے کام خود اس کے تجربہ کئے ہوئے معلوم ہوں بعض اوقات مدرسین اس واقعہ کو بھول کر بڑا وقت زبانی واقعات کے رٹانے میں صرف کر دیتے ہیں جس سے اس کا سارا منشاء فوت ہو جاتا ہے ۔

جغرافیہ و تاریخ ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں ۔ اور ان کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کرنا مشکل ہے اس لئے ایک مضمون کو زندہ بنانے میں دوسرے سے نہایت درجہ مدد مل سکتی ہے ۔ قصہ کے استعمال کی ایک قدر یہ بھی ہے کہ تاریخ یا جغرافیہ کا پس منظر پیش کرنے پر بچے کے سماجی جذبات کو ترقی ہوتی ہے اور تمام انسانی برادری کا تخیل پیدا ہو جاتا ہے ۔ سننے پڑھنے میں وہ نہایت روادار ہو جاتا ہے ۔ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ تمام ملکوں کے انسان خواہ کتنے ہی مختلف الخیال کیوں نہ ہوں عزت کے مستحق ہیں ۔ کیوں کہ وہ نہایت درجہ گہرے اعتماد اور خواہشات پر مبنی ہوتے ہیں ۔ بجائے دنیا کو تنگ نظری سے دیکھنے کے وہ بلا رکاوٹ وسیع میدانوں کو دیکھتا ہے جس سے انسانی ادراک بھی وسیع ہوتا جاتا ہے ۔ اور جغرافیہ کے پڑھنے میں اس کا زائد موقع حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسری جگہ بمشکل ہاتھ آسکتا ہے ۔ ابتدائی تعلیم میں بچہ قوموں کو ایک تنگ راستہ یعنی صوبہ داری میں منقسم دیکھتا ہے لیکن اس کو بہت جلد اس سے ہٹا کر شہریت کی فراخ شاہراہ پر لگانا چاہیئے ۔

جس طرح تاریخ کے پڑھنے میں اسی طور پر جغرافیہ میں بھی قصہ کو مقامی اطراف سے شروع کر کے اس کو دنیا کے دیگر مقامات تک لے جانا چاہیئے ۔ اور ہر ایک شخص

جس کو بچوں کے درمیان کام کرنا ہوتا ہے اس کا فرض ہے کہ مقامی تاریخ کا کچھ خیال بھی
ان کو دلا دے۔ بچہ کو ان ابتدائی آدمیوں کے قصص معلوم ہونے چاہئیں جو اول اول اس
ملک میں بستے تھے جن کی یادداشتیں و آثار اب تک ملک کے مختلف مقامات پر پائے
جاتے ہیں۔ اور مدرسین کو ان کے گرد و نواح کے قصص بچوں کے کانوں تک ضرور
پہونچانا چاہئیں۔ یہ شئے نہ صرف ان کی دلچسپی کو بڑھائے گی بلکہ دوسرے ممالک اور
قوموں کے سمجھنے میں وسعت پیدا کرے گی۔ اور ان کو مختلف لوگوں کی جد و جہد سے
ہمدردی پیدا ہو جائے گی۔ اس قسم کا کام اگرچہ تاریخ سے متعلق ہے لیکن جغرافیہ میں بھی
وہ دلچسپی پیدا کر سکتا ہے اس لئے ایسا مفید مضمون مدرسین کو ہرگز نظر انداز نہ کرنا چاہیئے
جغرافیہ میں مدرس کو صرف قصہ ہی نہ سنانا چاہیئے بلکہ مقامات جن کا ذکر اس قصے میں آوے
ان کو بھی نقشہ میں دکھا کر اس کو فتح کرنا چاہیئے۔ تاکہ ان کا صحیح مقام و وقوع بچوں کی نظر
دماغ میں معین ہو جائے۔ قصہ کی دلچسپی اس کے کام کو مثل ایک کھیل کے بنا دے گی
اور سختی کے بجائے اس کی خوشی کا سبب بن جائے گی اور اس کو وہ اس طرح حاصل
کریگا جس طرح وہ اپنے باپ یا چچا کے ہمراہ کسی سفر یا تفریح کے لئے جانے کا ارادہ رکھتا
ہے۔ ایک سے زائد مرد و عورت نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ جو کتاب مدرسہ
میں پسند کی جاتی ہے اس کا درجہ میں گھنٹوں اعادہ اس قدر کار آمد نہیں ہے جتنا کہ قصص جو
شہروں، پہاڑوں و دریاؤں کے صحیح مقام و وقوع اور ریاستوں کے صحیح حدود ذہن میں
بیٹھا سکتے ہیں۔ جو ان کو تمام عمر فراموش نہیں ہوتے۔ اور عمر بھر میں وہ جہاں کہیں سفر کرتا
ہے مگر بچپن کے قصص سے متعلق وہ مقامات راستہ میں پڑتے ہیں تو اس کو غیر معمولی
مسرت ہوتی ہے۔ تعلیم ذریعہ قصہ گوئی ملک میں ایک بڑا ذہنی انقلاب پیدا کر سکتی ہے۔

مؤثر تعلیم

موجودہ سلسلہ تعلیم محض علمی و اصولی ہے عملی نہیں۔ تکمیل نصاب تعلیم کے وقت یہ امر بالکل ہمارے پیش نظر نہیں رہتا کہ طلبا کو ترک مدرسہ کے بعد دنیا کی حقیقی تعلیم گاہ میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ ہمارا طریقہ تعلیم اس امر کو نظر انداز کرتا ہے ہم کو سب سے پہلے یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم دنیا میں جہاں اُسے زندگی بسر کرنی ہے کامیابی کے ساتھ عمر گذارے۔

محض پڑھانا تعلیم دینا نہیں ہے۔ طالب علم کے دماغ کو محض معلومات کا ذخیرہ بنانا جس کو نہ تو معلم اور متعلم سمجھ سکتا ہے بلا لحاظ اس کے کہ وہ مفید ہے یا مضر، فضول ہے۔ و نیز یہ کہ متعلم اس کو بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ یہ ایک کہاوت ہے کہ علم میں قوت ہے لیکن یہ اسی وقت قوی الاثر کہلایا جا سکتا ہے جب کہ اس قوت کو کام میں لایا جائے عمل کے بغیر علم اُصول بغیر مشق سائنس کے بغیر فنون کوئی معنی یا مفاد نہیں رکھتا۔ سقراط نے کہا ہے کہ علم ایسی قوت ہے جس پر عمل کیا جائے اور اس سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ کسی کام کے کرنے کا طریقہ بتلایا جائے بلکہ اس میں وہ ذکاوت بھی شامل ہے جو محصلہ علم کو عملی جامہ پہنانے میں مشتمل ہے۔ اسی طرح ایک سنسکرت شاعر نے کہا ہے کہ کتب کے مطالعہ کے بعد بھی یہ ممکن ہے کہ انسان محض بے وقوف رہے۔ لیکن وہ جن کے اعمال نیک ہوں فی الواقع عقلمند ہیں"

اس قسم کی قوت علمیہ خواہ وہ انگریزی ریاضی جغرافیہ یا کسی اور مضمون سے متعلق ہو صرف مطالعہ کتب اور سماعت لکچرز سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ ساتھ ہی ساتھ ان اصول کو مدنظر رکھنے سے کہ حصول علم کے بعد اس پر عامل بھی رہنا چاہیئے۔ یا یہ کہ تعلیم ذاتی کوشش

حاصل کی جائے۔ انسان کی مضمر خوبیوں کو کام میں لانے کی بہترین کلید یہ ہے کہ عملی کام اور کھیل کے ذریعہ تعلیم دی جائے۔

ہربرٹ اسپنسر نے تعلیم کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ کامل زندگی بسر کرنے کی تیاری ہے۔ انسان کی زندگی کے سات پہلو ہوتے ہیں یعنی جسمانی۔ دماغی۔ اخلاقی۔ مدنی سوشیل۔ احساسی۔ اور روحانی۔ ان قوٰی کی نشوونما ضروری ہے۔

تعلیم شخصی اخلاق کے نشوونما میں امداد دینا چاہئیے لیکن ہم کسی متنفس کا قیاس نہیں کر سکتے کہ وہ سوسائٹی سے الگ تھلگ رہ کر نشوونما پائے اور زندگی بسر کرے۔ انسان ایک معاشرتی جانور ہے اور وہ بغیر سوسائٹی کے نہیں رہ سکتا۔ اور سوسائٹی کا تصور بغیر انسان کے ناممکن ہے۔ تعلیم کے دو مقاصد ہونے چاہئیں۔ ایک یہ کہ انسان کو کامل بنائے اور دوسرے یہ کہ قوم کی بہبودی ہو۔ بالفاظ دیگر تعلیم کا منشا یہ ہے کہ انفرادی اخلاق کی سدھار ہو اور انسان متمدن ہو۔

لہذا مدارس کی تعلیم کا مقصد طلباء کے اخلاق کو سدھار کر مستحکم کرنا۔ زیر تعلیم طلباء کی قوت تفہیم کو نشوونما کرنا اور مدرسہ کے اوقات کو طلباء کی امداد میں۔ ان کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر بہترین طریقہ سے صرف کرنا ہے۔ تاکہ وہ علمی و عملی طور پر دنیا کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہو جائیں اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر مدرسہ میں اساتذہ کے فرائض یہ ہونے چاہئیں

(۱) طلباء کو مشاہدہ اور صحیح استدلال کا عادی بنائیں۔ تاکہ وہ قانونِ قدرت کا مطالعہ نہایت سرعت سے کر سکیں۔

(۲) انسان کے نصب العین اور کامیابیوں کے راز دریافت کرنے میں ان کے دل میں حقیقی شوق پیدا کریں۔

(۳) ان کے ملک کی تاریخ اور ادبیات سے ان کو بخوبی واقف کرائیں۔

(۴) ان میں اس قدر علمی قابلیت پیدا کرنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنے

خیالات کو بہترین طریقہ سے ادا کر سکیں۔

(۵) عمدہ کتب کے مطالعہ اور ان کو بغور پڑھنے کا ان میں ذوق پیدا کریں تاکہ وہ اپنی ذاتی کوششوں سے آیندہ اپنے معلومات میں اضافہ کر سکیں۔

(۶) ساتھ ہی مدرسہ میں عملی کام اور دستکاری سے اُن کے آنکھوں اور ہاتھوں کو مشق کرنے کی رغبت دلائی جائے۔

(۷) اور ہر ممکن طریقہ سے یعنی نہ صرف ورزش جسمانی اور باضابطہ کھیلوں میں ان کو شریک کرنے سے بلکہ مدرسہ ہی میں صحت کے چند معمولی اُصول کو کام میں لانے سے اُن کی قوائے جسمانی کے نشو ونما کا موقع دیا جائے۔

(۸) مدرسہ کا یہ بھی ضروری گو کہ ضمنی مقصد ہے کہ ایسے طلبا کو معلوم کریں جن میں غیر معمولی قابلیت کے آثار پائے جاتے ہوں اور ان کی خاص ذاتی خوبیوں کی نشو نما کریں (حالانکہ کثیر تعداد طلبا کے مفاد کا خیال نہ کر کے محض اسی پر زور دینا بے سود ہے) تاکہ وہ بروقت کسی موزوں مدارس میں تعلیم پا سکیں اور اس تعلیم سے متمتع ہو سکیں جو ان کو وہاں دی جاتی ہو۔

(۹) طلبا میں اساتذہ نیک اخلاق کی بنیاد ڈال سکتے ہیں حالانکہ ان کو طلبا کے ساتھ رہنے سہنے کا زیادہ موقعہ نہیں ملتا۔ وہ اپنی ذاتی مثال اور اثرات سے نظم و نسق مدرسہ کو مدنظر رکھ کر اس کام کو انجام دے سکتے ہیں جو کہ خود طلبہ کو منتق ضابطہ اور بڑی سی بڑی مشکل میں باہمت اور مستقل مزاج رہنے کا عادی بناتی ہے۔ شرافت کی عزت کرنا۔ ایثار نفسی کے لئے آمادہ رہنا اور نیکی اور سچائی کی انتہائی کوشش کرنا ان خوبیوں کو وہ سکھلا سکتے ہیں۔ وہ ان میں فرائض شناسی کا احساس پیدا کر سکتے ہیں اور ان کو یہ بات دل نشین کرا سکتے ہیں کہ دوسروں کی توقیر و عزت بشرطیکہ وہ بے غرضانہ طریقے کیجائے مدرسہ کی متفقہ زندگی میں بالخصوص کھیل کے میدان پر اُن کو ایمانداری سے کھیلنے کا عادی

بنانا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے سے وفاشعارانہ سلوک کی تعلیم دینی چاہیئے۔ کیونکہ یہی دونوں خوبیاں اُن کو آیندہ زندگی میں یہ سکھلائے گی کہ عزت کیا شئے ہے۔

ان تمام کوششوں میں طلبہ کی بہبودی کے مدنظر اساتذہ والدین کو اپنا شریک بنائیں تاکہ متفقہ کوشش سے نہ صرف طلبا کامل طور پر نشوونما پاسکیں بلکہ اس قوم کے لیے جس سے ان کا تعلق ہے مفید رکن ثابت ہوں۔ اور اس ملک کے لئے ہونہار ثابت ہوں جہاں پر وہ پیدا ہوئے ہیں۔

تبصرہ

ابراہیمیہ کارخانہ صحافی حیدرآباد۔ اس کارخانہ سے ہمیں ایک مختصر رپورٹ اور کیالنڈر وصول ہوا ہے۔ کیالنڈر خوبصورت ہے۔ رپورٹ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کارخانہ مذکور اپنی عمر کے ابتدائی مدارج کامیابی سے طے کر رہا ہے۔ سید ابراہیم علی صاحب منتظم کارخانہ سے اُمید ہے کہ وہ سچے و عمدہ اور عمدہ کام سے جلد اپنی ساکھ قایم کرلیں گے۔ ان کو چاہیئے کہ اپنے نرخ کی ایک فہرست مرتب کرکے شائع کردیں تاکہ اضلاع سے جلدبندی کے آرڈر آنے لگیں۔

رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور۔ اس قدیم رسالہ کے دورِ جدید کا دوسرا نمبر بابت ماہ فروری سنہ رواں ہمارے سامنے ہے۔ اُردو تعلیمی رسالوں میں یہ رسالہ پختہ عمر کو پہنچ چکا ہے اور ہمیں یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ اس کی حالت زمانہ کے ساتھ بدلتی اور روبترقی رہتی ہے۔ گو یہ تعلیمی رسالہ ہے لیکن اس کی فہرست مضامین پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف مدرسین بلکہ ان تمام اشخاص کے لئے مفید ہے جو پیشہ مدرسی کے دائرہ سے باہر ہونے کے باوجود تعلیمی اُمور سے دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ اس میں

بچوں کی دلچسپی کا بھی سامان ہے اور آخر میں گلدستہ اطفال یعنی بچوں کا اخبار بھی دکھائی دیتا ہے۔ اسکا حجم معہ اشتہارات جو خاص تعداد میں ہیں تقریباً پونے دو سو صفحات ہے۔ اس کے باوجود اس کی سالانہ قیمت صرف (للعہ) ہے۔ ہمارے خیال میں اس رسالے سے کوئی مدرسہ و کتب خانہ خالی نہ رہنا چاہیئے

ہُنر مند لاہور۔ صوبہ پنجاب رسالوں اور اخباروں کی کان ہے۔ غالباً اس کی وجہ صرف عوام کا عمدہ مذاق نہیں ہے بلکہ مطابع کی اچھی حالت کو اس میں بہت کچھ دخل ہے۔ ہم کو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ایسے زمانہ میں جب کہ صنعت و حرفت کا خیال عام ہوتا جاتا ہے پنجاب نے پیش قدمی کی اور ہنر مند رسالہ جاری کرکے نہ صرف ایک کمی کو پورا کیا بلکہ ملک کی خدمت کرنی شروع کردی اس کے سالگرہ نمبر کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قابل ایڈیٹران صاحبان نظری مضامین کو پس پشت رکھکر ایسے عملی مضامین شائع کرتے ہیں جو کم سرمایہ اشخاص کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں مثلاً تجارت کے زریں اُصول و فن اشتہارات پر مضامین میں تو زیادہ مضامین عملی پہلو لئے ہوئے ہیں جیسے بچوں کے بوٹ بنانے کا سہل طریقہ۔ بورڈ ورک وغیرہ۔ ہم قابل ایڈیٹران صاحبان سے یہ ضرور عرض کرینگے کہ ان کے رسالہ کی کامیابی کے لئے عمدہ تصاویر و اشکال کی سخت ضرورت ہے اور یہ پتھر کے چھاپے سے ممکن نہیں ان کی کوشش ہونی چاہیئے کہ سائنٹیفک امریکن یا میکانک کا معیار حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ حجم ۸۴ صفحات۔ کاغذ لکھائی معمولی قیمت سالانہ صرف (سے) روپیہ نمونہ کا پرچہ ۸ر

شعرائے زبان اُردو کا ماہوار رسالہ

مشاعرہ

اگر آپکو اردو شعر و سخن سے ذوق ہے یا اگر آپ کو شاعری اور اس کے متعلقہ مضامین تنقید سوانح تذکرے تاریخ مشاعرے وغیرہ پڑھنے کی دلچسپی ہے اگر آپکو ایک ہی طرح میں تمام مشاہیر شعرا کا کلام ماہانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو رسالہ مشاعرہ پڑھیے طباعت کتابت بہتر کاغذ عمدہ سالانہ (للعہ) نمونہ کا پرچہ ۸ر پتہ دفتر رسالہ مشاعرہ پرانی حویلی حیدرآباد

*

انعقادِ جلسہ تحتانیہ مدرسہ قصبہ و تعلقہ اندول

۷ فروردی ۱۳۳۹ف بروز جمعہ منجانب اساتذہ مدرسہ ہذا جناب مولوی عبدالرحمن خان صاحب صدر مدرس مدرسہ اندول و ہیڈ ماسٹر اسکول قصبہ ٹپن چرو کا وداعی جلسہ زیر صدارت جناب مولوی محمد محی الدین علی صاحب بشرکت جمیع اطفال قصبہ اندول و جملہ اسٹاف مدارس جوگی پیٹھ و ڈاکور و بعض مقامی وکلا اور جناب مولوی میر شہسوار علی صاحب صدر مدرس حال ۲ بجے سے ۴½ بجے شام تک ہوا۔

بعد حاضری جناب مولوی شالم علی صاحب مددگار مدرس نے قرات کی۔ اور لطیف الدین و نذیر احمد طلبا نے حمد خوانی کی۔ بعد سید عبدالقادر و فصیح الدین و شرف الدین طالب علموں نے جناب صدر مدرس صاحب کی ہمدردی و محبت کا ذکر کیا۔ اور ظہیر الدین طالب علم نے جناب ممدوح کی توصیفی و وداعی نظم سنائی۔ مولوی محمد منیر الدین صاحب مددگار مدرس نے فصلتاً بہترین طریقہ سے علم کے فوائد بیان کر کے حاضرین کے معلومات میں اضافہ فرمایا۔ بعد ازاں شیخ مدار مددگار مدرس نے صاحب موصوف کے نایاب امور و بہترین کارگزاریوں کا تفصیلی اظہار کرتے ہوئے نہایت موثر طریقہ سے رپورٹ پڑھی۔ فصیح الدین و سید عبدالقادر طالب علموں نے دعائیہ نظم متعلقہ (شاہ دکن) پڑھ کر اہل مجلس کو خوش کیا۔ اس کے بعد مولوی محمد عبدالرحمن خان صاحب صدر مدرس نے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار فرما کر شکریہ ادا کرتے ہوئے طلبا و اساتذہ و احباب کا شکریہ ادا کیا۔ جناب صدر نشین صاحب نے صدر مدرس صاحب موصوف کی ہمدردی و ملنساری و حمیدہ اخلاق کا تذکرہ نہایت وضاحت و خوبی سے بیان فرمایا۔ آخر تقریر میں سرخی (والدین کو اپنے اولاد کی تربیت کس اصول پر کرنا چاہیئے) کے متعلق وضاحت کے ساتھ اپنے بہترین معلومات و خیالات کا اظہار فرمایا۔ بعد ازاں

مولوی محمد منیر الدین صاحب حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اختتام جلسہ پر تقسیم شیرنی و چائے نوشی اور خاص خاص احباب بعد تناول طعام جو مدرسین مدرسہ ہذا کی جانب سے ترتیب دیا گیا تھا جلسہ ختم ہوا۔ مرقوم ۱۵ر فروری ۱۳۳۸ف

جلسۂ تعلیمی مدرسۂ تحتانیہ درجہ اول قصبۂ جیوگی تعلقہ اندولہ ضلع گلبرگہ شریف

بتاریخ ۹ر فروری ۱۳۳۸ف روز یکشنبہ مدرسہ تحتانیہ درجہ اول قصبہ جیورگی تعلقہ اندولہ ضلع گلبرگہ شریف کا تعلیمی جلسہ بصدارت جناب مولوی محمد عمر خاں صاحب رضوی تحصیلدار تعلقہ ہذا منعقد ہوا تھا جس میں مقامی عہدہ داران و ملازمین سرکار و معززین قصبہ اطراف و جوانب کے علم دوست اشخاص شریک تھے۔ مدرسہ خوشنما رنگین قطعات اور رنگ برنگ کے جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا جلسہ کا آغاز قرأت سے کیا گیا۔ طلبہ مدرسہ نے حمد و نعت شریف نہایت خوش الحانی سے پڑھی۔ مسٹر بھیم راؤ صاحب صیغہ دار نے کنڑی زبان میں علمی فوائد کو بخوبی واضح کیا۔ مولوی شیخ داؤد صاحب نے علم پر تقریریں کیں۔ بہ مسرت ٹائم اسکیل مدرسین مدرسہ نے اپنے ذاتی سرمایہ سے کتب و تختیاں و دیگر سامان نوشت و خواند غریب و نادار طلبہ کو تقسیم کرنے کی غرض سے منگوایا تھا جس کو صدر نشین صاحب نے اپنے دست مبارک سے تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب صدر مدرس نے خطبہ صدارت پڑھتے ہوئے حاضرین اور صدر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ بالآخر حضرت اقدس و اعلیٰ و شہزادگان بلند اقبال کی ترقی عمر و اقبال کیلئے دعا مانگی گئی۔ پھول و پان سے حاضرین کی تواضع کی گئی جلسہ برخاست ہوا۔

جلوس طلبہ ٹھیک ۵ بجے مدرسہ سے نکلا جلوس کے آگے (۲۲) لڑکے تقریباً ہم قد و ہم عمر باڈریس ہاتھوں میں رنگین جھنڈیاں لے کر نظم سلامتی بادشاہ پڑھتے ہوئے قدم بہ قدم بڑھتے تھے جس سے جلوس کی شان دوبالا معلوم ہوتی تھی۔ غرض جلوس حضرت اخوند میر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف پہنچا شب میں ایک سبق آموز اخلاقی ڈرامہ ہوا جو دیکھنے سے

تعلق رکھتا تھا دوسرے روز مدرسین مدرسہ کی جانب سے ملازمین سرکار و مقامی عہدہ داران و معززین قصبہ کی ضیافت کی گئی تھی۔ اہل ہنود برہمنوں کے خورد و نوش کا انتظام ... شہیون دیول میں کیا گیا تھا۔ اور مسلمانوں کا امین باغ میں جو تقریباً آبادی سے ایک فرلانگ پر واقع ہے۔ غرض خورد و نوش کا انتظام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ مدرسہ کے بچوں سمیت (۳۰۰) آدمی کے قریب اس ضیافت میں شریک تھے۔ جب دعوتی لوگ کھانے سے فارغ ہوئے فٹبال گراونڈ میں جمع ہوئے۔ مدرسہ کے بچوں کا اسپورٹس رہا۔ اور مختلف قسم کے کھیل ہوئے جس میں جناب صدر مدرس صاحب نے طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات تقسیم کئے۔ طلبہ جوش مسرت میں نعرہائے طرب بلند کرتے تھے الحمد اللہ ٹھیک ۶ بجے جلسہ اسپورٹس ختم ہوا۔

بتاریخ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۷ فروردی ۱۳۳۸ف روز دوشنبہ تخت نشینی اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ کی تقریب میں ماڈل اسکول قصبہ یلارتی تعلقہ میدک میں ایک جلسہ بسرپرستی جناب سرکل انسپکٹر صاحب پولیس حلقہ میدک منایا گیا۔ طلبا مدرسہ نے دعائیہ نظمیں پڑھیں۔ اور صدر مدرس صاحب نے اعلیحضرت بندگان عالی کی اس اٹھارہ سالہ کارفرمائی کا ذکر کرتے ہوئے دعا سلامتی اعلیحضرت بندگانعالی و شہزادگان بلند اقبال و شہزادیاں ہمایوں فال کے بعد اپنی تقریر ختم کی۔ جلسہ برخاست ہوا

مدرسہ تحتانیہ درجہ اول چنڈر کی ضلع گلبرگہ شریف کا سالانہ جلسہ کامیابی کے ساتھ مولوی سید حسین صاحب معظم صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف کی صدارت اور مولوی معین الدین صاحب مہتمم تعلیمات ضلع کی موجودگی میں ہوا۔ تعداد حاضرین جلسہ

تقریباً چار سو تھی۔ جلسہ کا آغاز قرأت اور نظموں سے ہوا۔ صدر مدرس صاحب نے رپورٹ مدرسہ سنائی۔ صدر صاحب جلسہ د مولوی معین الدین صاحب نے موثر تقریریں کیں۔ جلسہ کے اختتام پر اعلیحضرت بندگان عالی کی عمر و ترقی اقبال کے لئے دُعا مانگی گئی۔ اس سلسلہ میں مدرسہ مذکور کے نام سے سفری کتب خانہ کا ایک صدر وں قیمتی (لعہ) منظور کیا گیا ہے۔

اب تک علمائے حیاتیات (Biology) یہ نہیں جانتے تھے کہ جسم انسانی میں وہ کونسا عضو ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے اب روسی اور جرمن ڈاکٹروں کی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے۔ کہ بدن میں کان کی شکل کے دو ٹکڑے ہیں جو بچے کی مٹھی برابر ہیں۔ ان کے اندر غدود ہیں اگر ان غدود کا عرق لے کر ایسے دل پر ڈالا جائے جس کی حرکت بند ہو چکی ہو تو وہ فوراً حرکت کرنے لگتا ہے۔

ترکی خزانہ سلاطین آل عثمان کے جواہرات کا خزانہ مصطفےٰ کمال پاشاہ نے فروخت کرنے کے لئے ماہرین کے سامنے پیش کیا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا اور محیر العقول جواہر خانہ ہے اور اس کی مالیت کروڑوں پونڈ کی ہے۔ یہ تمام دولت ترکی میں اشاعت تعلیم کے لئے خرچ کی جائے گی۔

موٹر کار بوٹ لیمپن نے ایک ایسی موٹر ایجاد کر کے گذشتہ نمائش میں پیش کی تھی جو سڑک پر پہیوں سے عام موٹروں کی طرح چلتی ہے۔ اگر آگے لایا جائے تو کشتی کی طرح تیرتی ہے اور اگر اس کو چلایا جائے تو ہوائی جہاز کی طرح ہوا میں اُڑ سکتی ہے غالباً دنیا کی آئندہ مقبول سواری یہی ہوگی۔

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے
سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالۂ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے اُن کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (عہ) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ ۳ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری ہے گی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عسہ	صہ ۸ر	ھے ۸ر
سہ بار	عیسہ ۸ر	للعسہ	ھعہ ۸ر
ششماہ	للعسہ	عیسہ ۸ر	صیسہ
سالانہ	صعسہ	للعسہ	عیسہ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

دفتر رسالہ المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن

جلد پنجم

نمبر ۷

المعلم

خورداد ۱۳۳۸ف

مدیر

محمد سجاد مرزا ایم اے

اعظم اسٹیم پریس میں چھپا حیدرآ

(دکن)

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں۔ کوئی
سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری اطلاع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے انکی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۸ ے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ چھ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صہ ۸ر	ے ۸ر
سہ بار	عہ ۸ر	للو عہ	سہ ۸ر
ششماہ	للعہ	عیہ ۸ر	صہ عہ
سالانہ	صہ عہ	للعہ	عیہ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

دفتر رسالہ المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن

نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد عدالت و امور عامہ سرکار عالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

شعبہ نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد (صیغہ تعلیمات)

نمبر ۷	بابتہ ماہ خورداد ۱۳۳۸ف	جلد ۵

صدارت نامہ

ذیل میں ہم نواب سر امین جنگ بہادر کا فاضلانہ صدارت نامہ درج کرتے ہیں جو نواب صاحب ممدوح نے اس سال جامعہ عثمانیہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں پڑھا۔

مدیر

جناب امیر جامعہ و حضراتِ رفقاء!

آج آپ نے ایسے عالم و فاضل کو ایل ایل ڈی کی ڈگری اعزازاً دی ہے جو آباؤ اجداداً خادم القوم ہیں۔ بچپن سے ڈاکٹر میدر اس مسعود (مسعود جنگ بہادر) کا وظیفہ اپنی قوم کی تعلیم رہی ہے اُن کے صدہا دوستوں کی دعا ہے کہ وہ اپنے علمی مقاصد میں ہمیشہ کامیاب رہیں۔

چند سال قبل آپ نے اسی ڈگری کا اعزاز عطا کرکے مجھے بھی اس ممتاز جامعہ کے طیلسانوں میں شریک فرمایا۔ اور آج امیر جامعہ نے مجھے موقع لطف فرمایا ہے کہ اُس علمی امتیاز کا شکریہ عملاً اس طرح ادا کروں کہ اپنے بھائیوں کو۔ جو آج طیلسانوں کے زمرہ میں شامل ہوئے ہیں۔ چند باتیں سرسری طور سے سمجھا دوں کہ جامعہ اُن سے کیا امید رکھتی ہے اور اُس کو کس طرح پورا کرنا چاہیئے۔ ضمناً یونیورسٹی کی غایت اور اُس کے مقاصد کا تذکرہ بھی آجائے گا۔

طیلسان بھائیو!

آپ میں سے اکثر آج اپنی اُس تعلیم کو ختم کرتے ہیں جو آپ کے شفیق اساتذہ آپ کو اب تک دیتے رہے ہیں لیکن عنقریب آپ کی وہ تعلیم شروع ہوگی جو آپ اپنے کو وہی ہوگی اس تعلیم کے اُستاد بھی آپ ہوں گے اور شاگرد بھی آپ ہی ہوں گے۔ اسی تعلیم کے قابل آپ کو بنانے کے واسطے جامعہ عثمانیہ قائم ہے۔ اس تعلیم کی جامعہ وسیع دنیا ہے اور اس کی کلیہ زندگی ہے۔ "دنیا" سے مراد ہر ایک کا ماحول ہے "زندگی" سے مراد ہر ایک کی حیات ہے۔

چند امتحانات میں کامیاب ہونے سے علمی امتیاز جو جامعہ عثمانیہ نے آپ کو عطا کیا ہے اُس کی وجہ سے آپ پر یہ فرض عاید ہوا ہے کہ جامعۂ دنیا کے مشکل امتحانوں میں بھی کامیاب ہوکر آپ اپنے کلیۂ زندگی میں اسی طرح سُرخ رو و سبز پوش ہو جائیں جیسے کہ ہم آج آپ کو دیکھتے ہیں۔ جو آپ کو تعلیم جو دی گئی اُس کی غایت یہ تھی کہ کشمکش ارتقاء میں حصول بقاء و بہبودی کے لیئے آپ اچھی طرح لایق و قابل ہو جائیں لہذا آپ سے جامعہ عثمانیہ امید

رکھتی ہے کہ دنیا میں آپ اپنے علم کو عمل کا جامہ ایسی ہی کامیابی سے پہنائیں جس کامیابی سے آپ نے اپنے آپ کو علمی جامہ پہننے کا مستحق بنایا ہے۔

اب آپ کے درپیش ایسی اہم مہم ہے جس سے روگردانی یا پہلو تہی ممکن نہیں اور جس میں فتح و شکست کا احتمال طیلسانوں کے لئے یکساں ہے۔ وہ مہم آپ کی آیندہ زندگی ہے۔ جس میں آپ کی عزت و آبرو اور آپ کے متعلقین کی بہبودی و آسائش مضمر ہے۔ اس مہم میں خدا نہ کرے اگر آپ کو ہزیمت و شکست ہوئی تو آپ کی عمر آپ کے واسطے برباد اور آپ کے متعلقین کے لئے ایسی بے سود ہوگی کہ معاذ اللہ آپ کی حیات موت کے مساوی ہو جائے گی۔

غرض زندگی کے مشکلات سے بھری ہوئی دشوار مہم پر آج آپ کو جامعہ عثمانیہ بھیجتی ہے۔ اور جس طرح حقیقی ماں اپنے بچوں کو کسی سفر یا مہم پر بھیجتے وقت اول ضامنی باندھتی ہے۔ بعد دعا دیتی ہے۔ اور پھر نصیحت کرتی ہے بیٹا ایسے کام کرنا ویسے کاموں سے بچنا اسی طرح آج آپ کی (الما ماٹر) (alma mater) جامعہ عثمانیہ نے ضامنی باندھ دی یعنے علمی عبا پہنا دی ہے اور اس جلسہ میں آنے کے قبل چند رفقاء کی تحریک پر جناب امیر جامعہ نے آپ کو گریس دیا یعنے آپ کے لئے دعا مانگی۔ اور اس وقت آپ کی علمی ماں میری زبان سے آپ کو نصیحت کرتی ہے کہ کس طور سے آپ اپنی اعلی تعلیم یافتہ ہستی کو کام میں لائیں اور کس بڑی حد تک آپ اپنی جامعہ کی امیدوں کو پورا کریں۔

طیلسانون بھائیو! آپ کی علمی عبا جو جامعہ عثمانیہ کی ضامنی ہے آپ کو مبارک ہو اور امیر جامعہ کی دعا آپ کے حق میں مقبول ہو۔ اور جو کچھ میں نصیحت کے طور پر کہنے والا ہوں وہ خدا کرے ماثور ہو۔ آمین۔

بھائیو! میں علم الاخلاق کا کوئی باب آپ کے سامنے پڑھنا نہیں چاہتا۔ بفضلہ تعالی آپ کی تعلیم ایسی ہوئی ہے کہ آپ کو کوئی نصیحت امر و نہی کے پیرایہ میں کرنے کی کوئی ضرورت

نہیں۔ آج کل کے زمانے کے لحاظ سے صرف چند قابل توجہ باتیں کہہ دینا کافی ہیں جس سے خود بخود آپ نصائح اخذ کر کے اُن پر عمل کر سکیں گے

آپ کی جامعہ کی بڑی کوشش یہ ہے کہ مشرقی علوم وفنون قدیمہ کا امتزاج مغربی علوم فنون جدیدہ سے ایسا خوش اسلوب ہو کہ دونوں کی ایک انوکھی معجون ہمارے حالات کے مناسب اور ہمارے ضروریات کے موافق بن کر۔ ہماری حیات کی بہبودی اور ہمارے تمدن کے ارتقار کی باعث ہو۔ جامعہ کی ایسی کوشش آپ کو یہ درس دے رہی ہے کہ جہاں مشرقی ومغربی خیالات کا تبادلہ بلکہ اغراض کا تصادم ہو رہا ہے وہاں آپ کے کردار پورے طور سے حالات زمانہ کے ہمدم۔ اور رفتار زمانہ کے ہمقدم رہنا چاہئے۔ اسی خیال سے جو کچھ میں کہنے والا ہوں اس میں میں نے دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھا ہے کیونکہ میں پروفیسر جیمس اور موسیو برگسان کے مانند فلسفۂ عمل کا قائل ہوں اور قرآن مجید میں وہ انجیل عمل پاتا ہوں جو مژدۂ حیات جاودانی ہے۔ علم وعمل توام ہیں لیکن عمل مقدم اور علم اس کا معاون ہے۔ دونوں حیاتِ انسانی کی توسیع وتکمیل کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بیان کر دینا پند ونصیحت کے لئے کافی ہے۔ اسی کے ساتھ مجھے مشرقی ومغربی طرز بیان کے امتزاج کا بھی خیال رہا ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ آپ ارتقار کے نظریہ کو بخوبی جانتے ہیں۔ اور آپ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر آدمی کے کردار "نیک" یا "بد" وہی ہیں جو اُس کو اُس کے ماحول کے موافق "زیادہ" یا "کم" بناتے ہیں۔ لیکن جو چیز نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور جو چیز بدی سے باز رکھتی ہے وہ علم ہے اور علم کے سوا اور کوئی چیز نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ پس حیات انسان کی ایزاد وبہبودی کے واسطے اعمال نیک کا سلسلہ یعنے کردار نیک لابد ولازم ہے۔ کردار نیک کا رہنما علم ہے۔ اسی لئے کردار نیک کے خاطر جس قدر زیادہ علم ہو اُس قدر بہتر ہے۔

میرے اُستاد ڈاکٹر ملر۔ جن کی یادگار جنوبی ہند کی تعلیم ہے۔ اُن کا پیغام مدارس
یونیورسٹی کے طیلسانوں کو عنفوان شباب میں بھی یہی تھا اور عالم پیری میں بھی یہی تھا کہ (Be
students while you live) "جب تک زندہ رہو طالب العلم رہو"۔ آپ جانتے ہیں
کہ ہر آدمی کی تعلیم کا زمانہ از مہد تا لحد ہے۔ واقعی آدمیوں کی ساری عمر خواہی نخواہی تعلیم
وتعلم میں بسر ہوتی ہے (We live to learn) انگریزی مقولہ ہے کہ "ہم سب
سیکھنے کے لئے ہی جیتے ہیں"۔ مگر کون سا علم حاصل کرنے میں ہم اپنی عمر صرف کرتے ہیں؟ ہر
شخص کو کس علم کا طالب عمر بھر رہنا چاہئے؟ محض وہی علم نہیں جو کتابوں یا رسالوں کے
مطالعہ سے۔ یا اساتذہ کے لکچروں سے۔ یا تجربہ خانوں کے آزمائشوں سے حاصل ہوتا ہے
اگرچہ اس قسم کا علم جس کو میں فقط نام کے واسطے "تدریسی علم" کہوں گا۔ نہایت اہم وضروری ہے
لیکن صرف اسی قسم کا علم اغراض حیات کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ ایک اور قسم کا علم بھی ہے
"اکتسابی علم" کہوں گا۔ جو تدریسی علم سے بدرجہا اہم اور زیادہ ضرور ہے۔ البتہ تدریسی علم بہترین
واسطہ ہے (اگر واسطہ ہی ہے) اس اکتسابی علم کا جو ہر کس و ناکس کے روزمرہ زندگانی کے لئے
جلبِ منفعت و دفع مضرت کے واسطے۔ راحت پانے اور آفت سے بچنے کے خاطر۔ درکار
بلکہ ناگزیر ہے۔ "اکتسابی علم" ہر شخص اپنے ماحول کے حالات سے۔ اپنے سامنے گزرتے ہوئے
واقعات سے۔ اپنے مشابہ اشخاص کے خاصیات سے۔ اپنے پرائے مشاہدات سے۔ خود
اپنے جد وجہد کے تجربات سے حاصل کرتا ہے۔ اسی اکتسابی علم کی تعلیم مادام الحیات
جاری رہتی ہے۔ اسی علم کی تعلیم ہر شخص اپنے آپ کو دے لیتا ہے اور اسی کا متعلم عمر بھر
رہتا ہے۔ اسی کا وہ جس قدر زیادہ متعلم رہے گا اسی قدر زیادہ دنیا میں کامیاب رہے گا۔ اسی
کا اچھا اثر پذیر متعلم بنانے کے لئے آپ کو جامعہ عثمانیہ نے وہ تعلیم دی ہے جس کو میں نے
بالفرض "تدریسی تعلیم" سے موسوم کیا ہے۔ ہماری جامعہ کی تدریسی تعلیم کی غایت یہی ہے کہ طلبا
کو اکتسابی تعلیم سہل اور اچھی طور سے پانے کا اہل بنا دے تاکہ وہ اپنی عمر زیادہ تر راحت و

وخوشی میں بسر کریں عسرت و رنج کثیر اٹھائیں تاکہ اس دنیا میں اپنی حیات کا ثمرہ پائیں عقبیٰ تو عقبیٰ ہی ہے!

میں نے اکتسابی علم کی اہمیت پر اس قدر زور اس لئے دیا کہ آپ کی جامعہ اسی کے واسطے آپ کو اس مہم پر بھیجتی ہے جس کے لئے آپ کو ضامنی باندھی۔ وعادی۔ اور نصیحت کرنا چاہتی ہے۔ لیکن مہذب دنیا میں چند اشخاص ایسے بھی ہیں جو فقط تدریسی تعلیم کی تحصیل میں اپنی تمام عمر گزار دیتے ہیں۔ گویا وہ ایسے علم کو محض ممد حیات نہیں سمجھتے۔ بلکہ سرمایۂ ذات تصور کرتے ہیں۔ ان کے سوا نسبتاً زیادہ تعداد میں ایسے اشخاص بھی ہیں جو اپنے مدرسہ کا جامعہ کو چھوڑنے کے بعد کسی تدریسی علم کی ضرورت کو نہیں مانتے۔ بلکہ اکتسابی علم جو دنیا کے کاروبار میں حاصل ہوتا ہے اسی کو کافی و وافی خیال کر لیتے ہیں۔ اس گروہ کے اشخاص کوئی صداقت نامہ یا ڈگری ملتے ہی اپنی دانست میں اپنے آپ کو ایسا عالم سمجھ لیتے ہیں گویا ان کو کسی کتاب رسالہ یا اخبار کے مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ کسی اختراع و ایجاد کے علم کی حاجت نہیں۔ لکچر کی سماعت بے جا زحمت ہے۔ میری رائے میں دونوں گروہ کے خیالات نہ بالکل صحیح ہیں نہ بالکل غلط۔ بلکہ ہر ایک کا خیال کسی قدر صحیح بھی ہے اور کسی قدر غلط بھی۔ یعنے حقیقت دونوں خیالوں کے بیچ میں ہے۔

میرے نزدیک اس جامعہ کے طیلسانوں پر واجب کیا بلکہ فرض ہے کہ اپنا تدریسی علم ہر وقت تازہ رکھیں۔ مسلمہ کتب قدیمہ پڑھتے رہنے سے باز نہ رہیں۔ اور بہترین کتب جدیدہ کے مطالعہ میں غفلت نہ کریں۔ اختراعات و ایجادات جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ان سے اپنے کو حتی المقدور آگاہ رکھیں۔ رسالہ جات و اخبارات کے ذریعہ دنیا کے عام خیالات سے۔ اور دنیا کے سیاسی و تمدنی ہل چل سے اپنے کو حتی الامکان خبردار رکھیں لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ اپنی عمر کا بڑا حصہ یا اپنے کام کے تمام اوقات فقط تعلیم یا مطالعہ میں بسر کریں۔ دنیا و مافیہا کے کاروبار میں شریک ہونے کی تکلیف گوارا

نہ کریں۔ سعی مشاغل ہماری دین و دنیا کی فلاح کے واسطے ہیں نہ کہ دین و دنیا محض علمی مشاغل کے لیئے۔ میں اس کا قائل نہیں کہ کوئی معمولی انسان اپنی ساری دنیا ترک کرکے پورے پورے طور سے تحصیل علم یا تحصیل معرفت میں مشغول ہو سکتا ہے۔ میں "معمولی انسان" اس لئے کہتا ہوں کہ اس وقت میرا روئے سخن علم لدنی یا معرفت الٰہی کی طرف نہیں ہے۔ اور نہ متبرک و محترم ہستیوں کی طرف ہے جو غیر معمولی طور سے دین کے واسطے یا عرفان کی غرض سے دنیا ترک کر دیتے ہیں۔ یہ ہستیاں دنیا میں مانند نمک کے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو دنیا بدمزہ ہو جائے۔ لیکن میں اس وقت فقط اُن کی طرف مخاطب ہوں جن کو دنیا چھوڑ نہیں سکتی اور نہ وہ دنیا کو چھوڑ سکتے ہیں۔ معمولی اشخاص کی فطرت نے انہیں اپنے ماحول میں ایسے پھنسا رکھا ہے کہ وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔ ان کا عمر بھر محض تحصیل علم میں لگے رہنا نہ ممکن ہے نہ مناسب ان کے لئے واجب ہے کہ دنیا داری کے مشغلوں کے ساتھ ساتھ (بلکہ انھیں مشغلوں کے ذریعہ سے) اپنی تدریسی تعلیم و اکتسابی تعلیم دونوں یکساں جاری رکھیں۔ یہی ڈاکٹر ملر کے پیغام کا منشا تھا کہ ہر طیلسان کو عمر بھر طالب علم رہنا چاہیئے۔

زندگی میں کامیاب ہونے کے لئے اول لیاقت ثانیاً ہمت ثالثاً مردم شناسی چاہیئے

لارڈ آلورسٹن جو لارڈ ریڈنگ سے پہلے انگلستان کے چیف جسٹس تھے انہوں نے اپنی زندگی ایسی پریشان حالت میں شروع کی جب کہ اُن کے ہاتھ میں پورے چھ آنے بھی نہیں تھے۔ وہ اپنی ہمت اور زور بازو سے اپنے والد کا قرضۂ کثیر ادا کرکے اپنے قانونی پیشہ میں ایسے سربرآوردہ و ممتاز ہوئے کہ انگلینڈ کے مشہور و اعلیٰ ججوں میں ان کا شمار ہے۔ ان کا مقولہ ہے کہ "جب کوئی لایق آدمی ایسی ہمت والا ہو کہ کبھی اپنا کام نہ چھوڑے برابر اس میں منہمک رہے تو ممکن نہیں کہ وہ کامیاب نہ ہو"۔ اسی لئے لیاقت کے ساتھ ہمت چاہیئے جس کا لازمی نتیجہ کامیابی ہوگا۔ اگر ہمت نہ ہو تو لیاقت بیکار ہو جائے گی۔ آپ پر خدا کا بڑا فضل ہے کہ یہ طفیل جامعہ عثمانیہ آپ کو عمدہ لیاقت حاصل ہوئی ہے۔ اب آپ کی ہمت ہی ہے جو آپ کو دنیا میں

کامیابی کا تمغہ پہنا دے گی۔

لیاقت وہمت کے لوازمات میں مردم شناسی بھی ہے جس سے ہمت بڑھتی ہے اور کام آسان ہوجاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:۔

کیا ملک میری حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں　　اُن کا اُستاد نہ سمجھا وہ معمّا میں ہوں

بیشک معلم الملکوت کے لئے اول اول انسان بالکل معمّا رہا ہوگا۔ کیونکہ شیطان انسان نہیں تھا جو انسان کو سمجھ سکتا۔ عزازیل آدم کو دیکھتے ہی حیران رہا ہوگا کہ وہ کس عنصر کی شئے تھا۔ فقط انسان ہی اپنے ابنائے جنس کو سمجھ سکتا ہے غیر جنس کیا سمجھے گا؟ "ایک انسان کا دوسرے انسان کو سمجھنا" یہی ہے کہ زید سمجھ جائے کہ خالد سے کس حالت وموقع میں کیا فعل سرزد ہوگا۔ شیطان گمراہ اسی لئے ہوا کہ سمجھ نہ سکا کہ آدمؑ جنت میں کس لئے ہیں کس حالت میں کیا کریں گے اور کیا نہ کریں گے۔ اس لئے آدمؑ اُس کے حق میں معمّا رہے لیکن شاعر کا قول بالکل درست ہوگا اگر اُس کا منشا یہی ہے کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے آدمی کو اچھی طرح سمجھنا ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ کسی معمّے کا حل مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کوئی سہل امر نہیں کہ زید ایک اجنبی شخص خالد کو دیکھتے ہی بو ہلۂ اول محض اُس کے قیافہ سے اُس کو کماحقہ سمجھ سکے کہ وہ کب یا کہاں کیا کرے گا یا کیا کہے گا۔ لیکن ہر شخص کے لئے دنیا کے کاروبار میں اکثر ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ کسی مرد یا عورت کو پہلے پہل دیکھتے ہی اُس کو سمجھ لے کہ اُس کے متعلق کونسا فعل یا ترک فعل بہتر ہوگا یا کم از کم کونسی بات مناسب ہوگی۔ ایسی سمجھ کی دشواری اس قیاس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دو آدمی مثلاً زید وخالد کی آپس میں جب بات چیت ہوتی ہے تو دراصل ایک زید اور ایک خالد نہیں۔ بلکہ تین زید اور تین خالد جملہ چھ آدمی ہوتے ہیں جو گفتگو کرتے ہیں یعنی پہلا زید وہ ہے جو فی الحقیقت ہے۔ دوسرا زید وہ ہے جیسا کہ وہ اپنے کو سمجھا ہوا ہے۔ اور تیسرا وہ زید ہے جیسا کہ خالد اُس کو سمجھا ہے! اور علیٰ ہذا القیاس تین خالد ہوتے ہیں

ایک حقیقی خالد دوسرا خالد جیسا کہ وہ اپنی دانست میں ہے اور تیسرا خالد وہ جو زید کے ذہن میں ہے غرض ایک زید اور ایک خالد کیا بلکہ تین زید و تین خالد کے حرکات و سکنات ٹھیک و صحیح (یعنے ایک دوسرے کے مزاج و حالت کے موافق) نہیں ہو سکتے اگر ہر ایک کی سمجھ اچھی اور صحیح نہ ہو۔ پس جو شخص اچھا مردم شناس نہ ہو اُس کے کام اور باتیں کسی دوسرے کی نسبت ایسی مناسب نہیں ہو سکتیں کہ دونوں اپنا اپنا مطلب اچھی طرح سہل طور سے نکال لے سکیں۔

مردم شناسی میں آپ جیسے طیلسانوں کو آپ کا تدریسی علم بڑی مدد دے گا جو ازمنہ سابقہ کے تجربات علما، و ماہرین کے نظریات کا لُب لباب ہوتا ہے۔ ان دنوں (Statistics) علم اعداد و شمار نے متعدد و متواتر مشاہدات کے منحنیات سے ہمارے لئے یہ سمجھنا سہل کر دیا ہے کہ کسی موقع و حالت میں کثیر التعداد اشخاص مجموعاً کیا کریں گے۔ چنانچہ یہ کوئی معمانہ ہوگا کہ جنگل میں کسی قافلہ پر اچانک اگر شیر حملہ کرے تو اس قافلہ کے مثلاً سو مرد و زن کیا کریں گے؟ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن میں کے فیصدی نوے افراد یقیناً مارے ڈر کے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کریں گے۔ غالباً فی صدی چھ سات گھبرا کر بے ہوش گر پڑیں گے اور شیر کا لقمہ ہونے کے قابل بن جائیں گے۔ شاید اُس قافلہ کے تین چار اشخاص ہی ہوں گے جو شیر کے مقابل اپنی جان لڑانے کو تیار ہوں گے۔ (میں نے الفاظ "یقیناً" "غالباً" "شاید" سرسری طور سے فہم کے مدارج بتانے کے لئے استعمال کئے ہیں) مگر معما یہ بات ہوگی کہ سو اشخاص میں وہ کون کون ہوں گے جو گھبرا کر یوں ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔ وہ کون کون ہوں گے جو مقابلہ کے واسطے تیار ہو جائیں گے۔ جنگل میں شیر کے سامنے زید کیا کرے گا؟ ہندہ کیا کرے گی؟ خالد بھاگ جائے گا یا کیا؟ اس کا صحیح قیاس قبل از قبل کر لینے کو "مردم شناسی" کہتے ہیں اور یہ مشکل امر ہے۔ اس میں اگرچہ علم النفس بہت مفید ہے مگر کوئی عام قاعدہ بتا نہیں سکتا جو ہر فرد بشر پر صادق آسکے۔ اس میں فقط آپ کی تربیت یافتہ عقل سلیم ہی کام

دے سکتی ہے۔ اسی لئے لازم ہے کہ آپ اپنے پاس کے اشخاص جن سے آپ کو ہمیشہ کام پڑتا ہو اُن کے طبائع سے۔ اور خصوصاً اپنے خویش واقارب کے رجحانات سے بخوبی واقف رہیں تاکہ آپ وقت پر قبل از قبل قیاس کر سکیں کہ کس موقع پر کون کیا کرے گا؟ اور آپ کو کیا کرنا ہوگا؟ اسی لحاظ سے میں نے کہا کہ زندگی میں کامیابی کے واسطے لیاقت و ہمت کے ساتھ مردم شناسی لازم ہے۔

انسان کی حیات کی بہبودی یعنے زندگی کی بہتری کا انحصار رنج وآفت کی کمی پر اور خوشی وراحت کی زیادتی پر ہے"۔ "راحت وآفت" "رنج وخوشی" نسبتی الفاظ ہیں جو ہر ایک کی شخصیت پر اور ہر ایک کے وقت اور موقع پر منحصر ہیں۔ کیونکہ کبھی کبھی راحت کا رنج سے مبدل ہوجانا ممکن ہے۔ بہرحال آپ جیسے تعلیم یافتہ طیلسانوں کے مدنظر اپنی راحت کی کمی بیشی کا کوئی مقیاس یا پیمانہ رہنا چاہئے۔ اگرچہ یہ کوئی دستورالعمل نہیں ہوسکتا لیکن خوش گردانی کے جادہ کا اچھا رہنما ہوگا۔

خواہشات نفس لاتعد و لاتحصی ہیں لیکن چونکہ اُن سب کی انتہائی غایت یا تو جلب منفعت ہے یا دفع مضرت۔ لہذا ممکن ہے کہ خواہشات کی دو صنفیں قرار دی جائیں ایک صنف جلب منفعت کی، خواہشوں کی جو خواہشات جلبیہ ہیں۔ اور دوسری صنف دفع مضرت کی خواہشوں کی جو خواہشات دفعیہ ہیں۔ ان دونوں صنف کی خواہشوں میں سے اگر وہ خواہشات خارج کر دی جائیں جن کا پورا ہونا ممکن نہیں تو بقیہ خواہشات کا سرسری (محض سرسری) شمار اس طور سے کیا جاسکتا ہے کہ ہر تعلیم یافتہ شخص سوچ لے کہ کس روز اُس کے دل میں کتنی خواہشات جلبی و دفعی موجود تھیں۔ اُن میں سے کتنی حاصل یا پوری ہوئیں اور کتنی غیر حاصل یا ادھوری رہیں۔ اس طور سے ہر ایک کی راحت یا خوشی کا مقیاس فقط ایک روز کے لئے ایک عدد کسری ہوگا جس کا نسب نما اس روز کی جملہ خواہشات ممکنہ کی تعداد ہوگی اور شمار کنندہ اُن خواہشات کی تعداد ہوگی جو اُس روز حاصل ہوچکیں۔

راحت = تعداد خواہشات محصّلہ / تعداد جملہ خواہشات ممکنہ

مثلاً کسی روز کسی شخص کی جملہ خواہشات ممکنہ اگر بالفرض سو ہوں اور اُن میں سے
محصلہ خواہشات کی تعداد بیس ہو تو اُس روز اُس شخص کی راحت کا مقیاس عدد کسری ۲۰/۱۰۰
بیس بٹے سو ہوگا۔ جبکہ جملہ خواہشات جس قدر زیادہ ہوں گی۔ اور خواہشات محصلہ کی تعداد
جس قدر کم ہوگی اُسی قدر مقیاس یا اندازہ راحت کی کسر چھوٹی ہوگی۔ مثلاً ۲/۱۰۰ دو بٹے سو جو راحت
کے عوض رنج کا مقیاس ہوگا۔ اور جس قدر جملہ خواہشات ممکنہ کے مقابل میں خواہشات محصلہ
کی تعداد زیادہ ہوگی اسی قدر مقیاس راحت کی کسر بڑی ہوگی مثلاً ۵۰/۱۰۰ پچاس بٹے سو جو خاصی
راحت ہوگی۔

آپ کو معلوم ہے کہ نسب نما کسی کسر کا جس قدر چھوٹا ہوگا اُسی قدر اُس کسر کی قیمت
زیادہ ہوگی۔ پس انسان کی خواہشات نفسی جتنی کم ہوں گی اتنا ہی اُس کی راحت کا
مقیاس زیادہ ہوگا۔ اسی لئے بدھ مذہب میں اس پر اصرار ہے کہ خواہشات نفس جس قدر
گھٹائی جائیں اسی قدر انسان کو راحت ہوگی۔ اگر کوئی شخص ریاضت وغیرہ سے اپنی
خواہشوں کو گھٹا کر اتنا کم کر دے کہ صرف دو تین باقی رہ جائیں اور اُن میں سے اگر صرف
ایک دو پوری ہو جائیں تو وہ شخص "بودھی ستوا" ہو جاتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس
دنیا میں کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کی خواہشات نفس گھٹکر اتنی ہی رہ جائیں جو پوری ہو سکتی ہیں؟ یا
دوسرے الفاظ میں۔ یہ کیا کسی آدمی کی راحت کا مقیاس کسر ہونے کے عوض اکائی ہو سکتا ہے؟

میں ان حضرات کی قدر کرتا ہوں جو عملاً اس سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں
میں نے دیکھا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ایسے محترم اشخاص موجود ہیں جو واقعی تارک الدنیا
پائے جاتے ہیں۔ جن کی خواہشات نفسی بہت ہی کم بلکہ کچھ بھی نہیں۔ جن کا مقیاس راحت
قریب قریب یکائی کے پایا جاتا ہے۔ ایسے مشاہدے کے بعد میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی شخص

اپنے نفس کی خواہشات گھٹا نہیں سکتا۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ہماری موجودہ دنیا میں یعنے ہمارے زمانہ کے ماحول میں خواہشات نفس گھٹانا نہایت ہی دشوار ہے۔ کیونکہ حرص بڑھانے کے لئے بہت سے اسباب موجود ہیں اور نئے نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں۔

زمانہ تو کبھی کسی کے لئے بھی یکساں نہیں رہتا۔ لیکن زمانۂ سابقہ و زمانۂ حالیہ میں بین فرق یہ ہے کہ اگر گزشتہ صدی کا زمانہ دوڑتا تھا تو اس صدی کا زمانہ اڑتا ہے۔ (واللہ اعلم آیندہ صدی کا زمانہ کیسا گزرے گا؟) جس زمانہ میں ٹیلیفون و موٹر کار نہ تھے ہر شخص اپنا کام خوب سوچ سمجھ کر اطمینان سے کرتا تھا مگر اس زمانہ میں جب کہ وائرلیس اور ایروپلین ہیں ہر شخص اپنے کام کے سوچ سمجھ میں زیادہ وقت صرف نہیں کر سکتا۔ بلکہ جلد جلد اپنے کام کرنے پڑتے ہیں ورنہ نقصان اٹھانا ہے لہٰذا جس قدر انسان کی ذات اور بات سریع السیر ہو گئی ہے۔ اسی قدر اس کی خواہشات بھی نہ صرف وسیع بلکہ تعداداً زیادہ ہوتی جاتی ہیں اور ان میں سے جتنی خواہشات پوری ہو سکتی ہیں ان کی تعداد کم کم ہوتی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر دس سال میں ہر مہذب ملک کی مردم شماری کے اعداد علی العموم زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور ذرائع قوت بسری کی تعداد نسبتاً کم ہوتی نظر آتی ہے۔ لہٰذا مقیاس راحت جہاں مثلاً بیس بٹے سو تھا۔ وہاں بیس بٹے دو سو ہوتا ہوا پایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں طیلسانوں کے لئے اس سے بہتر کیا جادہ عمل ہو سکتا ہے کہ (Plain living and high thinking) سادہ زندگی اور بلند خیالی اختیار کریں۔ تاریخ و اقتصادیات کے دفتر اس کے فوائد پر شاہد ہیں ان کی صراحت اس وقت باطالت اور تحصیل حاصل ہوگی۔ میں فقط اس قدر کہہ دیتا ہوں کہ اعلیٰ خیالی طیلسانوں کا فطرت ثانی بن جانا چاہئے۔ اور سادہ زندگی جو قدیم زمانہ میں طیلسانوں کی عادت رہی ہے وہ اس زمانہ کے طیلسانوں کا فریضہ ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ یہی ان کو اپنے ماحول کے موافق بنائے گا۔ آج کل کی تمثیلوں کے مطابق کہا جا سکتا کہ آپ کا ظاہر فورڈ کار کے مانند ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں لیکن آپ کا باطن رولز رائس مشین کے موافق

رہنا چاہئے۔

قدیم زمانہ میں جب کہ اکثر اوقات ہر جگہ جنگ وجدل کا بازار گرم رہتا تھا عام طور سے علم کی قدر ایسی نہ تھی جیسی کہ موجودہ زمانہ میں ہے۔ اُس وقت کے طلبا، اپنے کو سپاہ پیشہ اشخاص سے جدا رکھ کر اپنی جان بچانے کے واسطے عمداً پھٹے رہتے تھے ایک لمبا جبہ پہن کر گلے میں جھولی ڈالے ہوئے بھیک مانگ کر پیٹ بھرتے مُلک مُلک کے مشہور معلمین کی خدمات میں پہنچتے۔ اور اُن سے علم کا فیض حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی چمکدار عبا آپ کے ماسبق طلیسانوں کے پھٹے پرانے جبہ کی نشانی ہے۔ اور آپ کا ریشمی ہوڈ اُن کے جھولی کی یادگار ہے۔ یہ دونوں آپ کو سادہ زندگی کا درس دیتے ہیں۔

میں اب تک آپ کو آپ کے ماحول سے اثر پذیری کے چند طریقوں کی طرف توجہ دلاتا رہا۔ اب آپ کا خیال آپ کے ماحول پر اثر اندازی کے طرف مائل کرانا چاہتا ہوں۔

عرصہ ہوا کہ مجھے ایک جرمن پروفیسر کا لکچر سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ انھوں نے یونیورسٹی کی غایت کسی قدر حسنِ الفاظ میں بیان کی کہ "طلیسانین قوت اخذی و قوت رسانی کے اہل بنائے جائیں"۔ لیکن "قوت" سے اُن کی مراد نہ صرف غذائے جسمانی تھی بلکہ غذائے روحانی بھی تھی اور غذائے روحانی میں فنون لطیفہ موسیقی مصوری شاعری وغیرہ شامل تھے۔ اُن کے لکچر کا مطلب یہ تھا کہ طلیسانین اپنے واسطے قوت اخذی کی طاقت حاصل کرنے کے شکریہ میں اپنے ابنائے جنس کے لئے قوت رسانی کے ذرائع بن جائیں۔ جیسے آپ اپنے ماحول یعنے اپنی دنیا سے اچھا فائدہ اٹھانے کے قابل ہوئے ہیں۔ ویسے ہی اپنے ماحول کو یعنے اپنی دنیا کو فائدہ بخشنا آپ پر واقعی واجب بلکہ فرض ہے۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح جامعہ عثمانیہ نے آپ کو اپنے جسم و جامہ کے مانند اپنے دل و دماغ کو صاف اور ستھرا رکھنا سکھایا ہے۔ اسی طرح آپ اپنے خویش و اقارب۔ دوست و احباب۔ علی العموم اپنے ملک والوں کو ہر قسم کی صفائی ظاہر و باطن۔ پاکئی دل و دماغ کی طرف رغبت دلاتے رہنا۔ اور

اس میں اُن کو حتی المقدور مدد دیتے رہنا۔ آپ کے اس منصب کا فرض ہے جس کے لئے آپ آج طیلسان بنے ہیں۔

شاید مولانا جامی نے آپ ہی کی شان میں کہا ہو ؎

بہ بیں در رقص ازرق طیلسانان
ردائے نور در عالم فشانان

آپ کو دنیا کے کاروبار میں اپنے علم و عمل کے محاسن کا نور پھیلانا ضرور ہے اس کو آپ کا "ایثار" کہیں گے۔ اور ایثار کو مؤثر بنانے کے طریقوں کے تذکرے ادب واخلاق کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ یہاں اس وقت اُن کے صراحت کی ضرورت نہیں۔ فقط یہ بیان کافی ہے کہ خود آپ کی خوشش زندگی کے واسطے ایثار لازم ہے تاکہ آپ خوش رہیں اور آپ کا ماحول آپ سے خوش رہے۔ آپ کے جامعہ کی کوئی نصیحت اس سے بہتر نہیں ہو سکتی کہ "خوشش رہو خوش رکھو" لہذا جامعہ عثمانیہ کا پیغام آپکو میں شیخ سعدی کے الفاظ میں پہنچا کر اپنے اڈریس کو ختم کرتا ہوں۔ ؎

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو ، ہمہ خنداں بدند۔ و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقت مردن تو ، ہمہ گریاں شوند۔ و تو خنداں

نظامِ عشری کے متعلق چند خیالات

زمانہ قدیم میں تمام لوگ گنتی نہیں جانتے تھے۔ مگر دنیاوی کاروبار کے لئے ہر شخص کو کسی قدر حساب و گنتی کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ گڈریا اپنے پاس کی بکریوں کی تعداد معلوم کرنا چاہتا تھا۔ کسان اپنے پاس کے بیلوں کی تعداد اور گوالیہ اپنے پاس کی گائیوں کی تعداد معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ان کی گنتی کا علم بہت ہی محدود تھا۔ اور یہ حال اس زمانہ میں بھی چند جاہل لوگوں میں پایا جاتا ہے رفتہ رفتہ آدمی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسی ترکیب نکالی جائے کہ جس سے ایک مقدار دوسری مقدار سے کس قدر زیادہ یا کم ہے اس کا اندازہ ہو سکے۔ یہی خیال حساب کی ایجاد کا باعث ہوا۔

جب کسی شئے کا خیال بلحاظ اس کے اجزا یا بلحاظ کسی دیگر شئے کے کرتے ہیں اور اسے بطور عدد استعمال کرتے ہیں تو اس صورت میں اسے اکائی کہتے ہیں۔ گویا اس صورت میں ایک آدمی۔ ایک بکری۔ ایک بیل بطور عدد استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم جنس اکائیوں کے مجموعہ کو عدد کہتے ہیں۔

حساب ایک ایسا علم ہے جس میں چند علامات کے ذریعہ تعداد کا اظہار کیا جاتا ہے اور ان علامات کو ہندسوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زمانہ قدیم میں ہندسے صرف لکیروں سے ظاہر کیے جاتے تھے مثلاً ایک ' ا ' دو ' اا ' تین ' ااا ' چہار ' اااا ' زمانہ حال میں بھی چند جاہل مرد اور عورتیں دودھ یا پانی وغیرہ کی گنتی دیواروں پر لکیروں کے ذریعہ ہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وقدیم مصر کی تحریریں میں جو بجائے حروف کے تصویروں کے ذریعہ لکھی جاتی تھیں، نو تک کے ہندسوں کو صرف لکیروں ہی سے ظاہر کیا جاتا تھا۔

پہلے پہل گنتی انگلیوں کے ذریعہ سے شمار کی جاتی تھی۔ لیکن اس طرح سے صرف دس تک ہی لوگ شمار کر سکتے تھے۔ دس سے زیادہ تعداد کو ظاہر کرنے کے لئے کوئی ذریعہ قدیم لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ جب انسان نے چیزوں کے مختلف تعداد کے دو۔ تین۔ چار۔ پانچ وغیرہ دس تک نام رکھے تو اُسے خیال آیا کہ اس طرح اگر الگ الگ نام ہر ایک تعداد کا رکھا جائے تو عددوں کے نام اس قدر متعدد ہو جائیں گے کہ انسان کو ان ناموں کو یاد رکھنا مشکل ہوگا۔ اس لئے اُس نے سوچا کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے کہ تعداد کے نام کم سے کم ہوں اور اُن تھوڑے ناموں کی بدولت تمام اشیا شمار میں آسکیں۔

زمانہ قدیم میں اکثر لوگ اپنے حافظہ سے بہت کچھ کام لیتے تھے۔ لیکن ان کو گنتی اور عدد کے نام بالکل تھوڑے ہی معلوم تھے اور صرف انگلیوں کی گنتی زیادہ عددوں کو گننے کے لئے کافی نہیں ہوتی تھی۔ دس دس انگلیاں کتنی دفعہ شمار کی گئیں اس کا خیال جلد بھول جانے کا اندیشہ تھا اُس زمانہ میں گنتی کے کوئی ذرائع مثلاً کاغذ پنسل۔ تختی۔ قلم وغیرہ جیسے آج کل موجود ہیں نہیں تھے۔ لہذا گنتی میں بہت دقت پیش آتی تھی۔ ۔ ۔ یا ۸۰ کی گنتی ظاہر کرنی ہو تو ۷۰ کو تین بیس اور دس سے اور ۸۰ کو چار بیس سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں بھی دیہاتوں میں یہی بات کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ چند اشخاص کو تو پانچ تک ہی گننا یاد ہے زمانہ قدیم میں کسان وغیرہ اپنے جانوروں کی اعداد شماری کس طرح کیا کرتے تھے اس کے متعلق ایک چھوٹا سا قصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ایک کسان اپنے سمجھ دار لڑکے کو بلا کر کہتا ہے کہ کیا جانوروں کی گنتی میں تم مجھے مدد دو گے۔ اچھا۔ میرے نزدیک آؤ اور جیسا میں کہوں کرتے جاؤ۔ کسان نے دس تک گننے کے بعد اپنے لڑکے کو کہا کہ تم اپنی ایک اُنگلی اٹھاؤ۔ دوسری مرتبہ دس تک گننے کے بعد پھر لڑکے کو دوسری انگلی اٹھانے کے لئے کہا۔ اس طرح تمام جانوروں کی گنتی ختم ہوتے ہی اُس نے لڑکے کی طرف دیکھا تو اُس کی تین انگلیاں اٹھائی ہوئی تھیں اور خود کی پانچ انگلیاں

شمار کی ہوئی تھیں۔ تو کسان کو یہ معلوم ہوا کہ دس دس جانور تین مرتبہ شمار کئے گئے اور اس کے اوپر ۵ جانوروں کی گنتی ہوئی کیونکہ وہ ۳۵ کی تعداد سے واقف نہیں تھا۔ اس نے صرف لڑکے کی انگلیوں کی شکل اور خود کی انگلیوں کی شکل یاد رکھی۔ شام کے وقت جانور چراگاہ سے واپس آنے کے بعد اُن کے شمار کے لئے صبح کا طریقہ ہی اختیار کیا گیا۔ اور ہر دو کے انگلیوں کی شکل وہی دیکھنے کے بعد اس کا اطمینان ہوا کہ کوئی جانور گم شدہ نہیں ہے جانوروں کی تعداد دریافت کرنے پر اس نے جواب دیا کہ تین دس اور پانچ جانور ہیں۔

متعدد نسلوں تک اعداد شماری انگلیوں کے ذریعہ ہی ہوا کرتی تھی اور دس سے زاید گنتی کے لئے اوروں کی امداد کا محتاج ہونے کی ضرورت واقع ہوتی تھی۔ جب فن تحریر کی ایجاد عمل میں آئی تو نو تک کے شمار کے لئے مختلف علامتیں بنائی گئیں جن کو ہندسوں کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ وہ ہندسے یہ ہیں ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، اور ۹۔ اعداد شماری میں قدرتی پیمانہ ہی تعلیم کیا گیا ہے۔ قدرتی پیمانہ کی بنیاد انگلیوں کی ہی گنتی پر ہو سکتی تھی۔ اعداد کے اظہار میں لفظ ڈجٹ (Digit) استعمال کیا جاتا ہے اور لاطینی زبان میں ڈجٹ کے معنی انگلی کے ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو سکتی ہے کہ حسابی زبان کی ابتدا قدرتی اور عملی طریقوں پر ہی مبنی ہے۔

کتابت اعداد میں سادگی اور تاثیر اسی وقت پیدا ہوئی جب کہ بجائے انگلیوں کے اعداد مقامی قیمت کی ایجاد وجود میں آئی۔ ایک دفعہ نو تک لکھانے کے بعد باپ نے اپنے بچے سے یہ سوال پوچھا کہ دس کا ہندسہ کیسے لکھو گے تو لڑکے نے جواب دیا کہ ایک "۱" کا ہندسہ لکھوں گا اور اس کے ساتھ دائیں طرف صفر لگا دوں گا تو دس کا ہندسہ بنے گا۔ پھر باپ نے یہ سوال کیا کہ ۹ تک تو ہر ایک ہندسہ کے لئے ایک ہی علامت لکھتے آئے ہو اور اب دس کے لئے ہی دو علامتوں کی کیا ضرورت ہے؟ دس کے لئے ایک الگ علامت کیوں نہیں ہے تو اس نے جواب دیا کہ ہمیں استاد صاحب نے یہی بتایا ہے۔ بچوں کی سمجھ کے

لحاظ سے تو یہ جواب ٹھیک ملا۔ لیکن اِس دس میں دو مختلف شکلوں کی ضرورت کیوں واقع ہوئی
اِس کی اصلیت آگے بیان کی جاتی ہے۔

اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ انسان انگلیوں کے ذریعہ اشیاء کی تعداد معلوم کرتا تھا۔
اُس کے ہاتھ کی دس انگلیاں ہوتی ہیں اس لئے دس کی تعداد مقرر کر کے انسان رک گیا۔
دونوں ہاتھ کی انگلیوں سے گننے کے بعد پھر گننے کی ضرورت نہ ہو تو ہم کہتے ہیں کہ کچھ نہیں
یعنے ایک مرتبہ دونوں ہاتھ کی دس انگلیوں سے گنتی ہونے کے بعد علامت ایک "۱"
لکھی گئی اور اُس درجہ کا نام دہائی رکھا گیا اور کچھ نہیں کی علامت "۰" صفر ایک کے داہیں
طرف رکھی گئی جو اکائی کے درجہ سے تعبیر کی گئی صفر کے معنی عربی میں "خالی" کے ہوتے ہیں۔
جب فنِ تحریر کی ایجاد عمل میں آئی تو دس اکائیوں کے لئے بائیں طرف ایک کا ہندسہ لکھنے
لگے اور داہیں طرف دس سے کم مقدار کا ہندسہ لکھنے لگے۔ شلاً "۱۶" اشیاء کی تعداد ہندسوں
میں ظاہر کرتے وقت ایک مرتبہ دس شمار کرنے کے بعد ایک کا ہندسہ بائیں طرف اور
چھ کا ہندسہ ایک کے داہیں طرف لکھنے لگے۔ اولاً دس کے بعد لوگوں کو گنتی یاد نہیں تھی
تو دس پر ایک کے عدد کو ایک اور دس کہنے لگے اُس کے لئے الگ نام معلوم نہیں تھا
چنانچہ سنسکرت میں گیارہ کو "ایکا دش" کہتے ہیں اور فارسی میں "یازدہ"۔ اردو میں یازدہ کا گیارہ
بنا۔ اسی طرح دو اور دس مل کر سنسکرت میں "دوادش" فارسی میں "دوازدہ" اور اردو میں بارہ کہنے
لگے۔ دس دس کے دو مجموعوں کو ملا کر دو دس یعنے بیس اور تین دس کو ملا کر تیس کہنے لگے
جس طرح دس کے مجموعہ کے لئے دہائی کا مقام قرار دیا گیا اُسی طرح دس دفعہ دس کی گنتی کے لئے
اور ایک مقام دہائی کے بائیں طرف قائم کرنا پڑا اُس کو سیکڑے کا مقام کہنے لگے۔ اور اسی طرح
دس کی ہر ایک قوت کے لئے علحدہ مقام قائم کیا گیا اور اس طرح نظام عشری کی ایجاد عمل
میں آئی۔ عشر کے معنی عربی میں دس کے ہوتے ہیں۔ نظام عشری سے عددوں کا وہ نظام مراد ہے
جس میں اعداد دہائیوں کے مرکبات میں خیال کئے جاتے ہیں۔ دس اکائیوں کی ایک دہائی

دس دہائیوں کا ایک سیکڑہ۔ دس سیکڑوں کا ایک ہزار وغیرہ۔

ہندسوں کی مقامی قیمت کی ایجاد کے ساتھ ہی صفر کی ترکیب عمل میں آئی زمانہ قدیم کی تنظیم اعداد میں صفر کی علامت موجود نہیں تھی اور اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے کتابت اعداد میں اور اُن کی مقامی قیمت کی شناخت میں بہت دقت واقع ہوتی تھی۔ سہولتِ اعداد کی غرض سے اکائی۔ دہائی۔ سیکڑہ وغیرہ الفاظ ہندسوں پر لکھدئے جاتے تھے۔ مثلاً۔ اکائی دہائی۔ سیکڑہ یا دہائی۔ سیکڑہ اکائی یا سیکڑہ دہائی اکائی وغیرہ پھر خیال آیا کہ اکائی کے لئے ایک زبر "´" دہائی کے لئے دو زبر "˝" اور سیکڑے کے لئے تین زبر "‴" لگا دئے جائیں مثلاً ۳ ۱ ۲ یا ۲ ۳ یا ۲ ۱ ۳ سب کی قیمت ایک ہی ہے۔ لیکن اس طرح بڑے عددوں کے ظاہر کرتے وقت متعدد زبر کی علامات لکھنے میں دقت پیش آنے لگی۔ اس لئے یہ خیال کہ مختلف خانوں میں شروع اکائی پھر دہائی اور بعد سیکڑے بنانے والے ہندسے لکھے جائیں کیونکہ بغیر خانوں کے خالی جگہ پُر کرنے میں مشکل پیدا ہوتی تھی۔ دو سو تین کو لکھنے کے لئے پہلے دائیں خانہ میں ۳ اس کے بائیں طرف کا دوسرا خانہ خالی اور تیسرا خانہ جو سیکڑے کا ہے اُس میں ۲ کا ہندسہ لکھدیا جاتا تھا

۳		۲

بعد میں یہ خیال آیا کہ تمام خانوں کو اڑا دیا جائے اور خالی مرتبہ کی جگہ خالی خانہ بنا دیا جائے اس طرح متذکرہ بالا عدد ۳ □ ۲ سے ظاہر کیا گیا۔ بعد میں مشق کرتے کرتے یہ خالی خانہ گول شکل میں لکھا جانے لگا۔ اور یہی صفر کی بناوٹ کی بنا پڑی۔

دوسروں کے خیالات سے آگاہ ہونے کے لئے فن تحریر کی ایجاد ہوئی اور حساب کو تحریری طور پر ظاہر کرنے کے لئے آسان طریقہ سوچا گیا ایک۔ دو۔ تین وغیرہ اعداد بذریعہ الفاظ بھی تحریر کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن یہ طریقہ طول طویل ہے اور اس کے ذریعہ مختلف عملوں میں دقت پیش آتی ہے اس لئے مختصر طریقہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس طریقہ میں دو باتیں ضروری ہیں (۱) علامات کم سے کم ہوں اور (۲) جس مطلب کے لئے وہ استعمال میں آئیں وہ مطلب

پورا ہو سکے یعنے ہر ایک بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا عدد اِن علامتوں سے ظاہر ہو سکے چنانچہ دس نشانیاں ا تا ۹ اور صفر مقرر کی گئی۔ اور انہیں ہندسوں کے ذریعہ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا عدد ظاہر کیا جانے لگا۔ اور صرف دس ہی ہندسوں پر تمام نظام عشری کی بنیاد قائم ہوئی۔

مدرسۂ محمود گاوان بیدر

ممالک محروسہ سرکار نظام خلد اللہ ملکہٗ چار صوبوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے جنوبی صوبہ گلبرگہ خاص طور سے قابل ذکر ہے کیونکہ قدیم ترین اسلامی حکومتوں میں اسی حصہ ملک کے کسی نہ کسی حصے کو دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل رہا ہے۔ اگر اس زمانے کے تمدنی حالات کا پتہ لگانا مطلوب ہو تو اس کے لئے اس سے بہتر اور کوئی مقام تحقیقات کے لئے نہیں مل سکتا۔

صوبہ گلبرگہ کے شمال مشرق میں سطح سمندر سے تقریباً ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر شہر بیدر واقع ہے۔ اسے صوبہ گلبرگہ میں ایک خاص اہمیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ سلطنت ہائے بہمنی و بریدشاہی کا پائے تخت رہا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سکندر اعظم کی یورش ہند کے زمانے میں یہ شہر آباد کیا گیا تھا۔ دمینتی جس کو مہابھارت کے راجہ نل کی وجہ سے بقاء دوام حاصل ہے یہیں کی راجکماری تھی۔[1] بعض ہندو روایتیں اس کی آبادی کو پانچ ہزار سال کی قدیم بتاتی ہیں[1] ۱۳۲۲ء میں پہلے پہل الغ خاں سلطان غیاث الدین تغلق کے بڑے بیٹے نے اس شہر پر قبضہ کیا۔ اور اس

[1] آئینہ بیدر صفحہ ۲۵-۲۶-۳۰

زمانے میں خوش حالی اس قدر بڑھی کہ سالانہ ایک کروڑ روپیے کی مالگزاری ہونے لگی[1]
تغلق شاہی کے بعد ۱۳۴۷ء میں ظفر خاں (سلطان علاء الدین حسن بہمنی) نے دکن میں ایک ابھرنے والی خود مختار سلطنت کا سنگ بنیاد رکھا اور ۱۴۲۹ء تک اس کا مستقر حکومت گلبرگہ رہا لیکن اس سنہ میں فیروز شاہ مصلح کے بھائی احمد شاہ ولی بہمنی نے تخت نشین ہوتے ہی دار الحکومت کو بیدر میں منتقل کر دیا[2] اور کوئی دو سال میں ضروری عمارتیں تیار ہوئیں[3] اس کے بعد یہ بہمنی حکومت کے شایانِ شان ایک پایۂ تخت اور علوم و فنون کا مرکز بن جاتا ہے۔ جس کے شکستہ آثار آج بھی عظمت پارینہ کا ثبوت دیتے ہیں۔

۱۴۵۵ء میں قریہ قاواں علاقہ گیلان کا ایک عالم، ولی، تاجر، جو کبھی شہزادہ تھا بندر گاہِ دابھول میں وارد ہوتا ہے اور ایک غیبی کشش سے اس کے پاؤں بیدر کی جانب اٹھتے ہیں[4] سلطان علاء الدین علماء فضلاء کا بہت قدر دان تھا اس کو محمود گاواں (قاواں) کا ساجہاندیدہ شخص اس قدر پسند آیا کہ بہت جلد اس سے مانوس ہو گیا اور ایسی خاطر مدارات کی کہ وطن بھلا دیا۔ حتیٰ کہ کچھ ہی عرصہ بعد ایک لشکر سپہ سالاری پر مقرر کیا[5] رفتہ رفتہ تقرب اتنا بڑھا کہ بعد میں دو بادشاہوں کا نائب السلطنت اور بعد میں وزیر اعظم ہوا۔

محمود گاواں نہ صرف ایک بڑا تاجر، جہاں دیدہ سیاح، مدبر، سپہ سالار اور بین الاسلامیاتی (Pan Islamist) تھا بلکہ ایک ولی صفت عالم اور ادیب بھی تھا۔ اس نے فنِ انشا پردازی پر ایک کتاب "مناظر الانشا" کے نام سے تصنیف کی ہے۔ اس کے ایک دیوان کا بھی تذکرہ تاریخ فرشتہ میں ہوا ہے۔ "ریاض الانشاء" میں اس کے خطوط مدون ہیں۔

بہمنی سلاطین بڑے علم پرور بادشاہ تھے اور نہ صرف علماء و فضلاء کی قدر دانی کرتے تھے بلکہ مملکت میں ہر جگہ مدارس کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ قدیم اسلامی عہد میں اعلیٰ تعلیم کا بہت

---

[1] گلمپسز آف دی نظاماس ڈومی نیس صفحہ ۴۰ [2] ایضاً صفحہ ۴۲۹ [3] سیرۃ المحمود طبع دوم صفحہ ۹ [4] ایضاً صفحہ ۱۵-۱۶
[5] انگک ویکیز آف بیدر

انتظام تھا۔ اس زمانے میں تعلیم گاہیں، مساجد اور خانقاہیں تقریباً ایک ہی چیز تھیں۔ اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ مساجد اور خوانق میں طالب علموں کی لاجنگ اور بورڈنگ کے لئے کافی حجرے ہوتے تھے جن کے کھنڈرات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کو باقاعدہ سرکاری امداد بھی ملتی تھی جس کی صورت عموماً اوقاف اور جاگیریں ہوتی تھی۔ اور وقت بوقت غیر معمولی عطیے وغیرہ بھی ملتے تھے[1]۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ مستقل مدارس اس زمانے میں نہ تھے اس کے برخلاف خود بہمنی دور حکومت میں متعدد بڑے بڑے مدارس اور کالج قائم تھے۔ چنانچہ مدرسۂ محمودیہ جس کے حالات کی تفصیل اس وقت مقصود ہے اتنا بڑا کالج تھا کہ اس کی شہرت بیرون ہند بھی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کے لئے ایران و خراسان وغیرہ سے پروفیسر بلائے جاتے تھے[2]۔

بادشاہوں کا اثر رعایا پر اور خصوصاً مقربوں اور درباریوں پر بہت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلطنت بہمنیہ کے علم پرور زمانے میں امراء و وزراء نے بھی علوم و فنون کی ترقی کے لئے بے نظیر کوششیں کی ہیں۔

محمود گاواں، ہندوستان میں خواجہ نظام الملک طوسیؒ کا پورا پورا جواب ہے۔ اس نے اپنی بے غرض اور خیر خواہانہ کوششوں سے ملک میں امن و امان، فارغ البالی اور خوش حالی کا دور دورہ پیدا کر دیا جس کے بعد اس نے ایک عظیم الشان مدرسے کی شہر بیدر میں بنیاد ڈالی۔

۸۷۳ھ میں قلعہ بیدر سے باہر ایک پر فضا مقام منتخب کیا گیا اور اس پر ایک اعلیٰ درجہ کی عمارت بنائی جانے لگی اور دو سال نو ماہ[3] کی مدت تعمیر کے بعد ۸۷۶ھ میں اس کی تکمیل ہوئی[4]۔ اس مدرسہ کی عمارت ۲۰۵ قدم طویل اور ۱۸۰ قدم عریض قطعہ زمین پر رکھی گئی[5]۔ عمارت

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو محبوب الوطن صفحات ۹۲ تا ۱۰۱ جس کا آخری فقرہ یہ ہے "ان مدارس کے علاوہ اور بھی دکن میں مدارس تھے طوالت کی وجہ مذکور الصدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ محبوب تذکرۂ دکن تذکرۂ آثار دکن میں ہر ایک کا مفصل ذکر آئے گا"۔ نیز سیرۃ المحمود صفحہ [illegible] [2] محبوب الوطن صفحہ [illegible] [3] گلم سز آف دی نظامس ڈومی نینس صفحہ ۴۶ [4] محبوب الوطن صفحہ ۹۹ [5] انٹک ویٹز آف بیدر (مرتبہ سررشتہ آثار قدیمہ سرکار عالی)

میں منزلوں میں کچھ اس قسم سے بنائی گئی ہے کہ نہایت شاندار معلوم ہوتی ہے۔ اس کے سامنے
کا حصّہ جو انکاشک (رنگین نقش و نگار جو جلا کر اندر بٹھایا جائے) اینٹوں سے نہایت وافر مقدار
میں گنجان طور سے آراستہ کیا گیا ہے۔ بعض جگہ رنگ گہرا ہے اور بعض جگہ ہلکا رنگ استعمال
کیا گیا ہے۔ رنگ آرائی میں مختلف ڈزائن اختیار کی گئی ہیں۔ مشرقی حصّے میں ایک بہت بڑا
دروازہ داخلے کے لئے رکھا گیا تھا اور بازوؤں پر دو شاہانہ منارے تھے اور ہر ایک ..... قدم
اونچا تھا[1]۔ یہ منارے بھی رنگین اینٹوں سے آراستہ کئے گئے تھے جو منحنی شکل کے نقش و نگار
پیش کرتے تھے۔ مناروں کی وجہ سے عمارت کا حسن دوبالا ہو گیا تھا۔

مناروں کا طرزِ بنا قابل غور ہے خصوصًا ان کا انتہائی سرا اور بالکنی یعنی منارے کا
برآمدہ۔ یہ ہندوستان کے کسی منارے اور برآمدے سے مشابہ نہیں ہیں بلکہ بعض ترکی عربستان
اور ایران کے ابتدائی نمونوں (Jaham minaret) کی یاد دلاتے ہیں[2]۔

مدرسے کی عمارت گچ سے نہایت مضبوط اور پختہ بنائی گئی ہے اور حملوں کے خطرے زمانہ
کا لحاظ کرتے اس کے اطراف قلعے کے مانند کنگرہ دار فصیل بنائی ہوئی ہے۔ میں نے خود دیکھا
ہے کہ اس کے شمالی حصے کے آخری مقام پر ایک مردہ کنواں ہے اور تعمیر عمارت میں اس
قسم کا لحاظ رکھا گیا ہے جیسے آج کل لفٹ کے لئے ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر منزل سے اس میں سے
پانی کھینچا جا سکتا ہے۔

بلڈنگ کے کئی حصّے کر دئے گئے ہیں جن میں مسجد، کتب خانہ، لکچر گاہ، مسکن اساتذہ
اور طلبا، مختصر سونے کے کمرے۔ وسط میں ۱۰۰ مربع قدم کی جگہ صحن کے طور پر چھٹی ہوئی ہے[1]
مسجد اور کتب خانے کا مقام عمارت کے اگلے حصّے میں تھا جو بڑے دروازے کے دائیں
بائیں سمجھنا چاہئے۔ باقی تین حصّوں کے وسط میں دو وسیع ہال تھے ۵۲ ف طول ۲۶ ف عریض اور
تیسری منزل تک بلند تھے۔ ان ہالوں میں سے ہر ایک میں ایک نصف معشر دریچہ (Seme

---

[1] انگک ڈیٹرآف بیدر

decagonal orial) ہے جو ایک قبّے کا تاج پہنا ہوا ہے[۱]۔
ان سے بیرونی منظر بڑا دلفریب ہو گیا ہے۔ ان کی وجہ سے بہت سا بوجھ کم ہو گیا ہے
جو ایسا نہ ہوتا تو طویل ڈھالو دیواروں اور سہارے کے بٹریس کی وجہ سے شمالی مغربی اور جنوب
مغربی کونوں میں صاف محسوس ہوتا۔

مختلف کمروں میں رنگ آرائی کرائی گئی تھی اور خاص خاص موقعوں پر موزونیت
کے ساتھ قرآنی آیتیں سنہری اور رنگین حرفوں سے چینی کاری کے طور پر لکھوائے گئے تھے
صدر دروازے کے اوپر کی دیوار پر نیلی زمین میں سفید حرفوں سے نہایت جلی قلم سے قرآن مجید
کی یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔

وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنۃ زمرا حتی اذا جاء وھا وفتحت ابوابھا
وقال لھم خزنتھا سلم علیکم طبتم فادخلوھا خالدین وقالوا الحمد للہ الذی
صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العاملین[۲]۔
مگر بہت تھوڑا حصہ اب صاف پڑھا جاتا ہے۔

پروفیسروں کے کمرے کونوں میں تھے اور ہشت پہلو تھے ان میں کتابوں کی الماریاں
بھی رہتی تھیں[۱]۔ عمارت میں ہوا اور روشنی کا بہترین انتظام ہے اور جدید نمونوں کو ان پر
کسی طرح فوقیت نہیں دی جا سکتی[۲]۔ طلبا کو رہنے کے کمروں کے علاوہ کھانا اور کپڑا مفت
ملتا تھا[۳]۔ مسافروں اور نوواردوں کو ہر روز لنگر بٹتا تھا[۴]۔ مدرسے کے متعلق ایک چوک بھی تھا
جو ابھی تک موجود ہے اگرچہ ویران پڑا ہے[۵]۔

جب مدرسے کی عمارت تیار ہو گئی تو اس کی تاریخ سامعی نے ایک قرآنی آیت سے
اس طرح نکالی ہے ؎

---

[۱] انڈین آرکیٹکچر … [۲] آئینہ بیدر صفحہ ۲۶ [۳] سیرۃ المحمود صفحہ ۲ [۴] محبوب الوطن صفحہ ۹۹

ایں مدرسہ رفیع و محمود بنا — چوں کعبہ شدہ است قبلۂ اہل صفا
آثار قبول بیں کہ شد تاریخش — از آیت ربنا تقبل منا (۸۷۶ھ)[۱]

مدرسے میں درس دینے کے لئے علم پرور بانی خواجہ محمود گاواں نے مولانا عبدالرحمان جامی اور مولانا جلال الدین دوانیؒ کو طلب کیا مگر یہ دونوں بزرگ ضعیفی اور پیری کے باعث وطن چھوڑ کر ہندوستان آنے رضامند نہیں ہوئے[۲]۔ مولانا جامیؒ نے جواب میں ایک قصیدہ لکھ بھیجا جس کے دو شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

نیست در شہر شما از بہر منع زایراں — شہر بیدر را چساں درسبت بررویم قضا
از گراں جانی نیارم سوئیت آمد ور نہ ہست — جذب شوق از پیش روئے دفع اضداد از قفا[۲]

مولانا جلال الدینؒ نے ہیاکل النور کی شرح کا عنوان خواجہ گاواں کے نام سے معنون کر کے بھیجا۔ محمود گاواں نے جواب الجواب میں تحائف اور زر نقد ارسال کیا[۳]۔

مدرسے میں عرب و عجم کے لائق اساتذہ مقرر تھے۔ عربی فارسی کی مروجہ کتابوں کی پوری تعلیم ہوتی تھی۔ مدرسے سے اکثر طلبا، فارغ التحصیل نکلے ہیں مثلاً کشور خاں، غلام خواجہ وغیرہ امرازادے[۴]۔

یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ مدرسے کے پرنسپال کون کون رہے تاہم اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ محمود گاوان خود بھی جب کبھی اسے فرصت ملتی طلبا، کو درس دیا کرتا تھا[۵]۔ اس میں محمود گاوان نے تین ہزار قلمی کتابوں کا کتب خانہ عطیہ دیا تھا[۶]۔ نہیں معلوم اس کے بعد ان کتابوں کا کیا حشر ہوا۔

۱۶۵۶ء میں عالمگیر اعظم نے بیدر پر قبضہ کر لیا اور کچھ عرصہ بعد ایک کمسن لیکن نہایت فاضل و متقی بیجاپوری عالم کو جن کا نام شیخ محمد حسین تھا امام المدرسین کا خطاب دے کر یہاں پرنسپال مقرر کیا[۱]۔

---

۱ محبوب الوطن ص۹۹ ۲ ایضاً ص۱۰۱ ۳ سیرۃ المحمود ص۵۷ ۴ گلم سز آف دی نظامس ڈومینس ص۳۶۲ ۵ آئینہ بیدر ص۶۹

مدرسہ ۱۰۰۰ھ کے ۱۱ رمضان المبارک تک معمور رہا۔ اس زمانہ میں "جلال الدین خاں قلعہ دار بیدر نے مدرسے کے ایک طرف کے مکان میں بارود رکھوا دی تھی"۔ ۱۱ رمضان المبارک کو مدرسے کی مسجد میں حسب معمول تراویح ہو رہی تھی کہ میگزین پر بجلی گری اور اس کے اڑنے سے مدرسے کو صدمہ پہنچا۔ چنانچہ سامنے کا نصف اور جنوبی حصے کا نصف بازو تباہ ہو گیا اور ایک مینار بھی گر گیا۔ تین سو پچاس نمازی مع پرنسپال دب کر مر گئے اس کی تاریخ تباہی "خراب شد" (۱۰۰۰ھ) سے نکالی گئی ہے۔

برگس (Briggs) تاریخ فرشتہ پر نوٹ لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ اورنگ زیب کے قبضہ بیدر کے بعد مدرسے سے بارود کے مخزن اور اصطبل کا دوہرا کام لیا جاتا تھا جب کہ اتفاقاً بارود کا دھماکہ ہو کر عمارت کا بڑا حصہ منہدم ہو گیا اور آس پاس بڑی تباہی ہوئی۔

مگر یہ ہمعصر تاریخوں سے ثابت نہیں (ضو صاحب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر نے مدرسے کو برقرار رکھا اور وہاں کے پرنسپال کو بلا کر ایک جاگیر بھی دی)

اس عمارت کا ایک سے زائد اشخاص نے تذکرہ کیا ہے او لا میڈوز ٹیلر اپنی (Sketches in Deccan) میں اور برجس Burgess نے ارکیالجیکل سروے آف ویسٹرن انڈیا صد میں۔ لیکن ہر دو تذکرے اس کی حقیقی شان اور عظمت کے اظہار میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ آخر الذکر کے فوٹو نہایت خراب ہیں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ "تا زمان تحریر ایں حکایت کہ ۱۰۱۵ باشد ہنوز آں عمارت و مسجد و چار طاق بازار بزرگ باقی است و از لطافت و پاکیزگی چناں در نظر می آید کہ حالا بنایاں دست از تعمیر آں باز داشتہ اند"۔ سر رچرڈ ٹیمپل نے اس عمارت کو دیکھ کر اپنے سفرنامے میں لکھا ہے "اس مقام کا خاص طور سے خوبصورت چینی کا کام تھا۔ عمارت کے بیرونی حصے پر بہترین چمکدار رنگ کئے گئے ہیں جن کا بہت کچھ حصہ اب بھی دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہے عمارت غالباً تمام ہند میں

---

۱ آئینہ بیدر صفحہ ۲ انگ ویٹر آف بیدر ۳ گلستان نسبت صفحہ ۷ قلمی نسخہ ۱ فرشتہ صفحہ ۲۹۳

اِس وقت اپنی قسم کی بچی ہوئی عمارتوں میں بہترین ہے۔

یہ عمارت محکمہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں ہے بہمنی عہد کی یہ بہترین یادگار صدیوں کی بے توجہی سے ایک قابل شرم تباہ حالت پر پہنچ گئی تھی۔ اب محکمہ آثار قدیمہ کی وجہ سے ہزاروں روپیوں کے خرچ سے اس کی مرمت و نگہداشت کا انتظام ہوا ہے۔ اور منہدمہ حصّے کے گچ پتھر کو اٹھوا کر بقیہ کی درستی کرائی گئی ہے اور عمدہ حالت میں رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ مرمت میں چونے میں تھوڑی راکھ ملائی گئی تھی تاکہ عمارت کے اصل قدیم رنگ کے ساتھ بدنمائی نہ پیدا کرے۔ تلك الايام نداولها بين الناس

مُطالعۂ اطفال

مدرس کے فرائض میں اطفال کا مطالعہ سب سے دلچسپ اور اہم ہے۔ جس طرح ڈاکٹر کو چاہیئے کہ انسان کی ساخت اور اعضاء عمل سے واقف ہو تاکہ علاج کے وقت مرض کے آثار کے مطابق تغیر و تبدل کر سکے۔ ایسی طرح مدرس کو بھی "طفل" اور "دماغ طفل" کے عمل سے واقف ہونا ضروری ہے کیوں کہ درس کی کامیابی اور تدریس کے گہرے اثرات کا انحصار بچہ کے متعلق معلومات حاصل کردہ کی حد تک ہوگا جو زیر تعلیم ہے جب سے مطالعہ اطفال مدرس کے فرائض کا ایک جز گردانا گیا اسے امتیاز حاصل ہوگیا اور اس میں کوئی ندرت باقی نہیں رہی۔ اب مطالعہ اطفال ایک سائنس کے درجہ پر پہنچ گیا ہے اس لئے سائنس کے طریقوں کا علم اور اس کے متعلق دلچسپی مطالعہ اطفال کے واسطے مفید ہیں مگر اس کے لئے یہ ضروری

ﮯ گلم سز آف دی نظامس ڈومی نینس صد ۱۶۲ء

نہیں ہے کہ مدرس سائنس داں ہو۔

یہ مقصد پیش نظر رہنا چاہئے کہ اپنے ذاتی مشاہدہ سے بچوں کے متعلق جتنے واقعات ممکن ہوں جمع کر کے ترتیب دے لئے جائیں اور اُن سے عام اُصول مرتب کئے جائیں تاکہ بعد ترتیب یہ اصول تدریس میں فائدہ پہونچائیں تمہیں اس بات کا جلد تجربہ ہو جائے گا کہ جو طریقہ درس ایک بچہ کے واسطے مناسب ہے وہ دوسرے کے لئے موزوں نہیں، اور درس تیار کرتے وقت جو طریقہ اختیار کیا جائے گا پڑھاتے وقت وہ طریقہ قطعی غیر موزوں ثابت ہوگا، تدریس سے مراد دماغ کا ارتقا ہے۔ اس لئے اگر اپنے درس کو کارگر اور کامیاب بنانا چاہتے ہو تو حتی الوسع تم کو بچہ کے دماغ کے عمل سے واقف ہونا چاہیئے۔

مطالعہ اطفال کا چاہے کوئی طریقہ اختیار کیا جائے جب تک خوب محنت نہ کی جائے اس میں کامیابی حاصل کرنے کی زیادہ اُمید نہیں، شاید ترقی کی رفتار تمہیں سست معلوم ہو اور ممکن ہے کہ محنت کے مقابلہ میں نفع بھی کم دکھائی دے، مگر ثابت قدمی سے کام کیا جائے گا تو صلہ یقینی ملے گا۔ اس سے جی چرا کر یہ ہرگز خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اطفال کا مطالعہ مناسب نفسیات کا فرض ہے۔ بعض دوسروں کے مشاہدات پر انحصار کرنا کچھ زیادہ فائدہ رساں نہیں۔ اپنے مشاہدات کے تحت موزوں و مناسب طریقہ تمہیں خود اختیار کرنا چاہیے۔

مجھے بخوبی معلوم ہے کہ تمہیں اس کام کے واسطے زیادہ فرصت نہیں اور یہ کہ درس تدریس تمہارا اصلی فرض ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھو کہ مدرس کا بڑا فرض اتنا مضامین کا پڑھانا نہیں ہے جتنا دماغ کا تربیت کرنا ہے، دماغ خام پیداوار کی طرح ہے اس کی تربیت کرنا مدرس کا کام ہے۔

مطالعہ اطفال کے دو خاص طریقے ہیں، پہلا یہ کہ بچہ پر تجربہ کیا جائے یعنے اُسے سائنسی (علمی) تحقیقات کا محل بنایا جائے، اس طریقہ پر اعتراضات بھی کئے گئے ہیں، اور

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جس بچہ کا مطالعہ کیا جائے اُس کے لئے یہ طریقہ نقصان رساں ثابت ہوگا' باقاعدہ طور پر مطالعہ کیا گیا تو بچہ اس بات سے واقف ہو جائے گا اس کے حرکات و سکنات غیر قدرتی اور مصنوعی ہو جائیں گے' اور بدیں وجہ مشاہدات بے کار و بے سود ثابت ہوں گے اگر اس طرح مطالعہ کرنے والا خود اُس بات میں مخل ہوگا جس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے' نیز اس کام میں تم جتنا وقت صرف کر سکتے ہو اُس سے زیادہ درکار ہے پس اطفال کا اس قسم کا مطالعہ ماہرین فن پر بس چھوڑ دینا مناسب ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اطفال کا مطالعہ طریق تشریح (Method of Interpretation) کے ذریعہ کیا جائے۔ لیکن صرف ایسی طریقہ سے اختیار کرنے میں ممکن ہے غلط فہمی ہو جائے۔ مشاہدہ کرنا اور اس مشاہدہ سے نتیجہ اخذ کرنے میں فرق و امتیاز کرنا بہت دشوار بات ہے ہمارے اکثر مشاہدات' مشاہدہ نہیں ہوتے بلکہ پہلے سے قائم کی ہوئی رائے ہوتی ہیں اور ایسے نتیجہ ہوتے ہیں جو مشاہدہ کرنے سے قبل ہم اپنے دل میں قائم کر چکے ہیں ہم ایک بچے کو دیکھ کر کہتے ہیں وہ تھک گیا۔ تم وہ بات کہہ رہے ہو جو تم نے درحقیقت مشاہدہ کیا ہے یا جو تم نے دیکھا اس کے متعلق اپنی رائے بیان کر رہے ہو طریق شرح (Method of Interpretation) کی رو سے تم بچہ کو دیکھ کر چند خصوصیات کا مشاہدہ کرتے ہو اور خود اپنے سے نسبت دے کر (یا اپنے حوالہ سے) اس کی شرح کرتے ہو تم اپنی طبیعت اور خصلت سے واقف ہو' ایسی روشنی میں بچوں کی شناخت کرتے ہو مگر بچہ کی فطری طبیعت کو جوانوں کی مثل فرض کر لینا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔

یہاں تمہیں بڑی دشواری درپیش ہوگی نہ تو اساتذہ اطفال کی پورے طور پر تحقیقات اختیار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی رائے میں یعنی اپنے سے نسبت دے کر بچوں (Interpret children) کی شناخت کر سکتے ہیں' اس سے غلط فہمی کا امکان ہے پھر کیا کیا جائے؟ مکمل طور پر علمی (سائنٹیفک) تحقیقات کو دوسروں کے واسطے چھوڑ دینا

مناسب ہے، مگر اُن کے حاصل کردہ نتائج اور اپنے تجربہ سے معمولی بچہ کا ایک عام مگر صاف وصریح تخیل قائم کرلینا چاہئے نیز بچپن کی عام خصوصیات اور مشکلات معلوم کرکے ٹھیک ٹھیک شناخت کی جائے اپنی اس وقت کی حالت سے مناسبت دینی چاہئے بلکہ اُس بچپن کی حالت سے جو ہم گزار چکے ہیں، زمانہ ماضی کی یاد تازہ کرنا اور اپنے بچپن کی [illegible] کا صحیح اندازہ لگانا ذرا دشوار امر ہے مگر حافظہ پر زور دیا جائے تو یہ ممکن ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ شروع ہی میں پوری جماعت کا مشاہدہ شروع کردینا چاہئے ابتدا ایک یا دو سے کی جائے، جس بچہ کو منتخب کیا جائے اُسے مختلف حالات میں مشاہدہ کرنا چاہئے، جب کام کرتا ہو، کھیلتا ہو، خاموش بیٹھا ہو یا پھرتا ہو، تھک گیا ہو یا تازہ دم چاق چوبند ہو، غرض اس کا سب حالتوں میں مشاہدہ کیا جائے، صرف ایک دو مثالوں سے کوئی اصول مرتب کرنا درست نہیں مگر مطالعہ اطفال میں اسے زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، جو بات ایک بچہ کے متعلق درست ہوگی وہ یقیناً دوسرے بچوں کے لئے بھی ٹھیک ثابت ہوگی، بہرصورت اصول ترتیب دینے کے بعد دوسروں پر منطبق کرکے اس کی جانچ کرلی جائے۔ اصول کی آزمایش اور جانچ کرتے رہو۔ جب موقع ملے بار بار مشاہدات کئے جائیں تاکہ خاص اور عام میں امتیاز کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے۔ جتنے وسیع پیمانہ پر کسی اصول سے کام لیا جائے گا اتنا ہی زیادہ اپنے درس کے طریقوں میں ترمیم کی ضرورت لاحق ہوگی۔

اپنی جماعت سے واقف ہونے کے کچھ ہی دن بعد تم ہر لڑکے کے متعلق ایک رائے قائم کرلوگے، ہر ایک کے چال چلن کی بابت تمہارا کوئی خیال ہوگا۔ مگر یہ خیال کس حد تک صحیح ہے یہ آیندہ تجربہ کی بنا پر طے پائے گا۔

ابھی تک تمہیں یقیناً حیرت ہوگی کہ جس بات کا تمہیں مشاہدہ کرنا چاہئے وہ آخر کیا ہے؟ وہ باتیں کچھ تو جسمانی ہیں کچھ دماغی اور کچھ اخلاقی، جسمانی خصوصیات میں تو ہم عمر، قد

اور وزن شریک کئے جا سکتے ہیں، قد اور وزن کی تحقیقات کرکے درج رجسٹر کرنا کچھ دشوار نہیں اور اس سے بہت دلچسپ نتائج ظہور پذیر ہوں گے عام طور پر بچے قد اور وزن میں بڑھتے رہتے ہیں مگر سب یکساں نہیں بڑھتے، پانچ برس سے گیارہ برس کی عمر تک تندرست لڑکے کا قد تندرست لڑکی سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھے گا بارہ سے چودہ سال کی عمر تک مقابلتہً لڑکی تیزی سے بڑھتی ہے اور پندرھویں برس میں لڑکا پھر لڑکی کے برابر پہونچ جاتا ہے، ایسے مقابلوں میں مدرسہ کے تمام ماہریوں کا کھلا مقابلہ نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ایک جماعت کے اوسط درجہ کے بچوں کا باہمی مقابلہ کیا جانا مناسب ہے کیوں کہ وراثت کے اثرات بھی نہایت درجہ اہمیت رکھتے ہیں مٹھی بنانے کے طریقے چہرہ کی حرکات دانت، ناخن اور سر کا توازن وغیرہ بھی توجہ کے قابل ہیں۔ اعضائے حیات کا مشاہدہ اور ان کی جانچ بھی ضروری ہے، تھکن کی علامات سے واقف رہنا چاہیئے اور جب کسی بچہ پر زیادہ کام کا بار معلوم ہو اس کی جانب خاص توجہ کرنی چاہیئے کسی ایک جانب توجہ منعطف نہ کرسکنا بے حسی سے سر ایک طرف جھکانا اور غنودگی سی طاری ہوجانا تھک جانے کی عام علامات ہیں۔

دماغی خصوصیات کی بابت بھی بچوں کی اچھی اور بری باتوں پر غور کرنا چاہیئے کیا وہ خطاطی اور خواندگی کے اسباق میں زیادہ ذہانت کا اظہار کرتا ہے، یا زبانی اسباق میں وہ زیادہ متوجہ معلوم ہوتا ہے یا دستی مشاغل کے وقت زیادہ چست و چالاک اور ترقی پذیر معلوم ہوتا ہے۔ کیا وہ غور فکر اور بحث تحقیق کرنے والا بچہ ہے یا آئندہ اس کی دماغی قوتیں بلا صرف کی افعال کے بیدار نہیں ہو سکتیں۔ بچہ کی قوت بیانیہ بھی قابل توجہ ہے کیوں کہ حصول علم کا یقین محض بیان علم سے ہی ہو سکتا ہے، جواب دینے میں تیزی مشاہدہ کے واسطے نہایت کارآمد بات ہے لیکن صرف زبانی ہی نہیں بلکہ حرکی جوابات بھی قابل توجہ ہیں ہاتھ کی ہر جنبش (مثلاً ڈرائنگ میں) چہرہ کی ہر ادا تنفس کی رفتار میں ہر تبدیلی، کندھے سے

طریقہ ہر بات ایسا جواب ہے جس کے پس پردہ کوئی نہ کوئی تخیل ہے اور جب تعلیم و تربیت سے بحث کی جائے تو یہ باتیں ضرور قابل توجہ ہیں" بچہ جو آہستہ سے ہاں کہے، شاگرد جو استاد پر آنکھیں جمائے رکھے، لڑکی جو شرم کے مارے سُرخ ہو جائے۔

جو طالب علم جسمانی حرکات کی حد تک تو ساکت بیٹھا رہے لیکن اُس کے غیظ و غضب کے آثار چڑھاؤ کا عکس اس کی آنکھ اور گلے کے رگوں کے تناؤ سے ظاہر ہو۔ دونوں جب باتوں سے یکساں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دماغی حالت کیا ہے، اور حرکی جوابات کے ذریعہ اس حالت میں آیندہ کیا تغیرات پذیر ہونے کی توقع ہے" تھارن ڈائک۔

صفائی، مذاق سلیم، رکھ رکھاؤ، سلیقہ، اور شعور وغیرہ اخلاقی طرز کی قابل مشاہدہ باتیں ہیں ضبط و انتظام نہ ہو تو تربیت کرنا غیر ممکن ہے صفائی ستھرائی ضبط کا نتیجہ ہیں، بچہ کی اخلاقی صفات کی جانچ کے بہت سے طریقہ ہیں، مضمون نگاری کے سبق میں لکھنے کے لئے مناسب و موزوں عنوان تجویز کرکے اس کے مطمح نظر معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ مگر یہاں اس بات سے متنبہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ بچہ کے اصلی احساس وخیال اور وہم و گمان میں امتیاز و فرق کرنا نہایت دشوار ہے، خصوصیت کے ساتھ چھوٹے بچوں کے متعلق یہ دشواری اور بھی بڑھ جاتی ہے، سوالات کرنے سے بھی بچوں سے بہت کچھ معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں مگر کیا بات دریافت کی جائے اور پوچھنے کا موزوں وقت کب ہوگا اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، بچہ کو ہمت دلاؤ کہ تم سے نڈر ہو کر بات چیت کرے اور پھر موزوں سوالات خود بخود معلوم ہو جائیں گے لیکن اس طرح یک لخت سوالات کئے جائیں تو اس بات سے کہ اس کا خاص طور پر مشاہدہ کیا جا رہا ہے اُس کے آگاہ ہو جانے کا خوف ہے اور پھر مقصد فوت ہو جاتا ہے، بہ طور تجربہ اطفال کا مطالعہ کرنے میں بڑا خطرہ یہی ہے۔

مختلف بچوں کی مختلف خصوصیات احتیاط کے ساتھ درج رجسٹر کرکے امور معلوم کی ترتیب دینے اور یہ جاننے کے لئے عام اصول بنانے میں آسانی ہو جائے گی کہ فلاں

طالب علم متوسط درجہ کے بچے سے کس حد تک مختلف ہے تمہیں فوراً معلوم ہو جائے گا کہ چاہے بچوں کی گروہ بندی کسی قسم سے ہی کیوں نہ کی جائے مگر اُن کی دو ہی خاص قسمیں ہو سکتی ہیں۔ بچوں میں بہت سے اختلافات ہوتے ہیں۔ اختلافات توم اختلاف طبیعت [illegible] دماغی وغیرہ اور تمام اختلافات کے مطابق ہمیں اپنے طریقۂ تعلیم میں کم و بیش ترمیم کرتے رہنا چاہیے' قاعدہ ہے کہ کام کرتے وقت بچے یا تو اپنے دماغ میں خیالات سوچتے رہتے ہیں یا اشیاء پیش نظر رکھتے ہیں' جو خیالات کی رہبری کے محتاج ہوتے ہیں عملاً سست ہوتے ہیں' مگر جن کے پیش نظر اشیاء ہوتی ہیں اور جن کے حرکی افعال زیادہ نمایاں ہوتے ہیں وہ عمل میں بہت تیز ہوتے ہیں' اور تحریک ہوتے ہی فوراً کام کرنے لگتے ہیں' یہی دو خاص درجے ہیں جن میں کم و بیش سب بچے تقسیم کئے جا سکتے ہیں دونوں قسم میں اچھی باتیں ہیں لیکن جس بچے میں دونوں قسم کی اچھی باتیں متحد ہوں وہی ہمارا مطمح نظر ہونا چاہیے یعنے ہمیں ایسے بچوں کی ضرورت ہے جو ذہنی بھی ہوں اور عملی بھی۔

پس معلوم ہوا کہ بچوں سے مختلف طریق سے پیش آنا چاہیے' چنچل اور تیز بچے کو بلا سختی کئے ذرا غور و فکر کرنے کی عادت ڈلوانے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایسی تعلیم دینی چاہیے کہ اُن کے حرکی افعال' دماغی قوی کے ساتھ ساتھ نشو و نما پائیں۔ مگر شاید بچے اس قدر "ہموار" نہ ہو سکیں مگر جب تک نہ ہو جائیں ہمیں ان اختلافات کو تسلیم کرنا چاہیے اور حسبہ اپنے طریقوں میں ترمیم کرنی چاہیے۔ تھارن ڈائک بیان کرتا ہے "درس و تدریس کے عمدہ طریقوں میں طبع انسانی کے اختلاف کو تسلیم کیا جاتا ہے' جتنا ممکن ہو ترغیب دی جاتی ہے' اور جب یہ ممکن نہ ہو' تو ایسی ترغیب و تحریص کا انتخاب کیا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ تعداد کے لئے مفید یا سب سے زیادہ مستحق اشخاص کے لئے سود مند ہو"۔ اچھی تعلیم میں خاص خیال رکھا جاتا ہے جو بچے عمل میں تیز ہوں ان کی ضروریات فراہم کی جائیں احساس کرنے والے بچوں کو اعداد و شمار اور واقعات کے ذریعہ اندازہ لگانا

بتایا جائے، اُن کے اچھے خیالات کو اچھے افعال میں تبدیل کیا جائے، اشیاء کا سوچ کرنے والے اور مادیات کا خیال کرنے والے دونوں کا لحاظ رکھ کر ان کے لئے معقول انتظام کیا جائے، مختلف طبیعت والوں کے واسطے بھی گنجائش رکھی جائے اور ہر ایک کی اس طرح رہبری کی جائے کہ اُس کا قدم معقول تو ازن عمل کی جانب بڑھے۔

مطالعہ اطفال میں پہلے پہل غیر معمولی وقت کا سامنا کرنا ہوگا، مگر یہ اس قدر اہم ہے کہ جتنی جلد ابتدا کی جائے مناسب ہے، شروع میں کیا ہے تھوڑا ہی کیوں نہ ہو مگر کچھ نہ کچھ کرنا ضرور چاہیئے کہ اس سے درس کے طریقوں میں ترمیم و تصحیح ہوتی رہے گی، جتنا اطفال کے دماغ کے عمل سے واقفیت ہوگی اتنی ہی تدریس میں عمدگی پیدا ہوگی۔

تاریخ افغانستان

(۲)

اس نازک حالت میں اگر جنرل الفنسٹن کے بجائے کابل میں کوئی دوسرا باہمت افسر ہوتا تو کئی ہزار انگریزی فوج کنٹونمنٹ اور قلعہ بالاحصار (جہاں شاہ شجاع مقیم تھا) کی محافظت کے لئے ناکافی نہ تھی۔ بالاحصار اور کنٹونمنٹ کے درمیان صرف دو میل کا فاصلہ تھا جنرل الفنسٹن کچھ ایسا حواس باختہ ہوگیا تھا کہ اسے کچھ کرتے نہ بنی بلوائیوں کے دل کے دل بالا حصار اور کنٹونمنٹ کے درمیان آکر جم گئے اور ایک مستقل حد فاصل بن گئے۔ قلعہ بالا حصار سے نکلتے وقت شاہ شجاع کا ایک دشمن نے گولی سے کام تمام کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس مصیبت کے وقت انگریزوں نے تمام دلیری بالائے طاق ہی رکھ دی اور مخالفین کے خلاف کچھ کرتے نہ بنی مخصوص ذمہ دار افسروں میں باہم جوتیوں میں دال بٹنے لگی۔

بریگیڈیر شیلٹن کی اوائل نومبر میں یہ رائے تھی کہ فوراً کابل کا تخلیہ کر دیا جائے اور جس طرح سے ہو مارتے مرتے جلال آباد تک پہنچ جائے۔ ولیم میکناٹن رزیڈنٹ نے اس خیال کی شدت سے مخالفت کی اور کہا کہ فوج کم ہے راستے ہی میں سب لقمہ اجل بن جائیں گے اگر فی الواقع نہایت منظم پسپائی اختیار کی جاتی یا دشمن پر جاں فروشانہ حملہ کیا جاتا تو شاید انگریزی فوج کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو بعد کو تمام فوج کی ہلاکت کی صورت میں رونما ہوا۔ آخر نومبر میں اکبر خاں خود ایک کثیر فوج کے ساتھ کابل میں داخل ہو گیا اس کے وجود سے منتشر افغانی قبائل نے ایک تنظیمی شان پیدا کرلی۔ اس کو فوجی تنظیم کا خاص سلیقہ تھا۔ اپنے باپ کے زمانہ میں سکھوں کے مقابلہ میں برسرپیکار ہونے کے سبب اس کی سپاہیانہ قابلیت میں اور چار چاند لگ گئے تھے۔ اب جب افغانوں کی جمعیت اس قدر منتظم اور مضبوط ہو گئی تو انگریزی فوج میں یہ رائے قرار پائی کہ محاصرین کو چیرتے ہوئے راہ فرار نکالی جائے میجر سوٹن نے ایک جانبازانہ کوشش کی لیکن دس ہزار قبائل کے غول نے اس کی فوج کو بری طرح منتشر کیا ورانگریز بحالت سراسیمگی کنٹونمنٹ میں گھس پڑے، ۲۴ نومبر کو یہ قرار پایا کہ افغانی سرداروں سے صلح کی بات چیت کی جائے لیکن اب ع

کون سنتا ہے فغانِ درویش

افغانیوں نے ان کی اس التجا پر کوئی توجہ نہ کی اور صاف کہدیا کہ بغیر کسی شرط کے ہتیار رکھدئے جائیں اس کے بعد طے کیا جائے گا کہ آیا جان و مال کی امان دی جائے گی یا نہیں۔ افغانیوں نے سمجھ لیا تھا کہ انگریز اب پورے طور پر لاچار اور بے بس ہیں اور ظاہر ہے کہ بندھا ہی خوب مارتا ہے۔ ۱۱ دسمبر کو مجبور ہو کر سر ولیم میکناٹن نے تہیہ کر لیا کہ اکبر خاں سے مل کر جس قیمت میں بھی ملے صلح خریدی جائے اور اس قرار داد کے ساتھ اکبر خاں سے ملنے کا ارادہ کیا کہ انگریز افغانستان کا فوری تخلیہ کر دیں گے اور شاہ شجاع کو معزول کرکے پنشن دیدیں گے۔ چند افسروں نے رزیڈنٹ کو منع بھی کیا کہ اکبر خاں سے ملاقات میں ان کی

جان کا سراسر خطرہ ہے لیکن ؎

چارپائی پہ کون پڑ کے مرے　　　کون یوں ایڑیاں رگڑ کے مرے

سرولیم نے صاف کہدیا کہ مجھے اس الم ناک زندگی سے موت گوارا ہے، در یقین مرگ کے ساتھ دشمن کی طرف قدم بڑھاتا ہوں تاہم۔ ع

جان پیاری ہے دی نہیں جاتی

اکبرخاں سے ملاقات کا وقت بارہ دن تک ٹلتا رہا۔ دسمبر کو تین فوجی کپتانوں کو ہمراہ لے کر رزیڈنٹ اکبرخان جیسے فرشتہ قضا کی ملاقات کو چلا۔ سامنا ہوتے ہی اکبرخاں نے سرولیم کا سیدھا ہاتھ تھام لیا۔ اور سلطان جان نے اس کے الٹے ہاتھ کو اپنی گرفت میں کرلیا۔ اب کیا تھا کشمکش شروع ہوگئی۔ تینوں محافظ کپتانوں نے یہ صورت حال دیکھ راہ فرار اختیار کی ایک مغرور بھاگتے ہوئے گولی کا نشانہ بنا اور وہیں ڈھیر ہوگیا باقی دو کپتانوں کو دو افغانی اپنے گھوڑوں پر لاد کر مال غنیمت کی طرح لے گئے اور بعد کو خدا جانے ان کا کیا حشر ہوا۔ رزیڈنٹ نے تنہا مدافعت میں انتہائی جدوجہد سے کام لیا لیکن ان قابو یافتہ افغانوں کی گرفت اس گرفتار اجل سے زبان حال سے کہہ رہی تھی ؎

صرف کردے زور جتنا بھی پر و بازو میں ہے
چھٹ چکا وہ صید جو صیاد کے قابو میں ہے

اکبرخاں نے دیکھا کہ سرولیم کی کوشش مدافعت ختم ہی نہیں ہوتی تو اپنے پستول کا ایک اونس سیسہ پلاکر رزیڈنٹ کو وہیں سلادیا۔ اس طرح بڑے دن سے دو دن قبل یہ بڑے صاحب اُس بڑے عالم میں پہنچ گئے۔ جہاں سے۔ ع

کچھ کسی کی خبر نہیں آتی

لاش گرتے ہی مجاہدین اس جسد بے جان پر ٹوٹ پڑے اور اس کی بوٹیاں مٹھی مٹھی بھر جرموں کی طرح آپس میں تقسیم کرلیں باقی انگریزی فوج نے میجر پاٹنگر کو بحیثیت سفیر

سرداران قبائل کے پاس پہنچا کہ جس شرط پر وہ راضی ہوں ہم کو یہاں سے نکل جانے دیں مال و اسباب و اسلحہ ہم سب حوالہ کر دیں گے اور ہندوستان پہنچ کر ایک لاکھ چالیس ہزار روپے بطور ہدیہ روانہ کریں گے اس ادائیگی کے ضمانت کے واسطے (۴) افسروں کو افغانی حراست میں رکھ لیا جائے۔

اس قرارداد کے بعد ۶ جنوری کو (۱۷۰۰۰) نفوس کی المناک واپسی ہوئی سرما کی شدت برف کی کثرت اور راستوں کی خرابی کے سبب روزانہ پانچ میل کی رفتار سے بھی زیادہ بڑھنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ افغانی مجاہدین کیمپ کو خالی دیکھ کر غازیانہ شان کے ساتھ اس پر قابض ہو گئے اور جو کچھ ملا لوٹ لیا لیکن وہاں۔ ع۔

چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں

غذا اور پارچہ جات پوشیدنی کی قلت کے سبب تو انگریزوں نے یہ شرمناک پسپائی منظور کی تھی اور جو کچھ سامان تھا بھی اس کو ہمراہ لے گئے تھے۔ یہ غازی بھوکے شیر ہو رہے تھے اکبر خاں اگر روکتا بھی تو لوٹنے مارنے سے باز نہ آتے غول کے غول پہاڑیوں پر چڑھ گئے اور جس جس دشمن کو نشانِ اجل بنا کر ثواب و سامان حاصل ہو سکا حاصل کرنا شروع کر دیا۔ اب انگریز درہ خورد کابل میں پہنچ گئے تھے۔ یہ تنگ و تاریک درہ بیشتر افراد کے لئے ایک بڑی قبر بن گیا طول میں یہ درہ کوئی پانچ میل کا ہے۔ اس کے ادھر اُدھر بڑی بڑی بلند چٹانیں کھڑی ہوئی آسمان سے باتیں کرتی ہیں بیچ درہ میں سے ایک پہاڑی چشمہ ہو کر گزرتا ہے۔ کہرا اور سردی یہاں ہر موسم میں حکمرانی کرتی ہے۔ بالخصوص دسمبر و جنوری میں یہ درہ ایک چھوٹا کمرہ زمہریر بن جاتا ہے۔ اور راہ گیروں کو بہت سنبھل سنبھل کر پتھروں پر سے گزرنا پڑتا ہے ذرا قدم پھسلا اور وہاں موت میں داخل ہوئے انگریزوں کا اس درہ میں داخل ہونا تھا کہ غازی سر پر آگئے اب انگریزوں کی وہی حالت تھی جو ایک طائر بے بال و پر کی قفس میں ہوتی ہے ایسی صورت میں انگریزوں نے سہولت اسی میں دیکھی کہ سامان چھوڑ دیں اور جتنی جلد ممکن ہو سکے جان بچا کر

بھاگیں۔ لیکن افغانیوں کے بے پناہ نشانے ان کو کب مہلت دیتے تھے۔ عورتیں۔ بچے، سپاہی خلاصی سب مخلوط ہو کر بھاگتے تھے۔ اور نہایت بے ترتیبی کے ساتھ جان بچاتے پھرتے تھے اور گولیاں کھا کھا کر کھڈے میں گرتے جاتے تھے۔ جنرل سیل کی اہلیہ صاحبہ بھی اس ہنگامہ میں مجروح ہوئیں۔ کسی طرف راہ فرار نہ دیکھی تو انگریزوں نے یہ پوری رات اسی ہولناک درہ میں برف اور پتھروں سے لپٹ لپٹ کر کاٹی ۹ر جنوری کی صبح کو روشنی میں کچھ آگے بڑھے تھے کہ اکبر خاں سر پر آگیا اس کے مطالبہ کے بموجب کچھ اور عورتوں اور مردوں کو افغانی سرداروں کی نگرانی میں بطور ضمانت دینا پڑا اس مطالبہ کی تکمیل کے بعد ۱۰ر جنوری کو باقی ماندہ الم نصیبوں نے پھر بڑھنا شروع کیا ایک ڈیڑھ میل بڑھے ہوں گے کہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں چٹانوں کی بلندی کی وجہ سے دن میں چلنے والوں کو راہ نہ سوجھتی تھی۔ اس پر یہ معلوم کر کے اُن کے پیروں تلے سے اور بھی زمین نکل گئی کہ افغانی پہلے سے آکر اُن کو ہدف تیر قضا بنانے کے لئے بلند پتھروں پر بیٹھ گئے ایں اس درہ میں یہ لوگ سانس نہ لینے پائے تھے کہ سروں پر گولیوں کا مینہ برسنے لگا خلاصی اور دیسی سپاہی وغیرہ شروع ہی سے ساتھ چھوڑ چھوڑ کر منتشر ہو چکے تھے اس درہ میں افغانیوں نے جتنا خون بہایا وہ سفید چمڑے والوں کا تھا اب پوری فوج میں صرف (۷۰) انگریز زندہ رہ گئے تھے۔ ان سخت جانوں نے پھر بڑھنا شروع کیا چند قدم بڑھے ہوں گے کہ اکبر خاں پھر آموجود ہوا اور جنرل الفنسٹن سے کہا کہ برگیڈیر شیلٹن اور کپتان جانسن کو بطور ضمانت اور حوالہ کیا جائے زبردست کا ٹھنگا سر پر اس طلب کی بھی تکمیل کی گئی گندمک تک پہنچتے پہنچتے انگریزوں میں صرف (۴۰) آدمی رہ گئے باقیوں کو یا تو غازیوں نے یا قضائے اپنا بنا لیا تھا گندمک اور جلال آباد کے راستہ میں ان (۴۰) میں سے بھی (۳۳) اور بھی لئے گئے اب صرف (۷) نفوس رہ گئے تھے۔ یہ مرکھپ کر جلال آباد کے حدود تک پہنچے لیکن شہر پناہ جلال آباد تک ان کی رسائی نہ ہونے پائی تھی کہ کچھ اللہ کے بندوں نے ان میں سے اور چھ کو اُس دنیا میں پہنچا دیا۔ اب صرف ایک

شخص ڈاکٹر برائیڈن زخموں سے چور ایک مجاہد سے تلوار چھنوا کر زخمی ہاتھ لٹکائے ہوئے شدت تکلیف سے گھوڑے پر جھومتا ہوا قلعہ جلال آباد میں داخل ہوا۔ ؎

دھوم ہے زیر زمیں کشتۂ ناز آیا ہے۔
ہو گئی عید شہیدوں کو زیارت میری

صرف اسی ایک شخص نے وہاں پہنچ کر انگریزوں کو جو جنرل سیل کی سرکردگی میں قلعہ میں پناہ گزیں تھے اس قیامت صغریٰ کی خبر دی جب اس حادثہ عظیم کی اطلاع انگلستان پہنچی تو وزارت کو سکتہ ہو گیا اور گھر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ گورنمنٹ نے سارا الزام لارڈ آکلینڈ کے سر تھوپا۔ یاد رہے یہ وہی لارڈ آکلینڈ ہے جس نے شاہ شجاع کو تخت افغانستان پر متمکن کرنے کے صلہ میں حکومت انگلستان سے ارل کا خطاب پایا تھا اور اب قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے ؎

دشمن کی خطا پر بھی وہ مجھسے ہی خفا ہیں   آئے گی مجھی پر ہی جو آفت ہو کسی کی

فوراً حکم ملا کہ بیک بینی و دو گوش انگلستان واپس آجاؤ۔ اور لارڈ لبنرا وایسرائے بنا کر کلکتہ روانہ کیا گیا یہ بورڈ آف کنٹرول کا صدر نشین تھا۔ مارچ ۱۸۴۲ء میں اس نے ہندوستان کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ صرف اس ایک تباہ کن جنگ کے سبب خزانہ ہند پر پندرہ کروڑ روپیہ کا بار پڑا ہے۔ لیکن اب ان نقصانات پر نظر کرنے یا گرے ہوئے دودھ پر آنسو بہانے کا وقت نہ تھا۔ سرزمین غیر میں کابل کی فوج کا جو حشر ہوا تھا سب کو معلوم تھا غزنی کا رسالہ پسپا ہو کر مثل غبار آوارہ و منتشر ہو چکا تھا۔ صرف جنرل سیل جلال آباد میں اور جنرل ناٹ قندھار میں جان بچائے پڑے تھے اور توقعات امداد میں زندگی کے دن جیوں تیوں تیر کر رہے تھے۔ ان کو مدد دینا بہت ضروری تھا۔ پھر بھی وسط اپریل سے قبل روانگی امداد کا انتظام نہ کیا جا سکا سب سے پہلے جنرل پالک درۂ خیبر سے گزر کر جلال آباد پہنچا اور محاصرہ کنان قبائل کو منتشر کر کے قلعہ میں داخل ہوا۔ اب کابل پر بڑھنے کی اجازت

دیتے ہوئے لارڈ الینبراڈرتا تھا۔ لیکن افغانی قبائل کی بدنظمی اور آمد ورفت کے ذریعہ
صاف ہو جانے کا خیال کر کے جنرل پالک نے اپنی ذمہ داری پر کابل تک بڑھ جانے کا
تہیہ کر لیا۔ اور کوچ شروع کر دیا۔ جنرل ناٹ یہ خبر پاکر قندھار سے غزنی کی طرف۔ روانہ ہوا
راستہ میں مختلف قبائل کی جانب سے کچھ خفیف سی رکاوٹیں ہوئیں لیکن راستہ صاف تھا
جنرل ناٹ بہت جلد غزنی پہنچ گیا اور اس پر ایک خفیف سے مجادلہ کے بعد قبضہ کر لیا
غزنی کو تباہ و برباد کرتا ہوا کابل کی طرف بڑھا۔ یہ دونو جنرل (ناٹ و پالک) ستمبر میں ایک دوسرے
سے کابل میں سے اپنے دل کے پھپولے پھوڑنے کے لئے کابل میں داخل ہوکر تمام بازاریں آگ
لگادی۔ اکبر خاں سے کچھ کرتے نہ بنی تو فرار ہو گیا۔ فرار ہونے سے قبل اس نے انگریز قیدیوں کو
ایک شخص محمد صالح کے زیر نگرانی ترکستانی علاقہ میں روانہ کر دیا تھا کہ وہاں یہ لوگ یا تو ہلاک
کردئے جائیں یا بطور غلام بیچ ڈالے جائیں لیکن فاتحین کابل نے دس ہزار پونڈ رشوت دے کر
ستر نفوس کو چھڑا لیا۔ جن میں اہلیہ سیل صاحب اہلیہ میکناٹن صاحب۔ جنرل شیلٹن۔ کرنل پامر
میجر پاٹنجر اور میجر گرفتش خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ لوگ جب چھوٹ کر آئے ہیں تو اپنے
سخت گیر آقاؤں کے گھوڑوں کے دلنے دلتے دلتے اور تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے ایسے
بُرے حالوں ہوگئے تھے کہ صورتیں نہیں پہنچانی جاتی تھیں۔ اب افغانستان پھر انگریزوں کے
زیر نگیں تھا۔ لیکن پھر بھی یہ سانپ کے منھ میں چھچھوندر تھا۔ نہ اگلتے بن پڑتی نہ نگلتے۔ موسم
سرما پھر سر پر آرہا تھا اور سابقہ مصیبت کے تصور سے انگریزوں کے دل سینے میں سہمے جاتے تھے
ایسی صورت میں فاتحانہ حیثیت سے وہاں جم جانا کسی طرح سے قرین مصلحت نہ تھا اگر واپس
جائیں تو محض کابل کا بازار جلا دینے اور ستر قیدی لتنے صرفہ کے بعد چھڑا لینے سے سیاسی
اغراض پورے نہ ہوتے تھے۔ لہذا ہندوستان واپس ہونے سے قبل دوست محمد کو قید سے
نکال کر کابل بلایا اور سمجھا بجھا کر تخت افغانستان پر بٹھایا سے

خوشامد اک بت سفاک کی کس کو خوش آتی ہے　　　　کوئی کیا شوق سے کرتا ہے مجبوری کراتی ہے

شذرات

اس ماہ کے پرچہ کے سرورق پر مولوی غلام اکبر خاں صاحب نواب اکبر یار جنگ بہادر کی شبیہ دی گئی ہے نواب صاحب ممدوح مشہور و معروف مقنن رہے ہیں آپ کی خداداد قابلیت اور خدمات ملک کے صلہ میں آپ جج ہائیکورٹ ہوئے۔ اس کے بعد سرکاری حیثیت سے آپ نے اپنی ذہانت اور استعداد کے ایسے ثبوت پہنچائے کہ دوبارہ معتمدی عدالت امور عامہ سرکار عالی کی کرسی پر جلوہ افروز ہوئے۔

مدرسہ تحتانیہ قصبہ ڈبینہ تعلقہ پربھنی کا جناب اے۔ آر کشیر ساگر صاحب پروفیسر نظام کالج وصدر سول کروسے پارٹی نے آکر قریب ڈیڑھ گھنٹہ تک معائنہ کرتے رہے۔ مدرسہ کی تعلیمی حالت و مدرسین کی محنت پر اظہار مسرت فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ نیز طلباء کو شیرنی دوات قلم وغیرہ سے سرفراز فرمایا۔ اور مدرسہ کی ترقی کے لئے پروفیسر صاحب مذکور نے دعا خیر فرمائی۔

ماڈل سکال نصبہ دوباک کا سہ ماہی جلسہ بصدارت جناب مولوی عبد المجید صاحب انجینیر زراعت منعقد ہوا۔ شرکاؤں کی کثیر التعداد تھی۔ مولوی محمد حاجی صاحب مددگار مدرس نے گزشتہ رپورٹ سنائی۔ زآں بعد مدرسین و طلباء مدرسہ نے مختلف عنوان پر تقریریں کیں من بعد مدرسہ کے مختلف طلبائے مہاراجہ ہری چندر جی صاحب کا ڈرامہ کر کے حاضرین کو محظوظ کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ نے مدرسہ کے کمی فرنیچر پر حاضرین کی

توجہ مبذول کرائی۔ ہمدرد صدر صاحب و حاضرین جلسہ نے متفقہ طور پر برائے فرنیچر صرف روپیہ کی گراں قدر رقم عطا فرمائی۔ صدر مدرس صاحب نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا و دعاء سلامتی اعلیحضرت بندگانعالی کے ساتھ جلسہ کے خاتمہ پر مٹھائی تقسیم کی گئی۔

مدرسۂ تحتانیہ درجۂ اول قصبۂ ملکھیڑ تعلقہ سیڑم ضلع گلبرگہ شریف میں زیر صدارت جناب مولوی سید معین الدین صاحب مہتمم تعلیمات ضلع گلبرگہ شریف جلسہ کیا گیا۔ جس کی ابتداء قرات قرآن شریف و حمد باری تعالی سے ہوئی بعض مدرسین نے تعلیم پر تقریر کی من بعد مولوی غلام دستگیر صاحب صدر مدرس نے حالات مدرسہ پر تقریر سنائی اُن کے بعد طلباء مدرسہ نے مدحیہ نظم پیش کردہ ابو محمد عبدالحی صاحب مدرس پڑھا۔ بعد ازاں جناب صدر نشین صاحب نے طلباء کو کتب انعامی تقسیم فرماتے ہوئے مبارکباد دی۔ اور بہ مخاطبت مدرسین و طلباء و عماء مؤثر الفاظ میں دلچسپی تعلیم کے متعلق تقریر فرمائی اور جلسہ قریب چھ بجے دعائے سلامتی اعلحضرت بندگانعالی پر برخاست کیا گیا۔

ماڈل اسکول قصبہ بمگل تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد میں ایک غیر معمولی جلسہ تقسیم انعامات بہ کامیابان۔ مولوی محمد عثمان شریف صاحب ناظر مدارس ضلع ہذا کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں مقامی عہدہ داران و تجار و سربرآوردہ اصحاب و عامہ رعایا زیب دہ جلسہ تھے۔

جلسہ کی کارروائی حمد باری سے ہوئی۔

جناب منصرم صدر مدرس مدرسہ اور بعض طلبا نے تعلیم پر تقریریں کیں۔ اور دلچسپ مکالمات اور منتخب اسپورٹس ہوئے جس سے حاضرین جلسہ بے حد محظوظ ہوئے۔ من بعد تقسیم انعامات کی کارروائی عمل میں آئی پھر صدر جلسہ نے مختصراً موجودہ زمانہ میں ضرورت تعلیم کا اظہار کرتے ہوئے

زمانہ سلف کے مقابلہ میں موجودہ سہولتوں کو جو ہمارے بادشاہ ذی جاہ سلطان العلوم کے عہد با برکات میں حاصل ہیں وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ اور عوام کو توجہ دلائی۔ نیز ان ذمہ داریوں کو بھی بتایا جو مدرسین اور اولیائے طلباء سے متعلق ہیں اس کے بعد صدر مدرس صاحب مدرسہ نے اسٹاف مدرسہ کی جانب سے حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے۔ حضرت اقدس اعلیحضرت خلد اللہ ملکہ و شاہزادگان بلند اقبال کے لئے دعائے سلامتی مانگی۔

اس جلسہ کی ممتاز اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ جناب مولوی غلام احمد صاحب ابن جگلان صاحب مستقر بمگل نے اس امر کا اظہار فرمایا کہ جماعت چہارم و سوم کا جو لڑکا سال حال کے امتحان میں اول ہوگا اس کو وہ علی الترتیب ۵ اور پوری درسی کتابیں عنایت فرمائیں گے (جزاء اللہ خیراً) مجمع نے پر زور تصفیق سے اظہار تشکر لیا۔ اور صدر صاحب نے خاص طور پر ممدوح کی اس قابل تقلید اعلیٰ ہمتی اور علمی دلچسپی پر سر رشتہ تعلیمات کے جانب سے شکریہ ادا کیا۔ غرض جلسہ بہ کامیابی تمام برخاست ہوا۔

مدرسہ تحتانیہ تعلقہ پرگی میں جناب مولوی سید محمد جواد صاحب بی اے۔ بی ٹی علیگ مہتمم تعلیمات ضلع محبوب نگر کی زیر صدارت ایک جلسہ تعلیمی منعقد ہوا تھا۔ بہت سے باشندگان پرگی و عہدہ داران مقامی شریک جلسہ تھے۔ مدرسہ کی عمارت رنگ برنگ کے جھنڈیوں اور قطعات سے سجائی گئی تھی۔ ٹھیک چار بجے حمد کے ساتھ جلسہ کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد عبدالمجید خان صاحب علم نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ قرأت سنائی۔ قرأت کے بعد نعت پڑھی گئی۔

مولوی افتخار الدین صاحب ڈاکٹر پرگی لے تندرستی کے نسبت تقریر کی۔ غوث خان بیگ صدر مدرس نے پابندی اوقات کے نسبت اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے بعد محمد ریاست علی خاں صاحب وکیل نے مخلوق کی خدمت میں عبادت خدا پر تقریر کی۔

جناب صدر صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے
مقصد تعلیم پر ایک مطول تقریر کی اور باشندگان قصبہ کو پور فنڈ میں حسب استطاعت چندہ
دینے کی ترغیب وتحریص دلائی۔ اور اس چندہ کے مصرف یعنی مدات بھی بتلائے گئے۔ کہ
کن کن ضروریات میں یہ رقم خرچ کی جائے گی۔ اس کے بعد چندہ کی فہرست ترتیب پائی۔
چندہ تخمیناً صہ سے اونچا جمع ہوا۔

بعد صدر صاحب نے جلسہ کے اختتام پر ہمارے بادشاہ ذی جاہ اور ان کے
شہزادگان بلند اقبال وشہزادیاں ہمایوں فال کی عمر واقبال کی ترقی کے لئے ہاتھ اٹھایا اور
سامعین نے بلند آواز سے آمین کہا۔

امریکہ میں ایک بیوہ مسز ہارکنس نامی دو کروڑ چودہ لاکھ پونڈ کی جائداد چھوڑ کر مری ہے
ایک پونڈ تقریباً چودہ روپیہ کے برابر ہے حساب لگائیے تاکہ مسز ہارکنس کی دولت کا ہندوستانی
روپیہ میں صحیح اندازہ ہو سکے۔

ہندوستان کے علما کی متحدہ آواز

اگر آپ ملکی اور مذہبی مسائل میں ہندوستان کے علماء کی متفقہ رائے لینا چاہتے ہیں تو جمعیۃ
علمائے ہند کا اخبار پڑھا کیجئے جس کا نام الجمعیۃ ہے اور جو ہندوستان کی سب سے بڑی مذہبی جماعت
جمعیۃ علماء ہند کا ترجمان ہے۔ یہ اخبار دہلی سے ہفتہ میں دو بار نکلتا ہے اور تمام مسائل مذہبیہ
اور سیاسیہ پر نہایت متانت سے بحث کرتا ہے۔ اس اخبار کو حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب
صدر جمعیۃ علمائے ہند اور مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے قیمت سالانہ صہ چھ روپیہ
نمونہ طلب کرنے پر مفت بھیجا جاتا ہے۔ منیجر اخبار الجمعیۃ بازار بلیماران دہلی سے طلب کیجیے

صدارت عظمیٰ یعنے باب حکومت سرکار عالی نے بذریعہ مراسلہ نشان (۹۶۱) مورخہ ۱۰ اسفندار ۱۳۳۰ف اعظم اسٹیم پریس کو از راہ قدر افزائی و رعایا پروری گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر مقرر فرمایا ہے سرکار عالی کی اس قدر افزائی کا رپردازان مالک مطبع کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد جملہ جلیل القدر عہدہ داران سررشتہ تعلیمات و صدر مدرسین و اساتذہ صاحبان و طلباء مدارس خانگی و سرکاری کی خدمت میں التماس ہے کہ

حسب منشاء باب حکومت سرکار عالی اس مطبع سے خدمات طباعت و جملہ سامان تعلیمی و کتب درسی و فارمس وغیرہ کے آرڈر سے سرفراز فرما کر مطبع ہذا کی حوصلہ افزائی فرمائیں گے ۔

انشاء اللہ تعالیٰ یہ کارخانہ بھی اپنے معاملہ داروں سے بپابندی وعدہ اور بہ اخذ اجرت واجبی اپنی سچائی اور خوش معاملگی و خوبی کار سے جو اس کی ترقی کا حقیقی راز ہے مالک و ملک کی خدمت گزاری میں کبھی دریغ نہ کرے گا ۔

خاکسار

سید عبد القادر

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و تاجر کتب چار مینار حیدر آباد دکن

رج ان گ یم ۲۰۶۵ رج س ۲۱

جلد پنجم نمبر ۸ و ۹

المعلم

ماہ تیر وامرداد ۱۳۳۸ ف

مدیر محمد سجاد مرزا۔ ایم۔ اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری [illegible] فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے انکی واپسی خرچ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ ([illegible]) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صہ ۸ر	سے ۸ر
سہ بار	عہ ۸ر	للوٴیہ	امہ ۸ر
ششماہ	للعہ	بعہ ۸	معہ
سالانہ	معہ	للعہ	معہ ۸ر

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہیئے

دفتر رسالہ المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

| نمبر ۸ و ۹ | ماہ تیر و امرداد ۱۳۳۸ ف | جلد |

مدارس تحتانیہ میں صنعتی تعلیم کی ترویج

مولوی میر احمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج ورنگل نے جس خوبی سے صنعتی تعلیم کی ترویج پر اصولی اور عملی پہلو سے روشنی ڈالی ہے وہ قابل داد ہے ہمیں یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ موصوف نے اپنے پہلے ہی مضمون میں ایسے اہم مسائل پر اپنی صائب رائے کا اظہار کر کے مزید مضامین کا طالب کر لیا ہے ہمیں قوی امید ہے

وہ وقتاً فوقتاً اہم مسائل پر قلم اٹھا کر مزید ممنونیت کا موقع دیتے رہیں گے

مدیر

عموماً دیکھا جا رہا ہے کہ آج کل نہ صرف ہندوستان بلکہ اور مقامات میں بھی زیادہ توجہ ترقی صنعت و حرفت کی طرف دی جا رہی ہے جس کا ایک ثبوت قابل مضمون موسوم مندرجہ بالا ہے (ملاحظہ ہو المعلم اردی بہشت ۱۳۳۵ف) فی زمانا عملی تعلیم کی طرف بھی زیادہ زور دیا جا رہا ہے اس میں شک نہیں کہ علم تاوقتیکہ علم حاصل کرنے والے کو کارآمد نہ بنائے بیکار ہے مگر ہم یہ کہہ نہیں سکتے کہ جو شخص مطالعہ کتب کرتا ہے اور اپنا بیشتر وقت کتب بینی ہی میں صرف کرتا ہے وہ ناکارا ہے یا اس قسم کی تعلیم محض بے سود ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب اس قسم کی تعلیم نہایت ضروری تھی کیونکہ لوگ زیادہ تر سلف کے قلمبند کارناموں سے ناواقف تھے اور ان کارناموں کو گمنامی سے بچانے کے لئے چند ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی جو کتب بینی اپنا شعار بنائیں۔ مگر مرور زمانہ کے ساتھ یا یوں کہئے کہ ملکوں کی ترقی کے ساتھ لوگوں کے تجسس کا مادہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ چھاپے خانے ایجاد و قائم ہوئے اور لاتعداد کتب شائع ہونے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواندہ لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی ابتدا میں ان کی قدر ہوتی رہی ہندوستان ہی پر منحصر نہ تھا کہ تعلیم یافتہ اشخاص سرکاری ملازمت کو ناموری و حکومت کے خیال سے روپیہ پیدا کرنے کے ارادے سے اور دن رات کی روزی کمانے کی کوششوں یا مصیبتوں سے بچنے کی غرض سے ابتداءً اختیار کرتے گئے۔ رفتہ رفتہ ملازمت کی گنجایش میں کمی ہونے لگی اور اب ہندوستان میں وہ زمانہ آگیا ہے جب کہ معاش پیدا کرنے کی اور تجویز کرنی پڑی ہے۔ بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شروع ہی سے علم اور عمل میں مناسبت رہی ہے۔ ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ نہیں سکتے کہ پہلے جو تعلیم دیجا رہی تھی وہ عملی نہ تھی۔ گزشتہ و حال میں فرق ہے تو صرف [illegible] اکہ

تعلیم کا مقصد زمانہ ماقبل میں اور تھا اور اب اور ہے علمی تعلیم کا مفہوم پہلے کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے ہندوستان کے سیاسی اسباب اور غیر اقوام کے ترقیوں نے ہندوستانیوں کی فکروں کو وسیع کر دیا ہے۔ اب تعلیم سے یہ لوگ وہ نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں جو غیر ملکوں کے باشندوں کے شہرت کا باعث ہوئے ہیں چنانچہ ہم اکثر سنتے ہیں کہ کارخانے کھولنے کی کوششیں ہو رہی ہیں تجارت کو ترقی دینے کا خیال ہو رہا ہے۔ اور ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی فکریں کی جارہی ہیں ملک کے مال و دولت کو بڑھانے کا صرف خیال کرنا ہی ایک نیک شگون سمجھنا چاہیئے اور جب کوئی شخص اس باب میں کوشش کرے تو ایسے شخص کو ملک کا دوست خیال کرنا چاہیئے۔ مگر جب مدارس تحتانیہ کو ملک کی صنعتی ترقی کا زینہ شمار کرکے وہاں صنعتی تعلیم دینے کی تحریک کی جائے تو مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈالی جائے اور قبل اس کے کہ کوئی اسکیم رائج کی جائے مکرر غور کیا جائے۔

دیکھنا یہ چاہیے کہ ابتدائی تعلیم یعنی وہ تعلیم جو اسکول کے نقطہ نظر سے مدارس تحتانیہ میں دیجاتی ہے اس کا مقصد کیا ہے۔ طلبا کی ذات و شخصیت کو نظر رکھتے یہ صاف ظاہر ہے کہ متعلم عموماً کمسن ہوتا ہے۔ اس کمسن کا ثبوت نہ صرف اس کی جسمانی کیفیت بلکہ اخلاقی و روحانی و دماغی حالت سے بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر طلبا اس زمانہ میں ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ ان میں استقلال کا مادہ یا تو ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوتا بھی ہے تو بالکل برائے نام۔ گو عادات و خصائل اس زمانہ سے نمودار ہونے لگتے ہیں لیکن اس میں ردو بدل بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ یا اگر انہیں ایسا ہی چھوڑ دیا جائے تو آئندہ پائیداری ہو جاتی ہے غرضیکہ یہ زمانہ ہے جس میں اچھے اور برے عادات کا پایہ ڈالا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں کمسنی میں لڑکے کا شوق و رجحان کمزور ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے ہم یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ آئندہ چل کر طالب علم میں کس قسم کا شوق ممکن ہے۔ اور ہم موجودہ ملکہ یا رجحان کو دیکھکر اس کی آئندہ زندگی میں اس قسم کی تائید پہونچانے کا سامان مہیا کرسکتے ہیں۔

تعلیم اس زمانہ میں کسی خاص فن کے لئے نہیں ہوتی کیونکہ خاص چیزوں کی تعلیم اس وقت دنیا لڑکے کے لئے مضر ہوتا ہے۔ خاص تعلیم سے اس کے نشو ونما میں ہرج پہونچتا ہے۔ اس زمانہ میں طالب علم کی ہر ایک قوت کو آزادانہ یا بے روک علمی ترقی کرنے دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی قوت نقصان بخش بھی ہو تو اس کا قلع قمع نہیں کرتے بلکہ اسی قوت کو کسی اور مناسب طرف مائل کرکے لڑکے کے لئے مفید بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کم سنی میں لڑکوں کی (...) کو روکنے سے زیادہ نقصان ان لڑکوں کا ہوا ہے۔ اسی قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ اب ان مثالوں سے سبق حاصل کرکے ماہران فن تعلیم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پہلے لڑکے کو اس کی حالت پر چھوڑ کر یہ مشاہدہ کیا جائے کہ وہ آئندہ چلکر کس کام میں نام پیدا کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اور کیونکر وہ نہ صرف خود اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ بعد لڑکے کی روش کو دیکھکر آہستہ آہستہ مضر اثرات کو نیکی کی طرف رجوع کرتے ہیں ان خیالات کا عملی صورت میں دنیا کے مشہور و معروف مدارس میں رواج دیا گیا ہے

چونکہ بغیر مشاہدے و غور و سوچ کے یہ کہنا ممکن نہیں کہ ایک کمسن طالب علم آئندہ چل کر کس فن میں کامیابی و ناموری حاصل کرسکتا ہے اس لئے جب تک کافی ثبوت لڑکوں کی دلچسپی و شوق کا نہ ملے ان کو ایک خاص شعبہ میں شروع ہی سے لگا دینا ضرور نقصان کا باعث ہوگا۔ گو صنعتی تعلیم مفید ہے لیکن لڑکوں کا خیال کرتے مدارس

آخر ۔ میں طلباء کو صنعتی کارندے بنانے کی کوشش کرنا مناسب ہے۔ ہاں بعد اس منزل کے صنعتی تعلیم کو داخل نصاب کرنے میں نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہے۔

ہم سے صنعت و حرفت میں زیادہ نامور اقوام کا روش و طریقہ اس بات میں ہمیں بخوبی مفید نظائر پیش کر سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو انگلستان کی حالت وہاں تو ابتدائی جبریہ تعلیم تیرہ سال سے زائد سن کے طلباء کے لئے رفتہ رفتہ عمل میں آ رہی ہے۔ گو سنٹرل اسکول (Central school) میں علمی نصاب کی جانب زیادہ توجہ دیجا رہی ہے مگر جب طالب علم اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے تو وہ عموماً چودہ سال سے زیادہ سن کا ہو جاتا ہے یعنی اس کی عمر ایسی ہوتی ہے جب کہ اس کے رجحان میں پائیداری آجاتی ہے اور مدرسین کو کافی موقعہ اس کے شوق کے جانچنے کا ملجاتا ہے اور اس سے وہ ایک حد تک لڑکے کے آئندہ زندگی کے باب میں قیاس کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں علمی نصاب میں اور صنعتی تعلیم میں فرق رکھا گیا ہے نصاب تو علمی ہو رہا ہے مگر ان مدارس میں طلباء کو کاریگر بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی امریکہ میں بھی صنعتی تعلیم کے مدارس اور عام تحتانیہ مدارس جدا جدا ہیں۔ یورپ میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں صنعتی تعلیم تحتانیہ مدارس میں دیجاتی ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ انگلستان و دیگر ممالک میں صنعتی تعلیم مدارس تحتانیہ میں دیجاتی تب بھی اس قسم کی تعلیم وہاں کم عمر لڑکوں کو اس قدر نقصان نہ پہونچائے گی جس قدر یہاں یعنی ہندوستان میں ہونے کا خوف ہے۔ یورپ اور امریکہ میں دماغی آزمائش (mental tests) اور دیگر طریقوں سے طلباء کے موجودہ ملکہ اور اس کے مقدار و قابلیت کو دریافت و معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اس قسم کے معلومات کی بنا پر جب صنعتی تعلیم دی جائے گی تو اس سے زیادہ ہرج طلباء کو نہ پہونچیگا۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں ایسے تجربات بہت کم لئے جا رہے ہیں اور اس لئے بغیر تجربہ

و امتحان کے لڑکوں کو ابتدا ہی سے کسی ایک فن میں جکڑ دینا درست نہ ہوگا
بعض اشخاص اکوپیشن (occupation) کے غلط معنی پہنے ہیں
وہ خیال کرتے ہیں کہ اکوپیشن کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم بعد ختم تعلیم ابتدائی کاریگر
بن جائے۔ ان کا خیال ہے کہ اکوپیشن کو مدارس تحتانیہ میں رائج کرنے سے ابتدائی تعلیم
صنعتی تعلیم بن جاتی ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ اکوپیشن کا اصلی مطلب طلباء کو کاریگر
بنانے کا نہیں ہے بلکہ ان کی اصلی غائیت یہ ہے کہ طلباء کو پورا پورا موقعہ دیا جائے کہ
وہ اپنے ہر ایک عضو کی تربیت کر سکیں۔ اس نقطہ نظر سے نجاری وغیرہ مفید ہے
کیونکہ ان چیزوں کے سیکھنے سے لڑکے کی (General Education) عام تعلیم میں فائدہ
و مدد ملتی ہے۔ اگر کوئی لڑکا خاص قابلیت کسی ایک اکوپیشن میں دکھلائے تو یہ کافی
ثبوت اس بات کا نہیں کہ اکوپیشنس صنعتی تعلیم ہے بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ
لڑکے کے ملکہ کو ان سے مدد ملتی ہے اور اس کے خاص شوق کا راستہ کھولا گیا ہے۔
دوسرا مقصد اکوپیشن کا یہ ہے کہ لڑکے کی تعلیم میں اور اس کے رشتہ داروں وغیرہ کے
طریقے و روش میں یگانگت و تسلسل پیدا ہو تاکہ جب لڑکا ترک مدرسہ کرے تو اس کو
تطبیق ماحول میں مشکل نہ معلوم ہو۔ اس خیال کو اس طرح عمل میں لایا گیا ہے کہ مقامی
حالت و مواقع کا لحاظ کرتے ہوئے اکوپیشن کو مدارس میں رائج کرنے کی کوشش کیجارہی ہے
مثلاً اگر کوئی مدرسہ ایسی جگہ واقع ہے جہاں بکثرت نجاری کا کام ہوتا ہے تو اس
مدرسہ میں زیادہ تر زور نجاری اکوپیشن پر دیا جائے گا۔
تیسرا مطلب اکوپیشن کا یہ ہے کہ استاد کو لڑکے کے شوق معلوم کرنے کا
موقع ملے یعنی استاد جب متعدد بار لڑکے کو ایک کام میں دلچسپی لیتے دیکھتا ہے تو
اُس کا یقین و اثق ہوتا جائے گا کہ اسی کام میں یا اس قسم کے کام میں لڑکا آئندہ کامیاب
رہے گا یہ جان کر استاد لڑکے کو مدد دے سکتا ہے۔

گو تعلیم کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہیئے کہ آیندہ چل کر طلبا، روزی کمائیں مگر روزی کمانے کے خیال کو ایک دم فروگزاشت کرنا بھی غلطی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون شخص زیادہ روپیہ پیدا کرنے کی امید کر سکتا ہے۔ وہ شخص جس نے ایک حد تک پڑھا لکھا بھی ہے اور فن تعلیم بھی حاصل کیا ہے یا وہ جو صرف فن تعلیم؟ ظاہر ہے کہ تعلیم یافتہ آدمی اپنے علم و معلومات کے ذریعہ زیادہ کامیابی حاصل کرے گا اور زیادہ روپیے بنا سکے گا ایسی صورت میں بیشک ضروری ہے کہ طلبا، کو اولاً ایک خاص درجہ تک عام (general) تعلیم دی جائے اور بعد میں کسب سکھلایا جائے۔ اور اگر صنعتی کام مدارس تحتانیہ میں سکھلانا ضروری سمجھیں تو ان مدارس کا نصب العین محض صنعتی نہ ہو بلکہ تعلیم اور صنعتی کام دوش بدوش چلتے رہیں۔ نصاب کے ردوبدل سے اس بات کو پورا کر سکتے ہیں۔ اوقات مدارس میں زیادتی کی ضرورت نہیں۔ گو ہر ایک طالب علم اعلیٰ تعلیم پا نہیں سکتا کیونکہ یا تو وہ نا اہل ہوتا ہے یا اس کے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے مگر آج کل کی رفتار تعلیم کو دیکھتے ہوئے یہ بالکل ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں آیندہ چل کر ہر ایک شخص کم از کم ابتدائی یعنے پرائمری تعلیم حاصل کر سکے گا۔ لہٰذا ہماری پہلی توجہ اس جانب ہونی چاہیئے اور اس پایہ پر دیگر تعلیمی منازل قائم کرنا چاہیئے۔

پس ابتدائی تعلیم یعنے وہ تعلیم جو مدارس تحتانیہ سے متعلق ہے اس تعلیم کو آیندہ کی سب قسم کی تعلیم کا پایہ سمجھنا چاہیئے۔ اس زمانہ میں لڑکوں کی عام تعلیم و تربیت ہونی چاہیئے۔ اور اُن خصائل و عادات کی درستگی و دیکھ بھال ہونی چاہیئے جو آگے چل کر لڑکوں کا کیرکٹر (اخلاق) بنتے ہیں۔ تعلیم میں کمانے کھانے کے مقصد کو ایک سخت نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن کمانے والے کو کمانے پر اہمیت دینی چاہیئے کیونکہ اگر روزی ہی پر تمام توجہ دی جائے تو روزی تلاش کنندہ کی زندگی محدود

ہو جائے گی اور اس کے خیالات پست ہو جائیں گے اور اس کا نصب العین تنگ ہو جائے گا ملک کی ترقی سے باشندگان بیشک فائدہ اٹھاتے ہیں مگر باشندگان کی نیک و فائدہ مند تعلیم و تربیت ہی ملک کے ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ لہذا مدارس تحتانیہ کا مقصد تعلیم فنی (Vocational) نہ ہو لیکن ان مدارس میں اور والدین طلباء میں اتفاق مقاصد ہو۔ نصاب میں ضرور "عملی" مضامین شریک کیے جائیں لیکن اس "عملی نصاب" کی غرض یہ نہ ہو لڑکے کاریگر بنیں بلکہ اس کا مدعا یہ ہو کہ طلباء کی تعلیم اِس نصاب کی وجہ زیادہ کامیاب ہو اور جلد پوری ہو یعنے عام تعلیم میں اس نصاب سے تائید ملے۔

یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ پرائمری تعلیم کے بعد جو طلباء اور پڑھنا نہیں چاہتے اور ترک تعلیم کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے کسب معاش کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں؟ سرکاری ملازمت میں بہت کم شریک ہو سکتے ہیں اور بقیہ لوگوں کو کہاں ملازمت مل سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ طلباء کے تقرر کا انتظام متفقہ مدارس و نوکر رکھنے والوں میں ہو۔ یعنی بچوں کے لئے دار التقررات (Employment Bureau) کھولے جائیں جن میں سررشتہ تعلیمات کے چند رکن اور تاجر چند رکن ہوں۔ وقتاً فوقتاً امور طلب ملازمت کی اطلاع چند مدارس کو ملتی رہے اور مدارس سے طلباء کے نام پیش ہوں اور ان میں سے تقرر کیا جائے۔ چنانچہ اس قسم کی کارروائی انگلستان میں بعض بعض جگہ پائی جاتی ہے جس کو یہاں رائج کر سکتے ہیں۔

برخلاف اس کے کہ مدارس تحتانیہ میں خاص صنعتی تعلیم دی جائے زیادہ مفید ہو گا کہ صنعتی اسکول علیحدہ کھولے جائیں۔ ان اسکولوں میں ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ درجہ کی صنعتی تعلیم دینے کا انتظام کیا جا سکتا ہے ان مدارس کا تعلق عام درسگاہوں سے رہے یعنے عام مدارس کے طلباء اگر چاہیں تو ان صنعتی مدارس میں

شریک ہو سکیں۔ ایسی صورت میں لازم ہوگا کہ ان دو قسم کے مدارس کے نصاب میں ایک درجہ کا اتفاق و موانست ہو تاکہ طلبار کو ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل ہو کر مشکل اٹھانی نہ پڑے۔ نصابی موافقت کوئی نئی چیز نہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ طلبار خصوصًا کالجوں سے خاص شاخ کی تعلیم کے لئے جاتے ہیں مثلاً ریاضی کا تعلق انجینیرنگ سے۔ کیمیا کا تعلق علم طب سے تاریخ و منطق کا تعلق وکالت سے ہوتا ہے جو طلبار کالج میں ان مضامین میں قابلیت رکھتے ہیں وہ آیندہ چل کر ایک خاص فن کے لئے جا سکتے ہیں۔ ایسا ہی اگر تحتانیہ مدارس میں اکوپیشنس کھولے جائیں تو طلبار جن اکوپیشن میں قابلیت دکھائیں بعد میں صنعتی شاخ کے لئے جا سکتے ہیں مثلاً نجاری اکوپیشن سے خاص نجاری تربیت و تعلیم کے لئے وہ طالب علم جو شوق ظاہر کرے بخوبی جا سکتا ہے۔ اس اسکیم کی کامیابی محکمہ صنعت وحرفت، سررشتہ تعلیمات، تجار و صنعتی کارخانہ جات کی متفقہ کوشش سے ہو سکتی ہے اس کی کامیابی عام مدارس کو اور خاص مدارس کو ترقی دیگی ان دونوں کی ترقی ضروری ہے کیونکہ ایک دوسرے کے ممد و معاون ہیں۔

تربیت جسمانی سے متعلق قدیم و جدید خیالات

تقریباً ہر ملک کے حکمائے متقدمین کا خیال تھا کہ روحانی تعمیر و ترقی کا انحصار جسمانی تخریب و تنزل پر ہے۔ جسم جس قدر کمزور، نحیف و لاغر ہوگا روح اسی قدر قوی روشن و برگزیدہ ہوگی۔ اس لئے وہ بزعم خود تقرب ملاء اعلیٰ حاصل کرنے کی غرض سے اپنے جسم پر طرح طرح کی اذیتیں اور عقوبتیں عاید کرتے تھے اور نہایت تکلیف دہ ریاضت و نفس کشی میں مشغول ہوتے تھے۔ ہندوستان میں آج بھی اس عقیدہ کے پیرو موجود ہیں بعض نفوس کی مذہبی سرگرمی جنون کی حد تک پہنچ جاتی ہے وہ منشائے قدرت کے خلاف ایک ہاتھ برسوں اٹھائے اٹھائے اسے خشک و مفلوج کر دینا جیٹھ بیساکھ کی تپتی ہوئی دھوپ میں پنچ اگنی کے درمیان بیٹھنا۔ کڑاکے کے جاڑے میں گردن بھر پانی میں قبل طلوع آفتاب گھنٹوں کھڑے رہ کر مالا جپنا۔ اور سردی کے مارے بیہوش ہو جانا اعلیٰ درجہ کی تپسیا خیال کرتے ہیں۔ الغرض ان کے نزدیک دنیا میں انتہائی کشٹ اٹھانے پر سورگ کی نعمتیں منحصر ہیں۔ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو امراض و عوارض کو گناہوں کا کفارہ سمجھ کر صحت جسمانی کی مطلق پروا نہیں کرتے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہندوستان ہمیشہ سے اسی قسم کے عقاید باطلہ میں گرفتار رہا ہے۔ بلکہ اس طرح کے خیالات بالعموم قومی زوال و انحطاط کے جلو میں رہتے ہیں۔ ورنہ یہاں بھیم اور ارجن جیسے بیسیوں بیر سورما بھی پیدا ہوئے ہیں جن کی طاقت و تنومندی نے انہیں مرتبہ الوہیت تک پہنچا دیا ہے۔ مسٹر رومیش چندر دت کا خیال ہے کہ ہندوؤں نے اپنے ذہنی و اخلاقی زوال کے زمانہ میں بھگتی کے اعلیٰ درجہ کے جوگ فلسفہ

[illegible] نثری ادبیات اور اذیت دہ مشقوں میں تبدیل کردیا۔ ہر قوم کی تاریخ میں عروج
کے بعد اس قسم کے ذہنی و اخلاقی تنزل کا زمانہ آتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ بھی رہبانیت
کے مرض میں گرفتار تھا۔ عیسائی مرتاض جسم کی صفائی و نگہداشت کو گناہ کبیرہ خیال
کرتے تھے۔ شٹرر کے "فلورا فلورنڈا" میں ایک عجوزہ کا ذکر ہے جسے ساٹھ برس سے غسل
نہ کرنے پر بڑا فخر و ناز تھا۔ چونکہ مذہب سارے تمدن کی جڑ تھا۔ زندگی کا کوئی شعبہ
کلیسا کی فولادی گرفت سے آزاد نہ تھا۔ تعلیم و تربیت پر تو اُسے اجارہ حاصل تھا
اس لئے نظامِ تعلیم پر اس صحت سوز عقیدہ کا اثر پڑنا ضروری امر تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طبقہ
متعلمین نے طلباء کی جسمانی تربیت کی جانب سے بالکل بے اعتنائی اختیار کرلی۔
صحت جسمانی تو برطرف ذہنی تربیت و ترقی کا بھی مطلق خیال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ
بچوں کے ننھے سے دماغ میں خارجی معلومات کا ٹھونس دینا اور انہیں عقاید متداولہ
رٹا دینا تعلیم کا اعلیٰ مقصد قرار پاگیا تھا۔ یہ افسوس ناک حالت کئی صدیوں تک قائم
رہی۔ بالآخر خیالات نے پلٹا کھایا آج کل ہر متمدن قوم پر یہ امر مبرہن ہے کہ جب تک
انسان کا جسم تندرست و توانا نہ ہو اس کا نفس بھی صحیح و مطمئن نہ ہوگا۔ جسمانی عوارض
کی وجہ سے دماغ بھی بودا اور پست ہو جاتا ہے۔ جس شخص کی صحت اچھی نہ ہو اس کا
ذہن ہمیشہ منتشر و پراگندہ اور وظائف مقررہ کی انجام دہی سے قاصر رہے گا۔ زندگی
کا تاریک پہلو اس کے پیش نظر ہوگا۔ کام کا جوش، امنگ اور ولولہ سرد پڑ جائے گا
اس کے دل میں بلند آہنگی و اعلیٰ حوصلگی پیدا نہ ہوگی نہ وہ مذہبی، اخلاقی و منصبی فرائض
کو بہ آئین شایستہ ادا کرسکتا ہے اور نہ قومی و معاشرتی و خانگی ذمہ داریوں سے بوجوہ
احسن عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ دنیا کے لئے اس کا وجود و عدم وجود دونوں یکساں ہے
الغرض انسانی زندگی کی کامیابی بڑی حد تک صحت جسمانی پر منحصر ہے۔ چنانچہ آج کل
تعلیم کا نصب العین محض تربیت نفس سے متجاوز ہو کر تربیت جسم و تربیت اخلاق بھی

محتوی ہوگیا ہے۔ انسان مرکب ہے جسم۔ ذہن اور روح سے۔ ان عناصر ثلاثہ میں سے اگر ایک جز کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو تعلیم کا صحیح مقصد فوت ہو جائے گا مدرسین کا فرض ہے کہ وہ طلبا کی زندگی کے جسمانی نفسی اور اخلاقی تینوں شعبوں کو دوش بہ دوش ترقی دیں۔ ان کو جاننا چاہیے کہ محض ایک جسم یا ایک دماغ یا ایک روح کی اصلاح و تربیت ان کے تفویض نہیں ہے بلکہ وہ ایک انسان کامل کی تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں لہذا انسان کا تجزیہ مناسب نہیں ہے یعنی انسانی زندگی کے اجزائے ترکیبی میں سے صرف ایک جز کو علحدہ کر کے اس کی نشو و نما اور ترقی کی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ تینوں اجزا یعنے جسم۔ ذہن اور اخلاق کی اصلاح و تربیت پر مساوی توجہ مبذول کرنی چاہیے۔

بازی منظم کی اہمیت | یہ امر تسلیم کر لینے کے بعد کہ جسمانی تربیت بھی نظام تعلیم کا جزو لاینفک ہے ہمیں دیکھنا چاہیے کہ جسم کی بالیدگی و فلاح و ترقی کن کن امور پر منحصر ہے۔ اس ضمن میں غذا لباس۔ مکان اور اصول حفظان صحت وغیرہ بھی شامل ہیں لیکن یہ موقعہ ان کے تفصیلی بیان کا متحمل نہیں ہے۔ علاوہ بریں یہ امور مدرسین کی بہ نسبت اولیائے طلبا سے زیادہ متعلق ہیں۔ اکل و شرب اور لباس و مکان کی صفائی و لطافت کی ذمہ داری والدین کے سر ہے۔ ہمیں تربیت جسمانی کے صرف ان وسائل سے سروکار ہے جو مدرسہ میں اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ ممالک متمدنہ کے مدارس میں جسمانی تربیت کے جو ذرائع رائج ہیں ان میں ورزش۔ کثرت۔ کشتی۔ گھونسہ بازی (بوکسنگ)۔ پٹہ بازی قواعد (ڈرل) مختلف قسم کے کھیل۔ شناوری۔ ملاحی۔ گھوڑ سواری۔ شکار اور رقص وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستانی مدارس میں موخر الذکر پانچ امور کا انتظام مشکل ہے لیکن ان تمام وسائل میں بازیہائے منظم کے فوائد اس قدر اہم و عظیم الشان ہیں کہ ان کے مقابل میں بقیہ تمام ورزشوں کے مجموعی فوائد بھی بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں بازی منظم

ورزش نہ صرف طلبار کی جسمانی صحت وعضلاتی قوت کی بحالی کی ضامن ہے بلکہ وہ سیرت سازی و اصلاح اخلاق کا بھی ایک زبردست آلہ ہے۔ منظم بازیوں کو دیگر ورزشوں پر تفوق و ترفع حاصل ہے اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ اول الذکر طلبہ کی جسمانی تربیت کے علاوہ ان کی سیرت سازی و اصلاح اخلاق کے لئے اپنے سے بڑھ کر کوئی مکتب نہیں رکھتیں۔ اس میں شک نہیں کہ دوسری ورزشیں بھی لڑکوں کے نفس و اخلاق پر اثرانداز ہوتی ہیں لیکن یہ اثر بالواسطہ پڑتا ہے۔ ورزشوں کا راست اثر جسم پر مترتب ہوتا ہے اور جسم کی صحت سے ذہن و اخلاق بھی اثر پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن بازیہائے منظم براہ راست طلبار کی سیرت وعادات پر اپنا اصلاحی اثر ڈالتی ہیں اور انھیں نیک روی کی عملی تعلیم دے کر فضائل اخلاق کا مجسمہ بنا دیتی ہیں۔ لہذا ان کی اہمیت پر جس قدر بھی زور دیا جائے مبالغہ نہ ہوگا۔ اخلاقی فوائد کے لحاظ سے بازیہائے منظم علی قدر مراتب حسب ذیل ہیں۔ چوگان۔ فٹ بال۔ ہاکی۔ آبی چوگان۔ کرکٹ ٹینس۔ بیڈمنٹن وغیرہ۔ آخرالذکر تین قسم کی بازیاں فوائد کے لحاظ سے کمتر درجہ کی ہیں۔ دونوں قسم کے چوگاں مفید تو بہت ہیں لیکن مدارس میں ان کی ترویج دقت طلب ہے لہذا ترویج کی سہولت اور فوائد کی کثرت کے لحاظ سے فٹ بال اور ہاکی قابل ترجیح ہیں۔ ہر مدرسہ میں ان دو کھیلوں کا انتظام ضروری ہے۔

تنظیم کی ضرورت آج کل دنیا میں ہر طرف تنظیم کی پکار ہے۔ ہر قسم کی ترقی کا گر خواہ وہ سیاسی ہو اقتصادی۔ قومی ہو یا معاشری۔ تجارتی ہو یا حرفتی۔ مذہبی ہو یا کاروباری تنظیم ہی کی سحرکاری میں مضمر ہے۔ جس جماعت میں کوئی تنظیم نہ ہو۔ جس کے اوراق پریشان اور شیرازے منتشر ہوں اس پر ہمیشہ منظم جماعت مغلوب رہے گی اگرچہ ثانی الذکر کے افراد تعداد میں اول الذکر سے کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔ تنظیم کی قوت نے لڑی ہوئی جماعتوں کو گوشہ گمنامی سے نکال کر عرشہ شہرت پر پہنچا دیا ہے۔

تنظیم ہی کی بدولت عوام نے امراء کے پہلو میں جگہ پیدا کرلی ہے۔ آج سے ایک ... بیشتر مزدور و عمال کسی شمار میں نہ تھے۔ سرمایہ داروں کے آستانہ پر جبہ سائی ان کا معمول تھا۔ امرا کی بے چوں و چرا اطاعت کے سوا ان کو کوئی چارہ نہ تھا۔ کچھ عرصہ ہوا ان کی چشم بصیرت وا ہوئی۔ انہوں نے تنظیم کی برکات کو اچھی طرح سمجھا۔ اپنے بکھرے شیرازے کو متحد کیا۔ جماعت بندی و انجمن سازی میں قوت صرف کی اور اپنی ایک منظم جماعت قائم کرلی دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی کوڑی کے تین مزدور اب زبردست طاقت خیال کئے جاتے ہیں۔ دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابل میں انھوں نے اپنا مستحکم محاذ قائم کرلیا ہے۔ وہ اپنے الگ ہڑتال کی دھمکیوں کی بدولت حکومت سے اپنے تمام مطالبات منوالیتے ہیں۔ سرمایہ دار حزب العمال سے خائف اور امراء ان سے ہاتھ ملانے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ ابھی چند سال کی بات ہے کہ مزدوروں کی جماعت برطانوی پارلیمنٹ میں برسر اقتدار تھی۔ آج بھی حزب العمال انگلستان میں ایک زبردست سیاسی جماعت ہے۔ یہ ساری کرشمہ سازیاں محض تنظیم کی ہیں۔ الغرض جو شئے منظم ہوگی اس کی کارفرمائیاں محیر العقول ہوں گی۔ مدرسہ کی نیک نامی و کامیابی کا راز بھی تنظیم ہی میں پوشیدہ ہے۔ مدرسہ کا ہر صیغہ و ہر شعبہ تنظیم ہی کی محور پر گردش کرتا ہے۔ جسمانی ترکیب کا شعبہ اس سے مستثنیٰ نہیں ہے بازی میں اگر تنظیم کا عنصر مفقود ہو تو وہ محض لہو و لعب اور تضیع اوقات کی موجب ہے لیکن بازی میں جب تنظیم کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے فوائد حیطۂ شمار میں نہیں آتے۔ بہرحال ہم بازیہائے منظم کے چند موٹے موٹے فوائد کو دو چار اصناف پر تقسیم کرکے ہر صنف کا علحدہ علحدہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

جسمانی فوائد | مثل دیگر ورزشوں کے بازی منظم بھی جسمانی صحت و ترقی کی ممد و معاون ہے کھیل کے وقت ہمارے جملہ اعضاء و جوارح متحرک و مشغول کار رہتے ہیں۔ حرارت

(ورزش) میں صاف ہوتا ہے۔ خون تمام رگ وریشہ میں نہایت سرعت کے ساتھ گردش کرنے لگتا ہے۔ عمل تنفس بھی تیز ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ہوا میں (آکسیجن) زیادہ مقدار میں داخل شش ہوتی ہے اور خون کی کثافتوں کو دور کرتی ہے۔ جسم کے تمام مسامات کھل جاتے ہیں پسینہ خوب آتا ہے جس کے ساتھ اندرونی میل خارج ہوتا ہے جسم کے دوسرے مخرجات بھی بلا حرج ومرج فضلات خارج کرنے کے لایق بن جاتے ہیں لہذا کھیل میں فاعلی حصہ لینے والے طلبا سے وہ تمام امراض وعوارض کوسوں دور رہتے ہیں جو کمزوری امعا سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں نسیجات وعضلات بہت جلد نشو ونما پاتے ہیں۔ اعضا وجوارح میں قوت وتوانائی پیدا ہوتی ہے۔ جسم نہایت سڈول، متناسب، اور خوبصورت بن جاتا ہے۔ قد وقامت پر بھی بازیوں کا عمدہ اثر پڑتا ہے نحیف وننھی انسان سرو قد بن جاتا ہے۔ آماس فربہی سے متبدل ہو جاتا ہے۔ بلغمی پلپلا بدن ٹھوس بلکہ لوہے کی لاٹ بن جاتا ہے۔ جسم میں پھرتی۔ تیزی۔ چستی اور لچک پیدا ہوتی ہے۔ جسمانی طاقت وتوانائی سے دل میں شجاعت وتہور کے جذبات رونما ہوتے ہیں۔ دماغ ہر وقت تر وتازہ طبیعت شگفتہ لب تبسم۔ چہرہ سرخ۔ دل سرور اور جوش سے بھرا رہتا ہے۔ بازی میں روزانہ حصہ لینے والوں کے پاس سستی اور کاہلی پھٹکنے نہیں پاتی۔ ان کے دل میں نئی نئی امنگیں اور نئے نئے ولولے پیدا ہوتے ہیں۔ سخت سے سخت کام کرنے سے ان کی طبیعت نہیں اکتاتی۔ وہ ان تمام بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں جن کا بازی میں حصہ نہ لینے والے لڑکے آئے دن شکار بنے رہتے ہیں۔

ذہنی فوائد عضلات واعصاب یا بہ الفاظ دیگر جسم ونفس کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ انسان جس قدر قوی۔ تندرست اور مضبوط ہوگا اس کا ذہن اسی قدر تیز۔ صاف اور روشن ہوگا۔ النفس سلیم فی الجسم السلیم کا مقولہ حق وصداقت پر مبنی ہے اگر

کسی شخص کا جسم لاغر، نحیف، کمزور اور مبتلائے مرض ہو گا تو اس کا دماغ بھی ... یہ
طبیعت چڑچڑی اور اس کے خیالات وافکار منتشر و پریشان رہیں گے۔ وہ دماغی بار
برداشت نہیں کر سکتا۔ خارجی اشیاء کی صحیح تصویر اس کی لوح دماغ پر مرتسم نہیں ہوسکتی
اس کے تمام تصورات و مدرکات دھندے ہوں گے۔ الغرض مریض کا دماغ محدب یا
مقعر آئینہ کا سا ہوتا ہے جس میں ہر شے کا ٹیڑھا عکس نظر آتا ہے لیکن تندرست آدمی
کا دماغ ہموار سیمابی آئینہ کی طرح صحیح عکس قبول کرتا ہے۔ بہرحال جو ذہنی فوائد صحت جسمانی کی
وساطت سے حاصل ہوتے ہیں وہ کسی خاص قسم کی ورزش کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ ہر قسم کی
بازیوں کی شرکت سے مترتب ہو سکتے ہیں خواہ وہ منظم ہوں یا غیر منظم لیکن دماغی ترقی میں
بازی منظم کا کارنامہ بہت زیادہ رفیع و بلند ہے یہ ترقی تعلیت ... ہی اکے وسیع تر علاقہ پر
حاوی ہے۔ بازی منظم کے جو اثرات راست ذہن پر پڑتے ہیں وہ نہایت گراں قدر ہیں۔
بازی منظم میں حصہ لینے والے لڑکوں میں پرکسی و ہوشیاری کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ ان کی
قوت فیصلہ و تجویز اور ترکیز توجہ کو بے حد تقویت پہنچتی ہے۔ دوران بازی میں کھیلنے
والوں کی توجہ ہر سمت سے سمٹکر تمام تر گیند پر مرکوز رہتی ہے۔ اجتماع توجہ کی یہ عادت
انہیں آیندہ زندگی میں بہتیرے پیچیدہ عقدوں کی گرہ کشائی میں ممد و معین ہوتی ہے۔
لڑکوں کو کمرہ جماعت کے بہ نسبت بازی گاہ میں مقابلہ، تجویز، اجتماع توجہ، اندازہ اور
تخمینہ کرنے کا عملی موقعہ ہاتھ آتا ہے۔ مدرسہ کے اندر تعلیم و تدریس کا تعلق طلباء کے
قوائے سماعت یا بصارت سے ہوتا ہے لیکن بازی گاہ میں انہیں عمل کا سنہری موقعہ حاصل
ہوتا ہے سیرت و عادت کی تعمیر مزاولت عمل سے ہوتی ہے نہ کہ فقط سننے اور دیکھنے سے
عمل کی مزاولت سے تمام قوائے ذہنیہ جلا پا کر چمک اٹھتے ہیں۔

اخلاقی فوائد | صحت جسمانی اصلاح اخلاق کا پیش خیمہ ہے۔ جب تک انسان کو تندرستی کی
بیش بہا نعمت میسر نہ ہو وہ نہ اپنے فرائض منصبی ادا کر سکتا ہے۔ نہ قومی و معاشرتی

...ے ... سے بیکار وشی حاصل کر سکتا ہے اور نہ حقوق العباد سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے
اگر صحت سے تہی دامنی اخلاق حسنہ سے عریانی کی موجب ہے۔ کمزور و مضمحل آدمی بالعموم
زود رنج، چڑچڑا، غصیلا اور بہت سی اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہوا کرتا ہے۔ اس کے برعکس
تندرست و توانا شخص بردبار، متحمل، متین اور سنجیدہ ہوتا ہے صحت جسمانی کے جو مفید
اثرات اخلاق پر پڑتے ہیں وہ بلحاظ عمومیت ہر قسم کی بازی و ورزش سے مترتب
ہو سکتے ہیں لیکن بازی منظم طلبا کے رفتار، کردار اور شمائل و خصائل پر براہ راست
بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ دوران بازی میں لڑکے اطمینان، دلجمعی اور معتدل مزاجی کا
سبق حاصل کرتے ہیں۔ ہر کھلاڑی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ مقررہ نشان کے اندر خود
گیند گزار کر کامیابی (ناموری) کا سہرا حاصل کرے اور ہم چشموں میں سرخرو بنے لیکن جب
مخالف ٹولی کا کوئی کھلاڑی مزاحم ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنی جماعت کے کسی کھلاڑی کی طرف
گیند کو مار دیتا ہے اس طرح وہ ذاتی ناموری کی خواہش کو جماعتی مفاد پر قربان اور خود غرضی
و مطلب آشنائی سے حذر کرتا ہے۔ ایک کھلاڑی کا دوسرے کھلاڑی کی طرف
گیند گزار دینا بادی النظر میں نہایت معمولی بات ہے لیکن نتیجہ کے لحاظ سے اس کی
عظیم الشان اہمیت حیطۂ بیان سے باہر ہے۔ اسی معمولی امر کی مداومت طلبا میں
غیر محسوس طریقہ پر ایثار نفس کی عادت پیدا کر دیتی ہے جو تمام مکارم اخلاق کا تاج
ہے۔ جماعتی مفاد پر انفرادی مفاد کی قربانی وہ کنجی ہے جو قومی دولت و عظمت اور
ترقی و کامرانی کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ علاوہ بریں بازی گاہ میں طلبا محنت و
جانفشانی، بہادری و دلیری اور خود اعتمادی و ضبط نفس کا عملی درس حاصل کرتے
ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ کی اہمیت سے کون شخص انکار کر سکتا ہے؟ کون نہیں
جانتا کہ کارزار حیات میں کامیابی بڑی حد تک انہی اوصاف کی سرمایہ داری پر
منحصر ہے لیکن سب سے مفید اور کارآمد سبق جو طلبا، بازی گاہ میں سیکھتے ہیں وہ

یہ ہے کہ کس طرح حالت شکست و ناکامی میں بھی انسان کو کوہ ہمت بن کر رہنا چاہیے صبر و استقلال کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ اور نہ یاس و قنوط کو پاس پھٹکنے دینا چاہئے۔ بلکہ نئے جوش و خروش کے ساتھ تمام آلام و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ان کا قلع و قمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس مہتم بالشان درس کی اہمیت بیان کرنے میں زبان قلم گنگ ہے جس قوم کے افراد میں یہ صفت پیدا ہو جائے اس کے اوج و اقبال کا ستارہ ہمیشہ تاباں و درخشاں رہے گا۔ اس کی ہر مہم فتح و نصرت پر مختتم ہوگی۔ اس کو دوسری قوموں پر تسلط و استیلار حاصل رہے گا بازی منظم کا ایک روشن کارنامہ یہ بھی ہے کہ وہ طلبار کے دلوں میں پاک اسپا رزانہ روح پھونک دیتی ہے جسے انگریزی میں "شیوالرس اسپرٹ" کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے ان کی تمام حرکات و سکنات میں دیانت۔ راست بازی۔ خودداری۔ شجاعت علو ہمتی اور بلند حوصلگی کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ ان تمام نیکیوں اور خوبیوں کی تحصیل کے لئے بازی گاہ بہترین مکتب ہے۔ مدرسہ کے کمرہ میں فضائل اخلاق پر لمبی چوڑی تقریریں کی جا سکتی ہیں۔ لیکن ان کا اثر ایک کان سے دوسرے کان کا ایک بالشتی فاصلہ طے کر کے غائب ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے بازی گاہ میں مکارم اخلاق عملی جامہ پہن کر نمودار ہوتے ہیں۔ وہاں کی ہر شئے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ وہاں کا ہر نقش پتھر کی لکیر ہوتا ہے جسے صرصر حوادث بھی مٹا نہیں سکتا بازی گاہ کی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں رزمگاہ زندگی کی بڑی بڑی فیروز مندیوں کا سنگ بنیاد ہیں۔ غالباً ولنگٹن کا یہی مطلب تھا جب کہ وہ مدرسہ ایٹن کی بازی گاہ میں لڑکوں کو مصروف بازی دیکھ کر پکار اٹھا تھا کہ "یہیں واٹرلو کی جنگ فتح ہوئی تھی"

معاشرتی فوائد معاشرتی نقطۂ نگاہ سے بھی بازی منظم کے فوائد کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے بازی گاہ میں طلبار یہ بھی سیکھتے ہیں کہ کس طرح ہجوم و کشاکش میں دوسروں کو جگہ دینی چاہیے

ممکن ہے۔ ہم ملکر کام کرنا چاہیے۔ جو شخص ان اوصاف سے معرا ہوگا وہ کسی جماعت کا مفید رکن نہیں بن سکتا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ لڑکے بڑے بے رحم واقع ہوتے ہیں۔ انھیں کسی کی تکلیف و مصیبت کا مطلق احساس نہیں ہوتا۔ مثل ہے کہ "چڑیے کی جان جائے بچوں کا کھلونا"۔ وہ ابنائے جنس کی اذیت دیکھکر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ جب وہ کسی خمیدہ پشت بڈھے کو دیکھتے ہیں تو اظہار ہمدردی کے بجائے اس سے نداق کرتے ہیں۔ اس پر آوازے کستے ہیں۔ اس کی پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ اور گالیاں سننے پر اُسے پتھر مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ لیکن یہی شریر و سنگدل لڑکے جب بازی گاہ میں قدم رکھتے ہیں تو وہ نیکی و ہمدردی کا نمونہ اور رحم و رافت کا مجسمہ بن جاتے ہیں۔ یہاں ان کی سیرت کا روشن پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اس امر کے مشاہدہ کا موقعہ ملا ہوگا کہ جب کوئی کھلاڑی چوٹ کھاتا ہے اور ضرب شدید کی وجہ سے اس پر غشی طاری ہوجاتی ہے اس وقت تمام لڑکوں میں ہل چل مچ جاتی ہے سچی غمگساری کا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن ہوتا ہے۔ ہمدردی کی برقی رو ان کے رگوں میں دوڑ جاتی ہے۔ سب کی ہنسی خوشی آن کی آن میں غائب ہوجاتی ہے۔ ان کے چہرے افسردہ و فکرمند بن جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی ہمدردانہ و غمخوارانہ کارگزاریاں قابل تحسین ہوتی ہیں۔ سب متضرر کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔ کوئی اپنے زانو پر اس کے سر کو سہارا دیتا ہے۔ کوئی پانی لانے کے لئے دوڑتا ہے۔ کوئی رومال سے ہوا دیتا ہے اس کو ہوش میں لانے کی سوسو اپائیں کی جاتی ہیں۔ کوئی اس کے منھ پر پانی کے چھینٹے دیتا ہے۔ کوئی "مجروحین کی ابتدائی امداد" کے اصول پر کاربند ہوتا ہے۔ جب متضرر آنکھیں کھولتا ہے اور ہوش میں آتا ہے تو سب کے دل کا کنول کھل جاتا ہے۔ ان کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگتے ہیں۔ سب کے لبوں پر تبسم و شگفتگی کے آثار نمایاں ہوجاتے ہیں۔ ضرب شدید کی صورت میں متضرر رجوع شفاخانہ کیا جاتا ہے۔ یہاں

چار چار پانچ پانچ لڑکوں کی ٹولیاں اپنا خواب و راحت قربان کر کے رات بھر باری باری سے اس کی تیمارداری کرتی ہیں۔ الغرض ہمدردی و غمخواری کا جو منظر اس وقت نظر آتا ہے وہ بسا اوقات حقیقی بھائیوں کے درمیان بھی نہ پیدا ہو سکے۔ یہی باہمی اخوت و اعانت اور انس و محبت کی عادت جس کی داغ بیل مدرسہ کی بازی گاہ میں پڑتی ہے آیندہ معاشری زندگی میں انسان کی ہر دل عزیزی و مقبولیت کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ بریں بازی گاہ میں لڑکوں کو ایک دوسرے کے ساتھ آزادی سے ملنے اور ہم کلام ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ دوستی و یار باشی کا یہی ننھا پودا آگے چل کر نخل تناور بن جاتا ہے اور خوش خلقی، نرمی، شیریں کلامی اور تلطف کے میٹھے پھل لاتا ہے۔ کسی جماعت یا معاشرہ کا مفید رکن اور قوم و ملک کا سچا خادم بننے کے لئے جن مزید اوصاف کی ضرورت ہے ان کا سنگ بنیاد بھی بازی گاہ میں نصب ہوتا ہے۔ یہاں لڑکے یہ بھی سیکھتے ہیں کہ کس طرح دوسروں کا بوجھ خود برداشت کرنا اور معاشرہ کے لئے اپنے وجود کو کس طرح مفید بنانا چاہیئے۔ زندگی کا اعلیٰ مقصد یہی ہے "کہ دنیا میں کام آئے انسان کے انسان"۔

مدنی فوائد | مندرجہ بالا خوبیوں کے علاوہ اور بہت سے اعلیٰ محاسن بازی منظم کے دامن سے وابستہ ہیں۔ غیر منظم بازیوں میں نہ کوئی ضابطہ ہوتا ہے نہ قانون۔ لڑکے یونہی بے ترتیبی کے ساتھ اچھلتے کودتے اور دوڑتے پھرتے ہیں۔ لیکن جہاں تنظیم کا لفظ زبان پر آیا کہ ذہن فوراً ترتیب و باقاعدگی کی طرف منعطف ہو جاتا ہے۔ جس شئے میں کوئی قرینہ و سلیقہ نہ پایا جائے اس پر تنظیم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا منظم بازی صرف اسی کھیل کو کہیں گے جو باترتیب و باقاعدہ ہو۔ چنانچہ ہر منظم بازی کے لئے قواعد و ضوابط مقرر ہیں۔ بازی گاہ کا رقبہ۔ اس کی ہئیت۔ کھلاڑیوں کی تعداد۔ ان کی جگہ کھیلنے کے طریقے۔ کامیابی و شکست کی شرطیں۔ غرض کہ ہر جز اور عنصر کے متعلق تفصیلی

قوانین منضبط کئے گئے ہیں۔ ہر کھلاڑی کے لئے ان قوانین و ضوابط کی سختی سے لازمی ہے تعمیل میں شریک ہو۔ کہ قواعد کی تعمیل کرتے کرتے لڑکے عادتاً قانون پیروی بن جاتے ہیں جب وہ دنیا میں داخل ہوتے ہیں تو ملکی قوانین کی عظمت و احترام ان کے دل میں بہ آسانی جاگزیں ہو جاتا ہے۔ بازی گاہ میں لڑکے ناظر (رفری) کی سیٹی کے اشارہ پر کام کرتے ہیں اور بے چون و چرا اس کے احکام و ہدایات پر عامل ہوتے ہیں۔ بازی کے جب مقابلہ ہوتے ہیں تو فریقین تمام متنازعہ فیہ معاملات میں ثالث یا حکم کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ ان تمام امور کی مداومت سے اطاعت و فرمانبرداری ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ اولامر کی اطاعت اور حاکم وقت کی فرمانبرداری سے کبھی منھ نہیں موڑتے۔ بازی گاہ میں لڑکے اعلیٰ درجہ کے ضبط و تمرین کا سبق حاصل کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ کمرۂ جماعت میں بھی ضبط و تمرین کا نظارہ دیکھنے میں آتا ہے لیکن یہ ضبط مدرس کے سونٹے کے خوف سے قائم رہتا ہے۔ برخلاف اس کے بازی گاہ کا ضبط قواعد و ضوابط کی پیروی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے مؤخرالذکر کو اول الذکر پر ہر طرح ترجیح حاصل ہے۔ بازی گاہ میں نگرانی کے لئے کوئی مدرس نہ بھی ہو تو طلبا میں محض روزانہ مقررہ قواعد پر عمل کرتے رہنے سے ضبط اور انتظام کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے جو آئندہ زندگی میں نہایت کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ لڑکے بازی گاہ میں جو ضبط و تمرین اور انتظام و انصرام کی اعلیٰ صلاحیت حاصل کرتے ہیں اس کی بنا پر وہ دنیا میں داخل ہونے کے بعد بڑے بڑے اداروں انجمنوں، مجلسوں اور جمعیتوں کو کامیابی کے ساتھ چلا سکتے ہیں بازی گاہ میں انفرادی مفاد کو ٹولی کے مفاد پر قربان کر دینا پڑتا ہے۔ ایثار و قربانی کا یہ ننھا سا جذبہ حب الوطنی کے عظیم الشان جذبہ کا ہیولیٰ ہے اگرچہ عملی

مفاد کی اہمیت اچھی طرح طلبا کے ذہن نشین ہو جائے تو یقین ہے کہ ۔۔ آگے چلکر
ملک کی خدمت کے لئے کمربستہ ۔ مادر وطن کی پکار پر ہر وقت صدائے لبیک
بلند کرنے کے لئے آمادہ اور ہمیشہ ذاتی فوائد کو قوم وملت کی قربانگاہ پر بھینٹ
چڑھانے کے لئے مستعد رہیں گے اور اس طرح وہ بہترین شہری ثابت ہوں گے

اجتماعی فوائد | بازی منظم مدرسہ میں "جماعت تشخصیہ" کے قیام کا بہترین ذریعہ ہے۔
افلاطون کے قول کے مطابق ایک مثالی "جماعت تشخصیہ" زندہ نامیات کے مشابہ
ہوتی ہے۔ اگر کسی ہستی ذی حیات یا بہ الفاظ افلاطون زندہ نامیات کا ایک عضو
مجروح ہو جائے تو درد کا اثر وہیں محدود نہیں رہتا بلکہ دوسرے اعضا و جوارح میں بھی
محسوس ہونے لگتا ہے۔ اگر انسان کی ایک انگلی زخمی ہو جائے تو سارے جسم میں
تڑپ اور بےچینی کی لہر دوڑ جاتی ہے ۔ اسی طرح "جماعت تشخصیہ" کے جملہ افراد کو ایک
دوسرے کا شریک درد ہونا چاہیئے۔ مرزا غالب کا ایک شعر ہے کہ ؎

رگ لیلیٰ کو خاک دشت مجنوں ریشگی بخشے
اگر بووے بجائے دانہ دہقاں نوک نشتر کی

ادھر دشت نوردِ مجنوں کا پاؤں نوک نشتر سے گھائل ہوتا ہے ۔ ادھر اس کا اثر
رگ لیلیٰ میں بشکل ریشگی نمودار ہوتا ہے ۔ جس نادر تاثیر کو شاعر کے تخیل نے صرف
حسن عشق کا نتیجہ بتایا ہے اُسے افلاطون کی وسیع المشربی نے جماعتی اتحاد
و اتفاق کا لازمہ قرار دے کر مجمع کثیر پر مستولی کر دیا ہے۔ بہر حال افلاطونی مثالیہ کی
تحصیل و تکمیل کے لئے جتنے وسائل اختیار کئے جا سکتے ہیں ان میں بازی منظم
بہترین ذریعہ ہے ۔ "جماعت تشخصیہ" کے امتیازی خصائص توحید مقصد اور اشتراک
عمل ہیں۔ اگر کسی جماعت کے تمام افراد کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہو اور اس
مقصد کے حصول کے لئے ہر فرد اپنی اپنی بساط بھر کوشش کرے تو ہم اسے "جماعت
تشخصیہ" کہیں گے ۔ "جماعت تشخصیہ" کا قیام باہمی اتحاد و اتفاق کا منتہائے کمال ہے

جس جماعت یا جس قوم میں اتحاد و اتفاق کا یہ انتہائی جذبہ پیدا ہو جائے اس کے لئے دنیا کا کوئی امر محال اور کوئی شئے ناممکن نہ ہوگی۔ پہاڑ کی سر بفلک چوٹیاں اس کے آگے جھک جاتی ہیں دشت و بیابان اس کے لئے راستہ صاف کر دیتے ہیں۔ اور گھاٹیاں سد راہ نہیں ہوتیں۔ برق و باد اس کے تابع فرمان بن جاتی ہیں مہر و ماہ اس کی طرف دست اعانت بڑھاتے ہیں اور متلاطم سمندر اس کے لئے سیدھا راہ بن جاتا ہے۔

طلبا میں اس قسم کے اتحاد و اتفاق کا جذبہ بازی منظم کے ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ توحید مقصد۔ اشتراک عمل۔ باہمی تعاون۔ اتحاد و اتفاق یگانگی و یکجہتی کا منظر اپنی پوری آب و تاب اور شان رعنائی کے ساتھ بازی کے بین المدارس مقابلوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ غالباً ہر شخص کو دو مدارس کے مقابلہ بازی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ دونوں مدرسہ کے جملہ طلبا بازی گاہ کا حلقہ کئے کھڑے رہتے ہیں۔ اس وقت انہیں دنیا و مافیہا کا کچھ خیال نہیں رہتا۔ ان کا پیمانہ دل جوش خروش سے لبریز ہوتا ہے۔ ان کی توجہ تمام تر رفتار بازی پر مرکوز ہوتی ہے وہ ہمہ تن نگاہ بنے رہتے ہیں۔ ہر مدرسہ کے جملہ طلبا کا مقصد ایک اور جذبات یکساں ہوتے ہیں۔ ہر فریق کی دلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی ٹولی ظفر یاب ہو اور فریق مخالف شکست کھائے۔ وہ دوران تصفیق و فلک شگاف نعرہ ہائے تحسین سے اپنی اپنی ٹولی کے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں جوش و جذبہ کا ہیجان و تلاطم برپا رہتا ہے۔ بازی کی رفتار جس مدرسہ کے موافق ہوتی ہے اس کے تمام طلبا کے چہرے شگفتہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے رگ و ریشہ میں خوشی و مسرت کی برقی رو دوڑ جاتی ہے۔ لیکن فریق ثانی کے چہروں پر مردنی چھائی رہتی ہے۔ جہاں بازی کا پانسہ پلٹا کہ ان کے دلوں میں متضاد جذبے لہریں مارنے

لگتے ہیں کھیل ختم ہونے پر ان کے جذبات ضبط سے باہر ہو جاتے ہیں۔ فتحیاب مدرسہ کے لڑکوں کی حالت قابل دید ہوتی ہے۔ کوئی مست ہو کر جھومتا ہے۔ کوئی کودتا پھاندتا نظر آتا ہے۔ کوئی ٹوپی اور چھتری اُچھالتا ہے۔ کوئی تالیاں مارتا ہے۔ اُن کے نعرہ ہائے مسرت سے گرد و پیش کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ الغرض سب مل کر اس قدر خوشی مناتے ہیں گویا انھیں کہیں کی سلطنت ہاتھ آگئی۔ برعکس اس کے شکست خوردہ مدرسہ کے جمیع طلبا کا شیشۂ دل چور چور ہو جاتا ہے۔ انھیں ایسا رنج و غم ہوتا ہے جیسے کسی کا عزیز و رفیق اس دار فانی سے رحلت کر جائے۔

مقابلہ بازی کے مندرجہ بالا نظارہ سے یہ امر بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ اس وقت ایک مدرسہ کے تمام طلبا بصد قالب و ایک جان بن جاتے ہیں۔ ان کا مقصد ایک۔ ان کے خیالات و جذبات یکساں۔ ان کی خوشی ایک ان کا غم ایک الغرض ہر شے ایک ہو جاتی ہے۔ یہی اغراض و مقاصد کی وحدت افلاطون کی مثالیہ جماعت ''شخصیہ'' کا لازمہ ہے۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لڑکے مقابلہ میں نمایاں کام انجام دیتے ہیں ان کی بازی ختم ہونے پر بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ ان کو ہر طرف سے شاباشی ملتی ہے۔ ان کا شمار مدرسہ کا نام روشن کرنے والے ابطال میں ہوتا ہے۔ ہر شخص ان کی خوب آؤ بھگت کرتا ہے۔ الغرض مقابلہ بازی کے موقعوں پر حب المدرسہ (جو آگے چل کر حب الوطنی میں تحویل ہو جاتا ہے) اعظام ابطال اور ''جوش جماعت'' کا بہترین مظاہرہ ہوتا ہے۔

لیکن مقابلہ بازی کا ایک تاریک پہلو بھی ہے جس سے طلباء کو کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیئے۔ بسا اوقات ایسے موقعوں پر رشک و حسد کے شرربار جذبات برق بلا کی طرح گرتے ہیں اور امن و آشتی کے خرمن کو جلا کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ اگر

حزم و احتیاط سے کام نہ لیا جائے تو فتنہ و فساد کا سامری اپنے ایک ہی انچھر سے ... اتفاق کی برکات ... تشتت کی بلائے بے درماں میں تبدیل کر دیتا ہے بالعموم نفاق پرور ... ات بمقصد بازی کی غلط فہمی کے باعث ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بعض طلبا حصول جام و سپر ہی کو مقابلہ بازی کی غرض و غایت سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا مدرسین کو چاہئے وہ لڑکوں کے ذہن نشین کر دیں کہ بازی کا اصلی مقصد تربیت جسم و اصلاح اخلاق ہے اور حصول جام و سپر محض ضمنی شئے ہے۔ بہرکیف یہ امر قابل اطمینان ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بازی کے اخلاقی فوائد کا اثر ہے کہ عموماً حسد و نفرت کے جذبات اور شر انگیزی و فتنہ آرائی کے خیالات کھلاڑیوں کے بجائے خارجی تماشائیوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر بازی گاہ میں کھلاڑیوں کے دلوں میں ایک دوسرے پر تفوق و ترفع حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو تو اسے فال نیک سمجھنا چاہئے کیونکہ اسی جذبہ میں قومی و جماعتی ترقی کا راز مضمر ہے۔ بازی گاہ میں معلم ورزش کی نگرانی قائم کر دینے سے بہت مفید نتائج مترتب ہوں گے۔

تفریحی فوائد | مدرسین کو جاننا چاہئے کہ تعلیم و تربیت کے متعلق یہ سوال بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ طلبا مدرسہ سے باہر یعنی تعلیمی ساعتوں کے بعد اپنے اوقات کس طرح گزارتے ہیں۔ بعض مدرسین صرف مدرسہ کے تدریسی گھنٹوں میں طلبا کے رویہ کی نگرانی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور بعد برخاست مدرسہ خود کو تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش خیال کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اکثر لڑکے شام کے وقت ادھر ادھر بازاروں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور آوارگی و ہرزہ گردی ... نظر آتے ہیں۔ اس سے ان کے اخلاق و عادات پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا طلبا کو بازاری زندگی کے خطرات و مضرات سے محفوظ رکھنے کے لئے

انھیں بعد برخاست مدرسہ بازی گاہ میں حاضر ہونے کی تاکید کرنی چاہیے۔ بعض کتاب کے کیڑے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مدرسہ سے چھوٹتے ہی گھر پہنچ کر مطالعہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت حقیقی کام تو کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ دن بھر کا تھکا ہوا دماغ مزید بار برداشت کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ یہ وقت کھیل کے لئے بہت مناسب ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے دماغ کو بازی گاہ میں بوجہ تبدیل مشاغل ترو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ ذہنی تکان کے اندفاع کے لئے تین اہم ذرائع ہیں نیند۔ آرام اور تبدیل کار۔ لیکن مدرسہ برخاست ہونے کے بعد کا وقت نہ نیند کے لئے موزوں ہے نہ خاموش بیٹھکر آرام لینے کے لئے۔ لہذا طلبا کے لئے تبدیل کار کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ تبدیل کار میں سیر و تفریح۔ آوارہ گردی اور شرکت بازی شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سب سے مفید چیز کھیل ہے بازی گاہ عموماً کھلی جگہ میں واقع ہوتی ہے۔ وہاں کی ہوا صاف اور تازی ہوتی ہے۔ اس لئے طبیعت کو وہاں فرحت و شگفتگی حاصل ہوتی ہے۔ مدرسہ کی عمارت میں لڑکوں کو آزادی سے ملنے جلنے اور ہنسنے بولنے کا موقع نہیں ملتا لیکن بازی گاہ میں انھیں ہمکلامی و تبادلہ خیالات کا آزادانہ موقعہ ہاتھ آتا ہے۔ انتہا پسند روسو اپنے مخصوص پیرایہ بیان میں جو مبالغہ کی چاشنی سے خالی نہیں کہتا ہے کہ "جو سبق لڑکے بازی گاہ میں ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں وہ کمرۂ جماعت کی تعلیم و تدریس سے ہزاروں درجہ بہتر ہے"۔ یہ امر محتاج تشریح نہیں کہ مختلف طلبا کے تفنن و تفریح کے سامان مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی گنجفہ کا دلدادہ ہے۔ کوئی کھیل تماشہ سے حظ اُٹھاتا ہے۔ کسی کو رقص و سرود میں لطف آتا ہے کسی کو مجمع احباب میں بیٹھکر حقے کا دم لگانے اور گپ ہانکنے میں مزا ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تفریح کے یہ تمام سامان مہمل و بے سود ہیں۔ ان میں انفرادی یا معاشری مفاد کا کوئی ہو

نہیں ہو ہیں پایا جاتا۔ اس حالتوں میں وہ محض تضییع اوقات کے موجب ہیں۔ الغرض تعلیم تفنن کے مذکورہ بالا طریقے لڑکوں کے لئے سم قاتل ہیں۔ اور ان کے فطری رجحان کے بھی خلاف ہیں کھیل کی جانب لڑکوں کا طبعی میلان پایا جاتا ہے۔ وہ فطرتاً دھما چوکڑی کے عادی ہوتے ہیں ان سے ایک جگہ نچلا بیٹھا نہیں جاتا۔ ان کی فطری مناسبت کے لحاظ سے ان کی تفریح طبع کے لئے بازی سے بڑھ کر کوئی شئے نہیں ہے۔ یہ کھیل کا کھیل اور تربیت کی تربیت ہے۔

تعلیمی فوائد | بازی منظم کا ایک اور مفید پہلو ہے جو مدرسین کے لئے بڑی اہمیت ہے۔ کامیاب معلم بننے کے لئے تین امور سے پوری واقفیت لازمی شرط ہے اول مضمون تعلیم سے۔ دوم طریقہ تعلیم سے۔ سوم طلباء کے طبائع وخصائص سے۔ جس مضمون پر درس دینا ہو اس پر مدرس کو کافی عبور حاصل ہونا چاہیئے۔ اگر مدرس کی معلومات ناقص۔ خام۔ ادھوری اور محدود ہوں تو اس کی تدریس کبھی کارگر و موثر نہ ہوگی۔ لیکن تدریس کی کامیابی کے لئے صرف اسی ایک شرط پر پورا اترنا کافی نہیں ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم الدہر کیوں نہ ہو۔ اسے تمام مضامین پر کتنا ہی تبحر کیوں نہ حاصل ہو لیکن اگر وہ فن تعلیم اور طریقہ تدریس سے واقف نہ ہو تو وہ کبھی کامیاب مدرس نہیں بن سکتا۔ تعلیم وتدریس ایک مستقل فن ہے۔ جو اس فن کا ماہر ہوگا وہی پیشۂ مدرسی کے لایق ہوگا۔ لیکن مضمون تعلیم کے بطن وماہیت اور فن تدریس کے اصول وضوابط سے واقف ہونے پر بھی معلم کے لئے ایک تیسری اہم شرط باقی رہ جاتی ہے۔ معلم کے لئے مطالعہ اطفال بھی لازمی شئے ہے۔ اسے طلباء کا نباض ومزاج شناس بھی ہونا چاہیئے لڑکوں کی ذہنی صلاحیت۔ ان کے طبعی میلانات۔ اور ارتقائے نفسی کے مختلف مدارج سے ہر معلم کو واقف رہنا چاہیئے۔ معلم کو طلباء کے عام خصائص کے علاوہ ان کے

انفرادی طبائع سے بھی آگاہی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ تمام لڑکے ایک ہی سانچے کے ڈھلے نہیں ہوتے بلکہ ان کی ذہنیتیں مختلف۔ ان کے مزاج جدا گانہ اور ان کی دلچسپیاں متفرق ہوتی ہیں۔ ہر متعلم میں بعض خوبیاں اور بعض کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ جب تک معلم کو ان کا پورا علم نہ ہو وہ کس طرح ان کی خوبیوں کو ترقی دینے اور خامیوں کو دور کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کر سکتا ہے کمرۂ جماعت میں مدرس کو اجتماعی تعلیم دینی پڑتی ہے اس لئے اُسے طلبار کی انفرادی خصوصیتوں کے مطالعہ کا بہت کم موقعہ ملتا ہے۔ علاوہ بریں مدرسہ میں لڑکوں کو آزادانہ نقل و حرکت سے باز رہنا پڑتا ہے۔ وہاں ان کے وقت کا بڑا حصہ خاموشی کے ساتھ درس سننے یا کچھ لکھنے میں گزرتا ہے۔ اس لئے اُن کے اکثر خصائص مستور رہتے ہیں لیکن بازی گاہ میں پوری آزادی پاکر وہ کھل کھیلتے ہیں اور اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ وہاں ان کی بہت سی پوشیدہ خوبیاں اور خامیاں نمایاں ہوتی ہیں۔ وہاں معلم ان کی طبیعت کے ہر انداز۔ مزاج کے ہر نکتہ۔ اور سیرت کے ہر پہلو سے واقف ہو سکتا ہے اور ان رموز و کنہات کی بنا پر وہ ان کی اچھی طرح تفرید کر سکتا ہے۔ الغرض طلبار کے متعلق یہ تفصیلی معلومات تعلیمی نقطہ نگاہ سے بہت اہم و مفید ہیں۔

خاتمہ | یہ ہیں وہ عظیم الشان فوائد جو بازی منظم سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ جسم ذہن اور اخلاق کی علی السویہ تربیت و ترقی نظام تعلیم کا نصب العین ہے۔ بازی منظم جسم۔ دماغ اور روح تینوں کے تغذیہ و پرورش کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے انسان انہی تین اجزا یعنی جسم۔ دماغ اور روح سے مرکب ہے۔ کشاکش زندگی و تنازع البقا میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جس کے یہ اجزائے ثلاثہ اچھی طرح نمو یافتہ ہوں جس طرح تمام انسانی غذاؤں میں صرف دودھ ہی کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ وہ تنہا جسم کی پرورش

کر سکتا ہے اسی طرح تمام وسائل تعلیم میں صرف بازی منظم جسم۔ ذہن اور اخلاق تینوں کی اصلاح و تربیت کی تنہا کفیل ہو سکتی ہے۔ جو لوگ بازی منظم کو محض تفریح طبع کا ذریعہ خیال کرتے ہیں وہ سخت غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دراصل بازی منظم سیرت سازی کا بہترین آلہ ہے۔ الغرض بازی منظم ہمہ گیر تعلیم ہے اس لئے ہر مدرسہ میں اس کی ترویج ضروری ہے۔ بعد برخاست مدرسہ طلباء کو بازی میں شریک ہونے کی تاکید کرنی چاہئے۔ لیکن اگر طلباء کی تعداد بہت زیادہ ہو۔ میدان میں کافی وسعت نہ ہو۔ اور تمام ٹولیوں کی سربراہی کے لئے سامان بازی ناکافی ہو تو جملہ طلباء کو ایک ہی وقت روک رکھنا مناسب نہیں ہے۔ ہر مدرسہ میں بازی کا باقاعدہ نظام العمل مرتب کرنا چاہیئے جس میں تصریح کے ساتھ درج رہنا چاہیئے کہ کس روز کس وقت کونسی ٹولی کس بازی گاہ میں کھیلے گی۔ طلباء میں انتظامی قابلیت پیدا کرنے کے لئے بازی کا سارا انتظام انھیں پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ مدرس کی صرف نگرانی کافی ہے۔ ہر تعلیمی سال کے شروع میں تمام طلباء کو جمع کرکے ان کی مختلف ٹولیاں اور بازی کی انتظامی مجلسیں (کمیٹیاں) قائم کر دینی چاہئیں۔ صدر کپتان ٹولی واری کپتان۔ ان کے مددگار اور دوسرے عہدہ داروں کا انتخاب بھی آغاز سال ہی میں لڑکوں کی رائے سے عمل میں آنا چاہیئے۔ علانیہ رائے دہی سے پرچوں کے ذریعہ حصول آراء کا طریقہ زیادہ موزوں ہے۔ تمام مدرسین کو بالعموم اور نوجوانوں کو بالخصوص لڑکوں کی بازی میں حصہ لینا چاہیئے اس سے معلمین و متعلمین کے باہمی تعلقات پر عمدہ اثر پڑتا ہے۔ ہمدردی کا جذبہ ترقی کرتا ہے جو مدرسین طلباء کی سرگرمیوں میں زیادہ حصہ لیتے ہیں وہی ان کی نظروں میں زیادہ وقیع۔ واجب الاحترام اور ہر دلعزیز ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے بازی گاہ میں مدرس کو طلباء کے رفتار و کردار اور ان کے انفرادی طبائع

وخصائص کے مطالعہ کا بہتر موقعہ ملتا ہے۔ مدرسین کی موجودگی سے بازی گاہ میں خوب ضبط بھی قائم رہتا ہے۔ طلباء کے جوش و دلچسپی کے ترقی دینے اور مسابقت و ترفع کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً بین جماعتی مقابلوں (انٹرکلاس میچز) کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اگر سال میں ایک دو بار بین المدارس مقابلوں کا انتظام کیا جائے تو اور بہتر نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اس قسم کے مقابلات سے طلبا کا جذبہ حب المدرسہ کو بیحد تقویت پہنچتی ہے۔ آگے چل کر یہی جذبہ حب الوطنی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

آج کل بعض قدامت پسند حضرات مدارس میں دیسی کھیلوں کی ترویج کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ نام نہاد دیسی کھیل ان تمام صفات عالیہ سے تہی دامن نظر آئیں گے جو اس مقالہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دیسی کھیلوں کی سب سے بڑی خوبی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں گرہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ دیسی کھیل بے دام کوڑی کے ہیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لڑکوں کے اخلاق و عادات پر ان کے جو مضر اثرات پڑتے ہیں آیندہ ان کا ازالہ کسی داموں ممکن نہیں۔ جب کسی قوم کا آفتاب اقبال گہن میں آجاتا ہے تو اس کے تمام عزائم و مقاصد پست ہو جاتے ہیں مذاق بگڑ جاتا ہے۔ زبان میں ہزل و فحاشی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر شئے سے دون ہمتی و بزدلی ٹپکنے لگتی ہے۔ نام نہاد دیسی کھیل بھی ہمارے ادبار و نحوست کے زمانہ کی یادگار ہیں۔ ان میں وہ تمام معائب موجود ہیں جن کا دامن زوال و انحطاط سے وابستہ ہوتا ہے۔ دیسی کھیلوں میں تنظیم کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اکثر دیسی کھیلوں میں ایک لڑکا "چور" بنتا ہے۔ یہی چور کھیل کا بطل (ہیرو) ہوتا ہے۔ تمام کھلاڑی اس کے ڈر سے بھاگتے پھرتے ہیں۔ ان بزدل بھاگنے والوں میں سے کسی کو

اگر چہ شرط چھوڑے تو وہی چور ہو جاتا ہے یا "مرجاتا ہے"۔ بعض غیور طبائع نے
بان ہی محاسن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور "چور" کے بدلے "شکست خوردہ" اور
"مرنے" کے عوض "معطل" کا لفظ ایجاد کیا ہے۔ لیکن نتیجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے
آج تک دنیا کی کسی خوددار قوم میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ چور یا شکست خوردہ کی
ہیبت سے انسان بھاگا بھاگا پھرے اور اس کے دبوچنے سے نہیں بلکہ صرف مس
کر دینے سے وہ مرجائے یا معطل ہو جائے۔ بچپن کے ارتسامات پتھر کی لکیر
ہوتے ہیں۔ عہد طفولیت میں جو نقوش لوح دماغ پر ثبت ہو جاتے ہیں ان کا
مٹنا دشوار ہوتا ہے۔ جس قوم کے بچے ابتدا ہی سے اس قسم کی عجز ہمتی و بزدلی کی
تعلیم پائیں ان سے آگے چل کر کیا امید کی جا سکتی ہے؟ ایک دلچسپ دیسی کھیل کا
نام "کونے کی بلی" اور دوسرے کا نام "جھاڑ بندر" ہے۔ ایک حضرت نے ثانی الذکر
نام کو بدل کر "جھاڑ پھاند" رکھا ہے لیکن اس تبدیل اسم کے بعد بھی بندر کی خصوصیت
باقی رہتی ہے۔ جن بچوں کو ابتدا ہی سے چوروں سے بھاگے پھرنے کی عادت
لگ جائے جو شروع ہی سے کونے کی بلی اور جھاڑ کے بندر بنے رہیں وہ آیندہ
زندگی میں بھلا کس طرح بہادر بن سکتے ہیں۔ ناظرین خود غور فرمائیں کہ یہ بلی بندر
کہاں تک مدرسہ ایٹن کے ان شیر دل کھلاڑیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن کے
جوش مردانگی کو دیکھ کر ولنگٹن جیسا سپہ سالار اعظم پکار اٹھا تھا کہ "اسی جگہ واٹرلو کی
جنگ فتح ہوئی تھی"۔ ان کھیلوں کو جو ہمارے زوال و انحطاط کے زمانہ کی پیداوار ہیں
دیسی کہنا گویا دیس کا نام بدنام کرنا ہے۔ ہمارے مدارس کے نصاب تعلیمی کا بڑا حصہ تو
انگریزی کتابوں کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اور وہاں دیسی اور بدیسی کا امتیاز نہیں کیا جاتا
لیکن نہ معلوم کھیلوں میں کیوں اس قدر رجعت پسندی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ترقی
یافتہ اقوام سے اچھی باتیں سیکھنا کوئی عیب نہیں ہے۔ کیا انھوں نے اپنے عروج کے

زمانہ میں یونانی۔ لاطینی اور سنسکرت علوم و فنون کے جواہر ریزوں سے اپنا دامن پُر
کیا تھا؟ کیا آج متحف برطانوی کے ایک بڑے حصہ کی الماریاں مشرقی نوادرات سے
گرانبار نہیں ہیں؟ کھیل میں بھی یورپ نے چوگان (پولو) اور شطرنج مشرق ہی سے سیکھا ہے
دنیا میں ہمیشہ سے لین دین اور جذب و اتخاذ کا سلسلہ جاری رہا کیا ہے۔ ہر زمانہ میں
”دیا ہے دیا یونہی جلتا رہا ہے“ مغربی کھیلوں کو محض بدیسی سمجھ کر ملک بدر کرنے کی
کوشش عقلمندی سے بعید ہے۔ اکثر متداولہ دیسی کھیل مخرب اخلاق ہیں جب تک
ان کی اصلاح نہ کی جائے اور انہیں ضبط و نظام کے تحت نہ لایا جائے۔ مدارس میں
ان کی ترویج خطرناک ثابت ہوگی۔ دیسی کھیلوں میں صرف ”کبڈی“ کسی حد تک مفید ہے
انشاء اللہ کسی دوسری صحبت میں دیسی کھیلوں کی نوعیت و ماہیت اور ان کے
معائب و محاسن پر ایک علیحدہ مقالہ میں بحث کی جائے گی۔

اصطلاحات

Muscles.	عضلات	Organised game.	بازی منظم
Oxygen.	مائیں	Organisation.	تنظیم
Society.	معشرہ	Mind.	ذہن نفس دماغ
Social.	معشری	Polo.	چوگان
First aid to the injured.	مجروحین کی ابتدائی امداد	Player.	کھلاڑی
Chivalry.	مبارزت	Team.	ٹولی
Chivalrous spirit.	مبارزانہ جوش	Labour Party.	حزب العمال
Esprit de corps.	جماعتی جوش	Centralisation.	ترکیز مرکزیت
Referee.	ناظر	Nerves.	اعصاب

English	اردو
Umpire.	ث. حکم
Corporation.	یمیہ
Corporate body.	ئتِ
Ideal.	سالی، مثالیہ
(Living) Organism.	بیات (زندہ)
Unity of Aim.	توحید مقصد
Co-operation	اشتراکِ عمل، تعاون
Inter-Class.	ین جماعتی
Inter-School	ین المدارس
Match.	قابلہ
Cup & Shield	بام و سپر
Recreational.	فریحی
School-patriotism	ب المدرسہ

English	اردو
Hero-worship	اعظام ابطال، بطل پرستی
Tendency.	رجحان
Inclination.	میلان
Struggle for existence	تنازع للبقا
Conservative	قدامت پسند
Reactionary.	رجعت پسند
Voting	رائے دہی
Discipline	ضبط و تمرین
Impressions	ارتسامات
British Museum	متحف برطانوی

موجودہ نصاب میں ترمیم کی ضرورت

قبل از قبل یہ گوش گزار کر دینا ضروری ہے کہ میرے خیالات کسی کتاب سے اخذ نہیں کئے گئے ہیں بلکہ بحیثیت مہتمم تعلیمات دورہ اور تنقیح مدارس کے تجربہ پر منحصر ہیں اگر اس سے کسی طرح بھی تعلیم اور سررشتہ تعلیم مستفید ہو سکے تو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا ورنہ بقول تلسی۔

تلسی برا نہ مانیو جو گنوار کہ جائے ؎
جیسے گھر کا نردھا برا بھلا یہ جائے ؎

نصاب کے ترمیم کے وقت درج ذیل امور قابل غور ہیں

(۱) رعایا کی ضرورت
(۲) رقمی گنجائش
(۳) مدرسین

ضروریات رعایا | اس سرخی کے تحت سب سے پہلے غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ موجودہ نصاب تعلیم نے رعایا کے ضروریات کی تکمیل کس حد تک کی۔ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ باشندگان ممالک محروسہ سرکار عالی کا عام پیشہ زراعت ہے۔ (۹۵) فی صدی لوگ غلہ کی پیداوار سے شکم پری کرتے اور اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اسی پیشہ کے لئے تیار کرتے ہیں۔ مہتمان تعلیمات یا ناظران مدارس کو اس قسم کا تجربہ ہوا ہوگا کہ کسی قریہ میں جدید مدرسہ کھولتے وقت وہاں کی رعایا افتتاح مدرسہ کی مخالفت کرتی اور یہ کہتی ہوئی پائی جاتی ہے کہ "ہمارے بچوں کو تعلیم کی کیا ضرورت ہے

گر یہ تعلیم حاصل کریں گے تو ہمارے پیشہ سے نفرت کرنے لگیں گے اور ملازمت کے
[illegible]اہاں ہوں گے سست اور کاہل ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ" یا "اتنے زمانہ سے
[illegible]ان گاؤں میں مدرسہ ہے کتنے بچے ہیں جن کو تعلیم پاکر سرکاری ملازمت ملی ہو ہم کو
[illegible]ی نہیں ملے گی لہذا ہم کو مدرسہ کی ضرورت نہیں ہے" ہمارا مقصد افتتاح مدرسہ سے
[illegible]ہوتا ہے کہ سرکار عالی کی رعایا تعلیم سے مستفید ہو۔ تعداد مدارس اور طلبا میں ترقی
[illegible]اور ہر قریہ اور گاؤں میں تعلیمی روشنی کی لہر دوڑ جائے۔ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں
[illegible]نا کہ ان کو تعلیم دلاکر ملازمتیں دلوائیں یا ملازمتیں حاصل کرنے کے لئے تیار کریں۔
لائکہ تعلیم دینے والوں اور تعلیم حاصل کرنے والوں کا مقصد واحد ہونا چاہیئے۔

دنیا میں وہی قومیں کامیاب ہیں جو اپنی قوم کی ضروریات کے موافق
[illegible]ہم دیتی اور ان کو زندگی کی جدو جہد کے لئے تیار کرتی ہیں۔ رعایا اور سرکار کے
[illegible]دا مقاصد کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ دیہاتی مدارس جو ایک مدرسۂ
وسطانیہ کے اطراف واکناف میں واقع ہوں بہت کم اس مدرسہ کے لئے معاون
(فیڈر) کا کام دیتے ہیں اگر غور کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کسی مدرسہ وسطانیہ میں
بماہ امرداد جماعت پنجم یا فرسٹ فارم میں وہی طالب علم شریک ہوتے ہیں
جو اسی مدرسہ کی جماعت چہارم سے ترقی پاکر آئے ہوں بمشکل سے (۵) فی صدی باہر کے
طلباء فرسٹ فارم میں آکر شریک ہوتے ہیں اور (۹۵) فی صدی تعلیم چھوڑ کر اپنے
آبائی پیشہ کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جملہ دورہ کنندہ افسران تعلیمات میرے اس اظہار
خیال کی تائید کریں گے کہ دیہاتی مدارس میں صرف ایک جماعت صغیر کی تعداد
طلباء بعض وقت باقی تمام جماعت ہائے مدرسہ کی تعداد کے برابر اور بعض وقت
زیادہ ہوتی ہے عام طور سے سوم جماعت میں (۱۰) یا (۱۲) طالب علم رہ جاتے ہیں
اور جماعت چہارم میں (۷) یا (۸) شاذ ہی مدارس اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ کئے جاسکتے ہیں

صغیر جماعت میں کثرت تعداد طلباء کے وجوہ یہ ہیں ۔

اوّل چپراسی مدرسہ ان کو زبردستی پکڑلے جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے والدین اپنی کھیتی باڑی کے کاروبار میں مشغول ہوجاتے ہیں ان کو غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ بچے مدرسہ چلے جائیں ورنہ گھر پر ان کی نگرانی کون کرے گا۔

سوم وچہارم کی جماعتوں میں بچے کی عمر اس قابل ہوجاتی ہے کہ وہ کاشتکاری میں اپنے والدین کی مدد کرسکیں لہٰذا تعداد دس بارہ تک محدود ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک دیہاتی مدرسہ حسن پرتی لے لیجئے جو ضلع ورنگل کے دیہاتی مدارس میں بہت بڑے مدرسوں میں شمار کیا جاتا ہے اور جس کو مدرسہ وسطانیہ بھی بنانے کا خیال ہے اس مدرسہ کی جملہ تعداد طلباء (۲۵۲) ہے جماعت صغیر (۱۴۴) جماعت اول میں (۳۰) جماعت دوم میں (۳۱) سوم میں (۳۲) چہارم میں (۱۵) دوسرے الفاظ میں اس کے معنے ہیں کہ صرف صغیر میں (۱۴۴) اور باقی تمام جماعتوں میں (۱۰۸) جس کا مجموعہ (۲۵۲) ہوتا ہے۔ صرف صغیر میں تعداد جملہ تعداد کی نصف سے زیادہ ہے رعایا کی اس بے اعتنائی اور بے توجہی کا صرف ایک ہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ ہمارے مدارس کو مفید نہیں سمجھتے اور اپنے ایسے بچوں کو جو ان کی تھوڑی سی تھوڑی بھی مدد کرسکتے ہیں مدرسہ نہیں بھیجتے اب اگر ان کا اور سرکار کا مقصد واحد ہو تو مدرسوں میں اتنے بچے جمع ہوجائیں کہ ان کی تعلیم کا انتظام کرنا مشکل ہوجائے۔ سرکار عالی کی رعایا کی بھی وہی تقسیم ہوسکتی ہے جو عام طور سے تمام ممالک میں کی جاسکتی ہے یعنے شہری اور دیہاتی۔

اول الذکر مختلف پیشہ کرتے ہیں۔

(۱) ملازم پیشہ

(۲) تجارت

(۳) صنعت و حرفت پیشہ والے یعنی دستکار۔

دیہات میں بجز معدودے چند سب کے سب زراعت پیشہ۔ ان دو اقسام کے باشندگان دیہات و شہر کی ضروریات کے مدنظر دو قسم کے نصاب کی ترتیب اور ترمیم ضروری ہے تاکہ ان کی زندگی کے مقاصد اور ضروریات کی تکمیل ہو سکے۔ دیہاتی جماعت میں زراعت کا عنصر غالب ہو اور شہری تعلیم میں دستکاری کا۔ دو علیحدہ علیحدہ نصاب ہوں میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس مضمون کی حد تک دیہاتی اور شہری نصاب کی تفصیل پر بحث کرنا خالی از طوالت نہ ہوگا مگر مختصر نوٹ دیدینا ضروری ہے تاکہ مضمون زیر بحث کی وضاحت ہو جائے۔

دیہاتی نصاب تعلیم | موجودہ نصاب میں صغیر جماعت اول و دوم تک کسی ترمیم کی ضرورت داعی نہیں معلوم ہوتی بجز اس کے کہ معلومات عامہ میں تاریخی کہانیاں اور قصص بتائے جائیں اور سبق الاشیاء میں گانے اور کتے کے بیان کے بجائے جغرافیہ کے عام معلومات دئے جائیں مثلاً اول میں عام اصطلاحات ممالک محروسہ کی سیاسی اور جغرافی تقسیم۔ بڑی بڑی ندیاں۔ بڑے بڑے تالاب۔ خاص دیہات کس تعلقہ میں واقع ہے اور وہ تعلقہ کس ضلع میں ہے۔ ضلع کس صوبہ میں۔ ضلع کی حکومت کن کن محکموں پر مشتمل ہے اس کے حاکم یا افسر اعلیٰ کو کیا کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

دوم جماعت میں صوبہ کا تفصیلی بیان بتلایا جائے اور ممالک محروسہ سرکار عالی کا عام بیان۔

سوم و چہارم میں صبح کا وقت عملی تعلیم زراعت کے لئے مخصوص کر دیا جائے اور سہ پہر کا وقت تلنگی۔ اردو حساب و زراعت کے لئے۔

ان جماعتوں میں تاریخ و جغرافیہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ حساب بھی اس طرح ترتیب دیا جائے کہ چوتھی جماعت تک جمع تفریق۔ ضرب اور تقسیم سادہ و

مرکب اور انہیں کے متعلق عبارتی سوالات پڑھائے جائیں۔ سود مفرد یا مرکب تجارت
وغیرہ کی ان مدارس میں چنداں ضرورت نہیں ہے۔ عبارتی سوالات میں دیہاتی
حساب کا طریقہ اور اس کی مشق کرائی جائے جو زیادہ تر قوت حافظہ تک محدود
ہوتی ہے۔ ہندو بچوں کو اردو پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح مسلمان بچوں کو
تلنگی کی ضرورت نہیں ہے مگر اس قسم کا اختیار حاصل رہنا چاہئے کہ بچے خواہ ہندو
ہوں یا مسلمان دو میں سے جو زبان چاہیں پڑھیں شہری مدارس میں دستکاری کی تعلیم کا
عنصر غالب رہنا چاہئے

اول تو مقامی صنعتوں کے فروغ کا خیال رکھا جائے دوم عام صناعی مثلاً
نجاری۔ آہنگری۔ خیاطی میں سے ایک صنعت ضرور سکھائی جائے۔

سوم جماعت سے اس کی تعلیم شروع کی جائے اور چہارم تک تعلیم معمولی
دے کر مدارس وسطانیہ میں ان کی تکمیل ہو جائے جماعت وسطانیہ کی ہر جماعت میں
دو شعبہ رکھے جائیں۔

(۱) شعبہ فنون جو موجودہ کورس کی تعلیم دے اور طلباء کو میٹرک یا اسکول لیونگ
کے لئے تیار کرے۔

(۲) دوسرا شعبہ صنعت کا جس میں بعد کامیابی مڈل طالب علم اپنا منتخبہ پیشہ اختیار کرے
یا بعد کامیابی ایک سال اسپیشل کلاس میں تعلیم حاصل کر کے پری میٹرک یا اسکول فائنل میں
داخل ہو جائے مگر میرے خیال میں کوئی بھی ایسا طالب علم نہ نکلے گا جو دستکاری کی
تعلیم پاکر پری میٹرک میں داخل ہونے کا متمنی ہوگا۔

رقمی گنجائش | اصل چیز اور بہت بڑی دقت یا مشکل یا مزاحمت جو کچھ چاہیے کہیے
رقمی گنجائش کا سوال ہے۔ ہمارا شاہی موازنہ محدود ہے۔ اس میں بیشی غالباً نہیں ہو سکتی
اب ہم کو ایسی جدید ضروریات کے لئے جو آسرا اور سہارا ہے وہ لوکل فنڈ سے ہے۔

لوکل فنڈ اس وقت (۳) پائی تعلیم کے لئے دی رہی ہے اگر بجائے (۳) پائی کے چار پائی کر دے تو بھی کسی نہ کسی قدر ہم کو مدد ملے گی اور ان موجودہ ضروریات کی تکمیل کر سکیں گے اگر اس چار پائی میں اخراجات کی تکمیل نہ ہوگی تو ہم سرکار سے تکملہ کے لئے استدعا کریں گے۔

محکمہ لوکل فنڈ کے اعلیٰ ترین عہدہ داران کو مناسب ہوگا کہ تعلیمی ضروریات کے مدنظر بلحاظ آمدنی (۴) پائی نہیں دے سکتے تو ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ بجائے فی روپیہ (۱۲) پائی کے (۱۴) پائی بڑھا دیں کیونکہ یہ روپیہ رعایا کی ضروریات ہی میں خرچ ہوگا۔ ایک طرف سے رعایا دے گی اور دوسری طرف سے تعلیم۔ طبابت وغیرہ کے صورت میں وصول کرے گی۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں مدارس لوکل فنڈ موجودہ ہیں اور کثرت سے ہیں مگر میونسپل اسکول عنقا ہیں۔ سرکار عظمت مدارس میونسپل اسکول کی کثرت ہے لہذا میونسپلٹی سرکار عالی بھی تعلیم میں مدد دے تو نہایت مناسب ہے اور اس طرح ہم اپنے مقاصد اور تعلیم میں یقیناً کامیاب ہوں گے۔

مدرسین | یہ سرخی بھی کسی قدر وضاحت طلب ہے مدرسین سے میری مراد وہ مدرسین ہیں جو جدید نصاب کے موافق تعلیم دیں گے مگر مدرسین جب تک خود تعلیم نہ حاصل کرلیں ان سے توقع رکھنا کہ آہنگری یا نجاری کی تعلیم دیں ایک فعل عبث ہوگا۔ لہذا قبل اس کے کہ ہم نصاب جاری کریں ہمارا فرض ہے کہ ہم موجودہ نصاب کے موافق مدرسین کو تیار کرلیں

مدرسین کے تیار کرنے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ جملہ مدرسین کو خواہ وہ ٹرینڈ ہوں یا ان ٹرینڈ دوبارہ ٹرینڈ کرانا چاہئے جو لوگ زمانہ ماضی میں ٹرینڈ ہو چکے ہیں وہ صرف (۳) مہینہ نارمل میں دوبارہ جائیں اور بلا قید عمر (۳) مہینہ کے لئے اس مضمون کی تعلیم حاصل کریں جس کا واپس آکر وہ اپنے مدارس میں درس دیں گے۔

اس طرح ہر سال ہر ضلع سے باقساط مدتی سہ ماہ (۳۰ یا ۴۰) مدرسین تعلیم حاصل کرلیں گے ان مدرسین کو نارمل ہیں اور کسی مضمون کی تعلیم دینا ضروری نہیں ہے مہتمم تعلیمات ضلع اس قسم کا فیصلہ کرے گا کہ کون مدرس کس قسم کی تعلیم حاصل کرے۔ جو لوگ ٹرینڈ نہیں ہیں ان کو اور مضامین کے ساتھ فنی اور صنعتی تعلیم دونوں دی جائیں گی اور یہ لوگ سال کا پورا ٹرم نارمل اسکولوں میں گزاریں گے اگر ایک سال میں ان کی تعلیم کافی نہ ہوسکے تو اس مدت میں توسیع کرنا چاہیئے ان کے لیئے بھی مہتمم تعلیمات ضلع صنعتی تعلیم مخصوص کردے گا۔

دیکھا یہ جا رہا ہے کہ ممالک محروسہ میں نارمل سکول کی تعداد ضرورت سے زیادہ ہے بجائے تین کے صرف دو نارمل اسکول رہیں تو کافی ہیں گو ان میں اضافہ اسٹاف کی ضرورت ہوگی۔ ورنگل اور اورنگ آباد میں قیام نارمل کی ضرورت ہے بلدہ میں بالکل ضرورت نہیں ہے۔ بلدہ میں ٹرینگ کالج کی بیشک ضرورت ہے بلدہ کے مدرسین خواہ ورنگل آئیں خواہ اورنگ آباد چلے جائیں۔ ان مدارس میں دو جماعتیں رکھی جائیں ایک جماعت میں ذریعہ تعلیم اردو ہو دوسری جماعت میں ذریعہ تعلیم مرہٹی یا تلنگی نارمل کے اسٹاف میں ایسے لوگ ہوں جو ذولسانی ہوں مثلاً تلنگی اور اردو داں یا مرہٹی اور اردو داں۔ ایسی صورت میں اضافہ اسٹاف کی بھی زیادہ ضرورت نہ ہوگی سرکاری اخراجات گھٹ جائیں گے اور دیگر اخراجات کے لئے جو جدید نصاب کی وجہ سے عاید ہوتے ہیں کفالت بھی ہوسکے گی۔

تذہیب اساس اور فرائض شہر

متعدد قدیم کتابوں میں یہ نقل دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک درویش مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے سمرقند پہونچا پھرتے پھراتے کسی ترکیب سے محل شاہی میں داخل ہوگیا اور دیوان خاص میں تخت شاہی کے قریب بستر جما بیٹھ رہا۔ تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ خان سمرقند اپنے وزراء و امراء اور درباریوں کے ساتھ یہاں پہونچا اور فقیر کو تخت شاہی کے قریب بستر جمائے بیٹھا دیکھ کر متعجب ہوا۔ اپنے ملازمین کو اس کے ساتھ برابرتاؤ کرنے سے منع کیا۔ اور فقیر کو اپنے قریب بلا کر پوچھا کہ "اے بندۂ خدا تم کون ہو اور یہاں کس لئے آئے ہو" ڈرتے ڈرتے اس نے عرض کیا کہ پیرومرشد میں فقیر ہوں سیاحت کرتے ہوئے یہاں بھی پہونچا اور اس مکان کو کاروان سرائے سمجھ کر ایک رات اس میں گزارنے کے ارادہ سے ٹھیر گیا اس گفتگو سے بادشاہ کو حیرت اور زیادہ ہوئی پوچھا کہ بھائی میرے کیا تم کارواں سرائے اور محل شاہی میں فرق نہ کر سکے۔ فقیر نے عرض کیا کہ پیرومرشد میں فقیر ہوں جب رئیس شہر کے عالی شان عمارت کو دیکھا تو خیال کیا کہ کارواں سرائے بھی ایک عالی شان عمارت ہونی چاہئے۔ اور اسی غلط فہمی کی بنا پر یہاں تک پہونچنے کی جسارت کی اور اگر خداوند نعمت مجھے اجازت دیں تو میں یہ دریافت کرنے کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ محل شاہی ہے اور کیا پیرومرشد یہاں قیام فرمایا کرتے ہیں۔ بادشاہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں۔ اس جواب سے فقیر کی جرأت اور بڑھی پھر پوچھا کہ خداوند نعمت سے پہلے اس محل میں کون رہا کرتا تھا۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے والد مرحوم۔ فقیر نے مکرر

دریافت کیا کہ خداوند نعمت ان سے پہلے بادشاہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ میرے داوا صاحب مرحوم اور ان سے پہلے اس خاندان کا آخری فرماں روا جو ہمارے خاندان سے پہلے یہاں حکمراں تھا۔ سن لیا اتنی تاریخ اس محل کی کافی ہے یا اور آگے بیان کروں۔ فقیر نے عرض کیا کہ پیر و مرشد نے جتنا بیان فرمایا ہے وہ بہت کافی ہے۔ مگر میں یہ غور کر رہا ہوں کہ جس مکان نے اتنے مکین بدلے اگر اس کو میں نے کاروان سرائے سمجھا تو کیا برا کیا۔

کسی محل شاہی یا کسی عمارت کے لئے یہ بات مخصوص نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سطح زمین کی ہر چیز ایک قابض و متصرف کے ہاتھ سے دوسرے کے قبضہ و تصرف میں آتی جاتی رہتی ہے۔ جو زمینات کہ آج زید کے قبضہ میں ہیں وہ آج سے پچاس برس پہلے بہاری لال کی ملک تھے اور اس سے پہلے بکر ان کا مالک تھا۔ ان سلسلوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ایک نہایت اہم سوال ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ روئے زمین اور اس پر کی جملہ اشیا کس کی ملک ہیں۔ وہ پہاڑ کہ جن کی بلندیوں پر پہنچنے کی ہم آرزو کرتے ہیں وہ سمندر کہ جن پر ہماری شاہراہیں بنی ہوئی ہیں وہ دریائیں کہ جن سے ہماری زراعت گاہیں ہری بھری ہیں۔ وہ زراعت گاہیں اور چراگاہیں کہ جن کی ملکیت پر ہمیں ناز ہے۔ وہ ممالک اور ان کی وہ پنہاں دولتیں اور اقتصادی خصوصیتیں جن کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے ہم ایک دوسرے کے گلے پر چھری پھیرنے سے دریغ نہیں کرتے اور جن کے لئے شخصی و قومی جنگیں ہزاروں برس سے ہوتی آ رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی آخر کس کی ملک ہیں۔ اور ان کا حقیقی مالک کون ہے۔

مذاہب عالم نے اس سوال کا ایک نہایت سیدھا اور غور کرنے والے کے لئے نہایت ہی تشفی بخش جواب مہیا کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زمین اور اس کی متعلقہ جملہ

اشیا ہی نہیں بلکہ فضائے بسیط اور نظام ہائے کواکب بھی خدا کی ملک ہیں۔ اس نے ان میں سے جو چیز جس کو چاہا دیا اور جب چاہا چھین لیا۔ جب ہم اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذات انسان بھی خدا کی ہی ملک ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اپنی زمین پر اس کو قبضہ اور تصرف عطا فرمایا۔ یہ امر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت اشیا کا مسئلہ۔ مسئلہ شہریت کے ساتھ نہایت اہم تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ ملکیت ہی سے تو نظم ونسق حکمرانی اور اہتمام وانتظام مملکت متعلق ہیں اور انہیں امور کی حفاظت ونگہداشت فرائض شہری میں داخل ہے۔ کوئی شخص کمال شہریت کا دعویٰ اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ مسئلہ ملکیت اشیا کو اچھی طرح سے نہ سمجھ لیا ہو جب سے کہ دنیا میں حکومتیں قائم ہونی شروع ہوئیں انہوں نے بھی محکومہ اشیا پر ملکیت کا دعویٰ کرنا شروع کیا مگر جو لوگ حکومتوں کے اثرات کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حقوق خدا کو حقوق حکومت پر کیا فوقیت حاصل ہے۔ اور اس ابتدائی اصول کو سمجھ لینے سے انسان اصول شہریت سے آشنا ہوجاتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اسے اپنی حکومت کے ساتھ کیسا رہنا چاہیئے۔ اور حکومت کے فرائض ادا کرتے ہیں خدا کے فرائض کو بھول نہ جانا چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شخص پر حکومت کے کچھ حقوق ہیں۔ جن کا سمجھنا اور جن پر "صداقت" "وفاداری" اور خندہ پیشانی کے ساتھ عمل پیرا ہونا اس کا فرض ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہر نفس پر اس کے خالق ومالک کے بھی کچھ حقوق ہیں اور اس پر واجب ہے کہ وہ انہیں پہچانے۔ اور جو فرائض کہ ان کے سبب سے اس پر عاید ہوتے ہیں ان کو باحسن الوجوہ پورا کرے۔

اس لئے ہم کو ضرورت ہے کہ ہم ان تعلقات کو جو انسان کے اور جائداد یا دوسری مادی اشیاء کے درمیان ہیں سمجھ جائیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا

جائداد سے کیا تعلق ہے۔ دنیا کے مذاہب متفق ہیں اس اصول پر کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنی مخلوقات پر میر ساماں بنا کے بھیجا اور میر ساماں ہی کی حیثیت سے ان میں تصرف اور قبضہ حاصل کرنے کا حق دیا

یہ سب جانتے ہیں کہ میر ساماں یا وزیر اعظم اس دولت و ثروت یا اس حکومت و مملکت کا مالک و مختار نہیں ہوا کرتا۔ جس پر وہ اپنے آقا یا بادشاہ کی طرف سے قبضہ و تصرف کی اجازت رکھتا ہے۔ یہ اختیار و تصرف نگرانکار کی حیثیت سے اسے حاصل ہے اور اپنے مقبوضہ اشیاء کا حساب اور مجوزہ انتظامات کا جواب دینا ہے ظاہر ہے کہ میر ساماں کا عہدہ جتنا معزز ہے اتنے ہی اہم ذمہ داریاں اپنے میں پنہاں رکھتا ہے اور اس اہم عہدہ کے قابل بنانے کے لئے خدا نے انسان کی خاطر بڑے بڑے رشی واوتار۔ انبیا اور پیمبر بھیجے کہ وہ اپنے علم وعمل کے ذریعہ نوع انسان کے لئے چراغ ہدایت ثابت ہوں۔

میر سامانی کے اصول کو ہم اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں استعمال کر سکتے ہیں اور کرنا چاہئے ڈیویٹ لیونگ اسٹون کہتا ہے کہ جو اشیاء کہ اس وقت میرے قبضہ میں ہیں یا جن کا کہ میں۔ مالک ہونے والا ہوں۔ ان کی وقعت میری نظروں میں صرف اتنی ہے کہ میں انھیں مسیح کی ملک سمجھتا ہوں۔

یہ الفاظ ایک عیسائی عالم کی زبان سے نکلے اور وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اشیاء اسے ملکیت صرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ ان پر خدا کے راستے میں تصرف کر سکے یوں دیکھئے تو ہمارا وقت بھی ہماری ملک نہیں۔ مجھے کوئی حق نہیں کہ میں جیسا چاہوں اپنے وقت کو صرف کروں ایک با اصول میر ساماں یا وزیر اعظم ہمیشہ اس امر کو پیش نظر رکھے گا۔ کہ اپنے قیمتی اوقات کسی طرح اپنے آقا یا اپنی حکومت کے کام میں

بسر کر سکے ۔ ہمیں اپنی زندگی میں بھی ہمیشہ اپنی چیز کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حتی الامکان
ہم اپنی عمر کا ہر ہر لمحہ خدا کے کام میں صرف کریں ۔ یوں دیکھیئے تو ہماری قابلیتیں ہماری
استعداد ہمارے جوہر ہماری اختیاریاں ہمارے اوصاف خداداد ۔ ہماری لیاقتیں
ان میں سے کوئی بھی ہماری ملک نہیں ۔ اور ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ جیسا چاہیں
ان کا استعمال کریں ۔ بلکہ یہ سب خدا کے لئے وقف ہونا چاہیئے اور ہمیں ہر وقت
و ہر آن یہ غور کرنا چاہیئے ۔ کہ ہم اس کے راستے میں ان کا استعمال کیوں کر کر سکتے ہیں
دیکھو بات یہ ہے کہ ہمارا وجود اس سے ہے اور اس کے لئے ہے ۔ اس لئے اس وجود سے
متعلقہ ہر چیز بھی اسی کے لئے ہونا چاہیئے ۔
ذات سے گزر کر ہم مال پر نظر کرتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دولت
و ثروت اور یہ قدرت و امکان جو ہمارے ہاں ہے ۔ اس کا حقیقتاً مالک کون ہے
کیا ہم ان کے مالک ہیں ۔ نہیں ہرگز نہیں ۔ جیسے ہمارے نفوس کا ہماری قابلیتوں کا
ہماری اوقات کا وہ تنہا مالک ہے ۔ اسی طرح ہماری دولت و ثروت بھی اسی کی
ملک ہے ۔ خدا کے راستے میں اپنی دولت کا ایک جز دیدینا کار خیر ہے مگر ہمیں یہ
سمجھنا نہیں کہ اس جز کے علیحدہ کرنے کے بعد جو کچھ ہمارے ہاں بچ رہے اسے
ہم کلیتاً اپنی ہی ملک سمجھیں ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ بھی اسی کی امانت ہے اور حقیقی
مالک وہی ہے جو یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی اس کے ہاں ہے وہ خدا ہی کا ہے ۔ اور اسکو
اسے ان طریقوں میں صرف کرنا چاہیئے ۔ جو خدا کے بتلائے ہوئے ہیں امریکہ کی
مشہور (کال گیٹ) کمپنی سے کم لوگ ناواقف ہوں گے ۔ اس کمپنی کے بنائے ہوئے
صابون منجن ۔ پوڈر اور کریم دنیا کے گوشے گوشے میں مستعمل ہیں ۔ اس کمپنی کا مالک
ایک غریب لڑکا تھا ۔ جو تلاش معاش میں پھرتے پھرتے (نیویارک) پہونچا یہاں
اس نے صابون سازی میں کامیابی حاصل کی ۔ ابتداً اس کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی آمدنی کا

دسواں حصہ راہ خدا میں صرف کردیا کرتا تھا۔ جب کامیابی ہونے لگی تو اس نے پانچواں حصہ کارہائے خیر کے لئے وقف کردیا اور جیسے جیسے اس کی دولت و ثروت بڑھتی جاتی تھی وہ کارہائے خیر کی طرف زیادہ توجہ کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی فرم کی کل آمدنی کو وقف کردیا کہ وہ نیک کاموں میں صرف کی جائے۔ زمانہ قدیم کے صاحبان کمال کی بحث نہیں اس وقت بھی دنیا میں ایسے ایسے افراد موجود ہیں کہ جن پر میر سامانی کی مصداق پوری اترتی ہے اور یہی وہ افراد ہیں کہ جن کے نقش قدم پہ چلنے سے انسان فرائض شہریت کو باحسن الوجوہ پورا کرتا ہے۔ یہی نہیں کہ ایسے ہتیاں سن رسیدہ اشخاص یا درجہ کمال پہ پہنچی ہوئی ہستیوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ کم سن بچے کہ جو ابھی قانونی ذمہ داریوں کے قید و بند سے ہی آزاد ہوں ایسے میں صداقت عظمیٰ کے جوہر پوشیدہ رکھتے ہیں چنانچہ اسی قسم کے ایک لڑکے کی حالت اخبارات میں دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ لڑکا امریکہ کے ایک بہترین بورڈنگ اسکول میں تعلیم پا رہا تھا جہاں اس کا چودہ برس کے سن میں نمونیا سے انتقال ہوگیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی کتابوں میں سے حساب کی ایک بیاض نکلی۔ جس کے دیکھنے سے ایک سبق آموز کیفیت کا انکشاف ہوتا تھا اس بچے کو ماہانہ تقریباً چھتیس روپیہ اس کے ماں باپ دیا کرتے تھے۔ جس میں سے وہ بمشکل پانچ روپیہ اپنی ذات پر صرف کیا کرتا تھا اور تقریباً تیس روپیہ خدا کی راہ میں دے دیتا تھا۔ اس واقعہ کو بیان کرکے ایک امریکن اخبار کا مدیر اپنی رائے ظاہر کرتا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو خدا کے لئے وقف کردیا وہ اپنا مکان بھی اس وقف کا ایک جز سمجھ کر راہ خدا میں صرف کردیتا ہے اور حقیقتاً اس زمین پر خلیفۃ اللہ وہی ہوسکتا ہے جو اپنی زندگی کو اپنے کمالات کو اپنے وقت کو اور اپنی دولت کو امانت خدا سمجھے اور انہیں خدا ہی کے راستے میں صرف کرے۔

کہا جاتا ہے کہ قیصر جرمنی کو جب ابتدائً یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ جرمنوں کو ایک ایسی قوم بنا دے جو اپنے کو دنیا کا حاکم و مالک سمجھیں تو اُس نے اعلان کیا کہ مدارس جرمنی میں اس خیال کی تبلیغ ہو یعنے وہ بچے جو کم سنی سے یہ سنتے آئے ہوں کہ جرمنی دنیا پر حکومت کرنے کے لئے خلق ہوا ہے تو وہ جوان ہو کر ایسی قوم بن جاویں گے کہ جن سے اس غرض کی تحصیل میں کسی قسم کی رکاوٹیں مانع نہ ہو سکیں گی۔ دنیا میں اس طرح سے فتنہ و فساد پھیلانے کی ترغیب دینا۔ تقلید کے قابل امر نہیں۔ مگر تبلیغ کا طریقہ جو قیصر نے اختیار کیا تھا۔ بیشک تقلید کے قابل ہے۔ جس طرح اس مضر تمدن خیال کی تبلیغ ہو سکی۔ اسی طرح نوع انسان کے لئے مفید خیالات کو بھی دنیا میں پھیلایا جا سکتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قوم میں بہترین اصول پھیلانے کا اور قوم کو اعلیٰ سے اعلیٰ تربیت دینے کا سب سے اچھا ذریعہ اساتذہ ہیں انہوں نے ایک عجیب ذمہ داری کا بار اپنے کندھوں پر لیا ہے اور اصول شہریت کی پہلی منزل یہ ہے کہ وہ آنے والی نسلوں میں ایثار فی سبیل اللہ کی تبلیغ کریں۔ اس عظیم الشان اصول کا کسی خاص قوم و مذہب سے تعلق نہیں۔ بلکہ دنیا کے جملہ مذاہب اپنے میں اس ایثار کی اچھی اچھی مثالیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔

طبقہ اساتذہ ہی وہ گروہ ہے کہ جس کے ہاتھوں اصول شہریت کا سنگ بنیاد رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آیندہ آنے والی نسلوں کی قسمتوں کا انحصار انہیں کی کوششوں پر ہے۔ نوع انسان کے نفع پہنچانے کا خیال اہل ہند میں دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے اور حقیقتاً ہندوستانیوں کا سب سے بڑا دشمن ان کی خود غرضی اور حقیقی فرائض سے بے توجہی ہے۔ فرقہ بندی ذات پات کے جھگڑے قومی اور مقامی تعصب اسی خود غرضی کا نتیجہ ہیں۔ اس تعصب سے باہر آنے کا بہترین ذریعہ یہ دکھلائی دیتا ہے کہ بچوں کے خیالات اور معلومات وسیع کئے جائیں۔ اور انہیں یہ سکھلایا جاوے کہ ہم

انسان ہیں۔ اور نوع انسان کی نفع رسانی ہمارا مقصد زندگی ہونا چاہئے۔ اس کام کو پورا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم طالب علموں کو ہر طبقہ و ہر ملک و ہر مذہب کے ایسے صاحبان کمال کے حالات سنائیں کہ جنہوں نے ایثار و بے غرضی کو اپنی زندگی کا مقصد واحد بنا رکھا تھا۔ اور انہیں سکھلایا جائے کہ جب ہمارا نفس ہی ہماری ملک نہیں بلکہ وہ اور ہماری زندگی سے متعلقہ ہر شئے خدا کی ملک ہے تو پھر یہ ذات پات کے جھگڑے کیا معنی۔ ہم انسان ہو کر دوسرے انسان کو کیسے ذلیل سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تعصب مذہبی اور مقامی کیسا۔ جب ہر چیز اس کی ہے تو یہ مقام بھی اس کا ہے مگر کتب درسئی یا ایسی دوسری کتابوں کو دیکھا جائے جو طالب علموں کے مطالعہ میں رہا کرتی ہیں تو ان میں نسپا ہیانہ (ہیروازم) اور ملک گیرانہ حرص و آز کے نمونے بہت دکھائی دیتے ہیں اور ایسے مضامین کہ جن میں مصائب پر عبور کرنے والوں کے یا شخصی اور قومی کمزوریوں اور نقائص کو دور کرنے والوں کے یا اپنی زندگی میں ایثار اختیار کرنے والوں کے حالات درج ہوں شاذ شاذ کہیں پائے جاتے ہیں۔ ایسی مثالیں جمع کرنے میں صرف مردوں ہی کے تذکرہ پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ایسے صاحب کمال خواتین کے بھی حالات جمع کئے جائیں جنہوں نے ایثار کے برتنے میں یا سخت سے سخت مصائب پر عبور حاصل کرنے میں بڑے عزم و استقلال کے جوہر دکھلائے ہوں۔

پنجاب کے ایک مددگار مہتمم مدارس کا ایک عجیب واقعہ ہماری نظر سے گذرا کسی گاؤں کے مدرسہ میں تقسیم انعامات کا انہیں موقع ملا اور انعاموں کے ساتھ ایک بہت بڑی رقم بھی رکھی ہوئی تھی کہ مدرسہ کے بہترین لڑکے کو بطور انعام دی جائے۔ اساتذہ اور طالب علم سب اس کے متوقع تھے کہ یہ انعام سب سے بہتر طالب علم کو دیا جائے گا مگر مہتمم صاحب نے ہر ہر لڑکے کو بلا کر دریافت کرنا شروع کیا کہ اس نے

آپ نے عمر بھر میں سب سے بڑا رحملی کا کونسا کام کیا ہے اور آخر ش انعام اس لڑکے کے حوالہ کیا جسنے طغیانی کے زمانے میں ایک بوڑھی عورت کو ندی کے باہر نکال لایا تھا اس تقسیم انعام سے بہتر سبق اصول شہریت پر نہیں دیا جاسکتا تھا۔ نائب مہتمم نے نہ صرف طالب علموں کو بلکہ اساتذہ کو بھی تبلادیا کہ تمہارا مقصد زندگی کیا ہونا چاہیئے۔

دنیا میں ایثار کے تبلیغ کی جتنی ضرورت ہے اتنی کسی اور نیک کام کے ہدایت کی ضرورت نہیں اپنے لئے جائز و ناجائز فائدہ اٹھانے کی عادت ان حد میں اتنی سرائت کرگئی ہے کہ کھانے پینے کی خواہشات کی طرح یہ بھی زندگی کا ایک لازمہ سمجھے جانے لگی۔ مکان بناتے ہوئے ہم اپنے ہمسایہ کی یا سڑک کی زمین کا مکان میں داخل کرلینا یا کھیت لگاتے ہوئے اپنی باڑ کا سرکاکے دوسروں کی زمین پر قایم کردینا ایک معمولی سی بات سمجھتے ہیں. دوسروں کو تکلیف پہونچانے کا خیال تو درکنار اوروں کے جائز حقوق غصب کرلینے سے بھی انسان کو تکلف نہیں ہوتا غصب کی عادت بھی انسان میں بچپنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے روکنے اور یثار کی تعلیم دینے کا بہترین مقام مدرسہ ہے۔ کتب درسی اس قسم کی نصیحتوں سے وراہل ہمت کی مثالوں سے مالامال ہونی چاہئیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ ہر کلاس کے لئے ہفتہ میں ایک یا دو گھنٹے ایسے مقرر کئے جائیں کہ جس میں دلچسپ کہانیوں اور واقعات کے ذریعہ سے ہنے طالب علموں تک ان نصیحتوں کو پہونچایا جاسکے۔ عمل تکمیل علم کا بہترین طریقہ ہے اور اساتذ خود ان نصائح پر عمل کرکے طالب علموں کو عمل پیرا ہونا بتلاسکتے ہیں۔ اگر کہانیوں کی شکل میں پنہاں رہنے کی بجائے طالب علموں کے سامنے بے غرضی اور ایثار کی اچھی سے اچھی مثالیں ان کے استادوں کی شکل میں جلوہ نما ہوں تو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور پڑھتے کھیلتے وہ ان اخلاق حمیدہ کو بہت زیادہ

سرعت سے اپنے میں جذب کرسکتے ہیں۔ ایک بڑے پادری کا مقولہ ہے کہ اُستاد کی زندگی کا مقصد واحد یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے شاگردوں کی ہر قسم سے مدد کرے اور ان سے ویسا ہی محبت رکھے جیسا کہ اپنی ذات سے محبت رکھتا ہے اور ایسی ایک ہستی قوم کے لئے سیکڑوں پند و نصایح کی کتابوں سے زیادہ مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

ہمارے گاؤں کے چھوٹے سے چھوٹے مدرسہ کے بھی ذمے ایک قومی فرض ہے کیونکہ یہیں سے تو عاقلانہ قوم پرستی کے تعلیم کی ابتدا ہونی چاہیے اور یہیں سب سے پہلے بتلایا جانا چاہیے کہ قومی غیرت و حمیت کیا چیز ہے اور قوم کے لئے کس طرح ایثار و بے غرضی سے کام کیا جائے۔ اور عاقلانہ وطن پرستی کی تعلیم کے یہ معنی ہیں کہ بچوں کو فرائض شہریت سے آگاہ کیا جائے سوراجی حکومت کبھی اس قوم میں کامیاب نہیں ہوسکتی جس کے عوام جاہل اور اصول شہریت سے ناواقف ہوں حیدرآباد میں قوم و ملک و حکومت کی سچی خدمت گزاری کا گاؤں کے استادوں کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہے کیونکہ انہیں کے ہاتھوں اصول شہریت کا سنگ بنیاد رکھا جاسکتا ہے لہذا بحیثیت معلمین کے ان کا فرض ہے کہ وہ معلوم کریں کہ کمال شہریت کے لئے کس قدر علم حاصل کرنے کن عادات و اخلاق کے اختیار کرنے اور کس طرح کی زندگی کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے طالب علم کو اپنے ملک کے جغرافیہ و تاریخی حالات کا پورا پورا علم ہونا چاہیے تاکہ وہ مقامی اقتصادی اور جغرافی خصوصیات کو اچھی طرح سمجھ سکے اور صحیح طور پر معلوم کرسکے کہ دنیا میں ان کے ملک و قوم کو کیا مقام حاصل ہے یہی کافی نہیں کیونکہ علم بلا عمل کے نوع انسان کے لئے کسی طرح مفید نہیں ہوسکتا اور قابل عمل بننے کے لئے یعنے اصول شہریت کی پیروی کرنے کے لئے طالب علموں کے

خاندانی روایات درست ہونے چاہئیں۔ انہیں چاہیئے کہ دوسرے افراد اور دوسری قوموں کی وقعت کو نہ بھولیں اور اپنے ملک میں آباد ہونے والی مختلف قوموں سے پورے پورے محبت کا برتاؤ رکھیں حکومت اور اس کے قوانین کی عزت کریں اور قومی اغراض کو ذاتی اغراض پر ترجیح دیں۔ اساتذہ کو چاہیئے کہ طالب علموں میں خود رائی اور آزاد خیالی کا مادہ پیدا ہونے دیں اور کوشش کریں کہ ان میں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کی قابلیت اپنے نئے خیالات کو قابل عمل بنانے کی قوت پیدا ہو [illegible] اپنے کندھوں پر لے سکیں اور نفع عام کی خاطر اتحاد عمل پیدا کر سکیں یہ تمام اوصاف ان لوگوں میں ضروری ہیں جو قومی یا ملکی خدمت کے لئے ایثار و بے غرضی سے کام کرنے آمادہ ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ سماجی خدمت گزاری خدمت قومی کی پہلی منزل ہے۔

یہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ لازم ہے کہ ان عادات و خصائل کی تعلیم و تربیت مدارس ابتدائی میں ہو۔ یعنے ننھے طالب علموں کے ذہن میں بٹھلایا جائے کہ دنیا اور اس کی ہر ایک چیز خدا کی ملک ہے اور ہمیں اس پر تصرف صرف میر سامان کی حیثیت سے حاصل ہے۔ قوم کی بہترین خدمت وہ ہے کہ جس میں غرض شامل نہ ہو اور اغراض ملکی اور قومی کو اغراض ذاتی پر ہر قسم کی فوقیت حاصل ہے۔

اس طرح کی تربیت کے لئے سب سے پہلے طرز تعلیم کے تھوڑا بہت تبدیل کرنے کی ضرورت ہے اس وقت کا طریقہ تعلیم بہت انفرادی ہے اور طالب علموں میں در عوض اتحاد عمل اور امداد باہمی کا خیال پیدا کرنے کے ان میں مقابلہ اور رقابت کی روح پھونکی جاتی ہے ان کے تخیل اور قوت امتیاز کو کام کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ زیادہ تر حافظہ ہی کے بل پر امتحانات کی کامیابی کا انحصار ہے۔ استاد ان کے لئے مدرسے کے ہاتھ کی لکڑی ہیں۔ انہیں کی آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے اور انہیں کی زبان سے

ہر نئی چیز کی حقیقت کو سنتا ہے۔ اسے بتلایا گیا ہے کہ ان کے قول کو بغیر چون و چرا کے قبول کرکے اس میں نئے خیالات سنئے واقعات اور نئی اشیا کے متعلق حیرت تجسس تلاش اور تحقیق کی خواہش پیدا نہیں ہونے دیجاتی۔ استاد اسے بتاتے ہیں کہ کیا پڑھنا چاہیئے اور کیا یاد کرنا چاہیئے اور یہ توقع کرتے ہیں کہ مقررہ سبق وہ انہیں از بر سنا دے اس کا موقع ہی نہیں دیتے کہ کسی چیز کے متعلق وہ "کیوں" یا "کیسا" پوچھ سکے۔ اور آزادانہ رائے قایم کرسکے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں کی ذہنی نشونما ہو جاتی ہے اور آزادی خیال کے سلب ہو جانے سے حسن و قبح نفع نقصان اور فلاح و بہبود میں انہیں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔

بہتر تو یہ ہے کہ رٹانے اور حفظ کرانے کا طریقہ ترک کر دیا جائے۔ انہیں موقع دیا جائے کہ اپنے سبقوں کو خاموشی سے پڑھیں اور ان کے سمجھنے کی کوشش کریں انہیں سوالات کرنے کا موقع دیا جائے اور ان سوالات کا تشفی بخش جواب دیا جائے آپس میں اتحاد عمل پیدا ہونے دیں ریاضیات۔ تاریخات۔ نقشہ نویسی اور تصویر کشی میں اس اتحاد عمل کی بہت گنجایش ہے۔ جغرافیہ کی تعلیم میں اپنے ملک اور قوم کی مقامی اقتصادی اور تجارتی خصوصیات کو سمجھانے کا موقع ہر وقت حاصل ہے۔

دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے کہ طالب علموں کو مدرسہ کے انتظام میں کچھ نہ کچھ موقع ضرور دیا جانا چاہیئے۔ تاکہ ان میں ذمہ داریوں کے برداشت کرنے اور فرائض کے پورا کرنے کی قابلیت پیدا ہو۔ مدرسہ کے سامان فرنیچر کھلونے۔ جھاڑ کونڈے وغیرہ کی حفاظت ان کے ذمہ دیجائے۔ مدرسہ میں جن قواعد کی پابندی کیجاتی ہے ان پر رائے ظاہر کرنے کا انہیں بھی موقع دیا جائے تاکہ قانون سازی اور قانون پر عمل کرنے کی قابلیت ان میں پیدا ہو انہیں سمجھایا جائے کہ ان کا مدرسہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور اس گاؤں کی جملہ قانون سازی اسکی اندرونی اور بیرونی حفاظت سب ان کے

یہاں فتنہ و فساد نہ ہونے دیں۔ چوری اور دروغ گوئی سے ایک دوسرے کو باز رکھیں۔ اور اوقات مدرسہ میں بتلائیں کہ وہ کس قدر باقاعدہ و منظم زندگی گزار سکتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے علمائے تعلیمات نے اس رنگ میں کیا کیا لیا اس کا بیان خود ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہم صرف ایک مدرسہ کے حالات کی طرف اساتذہ کی توجہ کو منعطف کرنا چاہتے ہیں وہ اورنگ آباد ہائی اسکول ہے جس میں مولوی محمد حسین صاحب کے زمانہ صدر مدرسی میں ... رمنٹ کا طریقہ رائج کیا گیا تھا اور اس کی کوشش کی گئی تھی کہ طالب علموں کو عمل ... کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے بہت سارے مصنفین کا خیال ہے کہ ہندوستان میں اصول شہریت کی تعلیم مدارس میں ہونی چاہیئے مگر اس تعلیم کے وہ یہ معنی سمجھتے ہیں کہ دفاتر سرکاری کے حالات طالب علموں سے بیان کر دیئے جائیں حالانکہ اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ طالب علموں کو خود دفاتر قائم کرنے کا موقع دیا جائے۔ ان میں پولیس ہو کہ مجرموں کو گرفتار کرے۔ عدالت ہو کہ بے لوث فیصلے صادر کرے مختصر یہ ہے کہ مدرسہ کو وہ ایک ... سمجھیں اور اس کی حکومت اور اسکی حفاظت کا وہ اپنے کو ذمہ دار فرض کریں۔ ... طرز کے اختیار کرنے میں اورنگ آباد کے ہائی اسکول کے حالات سے بہت مدد ... سکتی ہے۔

اس اندرونی انتظام کے علاوہ طالب علموں میں نفع عام کے لیئے اتحاد عمل پیدا کیا جائے انہیں بتلایا جائے کہ سماجی خدمت کس طرح ادا کی جاتی ہے۔ اس قسم کی خدمت گزاری کے بہت سارے مواقع پیش آتے ہیں جیسے گاؤں کے چھوٹے ... بچوں کی حفاظت و نگرانی طاعون و ہیضہ کے زمانے میں تیمارداری میں رضاکارانہ ... وجہ وغیرہ وغیرہ۔

کناڈا کی تعلیمی حالت پر بحث کرتے ہوئے ہم نے یہ بتلایا ہے کہ سب سے

بڑا عیب اس ملک کی طرزِ تعلیم میں یہ ہے کہ وہاں کے ادبیات میں تو یہ نہیں
اہلِ کناڈا نے علم ادب ممالک متحدہ امریکہ سے لیا اور زبان تو زبان خیالات بھی
اس ملک میں امریکن ہو گئے۔ وہاں عذر یہ ہو سکتا ہے کہ ہمسایہ قومیں ایک دوسرے کے
خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں اہل حیدر آباد تو یہ عذر نہیں کر سکتے۔
مگر انہوں نے اپنی قومیت کو اتنا بھلا دیا ہے کہ کتب درسی نہ صرف غیر زبانوں میں
ہیں بلکہ غیر [illegible] اپنے میں پنہاں رکھتی ہیں۔ اصول شہریت [illegible]
کہ قومی تہذیب اور قومی رسم و رواج کی یاد تازہ رکھی جائے اگر ارتقا ہو تو اسی میں ہو
اور اصلاح ہو تو اس کی ہو دوسروں کے تمدن۔ رسم و رواج اور تہذیب کی پوری پوری
نقل اتارنا غلامانہ ذہنیت کا ایک ادنی کرشمہ ہے۔ اساتذہ پر لازم ہے کہ حسن و
کمال کی اچھی سے اچھی مثالیں مشرقی ادبیات سے تلاش کر کے طالب علموں کے
آگے پیش کریں۔ گھر اور وہاں کی سیدھی سادھی زندگی رشتہ داروں کا اتحاد عمل و
امداد باہمی جتنی ہندوستانی طرز زندگی میں نظر آتی ہے اتنی مغرب میں نہیں۔ مغربی
طرز زندگی کی اتنی نقل ہی کیوں کی جائے کہ ہم اپنے اچھے رسم و رواج اچھے عادات
واطوار کو کھو بیٹھیں اور پھر ان کی تلاش میں فلسفہ مغرب کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

شہریت پیدا کرنا ہے تو طالب علموں کے آگے، ویسی ہیروز کے قصے بیان
کرو انہیں سمجھاؤ کہ وہ اپنے قوم و ملک کو اپنے لئے باعث ناز سمجھیں۔ اگر قدیم رسم و
رواج میں نقائص ہیں تو ان کی اصلاح کریں۔ نہ کہ بالکل ان کو ترک کر کے مغربی رسم و
رواج کو اندھا دھند اختیار کر لیں مختصر یہ ہے کہ غلامانہ ذہنیت سے علیحدہ ہو کر
قومیت کے آثار ان میں پیدا ہوں۔ انہیں بتلایا جائے کہ قانون کیسے بنتے ہیں
اور ان کی عزت کیسی کرنی چاہئے حکومت کیا ہے اور اس کے ساتھ وفاداری
کیونکر برتی جا سکتی ہے۔ خدا کے حقوق کیا ہیں۔ اور انہیں حکومت کے حقوق پر لیا

فوقیت حاصل ہے۔ اساتذہ پر لازم ہے کہ وہ ہندی ادبیات اور ہندی فنون لطیفہ سے اچھی طرح واقف ہوں تاکہ وہ ان کی تعلیم بھی اچھے پیمانہ پر دے سکیں۔

مدارس وسطانیہ اور فوقانیہ میں اصول شہریت اور حب الوطنی کی تعلیم بڑے اعلیٰ پیمانہ پر دی جاسکتی ہے مگر اس کی ابتداء کے لئے یہ مقام موزوں نہیں ابتداً تو مدارس تحتانیہ ہی میں ہونی چاہیئے تاکہ ننھے ننھے دماغوں میں ان اعلیٰ اصولوں کے جذب کرنے کی اور ان پر کاربند ہونے کی صلاحیت پیدا ہو۔

مدرسہ کا باغ

بیکن (Bacon) اپنے مشہور مضمون "گلزار" میں لکھتا ہے "خداوند قادر توانا نے پہلے ایک باغ بنایا اور فی الحقیقت یہ انسانی مسرتوں میں خالص ترین ہے یہ ارواح بشر کا عظیم ترین تفرج گاہ ہے۔ جس کے بغیر عمارات اور محل مکروہ دستکاریاں ہیں"۔

اگر باغبانی ہی وہ پہلا طریقہ ہے۔ جس کو خالق عالم نے اس دنیا کے وسیع مدرسہ میں انسان کی تربیت کے لئے وضع فرمایا ہے۔ تو یہ امر نہایت ہی مناسب ہے کہ ہماری ہر ایک تعلیم گاہ میں ضرور ایک باغ ہو۔

لیکن مدرسہ کا باغ جہاں کہیں بھی ہمارے ہاں ہے۔ کافی طور پر مزدور یا غبانوں کی مدد سے موجود ہے۔ یہ بھی عموماً صدر مدرس کے لئے مسلسل تکلیف اور پریشانی کا باعث ہے اس لئے کہ بلا وجہ موجہ طلباء اس کے فطری دشمن معلوم ہوتے ہیں بعض اوقات نفرت اور

لاپرواہی کے گوشہ میں اسکو چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ مدرسہ کے باغ کے خلاف ایک مسلسل تباہ کن جنگ جاری رکھنے سے طلبار کو منع کرنے والی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

بعض مدارس میں دیکھا گیا کہ مدرسہ کے باغ میں بلا اجازت داخل ہونے یا درختوں سے پھول توڑنے کی سخت ممانعت کیجاتی ہے۔ اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت ترین سزا بھی مقرر کی جاتی ہے۔ باغ کے متعلق قواعد وضع کئے جاتے ہیں۔ اور طلبار سے بہ جبران کی پابندی کرائی جاتی ہے۔ اور باوجود ان تمام باتوں کے طلبا اپنے حرکات سے باز نہیں رہتے۔

بظاہر اس کے دو سبب ہمارے طالب علم کے اخلاق میں ملتے ہیں۔ اولاً یہ کہ ہماری ممانعت ہی طالب علم کو قواعد کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتی ہے۔ طالب علم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ باغ میں داخل ہو کر کوئی پھول یا پھل توڑ لانا، دشمن کے حدود سے ایک بار مال غنیمت حاصل کرنا ہے دوسری بات یہ ہے کہ باغ پھول یا پھل میوہ فروش کو فروخت کر دیے جاتے ہیں اور طلبار کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا اور طلبار مدرسہ کے باغ کو اپنا باغ تصور کرتے ہیں یہ دیکھ کر انہیں تکلیف ہوتی ہے کہ باغ کے پھول اور پھل دوسروں کو دیدئے جائیں اس قسم کا مدرسہ کا باغ گو کتنا ہی خوبصورت ہو۔ زیور یا زینت سے زیادہ اس کی کوئی قیمت مدرسہ کے باغ کی حیثیت سے نہیں ہے۔ اور نہ چند پھولوں کے درخت جن کی پرداخت ٹھیک نہ ہوتی ہو مدرسہ کا باغ کہلا سکتے ہیں۔

مدرسہ یا مدرسہ کا بیشتر حصہ طلبار پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور مدرسہ کا باغ بھی حقیقت میں ہو تو مدرسہ کے طلبار کا باغ ہونا چاہیئے۔ اور مالک یا قابض ہونے کا خیال ایک ایسا افسون ہے جس کا قوی ترین اثر انسانی دل پر ہوتا ہے۔ ملکیت ہی جادو ہے جس کے

ذریعہ سے بنجر اور بے آب وگیاہ زمینات زرخیز کھیت اور خوش منظر باغ بن گئے ہیں
اس لئے اگر مدرسہ کے ہر طالب علم کو مدرسہ کے باغ کو برباد کرنے سے عجیب
مسرت حاصل ہوتی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس باغ کو اپنا نہیں سمجھتا۔ یہ
مسلمہ ہے کہ اکثر لڑکے فطرتاً باغبانی کی جانب راغب ہوتے ہیں لیکن اس جذبہ کو
ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ مدرسہ کا باغ مدرسہ کے طلباء کی ملکیت ہو۔
اُن کو تمام کام خود کرنا چاہیئے۔ اور بشرط ضرورت اس کے متعلق تمام کاروبار کا
انتظام صدر مدرس یا کسی مددگار کے زیر ہدایت کرنا چاہیئے۔ جو باغبانی کی نسبت
کچھ نہ کچھ جانتا ہو۔ اور اس میں دلچسپی رکھتا ہو۔ زمین بھی مدرسہ کے باغ کے لئے
مل سکے۔ اس کو ایک باغ کی کمیٹی کے زیر اہتمام دیدینا چاہیئے جو کلیتاً مدرسہ کے
بڑے لڑکوں پر مشتمل ہو۔ اور ایک یا دو اساتذہ سے زیادہ نہ شریک ہوں تاکہ
ان کی رہنمائی کریں۔ اس کمیٹی کو یہ اختیار ہوگا کہ مختلف درخواست گزاروں کو
اس زمین کے حصص تقسیم کرے۔ اگر یہ زمین چھوٹی ہو تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک
حصہ ایک یا دو جماعتوں کو دے دیا جائے۔ لیکن اگر دو یا تین لڑکوں کو چھوٹے
حصص پر مشترکہ قبضہ دے دیا جائے تو اس سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوگی۔ یہ
تقسیمات حسب قواعد صرف ایک سال یا شش ماہ کے لئے متصور ہوں گے۔ اس
طریقہ سے دوسرے درخواست گزاروں کو بھی موقع ملے گا اور جو اپنے حصص کا
بہترین استعمال نہیں کئے ہوں۔ ان کو بیدخل کر دیا جائے گا۔

ان مدارس میں بھی جہاں پھل کے درخت ہوں۔ میرے خیال میں اساتذہ
اور لڑکوں کی ایک کمیٹی کو ان کا ذمہ دار بنا دیا جا سکتا ہے۔ ان پر بھروسہ
کیا جا سکتا ہے کہ وہ پھلوں کی حفاظت کریں گے اور حسب ضرورت اس کو
تقسیم یا فروخت کریں گے۔ ان کے لئے یہ بہت آسان ہوگا۔ کہ پھل توڑنے والے

لڑکوں کو معلوم کرلیں اور ان کو سزا دیں۔

ہمارے طلباء جو عظیم ترین سبق حاصل کریں گے وہ محنت کی عظمت کا ہے اور اس سبق کو سکھانے کا بہترین طریقہ سوائے باغبانی کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ لڑکوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ مدرسہ کے باغ کا ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیں۔

جب پہلی مرتبہ باغ لگایا جائے تو ممکن ہے کہ کسی فن دان مالی کے تقرر کی ضرورت پڑے یا کوئی مزدور گڑھا کھودنے کے لئے ملازم رکھا جائے۔ لیکن اس کام سوائے مالی سے اور کوئی کام نہ لیا جائے اور چھوٹے باغوں میں تو اس سے کوئی کام نہ لینا چاہئے۔ اگر لڑکے مستعد ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ مستعد نہ ہوں۔ تو وہ گڑھے کھودنے اور خاص خاص پودوں کو پانی اور کھاد دینے کے کام سے نہایت خوش رہیں گے۔ ایسے کام مثلاً قلم لگانا۔ پودوں کو ایک مقام سے اکھیڑ کر دوسرے جگہ لگانا۔ یا بیلوں کی غور و پرداخت اور جھاڑی یا باڑ کا کترنا یا آراستہ کرنا کچھ فنی امداد چاہتے ہیں لیکن باغبانی کا سب سے دلچسپ حصہ یہی ہے اور لڑکے بہت جلد اس کو سیکھ جائیں گے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ طلباء مدرسہ کے باغ سے ایسی محبت کرنے لگتے ہیں کہ تعطیل کے ایام میں بھی وہ مدرسہ آکر کام کرتے ہیں۔ اگر مقابلہ کا عنصر اس کام میں پیدا کیا جائے تو طلباء کے جوش و خروش میں بے حد زیادتی کا باعث ہوگا۔ ہر ایک باغبان پھول یا ترکاری کی نمایش کو پسند کرتا ہے اور نہایت آسانی کے ساتھ مدرسہ کے باغ کے لئے ایک نمایش کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ مدرسہ کے جلسہ تقسیم انعامات میں چند انعامات اس لئے مخصوص کئے جائیں کہ ان طلباء کو دئے جائیں جو بہترین پھول کی کیاری یا عمدہ ترین نباتاتی پیداوار یا بہترین غور و پرداخت سے پلا ہوا پودا پیش کریں۔

مناسب یہ ہے کہ مہتمم صاحبان تعلیمات بوقت دورہ مدرسہ کے باغ کا معائنہ بھی اپنے پروگرام کا ایک جزو تصور کرلیں۔ اور کبھی کبھی کسی لڑکے یا کسی مدرسہ کو بہترین نتائج کے لئے انعام بھی عطا کریں علاوہ ازیں پھولوں کی نمائش کا تمام مقامی مدارس کے لئے انٹر اسکول (.......) نمائش کے طور پر بھی انتظام کیا جاسکتا ہے۔

جو درخت یا پودے لگائے جائیں وہ بہت زیادہ مدرسہ کے باغ کی وسعت اور مقامی حالات پر منحصر ہیں۔ شہری اور دیہی مدارس میں جہاں کہ زمین کا حصہ غالباً چھوٹا ہوگا۔ اس امر کی احتیاط کرنی چاہئے کہ اس زمین کا خاصہ حصہ بغیر درخت لگائے طلباء کے ٹہلنے کے لئے علیحدہ چھوڑ دیا جائے۔ اس حصہ میں سبز گھاس اگائی جاسکتی ہے ایسے مدارس میں باغ لازماً صرف پھولوں کا باغ ہی ہوگا۔ لڑکوں کو ترغیب دی جائے کہ پھولوں کی جھاڑیاں اور سدابہار پودے اگائیں اس لئے کہ طویل اور جھلسانے والے موسم گرما میں یہ پودے ہماری تھکی ماندی اُداس آنکھوں کے لئے ایک عجیب راحت کا سامان ہیں۔ گلاب اور دوسرے خوشبودار پھول مثلاً چنبیلی وغیرہ کی کاشت ہندوستانی مذاق کے نہایت مناسب ہے اور اس کی ترغیب دینی چاہئے۔ جب کہ یافتی حصہ زمین نہایت ہی محدود ہو تو جھاڑی لگائی جاسکتی ہے۔ اور چھوٹے چٹانوں اور مٹی کے چبوترے بنائے جاسکتے ہیں۔ تاکہ پودے لگائے جاسکیں اس آخرالذکر چیز کے لئے فن دانی کی ضرورت ہے۔ اور لڑکے اگر ایک مرتبہ ان کو اس کام پہ لگا دیا جائے تو اس میں دلچسپی لیں گے۔ دوسری تجویز یہ ہوسکتی ہے کہ پھولوں کے کونڈوں کی زیادہ تعداد فراہم کی جائے اور مختلف جماعتوں میں حفاظت کے لئے تقسیم کردئے جائیں۔ دیہات اور قصبات میں جہاں خوش قسمتی سے مدرسہ کے قبضہ میں زیادہ زمین ہوتی ہے۔ مدرسہ کا باغ نہایت کامیاب بنایا جاسکتا ہے حقیقت امر یہ ہے کہ اکثر لڑکے مختلف پھولوں کے نام تک نہیں جانتے

اور نہ کسی کھیت کو دیکھکر پہچان سکتے ہیں کہ کیا زراعت کی گئی ہے۔ اس لئے یہ امر نہایت مناسب ہے کہ دیہی مدارس کے باغوں میں نباتات کی پیداوار کی ترغیب دی جائے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مدرسہ کو رقمی فائدہ بھی حاصل ہو۔ لیکن پھولوں کے درخت لگانے کو بالکل ترک نہیں کردیا جاسکتا۔ ہمارے مدارس کے طلباء خالص حسن اور خوبصورتی کی قدر کرنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ ایک عجیب معمہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی دماغ جو مادی اور عملی امور سے بہت دور ہے۔ حسن اور خوبصورتی کی اس قدر کم قدر کرے مکان کا فرنیچر۔ لباس اور ہمارے باغ کے متعلق بھی ہم ہمیشہ فائدہ اور صرف فائدہ ہی کا خیال کرتے ہیں۔ اور زینت حسن اور خوبصورتی کی چیزیں اکثر فضول خرچی خیال کی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ کوئی مادی قیمت نہیں رکھتے۔ یا بظاہر اُن کا کوئی معاوضہ نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف ایک نہایت ہی مادی قوم مثلاً جاپانی پھولوں کے اس قدر شایق ہیں کہ وہ اپنے گھروں کی زینت اور زیبائش ان ہی سے سمجھتے ہیں۔

ہمارے طلباء میں حسن اور خوبصورتی کی چیزوں کے متعلق مذاق کی عدم موجودگی ہی ایک امر ہے جس کے خلاف ہم کو سخت جنگ کرنی چاہئے۔ لہذا دیہی مدرسہ میں ہم کو اس امر پر زور دینا چاہئے کہ مدرسہ کے باغ کا ایک خاصہ حصہ پھول لگانے کے لئے محفوظ کردیا جائے۔ درخت لگانے کا اکثر مدارس میں رواج ہے۔ لیکن اس بارہ میں ایک عمدہ تجویز یہ ہے کہ مدرسہ کے احاطہ میں خاص مواقع مثلاً سالگرہ یا مدرسہ کے سالانہ جلسہ وغیرہ کی تقریب میں درخت لگائے جائیں۔ مدرسہ کے باغ میں میوہ کے زیادہ درخت لگانا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ طلباء میں چوری کی عادت ڈالنے کا یہ بڑا ذریعہ ہے اور یہ امر تعجب خیز ہے کہ تمام دنیا کے طلباء کا ضابطہ اخلاق میوہ کے درختوں پر حملہ کرنے کو جائز خیال کرتا ہے۔ طلباء پر حد سے

زیادہ دباؤ بھی نہیں ڈالا جا سکتا کہ وہ ہر ایک کام کو خود اپنے ہاتھ سے کریں۔ بلکہ ان کو صرف اپنی ذات پر بھروسہ کرنا سکھانا چاہیئے اور بیرونی امداد کی اجازت نہ دینا چاہیئے۔

مدرسہ کے ہوسٹل میں بھی جہاں کہیں ممکن ہو باغ لگانا چاہیئے۔ اس سے ہوسٹل ایک سرا یا مسافر خانہ کے بجائے بہت زیادہ گھر کے مانند معلوم ہوگا اس کے علاوہ ہوسٹل میں رہنے والے طلبا اس کو زیادہ پسند کریں گے اور دیگر طلبا کی بہ نسبت جو اپنے گھروں میں رہتے ہوں اس پر اپنا زیادہ وقت صرف کریں گے۔ اگر ہوسٹل میں کافی زمین نہ ہو تو مدرسہ کے باغ کا ایک حصہ ہوسٹل کے لڑکوں کے واسطے مختص کیا جا سکتا ہے اور اس طرح خاص ملکیت کا افسوں کام میں لایا جا سکتا ہے۔

بالآخر ہم کو چاہیئے کہ مدرسہ کے باغ کا استعمال اس سے زیادہ کریں جتنا کہ اس وقت کر رہے ہیں۔ ڈرائنگ ماسٹروں کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کو باغ میں لے جائیں اور ان کو فطری چیزوں کی ڈرائنگ اور ان میں رنگ بھرنا سکھائیں۔ جغرافیہ اور سائنس کے اساتذہ کو چاہیئے کہ مدرسہ کے باغ میں عملی نمونے تیار کریں چھوٹے لڑکے پہاڑی۔ ندیاں۔ جھیل اور آتش فشاں پہاڑ باغ میں اپنے ہاتھ سے بنانا پسند کریں گے یہ کام مہتمم صاحب تعلیمات کے معائنہ سے ایک یا دو دن قبل ہی نہ کیا جائے بلکہ جب کبھی فی الحقیقت ان کو جغرافیہ یا سائنس میں ان باتوں کے متعلق کچھ بتلایا جائے۔

مدرسہ کے طلبا بہت جلد مدرسہ کے باغ میں اتنی ہی گہری دلچسپی لینے لگیں گے جس قدر کہ وہ کھیل یا امتحان میٹرک کے نتیجہ میں لیتے ہوں۔ اور اس طرح بجائے اس کے کہ مدرسہ کا باغ ایسا مقام خیال کیا جائے جہاں طالب علم کی موجودگی کو شبہ کی نظر سے دیکھا جائے یا جہاں اس کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہو۔ اس کے لئے عین

خوشی کی جگہ بن جائے گا۔

تاریخ افغانستان

(۳)

افغانستان کی دوسری جنگ از ۱۸۷۸ء تا ۱۸۷۹ء

افغانستان کی پہلی جنگ کے بعد ایک ربع صدی نہایت سکون اور اطمینان سے گزری ۱۸۶۳ء میں انگریزوں کی توجہ کو حالات افغانستان نے پھر اپنی طرف رجوع کیا۔ اس سال دوست محمدؐ کا انتقال ہوا اور اس کے بیٹوں میں تخت کے لئے تنازعات شروع ہو گئے۔ بالآخر دوست محمد کا بڑا بیٹا شیر علی اپنے چھوٹے بھائی افضل خاں کے مقابلہ میں کامیاب ہوا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے تخت نشینی کے قبل حکومت ہند کو مدد کے واسطے لکھا تھا۔ لیکن سرجان لارنس وایسرائے عدم مداخلت کے اصول پر کاربند تھے شیر علی کو مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اب شیر علی نے تخت پر آنے کے بعد انگریزوں کو بے وفا سمجھتے ہوئے روسیوں کو معاملات سلطنت میں دخیل کر دیا ایک سال بعد ہی سر لارنس بوجہ ختم مدت انگلستان واپس ہو گئے۔ اس کے بعد لارڈ میو کا تین سال کا زمانہ اصلاحات ہند میں گزر گیا۔ ۱۸۷۲ء میں ان کو ایک افغانی نے کالے پانی میں قتل کر دیا ان کے بعد لارڈ نارتھ بروک کا عہد شروع ہوا لارڈ نارتھ بروک نے مسئلہ افغانستان کی جانب خاص توجہ کی روسیوں کا ایک زمانہ سے ہندوستان پر دانت تھا اور افغانستان ہی ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ تھا۔ لارڈ لارنس کے احمقانہ عدم مداخلت کے اصول نے روسیوں کو معاملات افغانستان میں بہت دخیل کر دیا تھا۔

وہ آئے دن اپنے حدود اور اثرات کو بڑھاتے جاتے تھے۔ ان کے حملہ کی جانب سے ہندوستان کے امن کو ایک مستقل خطرہ لگا ہوا تھا۔ لارڈ نارتھ بروک نے روسی گورنمنٹ کو لکھا کہ حکومت ہند وسط ایشیا کے معاملات میں کچھ دخل در معقولات نہیں کرنا چاہتی لیکن یہ ضرور چاہتی ہے کہ اگر ایک دوسرے کے حقوق کا پورا پورا تصفیہ نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور طے ہو جانا چاہئے کہ ایک ریاست دوسرے کے حدود [illegible] خیال رکھا کر آیندہ کے لئے بنائے فتنہ نہ بنے اس طرح سمجھوتا کرنے میں لارڈ نارتھ بروک ایک حد تک کامیاب ہوا۔ اس قرار داد سے حالات افغانستان پر آیندہ (۵) برس تک اور پردہ پڑا رہا۔ امیر شیر علی کے دل میں انگریزوں کی جانب سے پہلے سے کینہ تھا اب جب انگریزوں نے اپنے جنگی اغراض کے مد نظر کوئٹہ پر قبضہ کیا تو شیر علی نے اس کی مخالفت کی انگریزوں نے اس پر کوئی توجہ نہ کی تو شیر علی نے روسیوں کی جانب رخ کیا۔ کابل میں روسیوں کا ایک وفد آیا اور آپس میں انگریزوں کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگیں۔ اس سے انگریز متوحش ہوئے اور ایک سفیر کابل روانہ کیا۔ امیر شیر علی نے اس کو کابل نہ آنے دیا اور یہ کہہ کر درہ خیبر ہی سے واپس کر دیا کہ ہمارے لئے روسی کافی ہیں ہم کو آپکے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ انگریزوں نے اس ذلت پر دوبارہ اعلان جنگ کر دیا۔

واقعات جنگ اب افغانستان میں تین راستوں سے فوجیں روانہ ہوئیں پہلے انگریزوں نے جلال آباد پر قبضہ کیا بعد کو قندھار پر۔ اب جب یہ سیلاب افواج کابل کی طرف بڑھا تو شیر علی اپنے میں تاب مقاومت نہ دیکھکر بلخ کی طرف فرار ہو گیا وہاں پہنچ کر تھوڑے عرصہ بعد ہی مر گیا امیر شیر علی کے بڑے بیٹے یعقوب خاں نے دیکھا کہ باپ فرار ہو چکا اور روسیوں سے کسی فوری مدد ملنے کی توقع نہیں رہی تو انگریزوں کی جانب رخ کر کے گفت و شنید کا خواہاں ہوا۔ ۲۵ مئی سنہ ۱۸۷۹ء کو گندمک کے مقام پر یعقوب خان

امیر تسلیم کر لئے گئے اور انگریزی رزیڈنٹ کابل میں رہنے لگا۔

افغانستان کی تیسری جنگ ۱۸۷۸ء تا ۱۸۸۰ء

کابل میں رزیڈنسی کا قیام آزادی پسند افغانوں کے لئے ایسا ہی اشتعال انگیز تھا جیسے بیل کے لئے لال جھنڈا سر لوئی کیونیاری بحیثیت رزیڈنٹ کابل میں تین مہینے نہ رہ سکا تھا کہ ہرات کے افغانوں نے بلوا کر دیا۔ رزیڈنسی پر حملہ آور ہو کر رزیڈنٹ کو مار ڈالا۔ اب اس کا خون بہا لینے کے لئے انگریزوں کو افغانستان سے تیسری جنگ چھیڑنی پڑی۔ جنرل رابرٹس ایک فوج کثیر لے کر کابل کی طرف بڑھا۔ اور قبیلہ احمد خیل سے تھوڑی مزاحمت کے بعد کابل پر قبضہ کر لیا رزیڈنٹ کوئی یعقوب خاں کی ایما سے تو مارا نہیں گیا تھا۔ جو یعقوب خاں سے شدید جنگ کی نوبت آتی قبائل افغانستان نہ انگریزی اثر کو چاہتے نہ ان کے کٹ پتلے یعقوب خاں کو۔ یعقوب نے جب دیکھا کہ ان کی قوم ان کو غدار اور نصرانیت کا علمبردار سمجھتی ہے تو چند با اثر افراد و قوم کے روبرو کلام پاک پر دستخط کر کے تخت افغانستان سے سبکدوش ہو گئے اور انگریزوں کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے ہندوستان آ گئے جس زمانہ میں ہم الہ آباد میں یعقوب خاں کے بھائی سردار ایوب خان کے بیٹوں سردار محمد سرور خاں اور سردار عبدالرشید خاں کو تعلیم دیتا تھا یعنی سنہ ۱۹۲۰ء تک یعقوب خاں مصوری میں زندہ تھے۔ اب آٹھ برس کے عرصہ میں علم نہیں کہ انتقال کر گئے یا حیات ہیں) یعقوب خاں ہندوستان منتقل ہو گئے لیکن ان کے چھوٹے بھائی ایوب خاں گورنر ہرات انگریزوں کے مقابلہ کے لئے افغانستان میں موجود تھے اب انگریزوں کا افغانستان پر پورا پورا قبضہ تھا۔ لیکن تمام قبائل کے قلوب میں ان کے خلاف ویسے ہی نفرت کے جذبات موجزن تھے جیسے سنہ ۱۸۴۲ء میں تھے جنرل رابرٹس محسوس کرتا تھا کہ وہ افغانیوں سے مقابلہ کامیابی کے ساتھ صرف موسم گرما تک کر سکتا ہے اس کو افغانستان کی شوریدہ سری کے بخیال اپنے استحکام کا

پورا اطمینان نہ ہوا۔ اسی موقع پر لارڈ لٹن نے استعفا پیش کر دیا اور مارکوئس آف رپن امپیرل ۱۸۸۰ء میں وائسرائے مقرر ہو کر ہندوستان میں آئے اس عرصہ میں سردار ایوب خاں نے کافی فوج بہم پہنچائی اور میوند کے مقام پر انگریزی فوج کو ایک دنداں شکن شکست دی۔ جنرل رابرٹس اس شکست سے سراسیمہ نہ ہوا۔ کابل و قندھار کے درمیان ایوب خاں کی فوج پر دوبارہ حملہ کیا اور اس کو منتشر کر دیا۔ سردار ایوب خاں شکست کھا کر فراہمی فوج کی کوشش میں سرزمین ایران کی طرف نکل گئے اب انگریزوں نے ایوب خاں کے چچازاد بھائی یعنے افضل خاں کے فرزند عبد الرحمن کو تخت کابل پر بٹھا دیا۔ اور افغانستان کا تخلیہ کر کے ہندوستان واپس آ گئے۔ لارڈ رپن کے بعد لارڈ ڈفرن ۱۸۸۴ء میں وائسرائے ہو کر ہندوستان میں آ گیا۔ لارڈ ڈفرن نے آتے ہی معاملات افغانستان کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اس نے دیکھا کہ تمام وسط ایشیا پر زار روس کا قبضہ ہو چکا ہے اور اب روسی اثرات افغانستان کے حدود تک بڑھاتے جا رہے ہیں اور ہرات پر قبضہ کرنے کا خیال در پیش ہے۔ ہرات کلید افغانستان ہے اگر ہرات روسیوں کے قبضہ میں آ جاتا تو براہ افغانستان ان کا ہندوستان پہنچنا کچھ دشوار نہ تھا۔ امیر افغانستان کی دوستی اور حفاظت ہند کا تقاضا اس وقت یہ تھا کہ انگریزوں کو افغانستان میں دخیل ہونے سے باز رکھیں۔ اس خیال سے لارڈ ڈفرن نے روسی حدود کے تعین کے واسطے روسی اور انگریزی عہدہ داروں کا ایک مشترکہ کمیشن مقرر کیا اس کمیشن کی جد وجہد کے سبب روسیوں کا دخل افغانستان میں زیادہ نہ ہونے پایا تعین حدود کے وقت چند مواقع پر ارا کین کمیشن میں اس قدر اختلاف ہوا کہ ایک اور جنگ کا تصور پیش نظر ہونے لگا خیر ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

افغانستان کی حدود کا تعین کر دیا گیا۔ اور راولپنڈی میں امیر عبد الرحمن کو

دعوت دے کر سابقہ معاہدوں کی تجدید کی گئی۔ لارڈ ڈفرن کے بعد لارڈ لینس ڈون نے امیر کابل کی دوستی کو تقویت دینے کی غرض سے بجائے بارہ لاکھ کے اٹھارہ لاکھ روپیہ سالانہ خراج کر دیا۔ حکومت ہند کو پھر بھی معاملات افغانستان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ ہر دم خوف لگا رہتا تھا کہ کب امیر افغانستان روس سے ملکر ہندستان کا راستہ کھول دیں گے۔ امیر عبدالرحمن کو اور قابو میں رکھنے کے لئے انگریزوں نے سردار ایوب خاں کو ہندوستان آنے کی اجازت دی وہ اپنی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ اس توقع اور تفہیم پر ہندوستان آئے کہ انگریزوں کو کوئی موقع ہاتھ آنے کی صورت میں تخت افغانستان پر متمکن کر دیں گے۔ امیر عبدالرحمن کو علم ہوا کہ سردار ایوب خاں انگریزوں کے نگرانی میں لاہور آ گئے ہیں اور وہاں ان کے شاہانہ دربار ہوتے ہیں اور ان کی تمام جمعیت کو ہندوستان کے خزانہ سے تنخواہ تقسیم ہوتی ہے تو اس خوف سے کہ ایک جائز دعویدار تخت ہم پر نہ چھوڑ دیا جائے۔ انگریزوں سے معاہدات پر سختی کے ساتھ کاربند ہوئے ادھر جوں جوں قیام ہندوستان کا زمانہ زیادہ ہوتا گیا۔ ایوب خاں کو حصول تخت افغانستان کی امیدیں خواب و خیال ہونے لگیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سب سبز باغ تھا۔ مجھ کو تمام عمر مرغ اسیر کی حیثیت سے برطانیہ کی سیاسی اغراض کی تکمیل کی خاطر ہندوستان میں رہنا ہوگا۔ ان کے چار بیویاں تھیں اور ہر ایک سے چار۔ چار۔ پانچ۔ پانچ اولادیں تھیں۔ اسی حالت میں ایوب خاں کا لاہور میں انتقال ہو گیا اسی دور گردش کے زمانہ میں جب پنجاب میں سورشیں زیادہ ہوئیں تو حکومت ہند کو اندیشہ ہوا کہ ایوب خاں کے لڑکوں میں کوئی صاحب افغانستان نہ فرار ہو جائیں۔ اگر ان میں سے کوئی چلا گیا تو وہاں حصول تخت کے لئے قبائل کو فراہم کرے گا اور موجودہ حکمران کابل سے ہمارے تعلقات خواہ مخواہ کشیدہ ہو جائیں گے۔ ان کو خیال ہو گا کہ ہم نے ان لوگوں کو دانستہ معاہدوں کے

خلاف چھوڑ دیا اور امن افغانستان میں مخل ہوئے ہیں۔ امیر افغانستان کی اس بدگمانی سے روسیوں کو مداخلت کا موقع ملے گا اور ہندوستان پر روسی حملہ کا خوف پھر درپیش ہو جائے گا۔ اس خیال سے حکومت ہند نے سردار ایوب خاں کی اولاد افغانی شہزادوں کو سرحد سے ایک دور تر مقام یعنے الہ آباد میں منتقل کر دیا اور یہاں ہر ایک کے واسطے اپنی جانب سے قیام گاہ کا انتظام کرکے ڈیڑھ۔ ڈیڑھ سو۔ دو۔ دو سو روپیہ ماہینہ پنشن مقرر کر دی سردار محمد عمر خاں انہیں شہزادوں میں سے ایک شہزادہ تھے جو ابھی دسمبر ۱۹۲۸ء میں خفیہ طور پر الہ آباد سے نکلکر افغانستان پہنچ گئے۔ ایوب خاں جس وقت ہندوستان میں آئے ہیں اس وقت ان کے ساتھ جمعیت بہت کثیر تعداد میں تھی۔ ان کے سرداروں اور سپاہیوں نے رفتہ رفتہ جب یقین کر لیا کہ اب ان کا افغانستان کی طرف برائے سر تخت روانہ ہونا نظر نہیں آتا تو ان کا ساتھ چھوڑ کر افغانستان چلے گئے۔ اور امیر عبدالرحمن اور ان کے فرزند حبیب اللہ خاں کو سر تسلیم خم کرکے عہدے اور اعزازات حاصل کر لئے۔ میرے شاگرد سردار محمد عمر خاں بیان فرماتے تھے کہ محمود طرزی جو ملکہ ثریا بیگم کے پدر اور امان اللہ خاں کے خسر ہیں پہلے سردار ایوب خاں کے فدائیوں میں تھے۔ انہوں نے بھی دیگر درباریوں کی طرح سردار ایوب خاں سے مایوس ہو کر افغانستان کا رخ کیا اور طالب معافی ہو کر امیر عبدالرحمن سے جاگیرات اور اعزازات حاصل کئے۔ امیر عبدالرحمن کے انتقال پر ان کے فرزند حبیب اللہ خاں تخت پر بیٹھے اور لارڈ کرزن نے ان سے نئے سرے سے دوستانہ تعلقات قائم کئے ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ تو امیر حبیب اللہ نے حکومت برطانیہ کی ظاہر ظہور جانبداری کی ان کی آزادی پسند قوم کو ان کی یہ روش پسند نہ آئی ۱۹ ... میں یہ اپنے بڑے بیٹے عنایت اللہ خاں کے ساتھ جلال آباد میں بسلسلہ دورہ قیام پذیر تھے۔ کہ یہاں ۱۹ فروری کو ایک انتہا پسند افغان نے ان کو

قتل کر دیا حبیب اللہ کے دوسرے فرزند امان اللہ خاں اس زمانہ میں کابل میں تھے اپنے اثرات سے کام لے کر انہوں نے تخت افغانستان پر قبضہ جما لیا۔ بخوف فتنہ انگیزی اپنے بڑے بھائی عنایت اللہ خاں کو گرفتار کرا کے نظر بند رکھا۔

افغانستان کی چوتھی جنگ ۱۹۱۹ء

امیر امان اللہ خاں کو تخت افغانستان پر انتہا پسند جماعت نے بٹھایا تھا۔ انہیں انتہا پسندوں کے رنگ میں رنگ کر انہوں نے انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جنرل نادر خاں نے انگریزی افواج کا بڑی دلیری قابلیت سے مقابلہ کیا اور کئی پیہم زکیں دیں۔ اس جنگ کا سلسلہ چند ماہ چلا تھا کہ یقین ہے صلح پر امادگی ظاہر کی اور راولپنڈی کے مقام عہد نامہ صلح پر دستخط کر دیئے گئے اس عہدنامہ کی رو سے یہ قرار پایا کہ انگریزوں کا اب کوئی اقتدار افغانستان پر باقی نہ رہے گا افغانی فوج پوری طور پر آزاد سمجھی جائے گی اور جو رقم انگریز بطور وظیفہ یا خراج حکومت افغانستان کو ادا کرتے تھے۔ وہ بند کر دی جائے گی یہ رقم خواہ اس کو نذرانہ کہئے۔ خراج کہئے۔ یا وظیفہ کہئے عملی حیثیت سے افغانستان کی خارجی پالیسی کے لئے ایک زنجیر پا تھی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ افغانستان کی خارجی پالیسی زیر نگرانی حکومت برطانیہ رہے۔ اور کسی حکومت سے کوئی معاہدہ بغیر انگریزوں کی منظوری کے طے نہ ہو امان اللہ خاں کے عہد میں سب سے بڑا کام یہ ہی ہوا کہ یہ طوق غلامی افغانستان کے گلے سے اتار کر پھینک دیا۔ اس نوعمر امیر نے (اس وقت مارچ ۱۹۱۹ء میں ان کی عمر ۲۷ سال کی تھی) اپنے دوران حکومت میں اپنی مستعدی کے متعدد ثبوت دیئے۔ دواخانہ بنائے۔ محتاج خانہ جاری کئے۔ یونیورسٹی قائم کی۔ صنعت و حرفت کو ترقی دی اسلحہ سازی وغیرہ کے کارخانوں کی ترویج میں کوشش کی۔ راستوں کی حفاظت اور سڑکوں کی درستی کا انتظام کیا نظام حکومت میں تقسیم کار کر کے مختلف شعبہ جات معین کیا مثلاً انجنیری۔ میونسپلٹی۔ سیاسیات۔ فوج۔ تسلیمات۔ مالگزاری۔ شفاخانہ جات۔ بہت

امور مذہبی، معدنیات اور محکمہ تجارت وغیرہ۔ ہر شعبہ کا ایک علیحدہ وزیر مقرر کیا اور ان سب کو صدر اعظم کی نگرانی میں رکھا یہ سب کچھ نہایت نیک دلی اور خلوص سے انجام دیا۔ لیکن ایک سخت غلطی کی کہ اپنے ملک کی سائکالوجی کو بالکل نہ سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی۔ یہ اپنی نیکی اور تہذیب میں مارے گئے۔ اپنی جاہل جنگجو، مغلوب الغضب کینہ پرور، عہد شکن اور سنگدل قوم کو سمجھ لیا کہ وہ۔ اعلیٰ درجہ کی امن پسند، حلیق اور متمدن ہے۔

"کار زمین" تو ابھی "نیکو" کیا نہیں کے "آسمان" کی جانب لپکے۔ یہ اپنی بے چین اور تعجیل پسند طبیعت کے سبب اپنے ملک کی نفسیاتی کیفیات کا مطالعہ کرنے کی بجائے یورپ کو روانہ ہوئے اور یہ سفر ان کی آئندہ بہبود کے حق میں سقر ثابت ہوا یورپ میں ان کے پر شکوہ استقبال ہوئے۔ شاندار خیر مقدم ہوئے پر تکلف دعوتیں ہوئیں تحائف ملے اور خوشامدیں ہوئیں۔ دنیا اغراض کا اکھاڑا ہے۔ ہر طبقہ اور ہر حکومت نے اپنے اپنے انچھر مارنے شروع کئے۔ لندن میں ان کے ساتھ عجیب عجیب کھیل کھیلے گئے ایک ناصح مشفق نے سمجھایا کہ برطانیہ سے جلو اور اس کو گھانس بھوس سے بھی کم قابل التفات سمجھو۔ دوسرے نے تعریفیں کر کر کے ان کو تہذیب و تمدن کے بانس پہ چڑھایا۔ لندن سنڈے ورکر کی ایک جماعت نے بدیں الفاظ ایک عرضداشت ان کی خدمت میں پیش کی۔

"حضور اقدس ہمیں خوب یاد ہے کہ ۱۹۱۹ء میں آپ نے فرمایا تھا کہ میں برطانیہ کے زیر حمایت آنے کی بجائے خودکشی کی موت کو ترجیح دوں گا۔ آپ کا یہ ارشاد لایق تعلیم ہے .... ہم آپ سے بہت خوش ہیں لیکن آپ کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ آج آپ ان سرمایہ دار شہنشاہیت پسند غاصبوں کے یہاں ہیں جن کے ہوائی جہاز آزاد

قوم پر گولے برساتے ہیں جو مصریوں کے حقوق پر چھاپا مار رہے ہیں اور آپ ان مکار سیاست دانوں کے مہمان ہیں جو اس وقت بھی ہندوستان کے کروروں مسلمانوں کو غلام رکھنے میں سعی و کوشش کر رہے ہیں..... آپ ان سفاک بھیڑیوں اور مکاروں کے دھوکے میں نہ آئیں ہم بالکل سچ عرض کرتے ہیں کہ آج یہ اہل غرض محض اپنے سیاسی اغراض کے ماتحت آپ کی خوشامد کر رہے ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں بڑا فرق ہے۔ ہمیں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ کل یہی خوشامد کرنے والے اپنے شاہی مقاصد کے لئے افغانستان کی آزادی چھیننے کی کوشش کریں گے"

منقول از ہمدرد ۳ ہر مئی ۱۹۲۸ء

مرحوم اکبر نے کیا خوب کہا ہے ؎

نئی ترکیب یہ شیطان کو سوجھی ہے اغوا کی
خدا کی حمد کیجئے ترک بس مجھ کو برا کہئے

اخبارات نے یوں اغوا کیا کہ لندن ٹائمس۔ ڈیلی نیوز۔ نیرایسٹ۔ نارورٹ۔ مارننگ پوسٹ وغیرہ نے ایک زبان ہو کر امیر باتوقیر کی مدحت کے راگ الاپنے شروع کئے کہ آپ بلا کے بیدار مغز ہیں آپ بڑے جلیل القدر فرمانروا ہیں۔ آپ انتہا درجہ کے متمدن ہیں نہ آپ نے افغانی قوم کو دنیا کی ترقی یافتہ قوم کے دوش بدوش لا کر کھڑا کر دیا۔ آپ برطانی سیاست کو خوب سمجھتے ہیں اور اس کے خوب پرزے اڑاتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ؎

خوشامد ہر کہ را کر د خوش آمد

بس اس خوشامد نے امیر امان اللہ کو اندھا دیا اب کیا تھا۔ فرانس سے گاڑھی چھنی خرس روس سے سرگوشیاں ہوئیں۔ ترکی سے سوشل اصلاحات کا پروانہ ہاتھ میں دیا

زعم خود پسندلی نے کان میں پھونکا کہ اپنے ہی میں تمام اصلاحات نافذ کردو ورنہ۔ ع

باسال وگرمے کہ خورد زندہ کہ ماند

وہ ترقیات اور وہ اصلاحات جو ہالنڈ یا اناطولیہ کے لئے موزوں تھیں افغانستان جیسے اجھل ملک میں آندھی کی تیزی کے ساتھ جاری کردیں اور یہ نہ سمجھے کہ ؎

ہمارا شیخ جی کا کیا بھلا جوڑ — کجا کھیوٹ کجا دیوان حافظ

اتنا نہ سوچا کہ اپنا ضعیف الاعتقاد ملک پورا ان مولویوں اور صوفیوں کے قبضہ اختیار میں ہے جن کا ؎

مدار دین ہے اِس پر کہ جھٹ کتر ڈالیں — جو پائیں ٹخنے سے نیچے اگر کسی کی ازار
گھٹے جو دین میں ان کے توراستی کی قدر — بڑھے جو عہد میں ان کے توریش کی مقدار

یوں تو پہلے سے اِن کوتہ آستینوں کی ازدستیوں کو روک رہے تھے اب تو اور بھی علانیہ ان کی جڑیں کاٹنے لگے۔ ان کے جتنے ذرائع آمدنی تھے سب مسدود کردئے اوقاف کا تمام مال کارکنوں کی تنخواہوں یا مفید قومی تحریکوں میں صرف ہونے لگا بیت المال میں صدقات زکاۃ اور خیرات کا مال جمع ہوتا تھا۔ سب ناپ تول اور جانچ پڑتال کے بعد صرف مستحقین کو دیا جانے لگا اسی طرح سے غریب خانوں اور یتیم خانوں کی رقم سے نام نہاد منیجروں اور منتظمین کو بالکل فائدہ اندوز ہونے دیا۔

گداگری کے انسداد کے لئے قانون جاری کردیا کہ جو غیر معذور شخص بھیک مانگتا نظر آئے گا (۶) ماہ کی سزا پائے گا۔ قماربازوں اور شراب نوشوں کو بین بین کر تین ماہ کی سزا دی جانے لگی ایک مدرسۃ الواعظین قائم کیا جس میں تقریر کرنا سکھایا جاتا تھا۔ اب عام منادی کردی گئی کہ جو اس مدرسہ کا سند یافتہ ہوگا وہی وعظ کہہ سکے گا۔ بغیر سند یافتہ مولویوں کو وعظ کرتے وقت پولیس گرفتار کرے گی اور سزا دلائے گی غرض کہ ؎

ہیچ خارے نیست از خون شکارے بے نصیب — آفتے بود آن شکار افگن کزیں صحرا گذشت

بلکہ شہریائی بے نقابی اور پردہ دری کی شورہ شوری نے بیشتر مرنجاں مرنج آبرو داروں کو متوحش کر دیا شملہ کی جگہ ہیٹ نے اور شلوار کی جگہ پتلون نے لے لی۔ اس طرح سے تمام قدامت پسند وضع داروں کو مجبور کیا کہ ؎

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بہ ساز	یہیں سے سایہ میری جان آتار کر شیواز

ایک عہدہ داروں کا جرگہ رہ گیا تھا۔ اس کو بھی تعدد ازدواج کی ممانعت کر کے پرول کر دیا۔ ابھی حال ہی میں قصر دلکش والی تقریر میں صاف کہا کہ۔

"تعدد ازدواج بداخلاقی کے اہم اسباب میں سے ایک ہے۔ عدل و انصاف کو کوئی ملحوظ نہیں رکھتا۔ بس میں حکم دیتا ہوں کہ آج سے کوئی سرکاری ملازم دوسری شادی نہ کرے ورنہ اُسے اپنی ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔" ؎

بر زخش ستمگری سوار آمدہ بود	دیروز کہ از بہر شکار آمدہ بود
یار آمدہ بود یا بہار آمدہ بود	از خون شکار لالہ زار سے شدہ دشت

اس میں زیادہ تر اس طفل افغانستان کی اتنی خطا نہیں جتنی یورپ کے معلم الملکوت کی ہے مداری نے بندر کو جیسا نچایا ناچا۔ ؎

ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں	بوزنہ کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں

قدیم نصاب تعلیم ایک قلم بدل دیا گیا۔ مدارس نسواں ہر قریہ میں قائم ہوئے مصطفیٰ کمال کے رنگ میں رنگ کر قدیم طریقہ جنگ ترک کئے گئے۔ ترکی سے افسروں کو بلا کر فوج کی جدید طریقہ پر تنظیم کی گئی نو عمر ساختہ پرداختہ کنواری لڑکیوں کی ایک جماعت کو پردے سے نکال کر تیغ نگاہ آراستہ کر کے برائے تربیت یورپ روانہ کیا اور یہ نہ سوچا کہ ؎

کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید	خاں صاحب ہی کا دنیا میں ہے کیا عزو وقار

کسی ملک یا قوم کی سائیکالوجی کہیں زمانہ دراز کے پیہم اثرات کے بعد جا کر بدلتی ہے ترکی میں اگر آئین۔ معاشرت۔ حکومت میں موجودہ یورپین رنگ کی تبدیلی ہوئی ہو

صدیوں کی آزمائشوں و اثرات کے بعد ہوئی۔ ترکی یورپ کا ٹکڑا ہے بعلم یورپ نے دیگر تبدیلیوں
کیساتھ نہایت حکمت و دانائی سے پہلے ترکوں کے خون کی نوعیت بدلدی۔ صدیوں سے
وہاں مختلف اقوام کی یوروپین لیڈیز گھروں میں پڑتی چلی آرہی ہیں اس خون کی تبدیل ہونے
سے ترکوں کے دل بدل گئے۔ دل بدلنے کیساتھ تعلیم بدلی۔ تمدن بدلا سلطنت بدلی۔ اماں اللہ
خاں نے اس پر غور نہ کیا۔ کاتا اور لے دوڑے لگے ہتھیلی پر سرسوں جمانے اور پھر کس ملک میں
جو عالم بھر میں سب سے زیادہ قدامت پسند ہے۔

جناب لیڈر سنا ہے ہیں زمانہ بدلا ہے تم بھی بدلو   مگر ہمارا تو قول یہ ہے خدا ہی ہے تو ہم وہی ہیں

اس یورپ نواز امیر نے تمام قدیم طریقوں کو یورپ سے جدید مشین لاکر کاٹنا شروع
کردیا۔ دنیا میں خوشامد خوروں کی کمی نہیں بڑے بڑے عالم قلعہ دہلی میں بہادر شاہ
ظفر سے گلستاں پڑھنے جایا کرتے تھے کہ یہاں پناہ سمجھاتے خوب ہیں اور ایسا
فلسفانہ تملق سخت مہلک ہوتا ہے۔ اماں اللہ خاں کا بھی انہیں خوشامد خوروں نے
تختہ تباہ کیا۔ مراجعت کے وقت ملک میں جو اڈریس پیش ہوئے ان سب میں
یہی شان تملق تھی۔ وزیر تعلیمات نے شاہ اماں اللہ کے روبرو ایک تقریر کی تھی
اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اعلیٰ حضرت کی زینت آرائے سریر حکومت ہونے سے قبل ملت
افغانیہ کی حالت نہایت افسوسناک تھی۔ بغض۔ کینہ۔ عداوت۔ جذبہ
انتقام۔ جدال و قتال کا شوق یہ افغانی قوم کی خصوصیات تھیں لیکن
اعلیٰ حضرت نے نہایت غور و فکر و تدبیر سے کام لے کر اور آسان
ذرائع اختیار کر کے ہم کو تہذیب تمدن اور بہترین اخلاق سے
متصف کردیا...... اعلیٰ حضرت کے تخت نشین ہونے سے پہلے
ملک کا انتظامی شعبہ نہایت خراب حالت میں تھا۔

عام طور پر قتل و غارت کشت و خون اور رہزنی و ڈاکہ زنی کا ایک
طوفان برپا تھا۔ راستوں کی حفاظت سڑکوں کی درستی ڈاکوؤں کی
سزا کا کوئی انتظام نہ تھا...... آج سب راستہ محفوظ حالت میں ہیں
قتل و غارت رہزنی اور ڈاکہ زنی کا کوئی خطرہ نہیں ہے یہ اعلیٰحضرت
شہریار غازی شاہ امان اللہ خاں کی عہد کی برکتیں ہیں (آواز ین
بے شک صحیح ہے بے شک صحیح ہے۔)"

یہ بیٹے کے سامنے باپ (حبیب اللہ خاں) کی برائیاں ہو رہی تھیں جس سے
لی بھر اپنے یہاں کے ہوتوں کو باتوں سے نہیں لاتوں سے سیدھا رکھا۔ اسی
جلسہ میں وزیر تعلیمات کی تقریر ختم ہونے کے بعد ہی اللہ اکبر کے پرجوش نعروں میں
اس فرزند دلپسند نے فرمایا "برادران عزیز۔ جب کسی قوم کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے
اور وہ تنزل کے آخری درجہ میں پہونچ جاتی ہے۔ تو ایسے وقت میں اس قوم میں سے
کوئی سچا اور مخلص خادم پیدا ہو جاتا ہے...... گزشتہ ایام میں جب میری قوم کی
حالت بہت خراب ہو چکی تھی اور غلامی کے اثرات نے اس میں بہت سی معاشرتی
اور اخلاقی کمزوریاں پیدا کر دی تھیں تو قدرت نے مجھ کو خدمت ملک و ملت کی توفیق
عطا فرمائی وغیرہ وغیرہ"

اس طرح سے اپنے منہ خوب میاں مٹھو بنے سے

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں — جنہیں پڑھ پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

غرض کہ یہ حالات تھے جس میں یہ انقلاب ظہور پذیر ہوا بعض لوگوں کو اس انقلاب پر
تعجب ہوتا ہے برخلاف اس کے جو شخص افغانستان کے اس سلسلہ واقعات سے
باخبر ہے اُس کو اُس وقت حیرت ہوتی اگر یہ انقلاب ظہور پذیر نہ ہوتا امان اللہ خاں نے
اچھا کیا کہ مخالفین کے سیلاب سے متصادم نہ ہوئے۔ اول تو کامیاب ہونے کا امکان

بہت بعید تھا دوسرے اگر فتح بھی پاتے تو تمام زندگی بندگان خدا کو ہلاک کرنے اور تخت برقرار رکھنے کی کوشش میں گزر جاتی۔ ان کا وہی حشر ہوتا جو محمد تغلق کا ہوا کہ تمام زندگی بلوؤں کو دبانے میں صرف ہوگئی۔ ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی نے لکھا ہے کہ آخر میں محمد تغلق عاجز آگیا اور کہنے لگا کہ خداوند تو اب یا تو مجھے دنیا سے اٹھالے یا مخلوق کا دل میری طرف سے صاف کردے حالانکہ خدا نے اُس کے ہاتھ میں ایسی طاقت دی تھی کہ ہر جگہ بلوہ کو فنا کرکے آتا تھا آخر وزراء نے صلاح دی کہ رعایا کو آپ کی شخصیت سے اختلاف ہے۔ آپ تخت فیروز شاہ کے واسطے چھوڑ دیں تو تمام شورش دب جائے گی اُس نے ایسا ہی کیا اور تخت چھوڑ کر بیت اللہ روانہ ہونے والا تھا کہ انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد فیروز شاہ تخت پر بیٹھا تو کوئی بدامنی یا شورش ہونا تو درکنار۔ چالیس سال تک قحط نے بھی رعایا کو منہ نہیں دکھایا۔ امان اللہ خاں کے تخت چھوڑنے کی صورت میں یہ بات نہ تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی عنایت اللہ خاں کے لئے تخت چھوڑا جو دلدادہ یورپ ہونے کی حیثیت سے اِن کے بڑے بھائی ہیں دوسرے ایسے وقت میں خلع کیا جب بچہ سقہ بقول شخصے صحن میں داخل ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ایک اور سیاسی غلطی یہ کی کہ تخت سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا قندھار جاتے لیکن شاہ بلجیم یا پریسی ڈنٹ فرانس کی طرح دارالسلطنت یہ کہہ کر چھوڑتے کہ میں نے اپنا پایہ تخت قندھار منتقل کردیا ہے۔ اب جب ایسا نہیں کیا گیا تو برطانیہ یا دوسرے اقوام یورپ کو عدم اعانت کا الزام نہیں دیا جاسکتا اُس صورت میں کہ ان کی شاہی کا نام قائم رہتا۔ ان کے سیاسی طبیعت ان کو مدد دینے کے لئے مجبور ہوتے۔ اب وزارت انگلستان نے امان اللہ خاں کی غلطی سے فائدہ اٹھا کر کہا کہ جب تک افغانستان میں کوئی تصفیہ کن صورت از خود پیدا نہ ہو اور کسی کی اجازت وہاں مسلّم و محکم قرار نہ پائے اس وقت تک ہم کسی کو امیر تسلیم نہیں کرسکتے

اور مدد نہیں دے سکتے اب اگر امان اللہ خاں دوبارہ تخت افغانستان پر آبھی گئے تو کیا چہ خفتہ چہ بیدار انہوں نے اپنی کوتہ اندیشی جدت پسندی اور سیماب صفتی سے ملک کو جو نقصان پہونچا دیا اس کی تلافی کیا ہو افغانستان اب کم از کم پچاس برس پیچھے ہٹ گیا۔ افسوس سے

دیدم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لمحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

محمد حسین شہید امام المدرسین صدر مدرسہ محمودیہ بیدر

دکن کی تقریباً تمام بڑی شخصیتوں کی طرح امام المدرسین محمد حسین شہید صدر مدرسہ محمودیہ کے حالات بھی دنیا کو بہت کم معلوم ہیں۔ اور جن کتابوں میں ان کے حالات ہیں ان میں ضروری اور اصولی حالات بہت کم ملتے ہیں تاہم جو بھی ہیں وہ یہ ہیں۔

آپ ۸۶۹ھ میں بمقام بیجاپور پیدا ہوئے۔ آپ ایک بڑے خاندان کے فرد تھے جس کا سلسلہ نسب یہ ہے میراں عبدالقادر بن حسین لطف اللہ بن رضی الدین بن مرتضی بن قاضی محمود کبیر بن فقیہ ابو محمد بن فقیہ اسمٰعیل بن فقیہ مخدوم اسحٰق بن عطاء احمد شافعی رحمہ اللہ علیہم اس سلسلہ نسب کے متعلق اختلاف ہے۔ آپ کے خاندان میں شجرہ نسب مکمل نہیں ہے لیکن جو ہے اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ آپ کے کسی جد کو خواجہ گیسو دراز ثانی کی دامادی کا شرف حاصل تھا عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آپ بنی ہاشم سے ہیں خود ایک دفعہ آپ نے فرمایا تھا کہ "ہمارے سادات سے ہونے کے متعلق قیامت میں معلوم ہوگا"

یہ یقینی ہے کہ آپ کے بزرگ عرب سے ترک وطن کرکے ساحل کوکن (ملیبار) میں آبسے
ابن بطوطہ اپنے مشہور سفرنامہ میں آپ کے بعض اجداد کا تذکرہ کرتا ہے "۷۴۳ھ میں
ہند کے مغربی ساحل پر جہاز کا سفر کیا مقامات بیرم قوقہ (گوگھا) ہوتا ہوا سنداپور یعنے
جزیرۂ گوا میں داخل ہوا اس جزیرہ کے وسط میں دو شہر ہیں ایک ہندوؤں کے وقت کا
آباد کیا ہوا۔ دوسرا مسلمانوں کے وقت کا آباد کیا ہوا تھا جب کہ انہوں نے اس
جزیرہ کو پہلی بار فتح کیا تھا۔ اس میں ایک بڑی جامع مسجد بغداد کے نمونہ پر بنی ہوئی ہے
جس کو ناخدا حسن نے جو سلطان جمال الدین محمد ہنوری صاحب کا باپ ہے تعمیر
کیا تھا۔ یہاں سے دوسرے دن ہنور پہونچا۔ یہاں کے باشندے شافعی المذہب ہیں
وہ دین دار اور نیک بخت اور عربی طاقت کے لئے مشہور ہیں۔ یہاں کی عورتیں سب کی
سب حافظات قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے اور ۲۰ لڑکوں کے
دیکھے۔ یہ لوگ صرف بحری تجارت سے گزارہ کرتے ہیں۔ فقیہ اسمٰعیل جو کلام اللہ
پڑھاتے ہیں اسی شہر میں رہتے ہیں۔ وہ نہایت پرہیزگار خوش خلق اور فیاض ہیں
یہاں صاحب بادشاہ جمال الدین محمد بن حسن بحری طاقت بہت رکھتا ہے۔ وہ چھ
ہزار پیادے اور سوار بھی رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے ایام
بیض کے روزے رکھتا ہے جب میں (ابن بطوطہ) اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو افطار کے وقت
مجھے بھی بلا لیتا" بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ آپ کے اجداد نہایت معزز طبقہ سے تعلق
رکھتے تھے اور ان کے نام جزء مخدوم (گورنر) اور فقیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا
ان میں قاضی محمود دکن کے مشہور قاضی القضات گزرے ہیں۔ مولانا حبیب اللہ اور
فقیہ علی مہائمی (بمبئی) سے آپ کا رشتہ داری تعلق ملتا ہے۔

بچپن اور تعلیم | بچپن اور تعلیم کے متعلق بہت کم معلومات ملتے ہیں اتنا پتہ چلتا ہے کہ
پانچ سال کی عمر میں اپنے والد کی وفات پر اپنے چچا نظام الدین احمد صاحب کی تربیت میں آرہے

پھر ملا محمد زبیر کے پاس چودہ سال کی عمر میں مصباح کا درس جاری تھا۔ مگر اس وقت درس تعلیم سے دل اچٹنے لگا اور آپ کی توجہ ظاہری اپنے درس کی نسبت کم معلوم ہونے لگی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے ملا صاحب سے اپنے شاگرد پر مزید توجہ فرمانے کی استدعا کی۔ ملا صاحب نے چند سوال بغرض امتحان کئے جب ان کے جواب استعداد سے زیادہ پائے تو ملا صاحب کو نہایت تعجب ہوا۔ اور سوالات کا سلسلہ ترقی مطالب کے ساتھ جاری تھا اور جب جوابات درست ملتے گئے تو استاد کے استعجاب کو اور ترقی ہوئی۔ حاضرین خانقاہ میں کھلبلی مچی۔ رفتہ رفتہ یہ خبر سارے شہر میں پھیلی۔ علماء اور امراء ذوی علم کا مجمع بڑھنے لگا ایک خاصہ مناظرہ و مقابلہ کی شکل پیدا ہوئی۔ تمام حاضرین مجلس جن کو شاگرد کی عمر اور مصباح خوانی کی اطلاع تھی اس واقعہ سے متحیر ہوئے جب ملا محمد زبیر نے شاگرد کی یہ حالت دیکھی اور تمام علوم میں کامل العیار پایا تو وہ از خود رفتہ ہو گئے اور مسائل سلوک سے بحث چھڑی وہاں کسی کی کمی نہ تھی ہر ایک سوال کا جواب اس خوبصورتی سے دیا کہ استاد کو اپنی ہیچ مدانی کا کامل یقین ہو گیا شام تک جب مجلس کی یہ حالت رہی تو ملا محمد زبیر نے اپنی مسند کو بیخود ہو کر چھوڑ دیا اور شاگرد کے قدم چومے اور شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے فرمایا کہ "جس کو علم روحانی حاصل ہو گیا اس کے ساتھ کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟" دوسرے ہی دن وہ گلبرگہ میں عزلت گزیں ہو گئے۔ چنانچہ ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں

"میری جان مردم خانہ (بیوی) کو کپڑے نہیں ہیں ان سے کہو کہ فقیر تم کو اپنی جان سے زیادہ دوست رکھتا ہے مگر کیا کیا جائے ہاتھ میں پیسہ نہیں ہے"۔

جاگیر مندرجہ بالا واقعہ اس زمانہ میں قابل تسلیم نہ ہو تاہم یہ مؤرخین کا متفقہ ہے کہ نہایت کم سنی میں وہ ایک متبحر عالم اور بڑے زاہد و متقی کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ گلبرگہ جانے کے بعد عالمگیری فتوحات اور مرہٹہ شورشوں کے باعث وہ عزلت گزینی کو بہتر سمجھنے لگے تاہم آپ کے خطوط فارسی سے جو اخوی نور چشمی محمد صاحب کے نام ہیں یہ

پتہ چلتا ہے کہ آپ کو سرکاری جاگیر عطا ہوئی تھی چنانچہ لکھتے ہیں "لیکن چونکہ مالگزاری وصول کرنے کا زمانہ نزدیک پہونچا ہے۔ اور فقیر کے یہاں رہنے کے بغیر وصول نہ ہوگا اس لئے مجبوراً چند روز ٹھیرنا پڑا۔ انشاء اللہ تعالی رقم وصول ہونے کے بعد روانہ ہو جاؤں گا والدہ صاحبہ بھی چاہتی ہیں کہ روانہ ہو جاؤں لیکن اب تک حسن صاحب کے کال صحت کے متعلق خبر نہیں پہونچی۔ اور یہاں بہلی نہیں ملتی ہے اس لئے ان کا آنا ابھی نہ ہو سکا میری جان مردم خانہ سے کہیں اگرچہ فقیر ظاہر میں دور ہے لیکن دل و جان سے تمہارے نزدیک ہے۔ ضرورت کے باعث یہاں رہنا ہوا ہے اپنی خاطر جمع رکھیں... یہاں کافروں کی شورش حد سے زیادہ ہے خط دیکھتے ہی عبدالحمید کو یہاں روانہ کردیں کیونکہ مالگزاری وصول کرنے کے لئے ضروری ہے"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں "..... حال میں سنا گیا کہ بادشاہ کا لشکر لوٹ مار کر رہا ہے اس لئے رومی صاحب کو بھجوا دیا گیا ہے چاہئے کہ ہمت کرکے راتوں کو باغ کے لوگوں اور دمیٹروں کے ہاتھ سے ہماری کڑبی جو کچھ ہے خوشتوں کے ساتھ بھنی پورہ میں یا مرزا عنایت اللہ صاحب کے مکان لاکر حفاظت سے رکھیں سستی نہ ہونے پائے جو کچھ قابل فروخت جنس باغ میں ہو رومی صاحب کے حوالہ کریں تاکہ کسی ایک تدبیر سے گلبرگہ لاکر فروخت کردیں اور زراعت کرنے والوں کو تاکید کریں کہ جلدی کرکے راتوں کو کڑبی مع خوشتوں کے جو کچھ میسر ہے بھنی پورہ لے جاکر رقم وصول کریں اور کہیں اگر بزدلی کریں اور بعد کو کہنے لگیں کہ محصول لوٹ لیا گیا ہے ہماری مقررہ رقم چھوڑی نہیں جائے گی بلکہ شلاخ مار کر وصول کیجائیگی باقی حالات رومی صاحب کہیں گے اس کے موافق عمل کیا جائیگا بال برابر بھی فروگذاشت نہ ہو۔ دس روپیہ رومی صاحب کو دیں بھائی صاحب! فوج کے لوگوں کے ساتھ اگر سوار اور پیدل بہت آجائیں تو ہرگز جنگ نہ کریں تم کو اور گاؤں کو حفیظ مطلق کے حفاظت میں سپرد کیا گیا ہے۔ وہ سب حفاظت کرنے والوں سے بہتر ہے سب لوگ دعا کرتے ہیں"

مہر محمد حسین قادری [illegible]

عالمگیر سے ملاقات اور صدارت مدرسہ محمودیہ | شہنشاہ عالمگیر جب گلبرگہ پہونچتے ہیں تو سب سے پہلے آپ کی تلاش کا حکم دیتے ہیں۔ اور آپ کا پتہ مل جاتا ہے۔ جب شہنشاہ کے آمد کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ سخت پریشان ہو کر گھر سے نکل پڑے راستہ میں ہی عالمگیر سے ملاقات ہوئی اور انہیں لگے کہ میرا مقام آپ کے قابل نہیں ہے عالمگیر آپ کو ساتھ لئے آئے اور کہا کہ آپ بیدر کا مقام قبول فرمائے۔ جہاں شاہی مدرسہ خالی ہے بنا براں شاہی اصرار پر آپ گلبرگہ سے بیدر آئے۔ عالمگیر نے بذریعہ فرامین حاکم بیدر کو اس کی اطلاع دی اور مدرسہ و خانقاہ کے مصارف کے لئے جاگیرات عطا فرمائے اور آپ کو "امام المدرسین" کا خطاب دیا۔ بیدر کے شاہی مدرسہ میں آپ کے علم و فضل کا چرچا ہوا اور دور دور سے طلباء علوم آتے اور کامیاب ہو کر جاتے تھے طلباء کے خواب و خور کا سارا انتظام مدرسہ کی جانب سے ہوا کرتا تھا۔

اس زمانہ کے کچھ حالات آپ کے فارسی خطوط سے ملتے ہیں۔ چنانچہ ایک خط کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

بادشاہ نے بہت مہربانی فرمائی اور بعض دینی مطالب فقیر نے عرض کئے جو منظور کئے گئے چنانچہ دو مفتی بیدر میں اور دوسرے دکنی صوبوں میں اور اسی طرح دوسرے مطالب بھی انشاء اللہ ملاقات پر ظاہر کئے جائیں گے بہلی کے تینوں بیل مع بہلی بانوں کے روانہ کریں جن کی بہت ضرورت ہے۔ حضرت والدہ صاحبہ مہربان سلمہا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں قدمبوسی پہونچا کر کہئے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ...... جب برسات ...... تب تک ممکن ...... حسب الحکم چونڈا کے باغات کے سفارشین انشاء اللہ تعالیٰ حاصل کر کے ...... اور بھائی حسین صاحب انشاء اللہ تعالیٰ خفیہ نویس مقرر کئے جائیں گے خاطر مبارک ہر طرح سے جمع رکھیں۔ ...... (خط زدہ حروف اصل خط میں مٹ گئے ہیں)

انتظامات جاگیر | ۱۰۹۸ھ میں عالمگیر نے گلبرگہ فتح کیا۔ اس کے بعد دس سال تک آپ

وبیدر کے شہرۂ آفاق جامعہ محمودیہ میں صدارت سے فیض پہنچاتے رہے۔ غالباً اسی زمانہ کا خط ہے جس میں کسی بزرگ کو لکھتے ہیں "غلام خاکسار محمد حسین عفی عنہ کا معروضہ یہ ہے کہ بھائی صاحب مرحوم نے لکھا تھا کہ ان کو بنگلوریہ جانا ضروری ہے۔ اس صورت میں آں قبلہ انجل میں تشریف رکھنا مناسب نہیں ہے بلکہ بنگلوریہ تشریف لے جائیں بنگلہ جو خاطر مبارک کو پسند ہوتا رہے۔ اُمید ہے بدروز کے لئے ان کا معروضہ قبول فرماکر تشریف لے جائیں گے اولیاں اگر وہاں نہ ملیں تو یہاں سے انشاء اللہ تعالیٰ روانہ کئے جائیں گے" ایک خط میں جاگیر کے انتظامات کے لئے اخوی پیر صاحب کو لکھتے ہیں ترجمہ خط کا خط ہو دعا کے بعد مطلب یہ ہے کہ بیل اور بھائی حسین صاحب کے کاغذ پہنچے جب پہنچ گئے ہے تو روپیہ کی بہت بہتر تدبیر کل اور شالی ہیں جس قدر جلد ہو سکے ہو جائیں البتہ ہزار۔ البتہ پانچ بیل خرید کریں فی الحال ایک بیل خرید کر سورد کی زمین کو جو افتادہ ہے جواری کی کاشت کے لئے اسی وقت سے تیار کریں اور سدیا وسورد کی زمین کو جنہوں نے شالی کاشت کی ہے شالی کے قطع کرتے ہی نیشکر کی کاشت کے لئے اسی وقت سے تیار کریں۔ ایک قطع زمین جسمیں بیگن کی کاشت کی ہے بیگن ختم ہونے کے بعد اس کو بھی نیشکر کے لئے تیار کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور دو قطعہ زمین جو باغ میں گاؤں کے نزدیک واقع ہے۔ اس کو بھی نیشکر کی کاشت کے لئے اسی وقت سے تیار کریں اور اسی وقت سے دو کھلگون بھینسے) کو کھاد لینے کے لئے نیشکر کی زمین کے اصلاح کے واسطے مقرر کریں تاکہ ہر روز صبح سے شام تک لیتے رہیں پھر اگر کھولگا جوان اور اچھا مل جائے تو خرید کریں بیل رکھولگہ ہیرالیور کے بازار میں بہت ملیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ البتہ خریدنے میں ملت نہ کریں اور زمینات کو تیار کرنے کا کام اسی وقت سے تیار کریں اور آج کا کل پہ نہ ڈالیں۔ کیونکہ آج کل کہتے ہوئے بہت سے سال گزر گئے اور کچھ نہ ہوا

اور یہاں زمین ہائے اگر ابھی چار ماہ بھی نہ ہوئے۔ باوجود اس کے پہلے چند سال خراب پڑی ہوئی تھی۔ اس سال دس بیگہ زمین نیشکر کے لئے اور دس بیگہ ہلدی کے لئے اور سورن ام رہندوا رتہ بوز وغیرہ کے لئے تیار کئے گئے۔ دبلہ کاکارکن تو تاکید کرکے جمع وخرچ باقی ماہ بماہ کا حساب لکھتے ہیں اور تم خود بھی لکھتے رہیں تاکہ معلوم ہوئے کہ بلغ سے کس قدر آمدنی ہوئی۔"

تاریخ احمدی میں جاگیر کا نام موضع ڈنٹور لکھا ہے یہ گلبرگہ میں واقع ہے۔ عالمگیر سے پہلے جو زمینات تھے وہ بالاگھاٹ میں تھے جیسا کہ خطوط بالا سے پتہ چلتا ہے۔

احتساب: گلستان نسب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بیدر کے صوبہ دار نے مکان کا دروازہ بند کرکے گانا شروع کیا اور عیش عشرت میں مشغول ہوا۔ اس کو معلوم تھا کہ خلاف شرع کام کرنے کی ممانعت اسی زمانہ میں تھی اس نے دروازہ پر احتیاطاً پہرہ بٹھا دیا تھا۔ مگر جب حضرت کو اطلاع ملی تو فوراً وہاں روانہ ہوئے اور صوبہ دار کے قریب پہونچکر کہنے لگے کہ توبہ کرو۔ صوبہ دار نے معذرت کرکے توبہ کیا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہ کریگا

مناظرہ: ایک مرتبہ ایک بدمذہب شخص بیدر آکر لوگوں سے مباحثہ کرنے لگا جس کے جواب سے سب عاجز ہوگئے۔ حضرت کو اطلاع ہوئی۔ حضرت اسے مناظرہ کرنے کے بعد ہی وہ اپنے فاسد عقائد سے توبہ کرکے صالح بن گیا۔

وفات: آپ ہر جمعہ کو وعظ فرماتے تھے لیکن ابتدا ر رمضان ۱۱۰۰ھ میں خلاف معمول عصر تک وعظ فرمایا اور علانیہ فرمایا کہ یہ میرا آخری وعظ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وفات کے چند روز پہلے سے آپ بہت خوش رہا کرتے تھے آخری روز بیوی بچوں سے الوداعی رخصت حاصل کی عمدہ کپڑے زیب تن فرمائے۔ تراویح سے پہلے سب لوگوں سے کہا کہ آج خطرہ ہے اکثر لوگ چلے گئے۔ معتقدین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز میں شریک رہی پہلے دوگانہ کے آخر میں عمارت پر بجلی گری جس کے صدمہ سے

مدرسہ کا ایک بڑا حصہ گر گیا۔ اور اسی کے صدمہ سے حضرت امام المدرسین مع رفقاء ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۰۸ھ کو شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن آپ کی [illegible] بارک نکالی گئی۔ عالت [illegible] آپ کے ہاتھ [illegible] یان تھی۔ آئینہ بیدر میں درج ہے کہ [illegible] شیخ عبداللہ صاحب [illegible] جو عالم فاضل تھے زندہ برآمد ہوئے۔ جن کو بادشاہ عالمگیر دیکھ کر بہت خوش [illegible] قاضی اور محتسب گلبرگہ مقرر کیا۔ [illegible] واقعات مملکت [illegible] ۱۵۰ میں مدرسے کے حالات مع حادثہ بجلی کا تذکرہ ہے [illegible] اعداد شمار [illegible] ساٹھ وغیرہ میں متعدد اختلافات ہیں۔ زندہ برآمد ہونے والوں میں ایک [illegible] کا اضافہ ہے۔ تاریخ کے ساتھ شب پنجشنبہ درج ہے۔

عالمگیر کا اظہار افسوس | عالمگیر کو [illegible] اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع دی تو بہت افسوس کیا اور کہا کہ "مرا از دکن تحفہ بدست آمدہ ہمیں یک ذات امام المدرسین بس است"

مزار | شہر پناہ سے باہر عالمگیر کی تیار کردہ خوبصورت ونادر "کالی مسجد" کے قریب شمالی جنوب ایک چوکھنڈی کے اندر چبوترہ پر آپ کا مزار ہے۔ چوکھنڈی کی دیواریں بدری پتھروں کی ہیں۔ مغربی سمت میں ایک کمان کی خانقاہ ہے۔ چوکھنڈی کی دیواروں کے پتھر بعض جگہ سے اکھڑ گئے ہیں۔ چبوترہ مزار پر حضرت کے پائیں میں نیم کا ایک تناور درخت ہے۔ متعدد قبور بھی پائیں میں ہیں۔ تدفین کا سلسلہ چوکھنڈی کے باہر اب بھی جاری ہے اطراف میں وسیع میدان ہے۔ طاعون کے زمانہ میں جھونپڑیاں ڈالی جاتی ہیں۔

عرس | ہر سال ۱۱ رمضان المبارک کو بوقت مغرب حضرت کا عرس بیدر میں ہوتا ہے افطار نماز مغرب ختم شریف مزار کے پاس اور دعوت طعام "احاطہ امام المدرسین" میں شہر کے اندر انجام پاتی ہے۔ عرس کی تقریب منجانب محل حضرت شاہ حسین صاحب حکیم مرحوم

انجام پاتی ہے۔ عرس کے لئے سرکار عالی نظام سے یومیہ مقرر ہے۔ مدرسہ محمدی مدراس
میں بھی اس تاریخ کو ختم قرآن مجید اور فاتحہ ہوتے ہیں۔

اولاد و اعزہ | بیدر میں شاہ سید [illegible] صاحب کی بیوی زندہ ہیں۔ [illegible] نرینہ نہیں ہے
ان کے برادر زادہ سید علی موسی رضا صاحب [illegible] مجلس [illegible] عدالت حیدرآباد
ہیں۔ بیدر میں حضرت کی اولاد [illegible] سکونت گزین ہیں حضرت کے ہم جد
اولاد میں مولوی رفیع الدین صاحب [illegible] مشہور ہیں ان کے
پاس اشیاء قدیمہ کا ذخیرہ اور مدراس [illegible] موجود ہے۔ ان کا معائنہ ہر خواہش مند
کرسکتا ہے۔ احاطہ مدراس [illegible] احاطہ [illegible] آباد ہیں ان کی آل کا بڑا سلسلہ ہے جن کے
اکثر افراد مدراس [illegible] کے لئے کبھی کبھی آتے ہیں۔

مکان و آثار | بیدر میں مدرسہ محمودیہ کے پیچھے ایک محلہ امام المدرسین کے نام سے
موسوم ہے۔ اسی میں حضرت کے قیام گاہ کا مکان اب تک موجود ہے۔ ایک مسجد
بھی ویران پڑی ہے۔ غربت و افلاس کے باعث اکثر مکانات ان کے اعزہ فروخت کرچکے
اس کے متصل ان کے چند اعزہ موجود ہیں ان کے مستعملہ چند اشیاء مدراس میں موجود ہیں۔

تصانیف | امام المدرسین کے اکثر تصانیف ان کے اولاد کی کم سنی کے باعث تلف ہوگئے
تاہم ان کے خاندان واقع مدراس میں ان کی جو کتابیں موجود ہیں ان کا صرف نام ذیل
میں درج کیا جاتا ہے:۔

(۱) عقاید فارسی۔ بزبان فارسی عقاید اسلام بیان کئے گئے ہیں۔ (۲) ازہار الفاتحہ
تشریح سورہ فاتحہ۔ تفسیر عربی میں لکھی ہے (۳) رسالہ در بیان علم معارف وحقایق تصوف
فارسی (۴) رسالہ رسم الخط قرآن مجید۔ فارسی (۵) کافی مختصر کافی۔ عربی۔ (۶) شرح عقاید
اسمعیل مدی۔ عربی (۷) رسالہ ربع مجیب عربی (۸) شرح عقاید عبداللہ یافعی۔
(۹) حاشیہ بر منہک۔ عربی (۱۰) رسالہ مناقب حضرت محبوب سبحانی (۱۱) تجیب الطیب

... دالی حضرت سید الانبیاء (۱۲) انتخاب متن ریاضی (۱۳) خلاصہ شرح مواقف
مقاصد (۱۴) ملا سعد الدین تفتازانی و جلال دوانی مع حاشیہ (۱۵) شرح عقاید
(۱۶) توحید وغیرہ وغیرہ۔

رقعات پر ایک نظر: جن خطوط کا ترجمہ مضمون ہذا میں درج کیا گیا ہے۔ ان کے اصل فارسی خطوط مولوی حاجی ... احمد ... صاحب ناظم مدرسہ محمدی اور کچھ شرف الدین عطا احمد صاحب کے پاس موجود ہیں۔ آخر الذکر کے منقول فارسی ... الکتب ... حیدرآباد میں ہیں۔

خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ "امام المدرسین" صرف مدرس ہی نہ تھے بلکہ ایک ماہر کاشتکار بھی تھے۔ اردو کے ... ملاحظہ ہوں کہ بے تکلف اردو الفاظ کھونگا دھیڑ، پلنگ، کہار، ہنڈی، ... ہلی، چچا صاحب وغیرہ وغیرہ مستعمل ہوئے ہیں۔

کتابیات: مضمون ہذا کے تحریر میں حسب ذیل کتب سے مدد لی گئی۔ (۱) تاریخ احمدی مؤلفہ احمد بن بدر الدولہ (۲) گلستان نسب مؤلفہ قادر عظیم خان (۳) نفحۃ العنبریہ مؤلفہ ... (۴) رقعات امام صاحب مدرس مرتبہ حاجی محمد بن عبد اللہ بن ناصر اللہ (۵) فہرست تصانیف خاندان مرتبہ عزیز الدین صاحب۔ (۶) روضۃ الاولیاء مولوی محمد زبیر ثانی (۷)۔ آئینہ بیدر مؤلفہ محمد سلطان صاحب (۸) روضہ قدسیاں مؤلفہ غلام محی الدین صاحب (۹) تاریخ النوائط مؤلفہ نواب عزیز جنگ (۱۰) سفرنامہ ابن بطوطہ (۱۱) واقعات مملکت بیجاپور مؤلفہ بشیر الدین احمد۔

---(ختم)---

شذرات

نقاب کشائی لوح مزار

خواجہ جہاں عماد الدین محمود گاواں

۲۳ خورداد روز یکشنبہ کی صبح میں خواجہ جہاں عماد الدین محمود گاواں وزیر سلاطین بہمنیہ و بانی مدرسہ محمودیہ کے لوح مزار کی نقاب کشائی عمل میں آئی۔ خواجہ جہاں کا مزار موضع گورنپلی میں بیدر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مزار مرحوم سے مدرسہ کی عمارت دکھائی دیتی ہے۔ اس تقریب میں عہدہ داران مقامی علاوہ تعمیرات و مدرسین تعلیمات وغیرہ موجود تھے۔ محمد عبدالسلام صاحب ناظر مدارس فوقانیہ بیدر نے قرأت قرآن مجید کی۔ سید محمد تقی صاحب صدر مہتمم تعمیرات و آبپاشی بیدر نے صراحت کے ساتھ تیاری کتبہ کا حال بیان کیا۔

محمد عبدالسلام ناظر تعلیمات نے صدر مہتمم صاحب تعمیرات کا شکریہ ادا کیا کہ لوح مزار کو انہوں نے خاموشی سے نصب نہیں کرایا بلکہ باشندگان بیدر کو اس یادگار تقریب میں حصہ لینے کا موقع دیا۔ خواجہ مرحوم میں اتنی خوبیاں جمع تھیں کہ آج وہ کسی فرد واحد میں تو کجا تمام باشندگان بیدر میں بھی مجتمع نہیں ہیں وہ تاجر تھا گاواں (ایران) سے نکلتے وقت اس کے پاس صرف ½۱۲ ہزار روپیہ تھے مگر آگے ترقی کرتے ہوئے وہ ملک التجار ہو گیا۔ وہ طبیب و جراح تھا۔ ریاضی اور انجینیری سے واقف تھا۔ مدبر و سپہ سالار تھا معلم و مصنف تھا خوشنویس و شاعر تھا۔ مقرر نے یہ حوالہ دیا کہ مولوی عزیز مرزا صاحب نے ۳۳ سال پہلے اس کی سیرۃ لکھی جو بیدر کے متعلق اردو ترجمہ تاریخ فرشتہ اور اردو مثنوی ترجمہ نل دمن کے بعد پہلی اردو تالیف ہے کتبہ بھی

ایک اجمالی تاریخ کا اظہار کرتا ہے جس میں بسم اللہ کے بعد وہ الفاظ ہیں جو شہادت کے وقت مرحوم کے زبان پر آئے تھے تاریخ بھی اس کے ہمعصر کی کہی ہوئی ہے۔ جس میں نام ادر درات اور سلاست سب موجود ہے۔ ع بے گنہ محمود گاوان شد شہید۔ ۸۸۶ھ عمر سنہ ولادت اور وفات درج ہے۔ مقام و تاریخ و اسباب شہادت بھی درج ہیں۔ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ کا نام نامی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کا نام مع تاریخ نصب بھی درج ہے۔ فقرا نے یہ استدعا کی کہ مزار کو آنے والے راستہ پر راہنما ستون بنایا جائے یہ توقع ظاہر کی کہ یہ لوح مزار ترمیم مدرسہ محمودیہ کا پیش خیمہ ہوگا۔

حاجی نواب ظہیر یار جنگ بہادر جو وزیر ممدوح کی طرح نعمت حج سے ممتاز ہیں۔ ایک مختصر خطبہ صدارت میں تمام امور پر تبصرہ کیا اور خشوع و خضوع سے اعلیٰ حضرت کے لئے دعا کی۔ حاضرین نے آمین کہی۔ لوح مزار سے لال غلاف صدر موصوف نے اٹھایا جو رنگ شہادت سے مشابہ تھا۔ فاتحہ و گل پوشی کے بعد قیمتی ناشتہ سے حاضرین کی تواضع ہوئی۔ کتبہ کی تعریف اور ایک وزیر اعظم کے دوسرے وزیر اعظم کے مزار پر نصب کتبہ کا ذکر کرتے ہوئے حاضرین رخصت ہوئے

نقل لوح مزار خواجہ محمود گاوان (بیدر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی نعمۃ الشہادۃ

بعہد میمنت مہد اعلیٰ حضرت ظل سبحانی مظفر الممالک نظام الدولہ نظام الملک سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ آصفجاہ سابع سلطان دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بحکم خاص سرکار عالی وقار۔ راجہ راجایان مہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ سرکشن پرشاد دام اقبالہ صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی پیشکار سلطنت آصفیہ حیدر آباد دکن صانہا اللہ عن الفتن۔ این لوح بر مزار مغفرت آثار حضرت مخدوم

جہانیان ملک التجار امیر الامرا خواجہ جہان عماد الدین محمود گاوان شہید وکیل السلطنت و وزیر اعظم سلطنت محمد آباد بیدر کہ پنجم صفر ۸۸۶ھ م ۱۴۸۱ء از سازش حاسدان جام شہادت نوشید (بہ ۱۳۴۷ھ م ۱۹۲۸ء نصب شدہ) مادہ تاریخ شہادت ... از ملاء ... ہمدانی ندیم و سوانح نگار خواجہ مغفور۔

ع بیگنہ محمود گاوان شد شہید
۸۸۶ھ

۷۸ عمر سال
۲۶ سال ... وزارت

... تاریخ نصب این لوح مزار ع دل ز کنار ریافتہ لوح مزار
۱۳۴۷ھ

... ایم عبد اللہ
گستہ دار سنگ ...

ہندوستان کے علماء کی آواز

اگر آپ ملکی اور مذہبی مسائل میں ہندوستان کے علماء کی متفقہ رائے لینا چاہتے ہیں تو جمیعتہ علماء ہند کا اخبار پڑھا کیجیے جس کا نام الجمیعتہ ہے۔ اور جو ہندوستان کی سب سے بڑی مذہبی جماعت جمیعتہ علماء ہند کا ترجمان ہے یہ اخبار دہلی سے ہفتہ میں دو بار نکلتا ہے۔ اور تمام مسائل مذہبیہ اور سیاسیہ پر نہایت متانت سے بحث کرتا ہے۔ اس اخبار کو حضرت ... مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمیعتہ علماء ہند اور مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمیعتہ علمائے ہند کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے قیمت سالانہ صرف چھ روپیہ ہے نمونہ طلب کرنے پر مفت بھیجا جاتا ہے۔

مینجر اخبار الجمیعتہ بازار بلیماران دہلی سے طلب کیجیے

شعرائے زبان اردو کا ماہوار رسالہ "مشاعرہ" اگر آپ کو اردو شعر و سخن سے ذوق یا اگر آپکو شاعری اور اس کے متعلقہ مضامین تنقید سوانح تذکرے تاریخ مشاعرہ سے دلچسپی ہے اگر آپ ایک ہی طرح میں تمام مشاہیر شعرا کا کلام ماہانہ دیکھنا چاہتے ہیں تو رسالہ مشاعرہ پڑھیئے۔ طباعت کتابت بہتر کاغذ عمدہ سالانہ (للعہ) نمونہ کا پرچہ (۱۰) پتہ دفتر رسالہ مشاعرہ پرانی حویلی حیدرآباد دکن۔

افسران سررشتۂ تعلیم کی طلبی پر یہ کتاب بطور نمونہ مفت ارسال ہوئی تا کہ بعد ملاحظہ اپنے سرکل کے مدارس کی لائبریریوں کے لئے اکٹھا آرڈر عنایت فرمائیں۔

اساتذہ کیلئے گراں بہا علمی تحفہ فن تعلیم کی تمام قدیم اور جدید معلومات کا عطر مجموعہ اساتذہ کیلئے چراغ ہدایت

جواہر التعلیم

تعلیم و تربیت کے تازہ اصول اور جدید قوانین فلسفہ اور نفسیات پر اردو زبان میں اپنی طرز کی بے نظیر کتاب ہے اس کتاب کو ملاحظہ فرما کر اکثر سخن سنج اور نکتہ رس اصحاب نے یہ رائے دی ہے کہ کہ آج تک اردو میں فن تعلیم پر جتنی بھی کتابیں شائع ہوئی ہے ان سب سے یہ کتاب احسن ہے در حقیقت ٹرینڈ اساتذہ کیلئے رفیق صادق اور ان ٹرینڈ معلمین کے لئے خضر راہ سے کم نہیں

رقم زدہ جناب ایم۔ سید غوث محی الدین صاحب

کونسلٹ ممبر میسور ٹیکسٹ بک کمیٹی۔ اڈیٹر روزنامہ الکلام۔ سابق معلم گورنمنٹ ٹریننگ سکول فار ٹیچرس بنگلور ڈپلومہ ہولڈر آف دی ٹیچرز کالج سیدا پیٹ مدارس و مصنف متعدد کتب تعلیمی

یہ کتاب اعلیٰ درجے کے چکنے کاغذ پر نہایت خوش خط نفیس و پاکیزہ چھپائی سے مزین ہے

انگلستان میں اس قسم کی کتاب ایک پونڈ سے کم قیمت پر نہیں ملتی در حقیقت اس کتاب میں ایک ایک بات لاکھ روپیوں کی موجود ہے اگر ہم اس کتاب کی قیمت ایک اشرفی رکھیں تو بھی کم ہے لیکن عام نفع رسانی کے خیال سے قیمت نہایت کم مقرر کیگئی ہے قیمت فی جلد آٹھ ایک روپیہ بارہ آنے سکہ عثمانیہ۔

پوری قیمت واپس۔ خریداری کے بعد اگر کتاب نہ پسند ہو تو ایک ہفتہ کے اندر بخوشی واپس کر کے قیمت واپس منگوا لیجئے گا۔

ملنے کا پتہ (۱) الکلام بک ایجنسی ۸ نیو مارکیٹ بنگلور سٹی۔
(۲) جناب مولوی سید عبد القادر صاحب تاجر کتب و مالک عظیم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد

اطلاع

صدارت عظمیٰ یعنے باب حکومت سرکار عالی نے بذریعہ نشان (۹۶۱)

مورخہ ۱۰ اسفندار فروردی ۱۳۳۷ف اعظم اسٹیم پریس کو از راہ قدر افزائی سایار پروری

گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر مقرر فرمایا ہے سرکار عالی کی اس قدر افزائی کا کا

مطبع کی جانب سے تہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد جناب جلیل القدر عہدہ داران

سررشتہ تعلیمات و صدر مدرسین و اساتذہ صاحبان مدارس خانگی و سرکاری کی

خدمت میں استدعا ہے کہ

حسب منشاء باب حکومت سرکار عالی امر متعلقہ سے ضروریات طباعت و جملہ

سامان تعلیمی و کتب درسی و فارمس وغیرہ کے آرڈر سے سرفراز فرما کر مطبع ہذا کی

افزائی فرمائیں گے

انشاءاللہ تعالیٰ یہ کارخانہ بھی اپنے معاملہ داروں سے بپابندی وعدہ اور

بہ اخذ اجرت اجبی نیز سچائی اور خوش معاملگی و خوبی کار سے اس کارخانہ کا

حقیقی راز ہے مالک و ملک کی خدمت گزاری میں کبھی دریغ نہ کرے گا۔

خاکسار

سید عبدالقادر

مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر و تاجر کتب چار مینار حیدرآباد دکن

۴۸۶

رج ان گ یم ۲۰۶۵ | [illegible] ح ۲۱

جلد پنجم

المعلم

ماہ شہریور ۱۳۳۸ف

محمد سجاد مرزا۔ ایم۔اے (کنٹب)

[illegible] اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

فرمان مبارک

شرف صدور لایا ہے کہ

بچوں کا قاعدہ شریکِ نصاب بنایا جائے

حضرت اقدس و اعلیٰ کے حکم محکم کی پوری پوری تعمیل

مدرس صاحبان بچوں کے قاعدہ کو جس میں ہمارے آقا و صاحبزادگان [illegible]

بلند اقبال کی شبیہ ہے اور جو جدید مگر مقبول اصولوں پر ترتیب دیا گیا ہے

رائج فرمائیں قیمت [illegible] جلد [illegible] تاجروں و مدارس کو کمیشن دیا جاتا ہے

ملنے کا پتہ

دی حیدرآباد بک ڈپو حیدرآباد دکن

عبد القادر تاجر کتب مالک اعظم اسٹیم پریس ایجوکیشنل پرنٹر گورنمنٹ چار مینار حیدرآباد دکن

مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد [illegible]

مولوی فضل محمد خان صاحب ناظم تعلیمات سرکار عالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین المعلم

تصویر مولوی خان فضل محمد خان صاحب ایم اے ناظم تعلیمات سرکار عالی

صدارت نامہ

مولوی علی اکبر صاحب صدر مہتمم تعلیمات بلدہ کی جد و جہد سے جن اساتذہ حیدرآباد کا یہ سالانہ جلسہ بتاریخ ۲۹ امرداد ۴۰ ف بمقام سابق سٹی کالج کے ہال میں جناب فضل محمد خان صاحب جدید ناظم تعلیمات کی صدارت میں کامیابی کیساتھ منعقد ہوا کارروائی کا آغاز نمائش تعلیمی کے افتتاح سے ہوا۔

ہال گو بلدہ کے اساتذہ سے پُر تھا لیکن شاید کوئی سمت ایسی نہ تھی جہاں کے

چند اساتذہ یا عہدیدار موجود نہوں حاضرین نے نہایت انہماک سے د
صدارت نامہ سنا جس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ عملی رنگ ر
اس کا ہر ایک جملہ عملی پہلو لئے ہوئے ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ناظران کرام
اپنے افسر اعلیٰ کے صدارت نامہ کو بغور پڑھیں گے۔ مظہرہ خیالات کے بموجب
چلینگے اور معائنہ کے وقت اظہار امتنان کا موقع دیں گے فقط۔

مدیر

میں انجمن اساتذہ کا بہت ہی شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھ سے اپنے سالانہ جلسے
کے صدارت کی درخواست کی۔ اس اہم رسم کی شرکت سے مجھے بڑی مسرت حاصل
ہوئی ہے وہ سالانہ رپورٹ جس کو ہم ابھی ابھی سن چکے ہیں بہت کچھ ترقی کا اظہار کرتی
ہے اور اس انجمن کے عہدہ دار وعمال اپنی کامیابی پر ہماری دلی مبارکباد کے مستحق ہیں
عملی کام | اس کانفرنس کے پروگرام سے یہ معلوم کرنا خصوصاً نہایت اطمینان بخش ہے کہ
انجمن عملی کام پر بھی اب کچھ توجہ دینے لگی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس انجمن کی سرگرمی جو طریقہ
ہائے تدریس کی ترقی کے مدنظر تشکیل پائی ہے علی العموم استادوں کو فائدہ پہنچائے گی۔
مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت محسوس ہوتی ہے کہ یہ قدم صحیح راستے پر اٹھایا گیا ہے مختلف
موضوعات کے لئے وہی کمیٹیوں کا تقرر خصوصاً جسمانی تربیت اور پیشے کی تعلیم کی غرض،
اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ انجمن ملک کی ضروریات سے پوری طرح باخبر ہے۔ میرے لئے
یہ بات حقیقی مسرت کی موجب ہے کہ انجمن سچے خلوص سے حقیقی کام انجام دے رہی ہے اور
یہ اساتذہ کی ایک ایسی انجمن نہیں ہے جس کے اراکین صرف سالانہ تقریروں کے سننے اور
قراردادوں کے منظور کرنے کے لئے جمع ہوتے ہوں میں امید کرتا ہوں کہ عملی پہلو پر اس
انجمن کی سرگرمیاں آئندہ زیادہ طاقت کیساتھ جاری رکھی اور وسیع کی جائیں گی۔
حیدرآبادی استاد کے فرائض۔ "حیدرآبادی استاد" اور "انجمن اساتذہ حیدرآباد" بڑے

عظیم الشان ۔۔۔ بڑے ناموں کی ذمہ داری بھی ہمیشہ بڑی ہوا کرتی ہے ۔ اور ان ناموں سے ا۔۔ ی دلوں میں بڑی بڑی امیدیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔ لہذا ہم فطرتاً آپ سے بڑی بڑی باتوں کی توقع رکھتے ہیں کیا آپ جانتے ہیں کہ حیدرآبادی اساتذہ سے کیا توقع کی جارہی ہے ؟ میرا خیال ہے کہ اس سوال کا نہایت ہی آسان جواب یہ ہے کہ استادوں سے حقیقی تعلیم کی توقع کی جارہی ہے ۔ یہ بالکل سچ ہے اگر تعلیم ایک ایسا وسیع مضمون ہے اور اس کے اتنے مناظر ہیں کہ میں ایک حد تک ہٹ کر اس کا جواب دینا پسند کروں گا اور ایسا کرتے ہوئے ان توقعات کو مدنظر رکھوں گا جنھیں آپ کے عظیم الشان نام نے میرے دل میں پیدا کردئے ہیں ۔ میرا جواب بہت سادہ ہے اور وہ یہ ہے ۔

"حیدرآباد توقع کرتا ہے کہ ہر استاد اپنا فرض ادا کرے گا" غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ یہی الفاظ دو بالکل مختلف نوع کے تاریخی موقعوں پر نفسی لمحات میں استعمال کئے جاچکے ہیں مگر یہ الفاظ اتنے سادہ اور اتنے موثر ہیں کہ ان تمام موقع پر ان کا استعمال ہوسکتا ہے جہاں عملاً اعلیٰ انسانی سعی کی ضرورت داعی ہوتی ہے ۔

اگر دنیا میں کوئی ایسا کام ہے جس کو اعلیٰ سعی کی ضرورت ہو تو وہ تدریس و تعلیم ہے ۔ کوئی قوم جتنی مہذب اور ترقی یافتہ ہوگی اتنا ہی زیادہ اس کو تعلیم اور اساتذہ پر اپنی توجہ مبذول کرنی ہوگی ۔ اصل یہ ہے کہ کوئی قوم جس قدر توجہ تعلیم و تدریس پر صرف کرتی ہے تہذیب کی راہ میں اتنی ہی زیادہ اس کی ترقی ظاہر ہوتی اور اسی لحاظ سے اقوام عالم میں اس کی جگہ متعین ہوتی ہے ۔ لہذا تدریس کا کام بنی نوع انسان کے لئے سب سے اہم ہے ۔

کیا ہم اپنا فرض ادا کررہے ہیں ؟ لوگ خوب واقف ہیں کہ کسی بڑے کام میں اپنے فرض کی ادائی بہت مشکل چیز ہے ۔ نتائج سے ساری انسانی سعی کی کامیابی و ناکامی کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر میں آپ کے آگے اپنی تدریس کے نتائج پیش کروں

اور اس کے بعد آپ سے سوال کروں کہ کہاں تک ہم نے اپنے فرض [illegible] میں کامیابی
حاصل کی ہے تو اس کا اندازہ آپ خود کر لیں گے۔ آپ مجھے معاف فرمائیے۔ یہ
کام پر عیب جویانہ انداز میں تنقید نہیں کرنا چاہتا بلکہ ہم استادوں کو ہمیشہ خوشی کے
ساتھ اپنے معائب کے اظہار کو سننا چاہئے علاوہ ازیں میں بھی تو آپ ہی میں سے
ایک ہوں۔ اب میں آپ سے ایک لمحے کے لئے اپنی تدریس کے نتائج پوچھنا چاہتا
ہوں ہم اپنے اپنے تعلیمی معہدات سے دنیا میں ایسے نوجوان بھیجتے رہتے ہیں جو
مختلف تعلیمی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ انہیں تعلیم دلانے سے اُن کے
والدین کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تعلیم عامہ کی نسبت عوام کے کیا خیالات ہیں جیسا کہ ہم سب
جانتے ہیں۔ ہر دل میں صرف ایک ہی اور سب پر حاوی خیال فرمانروا اور اکثر
اشخاص کی نظر میں صرف ایک ہی مقصد غائی ہے اور وہ تعلیم یافتوں کے پیشے میں جگہ
پاکر سرکاری یا خانگی دفتر میں اہلکاری حاصل کرنا ہے ہماری تعلیم کا یہی اول و آخر مدعا ہے

تعلیم کی قیمت اب اسی نظر سے دیکھئے کہ ہم کس حد تک کامیاب ہوئے؟ ایک متوسط
ذہن کے لڑکے کو میٹرک کامیاب کرنے میں گیارہ برس لگتے ہیں اس طویل تعلیمی
عرصے کو بسر کرنے کے بعد اس کی روزی کمانے کی کیا قابلیت ہے؟ ممالک محروسہ
میں اگر وہ کافی خوش نصیب بھی ہے تو گیارہ برس کی تربیت کے بعد وہ روزانہ
(عہ) روپیہ کمانے کے قابل ہوتا ہے اور بیس برس کی نوکری کے بعد یعنے ۳۱ برس کی
تربیت اور تجربے کے بعد وہ روزانہ دو روپیہ کما سکے گا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ [illegible]
مزدور بھی اس سے بہت کم تعلیم و تربیت میں روزانہ کما سکتا ہے ہماری درسگاہوں
کی پیداواروں کی یہ اقتصادی قیمت ہے ہندوستان کے اکثر حصوں میں ایک
گراجویٹ بھی ۳۰ روپیہ ماہوار پر مل سکتا ہے لہذا اقتصادی نقطہ نگاہ سے ہم نہیں
کہہ سکتے کہ ہم زیادہ کامیاب ثابت ہوئے۔

جسمانی حالت جسمانی نقطۂ نظر سے بھی ہماری کامیابی کچھ زیادہ بڑی نہیں ہے۔ کیا ہم جسمانی تربیت پر کافی توجہ دے رہے ہیں؟ کیا ہم ساری فکر کتابی تعلیم پر ہی صرف کرتے اور جسم کو اپنی آپ حفاظت کر لینے کی غرض سے چھوڑ نہیں دیتے؟ اکثر مدارس میں جسمانی ورزش کا انتظام محض رسماً دکھائی دیتا ہے۔ وہ جسمانی تربیت کو اتنی اہمیت نہیں دیتے جتنی دراصل دینی چاہیے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ جب تک کوئی لڑکا ایسا خوش نصیب نہ ہو کہ قدرت نے اس کو اچھے قوائے جسمانی عطا کر رکھے ہوں، اکثر مدارس کی جسمانی ورزش سے اس کو کچھ زیادہ مستفید ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ اس طرح تعمیر جسم کے معاملے میں ہم اپنے فرض سے غفلت برت رہے ہیں۔

سیرت سازی سے غفلت ہمارے فرض کا ایک اور حصہ ہے جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے اور جس کی جانب اکثر مدارس میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ یہ سیرت سازی ہے۔ چند ایک ہی ایسے معہدات ہیں جہاں اس خصوص میں چند مساعی ہوتی ہیں اور جہاں اس خیال سے بہت سی باتیں ترتیب دی جاتی ہیں کہ تشکیل سیرت کے لئے ضروری تربیت مل جائے مگر اکثر معہدات میں تعلیم کے اس پہلو پر بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ ہر روز میرے پاس بہت سے نوجوان تعلیم یافتہ روزانہ مدرسین یا منشیوں کی خدمت کے لئے آتے رہتے ہیں۔ اکثر مجھے بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہہ کر مایوس کرنا پڑتا ہے کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے جب کہ میں ان کی مایوسی پر ان سے ہمدردی رکھتا ہوں ان کی امداد کے لئے [illegible] تجویز بھی بیان کرتا ہوں کہ کوئی اور پیشہ کر لیں تو ہمیشہ وہ سوائے مدرسی یا منشی گری کے کسی اور پیشہ کو اختیار کرنے کی نا اہلیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس بات سے آپ کو حیرت ہوگی مگر یہ امر واقعہ ہے کہ بعض ایسے طیلسانین ہیں جو سالہا سال سے منشیوں یا مدرسوں کی جائداد [illegible] کی توقع میں بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں ابھی تک کسی اور کام کرنے کا میلان نہیں پیدا کر سکے ہیں کیوں

ہمارے نوجوان اس قدر بے دست و پا ہیں؟ بعض اوقات [illegible] ہندوستانی طریق تعلیم کی عیب جوئی کرنے لگتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہے ہمارے طریق تعلیم میں [illegible] کمی نہیں ہے اس طریقے کے تحت بہتر نمونے کے نوجوان پیدا کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ استاد اپنے فرائض انجام دیں۔

ملازمت کا شوق | ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے بے دست و پائی کے متعدد اسباب ہیں مگر صحیح تربیت سے اس کا علاج ممکن ہے میں اسی حد تک بحث کروں گا کہ مدرسین اس کا کس طرح علاج کر سکتے ہیں؟۔ اس رخ میں پہلا قدم تو یہ ہے کہ ہم اپنی راہ کی دشواریوں کو معلوم کریں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بے بسی کا سبب ہندوستان کا طریق تعلیم ہے۔ مگر ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ اس حصہ میں کسی اور چیز کی بہ نسبت عوام کی ذہنیت زیادہ ملامت کے قابل ہے گو یہ حیرت انگیز ہے مگر امر واقعہ ہے کہ جب ہندوستان میں کوئی چھوٹا لڑکا پہلے پہل مدرسے کو جاتا ہے تو اس کے والدین اسی وقت سے اس کی آئندہ کے سرکاری مرتبہ کے موہوم سے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ اپنے مستقبل کی نسبت اس لڑکے کے خیالات بھی اسی دائرہ میں گشت کرتے رہتے ہیں زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ ذہنیت معدوم ہے سارے ملکی حالات ایک حد تک اس افسوس ناک ذہنیت کی تشکیل کے باعث ہوئے ہیں۔ اس ملک میں تعلیم یافتہ اور شائستہ طبقات سرکاری ملازمت حاصل کرنے یا کسی نہ کسی قسم کا ادنیٰ کام [illegible] عام طور پر کوشش کرتے ہیں وہ بطور خود ایک طبقہ بنے ہوئے ہیں [illegible] اختیار کرتے ہیں جنھیں علمی پیشہ کہا جا سکتا ہے اور ان کے سوا کسی اور کام کا ان کو میلان ہی نہیں ہوتا۔ یہ اطمینان بخش صورت حالات نہیں ہے اگر ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس ذہنیت کو بدلنا اور خیال و عمل کی اس دوری سے باہر نکلنا چاہیے

کامیابی امتحانات کی اہمیت ہماری ذہنیت کی ایک اور خرابی یہ ہے کہ سیرت
کی تربیت سے زیادہ اہم امتحانات کی کامیابی اور ڈگریوں اور ڈپلوموں کا حصول
سمجھتے ہیں حقیقی تعلیم کا مطلب جسم دماغ اور کردار کی تربیت ہے۔ مگر اس خصوص میں
ہماری ذہنیت اتنی ناقص ہے کہ وہ شخص جس نے کوئی امتحان کامیاب کر لیا ہو
ہم اسی کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ اس کے مدرسی صفات یقیناً یہ بات ظاہر کرتے ہیں
کہ ایک خاص معیار تک اس کی ذہنی تربیت ہوئی ہے مگر زندگی کی حقیقی کشمکش
میں اس کی ساری استعدادیں معرض امتحان میں آتی ہیں یعنے اس کی قابلیت کار،
فرض سے اس کا انس، ماتحتوں برابروں اور اپنے افسروں سے اس کا برتاؤ
اس کی دیانت سچائی اور راست معاملگی اس کی وفاداری اس کا اشتراک عمل
اور دوسروں کا پاس و لحاظ غرض اس کی ساری جسمانی و دماغی استعدادیں اور
اس کی وہ قوت جو انسانوں اور معاملات کے ساتھ سابقہ پڑنے پر صداقت
و انصاف کے بہترین و اعلیٰ اصول سے اس کو وابستہ کر دیتی ہے اس دماغی
تعلیم کے زیر اثر یہ تمام چیزیں نہیں آسکتیں جو ہمارے مدارس میں دیجاتی ہے۔
جہانتک اس کا تعلق ہے وہ اچھی اور مفید ہے مگر جس حد تک اس کو آگے جانا
چاہیے تھا۔ وہاں تک نہیں پہونچی ہے علی العموم وہ غلط اصول پر چلتی رہتی ہے
اس واسطے یہ چیز رٹنے اور حافظہ میں ٹھوس لینے کو برداشت کر لیا جاتا بلکہ
اس کی حوصلہ افزائی کیجاتی ہے ہمیں اس رٹنے کی حوصلہ شکنی اور حقیقی دماغی
تربیت کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ ہی لڑکوں کے جسم اور
کردار کی تعمیر و تربیت پر زیادہ سے زیادہ ممکنہ فکر و توجہ صرف کرنی چاہیے
اوپر کہا جا چکا ہے کہ تقریباً تمام مدرسہ جانے والے لڑکے اپنے زمانہ تعلیم
میں اپنے مستقبلہ سرکاری مراتب کا خیال پکاتے رہتے ہیں۔ والدین بھی اس وقت کا

انتظار کرتے رہتے ہیں کہ لڑکے کوئی امتحان پاس کرلیں یا کوئی ڈگری پالیں تاکہ
باپ بیٹے ملکر مختلف دفاتر میں درخواستیں بھیج بھیج کر ملازمت تمنکاری کا نہایت ہی
خستگی آور کام شروع کردیں وہ دفاتر متعلقہ کو برابر جاتے آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ
ان کا مقصود دلی بر آجائے مگر ایک ملازم کی حیثیت سے بھی ایک نوجوان جس نے
امتحانات کے لئے تیاری کی ہے اور جس کی تمام استعدادیں ترقی اور تربیت
نہیں حاصل کرسکی ہیں کامیاب نہیں ثابت ہوتا اس کو ایک طرح کی ناقص
دماغی تعلیم ملی ہے اور اس کی فطرت کا عملی پہلو غیر تربیت و تعلیم یافتہ رہ گیا
ہے لہذا اس کا دماغ ہمیشہ غیر منہضم خیالات سے معمور اور دماغی سوئے ہضمی کا باعث
رہتا ہے۔ ایسا نوجوان علی العموم ایک طرح کے ناواجبی اہمیت کے احساس سے دبا جاتا ہے
وہ بے حد احساس ہوتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ سلوک بہت دشوار ہو جاتا ہے
اس کی ناقص تربیت کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اپنے تمام رفقا سے مقدم جانتا
اور ہمیشہ ناواجبی ترقی کے لئے چیختا چلاتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں تعامل کی
کمی رہ جاتی ہے اور وہ عام اسکیم اشیاء میں ٹھیک نہیں بیٹھ سکتا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں،
زندگی کا سارا کام علی العموم متفقہ کوشش پر مشتمل ہوتا ہے ہمیں ایک متفقہ کام میں ہاتھ
لگانے کی ضرورت ہے اور تمام افراد ایک کل کے پرزے ہیں نوجوان آدمی محض ایک
طرح کی ناقص ذہنی تعلیم کے ساتھ اور بقیہ استعدادوں کی ناتربیت یافتگی کی حالت میں
اس کل میں ٹھیک نہیں بیٹھتا اور ہمیشہ منبع دشواری بنا رہتا ہے۔ اس کا علاج ہوسکتا
اگر ہم اپنے طلبا کو ادبی اور نظری تعلیم دیتے ہوئے محض رٹ لینے کی حوصلہ شکنی
کریں اور حقیقی ذہنی تربیت کو اپنا مقصود ٹھیرائیں اور اس کے ساتھ ہی ان کی فطرت
کے عملی پہلو کو ترقی دینے کی کوشش کریں۔ اس سے پیشہ تعلیم و تدریس کی کثیر ذرائع
پر ضرور بڑی حد تک اثر پڑے گا مگر ایسا ہونا چاہئے اگر ہم آدمی نہ کہ منشی اور خواب دیکھنے

والے پیدا کرنا چاہتے ہیں جن کیلئے اس عملی دنیا میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔

دستکاری کی جانب میں آپ کی توجہ ایک اور اہم نقص کی جانب مبذول کرتا ہوں ہماری یا ہیں انگیز روش جو ہماری ذہنیت میں ہے یہ نام نہاد تعلیم یافتہ لوگ دستکاری کو بے عزتی تصور کرتے ہیں ہماری اجتماعی رسم و رواج نے بڑی حد تک اس غلط ذہنیت کی تشکیل میں مدد دی ہے تمام کام شریف ہیں، کوئی کام ذلیل نہیں۔ اس ذہنیت کو بھی بدلنا ہے اگر ہمارے مدارس سے مفید نوجوان پیدا ہونے ہیں۔

تعلیم میں جوش کی ضرورت حیدرآباد کے اساتذہ۔ اب آپ سب یہ سمجھے ہیں کہ کیوں میں نے اپنے خطبے کے ابتدائی حصے میں نصیحت کے پیرائے میں انہی الفاظ کا استعمال کیا تھا جو بہادر ملاحوں کے جوش کو اس وقت بھڑکانے کے لیے استعمال کئے جاتے تھے جب کہ وہ بڑی بڑی جنگوں میں حصہ لینے والے ہوں میرے اساتذہ کی دلیر جماعت تمہیں بھی ایک جنگ کرنی ہے۔

صدیوں کی جہالت اور تعصبات کے خلاف ایک زبردست جنگ کرنی ہے لازماً کشمکش بہت سخت، بہت طویل ہوگی لہٰذا تم اپنے دامن گردان لو اور ...میں کامیابی کے لیے حتی الامکان کوشش کرو مجھے بھروسہ ہے کہ بالآخر فتح تمہاری ...گی بشرطیکہ تم اپنا کام ایسے ولولے اور خلوص سے انجام دو جو تمہارے مقصد عظیم کے ...زاوار ہو۔ ہم موجودہ نسلی ساز عمل کو انسان ساز عمل میں اس وقت تک نہیں بدل ...تے جب تک کہ سخت جانفشانی نہ کریں پہلی ضروری شرط سرگرمی ہے ہم کبھی کامیاب ...ہو سکتے اگر ہم ترقی کا کام بے دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیں۔ یہ مشہور ہے کہ اس دنیا ...روزانہ کے استعمال کی معمولی چیزیں تیار کرنے کے لئے بھی بڑی محنت درکار ...ہے۔ لہٰذا یہ ایک معقول بات ہے کہ انسان سازی کے لئے ہمیں بڑی سے بڑی ...مساعی کی حاجت ہے اس واسطے کہ انسان خدائے تعالیٰ کی بہترین اعلیٰ

اشرف مخلوق ہے۔ اساتذہ صاحبان آپ انسان ساز ہیں اور آپ جو انسان تیار کریں گے وہی دنیا ساز ہوں گے۔ کوئی استاد اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنا کام جوش و سرگرمی سے نہیں شروع کرتا اور انسان سازی کے مشکل کام میں اپنے رگ و ریشہ کی محنت نہیں لگا دیتا۔ ایک استاد کی سرگرمی بڑی قابل تقلید ہوتی ہے اور بلاشبہ بڑی ہی نفع بخش۔ سرگرمی سے اس کام کا نصف حصہ ختم ہو جاتا ہے اور بقیہ اس کی تعلیم نگرانی ثبات اور مسلسل محنت کے ذریعے۔

تعلیم راہ زندگی سے نہ ہٹے کیا میں اب وہ باتیں پیش کر سکتا ہوں جو ہمارے نوجوانوں کی بے دست پائی کا علاج کر سکتی ہیں؟ جس طرح کہ معدہ ایک انسان کی صحت کو بحال رکھنے میں اہم حصہ لیتا ہے اسی طرح کسی ملک کے اقتصادی حالات اس کے باشندوں کی بہبود و انبساط کو معین کرنے میں اہم حصہ لیتے ہیں۔ نیز اگر کوئی متوسط ذہانت کا نوجوان ضروری تربیت کے بعد کسی پیشے کو اختیار کر کے اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے تو بڑے عناصر جو اس کی کامیابی میں مدد دیتے ہیں اس کی جسمانی حالت اور اس کا کردار ہوتے ہیں۔ لہذا ہمارے لڑکوں کی بیکاری کو دور کرنے اور انسانوں کی ایک کار آمد و خوش و خرم نسل پیدا کرنے کے لئے انھیں پڑھاتے ہوئے ہمیں ملک کے اقتصادی اور دیگر حالات زندگی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لہذا اس بات کی حاجت ہے کہ جو تعلیم ہم دیں وہ زندگی سے ہٹی ہوئی نہ ہو بلکہ یوں ہے کہ اس کو ان اصول پر چلنا چاہئے جو قوم کی زندگی کے متوازی ہوں ہمیں انسانوں کو تیار کرنا چاہئے عملی انسان جو زندگی کے تمام کار آمد کام کر سکیں اور نہ صرف وہ جو محض اپنا قلم چلانا یا زبان ہلانا جانتے ہوں یا خالی خولی خواب دیکھا کرتے ہوں اور اس طرح اپنے آپ اور دوسروں کو غمزدہ بنا رہے ہوں ہر طالب علم کی صورت میں ہمیں تعلیم کے عملی منظر کو پیش نظر رکھنا اور ہر لڑکے کو زندگی میں کسی

جس کام کے لئے تیار کرنا چاہئے یہ غرض درست راہ میں مخلصانہ مساعی اور والدین کے تعاون کو حاصل کرکے پوری کی جا سکتی ہے۔

ذہنیت بدلو | اگر تعلیم انسان کو محض ایک ہی کام یعنے منشی گری یا ادبی کام کے لئے بناتی ہے تو پھر وہ تعلیم بہت ہی ناقص ہے صحیح تربیت اور مناسب مواقع ملیں تو تعلیم یافتہ آدمی کا ہر جگہ اور ہر حالت میں کامیاب ہونا ضروری ہے۔ وہ ایسا صرف اس وقت کرے گا جب کہ اس کی تمام استعدادیں مناسب طور پر ترقی اور تربیت یافتہ ہوں۔ اگر ہم اپنے طلبا کی تمام استعدادوں کو ترقی دینا اور ان کے کردار کی تعمیر اپنا مقصود قرار دے لیں اور اس کے ساتھ ہی اگر ہم ان میں عمل کی طرف میلان پیدا کردیں تو وہ اتنے بے دست و پا نہ رہیں گے جتنے کہ اب ہیں بلکہ ہر ایک کوئی ایسا پیشہ اختیار کرلے گا جو اس کی طبیعت کے موافق ہو۔ یہ کرنے کے لئے ہم مدرسین کو پہلے اپنی ذہنیت اور نظریہ بدلنا ہوگا تاکہ ہم ایک ایسے موقف میں آجائیں کہ اپنی تدریس میں ضروری تغیر کرکے طلبہ کے مطمح نظر میں تبدیلی کرسکیں ہر مدرس کو اس مسئلہ پر خوب غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کو چاہئے کہ اس پر اپنے رفقائے کار اور اپنے بالادستوں کے ساتھ ہر قابل حصول موقع پر بحث کرے جب اس کو ہماری ذہنیت اور نقطۂ نگاہ کے نقص وعیب کا کامل یقین ہو جائیگا تو اس کی ساری فطرت بدل جائے گی۔ اگر وہ دراصل کوئی سرگرم پرجوش معلم ہے تو کمرۂ جماعت کے اندر اور باہر اس کے دماغ میں ہزاروں خیالات آنے لگیں گے اور وہ سینکڑوں تدبیریں اس مقصود متمنیٰ کے حصول کے لئے نکال سکے گا۔ کہ ہم اپنے طلبا کو نہ صرف درسی کتابیں محض چند امتحانات کامیاب کروانے کی غرض سے پڑھا دیں بلکہ ان کے جسم، دماغوں اور کرداروں کی ترقی و تربیت اور ان میں عملیت کا میلان پیدا کرکے انہیں انسان بنا دیں۔ ہمارے مدارس میں ہر چیز کی فراہمی پہلے ہی

ہے یا کی جا سکتی ہے یہ ہمارا کام ہے کہ پیش شدہ مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں
ہمارے مقصد کو کبھی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر اس کو کبھی نقصان پہنچے گا بھی تو وہ
قوت ایجاد کی کمی جوش و سرگرمی کی کمی اور مسلسل کوشش کی کمی کی وجہ سے پہنچے گا۔

ہماری راہ میں او رمشکلات بھی ہیں جو اس وجہ سے ہیں کہ انسانی زندگی میں
تخیل اور جذبہ کو بڑا دخل ہے۔ مگر زندگی کی درشت صداقتیں تمہارے اپنے اخلاص
کے ساتھ ملکر تمہاری ان تمام کمزوریوں کو دور کرنے اور تمام غلط ذہنیوں کو بدلنے
میں مدد دیں گے۔

جسمانی ورزش اور سیرت سازی

میں پھر جسمانی تربیت اور سیرت سازی کی طرف توجہ مبذول
کرانا چاہتا ہوں کیونکہ حقیقتاً یہ ہندوستان کی دو سب سے
بڑی ضروریات ہیں اور سچ یہ کہ دونوں ملحقہ موضوعات ہیں۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ
آپ کا فرض لڑکوں کو نصابی کتابیں پڑھا دینے اور انہیں چند امتحان پاس کرا دینے
کی حد تک ہے تو آپ بالکل غلط راستہ پر ہیں۔ یہ محض آپ کے فرض کا ایک حصہ ہے
اور پھر اگر آپ اپنے طلبا کی جسمانی تربیت کو محض اپنے ڈرل ماسٹروں پر چھوڑ رکھیں گے
تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ اپنے فرض سے پہلوتہی کر رہے ہیں۔ ہر مدرسہ کے
مدرسین کو باہم ملکر کھیلوں تفریحوں اور اسکوٹنگ کا انتظام کرنا اور جسمانی تربیت کے
عصری طریقوں کا رائج کرنا لازمی ہے۔ شاید آپ میں سے بعض یہ خیال کر رہے ہیں کہ
جبتک حکومت یا ادارہ آپ کے لئے کھیل کے میدان اور ضروری مواد نہ فراہم کرے
آپ ایسا نہیں کر سکتے مگر یہ بات آپ کو فراموش نہ کرنی چاہئے کہ آپ کے اپنے مدرسہ
میں آپ خود ہی حکومت یا ادارے کے نمایندہ ہیں۔ میں جو یہ کہہ رہا ہوں کہ آپکے
مقصد کو محض اختراعی قوت کی عدم موجودگی ہی سے نقصان پہنچ رہا ہے اس کا یہی
مطلب تھا۔ اگر کسی مدرسے کے استاد متانت کے ساتھ کام کریں تو وہ آسانی کے ساتھ

مشکلات پر غالب آسکتے ہیں محکمہ ہمیشہ ان کی رہنمائی اور امداد کے لئے موجود ہے۔
میں چاہتا ہوں کہ جسمانی ورزش پر آج کل جو توجہ دی جارہی ہے اس سے کہیں زیادہ
دی جائے۔ کھیلوں تفریحوں اور کشافیوں کا انتظام نہ صرف آپ کے طلبہ کی جسمانی
حالت میں ترقی دے گا بلکہ بڑی حد تک سیرت سازی میں بھی معاون و ممد ثابت
ہوگا۔ علاوہ ازیں ہر مدرسے کو چاہئے کہ جتنی زیادہ سرگرمیاں لڑکوں کو عملیت پسند بنانے
اور ان کی کردار سازی کے لئے فراہم کرسکتا ہو کرے۔

مدارس میں کھیلوں اور تفریحوں کے انتظام کے سلسلے میں مجھے یہ دکھانا [illegible]
ہے کہ ان سے جو فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں وہ بہت محدود ہوں گے اگر صحیح
نوعیت کی اسپرٹ نہ پیدا کی جائے۔ کھیل کی اسپرٹ کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ
کھیل کے میدان میں شرافت کی اسپرٹ کا اظہار ہو۔ کھیلوں اور تفریحوں میں بری
اسپرٹ کا ادنیٰ اظہار بھی مدرسے پر ایک بہت بڑا داغ ہوتا ہے اور اس بات
کو ثابت کرتا ہے کہ سیرت سازی میں مدرسہ فائدے سے زیادہ نقصان پہنچا رہا ہے۔

انضباط و تنظیم کا اثر دو اہم عناصر ہیں جو مدرسے کے لڑکوں کی سیرت پر بڑی قوت سے
اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ مدرسے کا انضباط اور اس کے اسٹاف کی تنظیم ہیں۔ اگر اطاعت
گزاری ٹھیک ہے تو لازماً طالب علم بڑے ہوکر منضبط اور قانون پرست نوجوان
بنیں گے ان میں ضبط نفس اور دیگر خصائل حمیدہ مناسب ترقی یافتہ ہوں گے
برخلاف اس کے برخلاف عمل ہو تو وہ فقدان عمل زہر کی طرح عمل کرتا اور لڑکوں کو
برباد کردیتا ہے علی ہذا مدرسین کا اسوہ بھی تلامذہ پر زبردست اثر ڈالتا ہے۔ یہ درست
ہے کہ قول سے فعل بہتر ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مدرس پڑھاتا کچھ ہے اور نظیر کچھ اور دیتا ہے تو
وہ نہ صرف اپنے شاگردوں کی نظروں میں ایک آلۂ تحقیر ہوگا بلکہ ان کو ناقابل
تلافی نقصان بھی پہنچائے گا۔ آپ ہمیشہ یہ دیکھیں گے کہ مدرس کی بات کا [illegible]

اور منہمک زندگی کی شریفانہ نظیر ان سب سے زیادہ طاقتور اثرات میں سے ہے جو شاگردوں کے خصایل کی مناسب تشکیل میں عمل کرتے ہیں۔

دستی اور پیشہ ورانہ تربیت:- اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہمارے لڑکوں میں علمی میلان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی دکھایا جا چکا ہے کہ ہاتھ سے کام کرنے کو ہم میں سے اکثر ذلت آمیز جانتے ہیں۔ اگر مدارس میں مناسب دستی اور پیشہ ورانہ تعلیم رائج کی جائے گی تو اس سے نہ صرف طلبا میں ایک علمی میلان پیدا کرنے کی غرض پوری ہوگی بلکہ ان کے دلوں سے یہ غلط خیال بھی نکال دے گی کہ دستی مشقت بموجب ذلت ہے۔ اس کام میں بھی ہمیں دراصل قوت آغاز و ایجاز، سرگرمی اور سعی مسلسل کی ضرورت ہے اس غرض کے لئے کوئی مدرسہ سعی کرے تو محکمہ اس کو بڑی مسرت سے دیکھے گا اور مقام متعلقہ کے حسب حال کسی دستی یا پیشہ ورانہ تعلیم کی ترویج میں رہنمائی اور امداد کے لئے تیار رہیگا یہ طمانیت بخش ہے کہ بعض مدرسین نے اپنے اپنے مدارس میں دستی یا پیشہ ورانہ تعلیم رائج کر رکھی ہے۔ یہ بڑے رہبر ہیں اور میں انہیں اپنی پیش خیالی اور ذہانت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ دنیائے ہند جلد جلد بدل رہی ہے اور اس خیال سے لوگوں کو زیادہ علمی بنانے کی کوشش ضروری ہے تاکہ وہ کشمکش حیات کے لئے بالکل مسلح و مجہز ہو جائیں۔

ہمیں چاہیئے کہ اس ریاست کو پیچھے نہ رہنے دیں۔ کام شروع کرنے کا وقت ابھی ہے اور آپ ہی وہ اشخاص ہیں جن کے ذمے یہ عظیم الشان کام ہے۔ آپ کی مشکلات بڑی ہیں مگر ان پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور حاصل کیا جانا چاہئے آپ کو پہلے اپنی ہی ذہنیت بدلنی ہوگی اور پھر اپنے تلامذہ کی اور ان کے ذریعہ بتدریج ساری قوم کی ذہنیت بدلنے میں آپ کامیاب ہوں گے۔

اتنی کافی کشتی گریاں نہیں کہ سب ان میں سما سکیں مگر اس وسیع دنیا میں

دوسرے پیشوں کے لئے کافی جگہ موجود ہے۔

تعلیم کو عملی رنگ دو | دستی یا پیشہ ورانہ تعلیم ہی وہ واحد طریقہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اپنے تلامذہ میں ہم عملیت کا ذوق پیدا کر سکیں مختلف موضوعات میں سیکڑوں اسباق موجود ہیں جنھیں آپ اپنے طلبار کو عملی تعلیم دینے کی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں۔ انجمن اساتذہ یہ کام اپنے اراکین کی بہتری کی خاطر اپنے ہاتھوں میں لے سکتی ہے۔ ان اسباق یا تقاریر کے انتظام کی غرض سے ایک سب کمیٹی بنائی جا سکتی ہے جنھیں تعلیم میں عملی پہلو پیدا کرنے کے طریقوں کی مصوری کی جائے۔

متوقع نتائج | اگر ہم اپنی مساعی میں کامیاب ہو جائیں تو پھر ہم ایسے اعلیٰ قسم کے نوجوان پیدا کرنے میں فائز المرام ہو جائیں گے جو عمدہ بدنی ساخت اور تربیت یافتہ دماغ سے مجہز کردار رکھنے والے صداقت پر [illegible] استقامت ازادمت بازار اور رواداری اشتراک عمل اور وفادارانہ حضریت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ یہ وہ آدمی ہوں گے جو کسی قسم کے ایماندارانہ اور مفید کام کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھینگے یہ وہ آدمی ہوں گے جو انسانی سرگرمی۔ سائنٹفک تحقیقات خدمت عامہ تجارت زراعت یا دیگر حرفتوں کے ہر میدان میں بامراد نکلیں گے اور یہ وہ آدمی ثابت ہوں گے جو ہر نوع اس ریاست کو زیادہ خوش و خرم اور زیادہ مالدار بنا دیں گے۔

فوراً شروع کرو | تعلیمی سال شروع ہو چکا ہے۔ موسم بدل گیا ہے موسم گرما کی تعطیلات سے آرام لیکر آپ سب تازہ دم واپس آ گئے ہیں۔ لہذا اب ان اصولوں پر جن کا اوپر ذکر ہوا آغاز کار کے لئے وقت بہت موزوں ہے۔ میں اسی سال سے اس امر پر نظر رکھونگا کہ مختلف سرگرمیوں کی تنظیم میں ہر مدرسے نے کتنی ترقی کی جب میں معائنہ کی غرض سے نکلونگا اور اسی سال میں ضرور دورہ کرونگا، تو ہر مدرسے کو لازماً اپنی کارگزاری کا حساب دینا ہوگا۔ ممالک محروسہ کے مدارس کو حقیقی تعلیم

کی اصولی درس گاہیں دیکھنا چاہتا ہوں نہ کہ محض ایسی کارگاہیں جہاں سے منشی اور خیالی پلاؤ پکانیوالے آدمی پیدا ہو رہے ہوں۔

تنظیم کی پہلی منزل آپ سب جانتے ہیں کہ محکمے کی توسیع کی پہلی منزل گذر چکی ہے اور اس کی تنظیم کا پہلا مرحلہ اب شروع ہو گیا۔ وہ لوگ جو محکمے میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں اس عمل جمیعت اور میرے مجوزہ اصول پر ترقی دینے میں اپنے آپ کو ممتاز کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس محکمے کی توسیع کی دوسری منزل جب آئے گی جب ہم اپنے موجودہ موقف میں تنظیم پیدا کرلیں گے اور ہمیں مزید رقم ملے جہاں جہاں اور جب کبھی ہمیں کچھ رقومات ملتی جائیں گی۔ اس وقت ہم خفیف سی وسعت دیتے رہیں گے مگر جن اصولوں پر ترقی کی تجویز میں نے کی ہے۔ انھیں ہمیشہ تنظیم و توسیع کے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے یہ بھی یاد رہے کہ مدارس میں ادبی تعلیم کا موجودہ معیار نہ صرف برقرار رہے بلکہ جتنا ہو سکے بلند کیا جائے مجھے یقین ہے کہ جسم و کردار کی تربیت کے لئے مختلف تنظیمی سرگرمیاں اس ضرب المثل کے مطابق ہے کہ "اچھے جسم میں اچھا دماغ ہوتا ہے" نہ صرف صلاحیت کار میں اضافہ کریں گی بلکہ لڑکوں کی ذہانت و ذکاوت کو بھی بڑھا دیں گی۔ وہ لڑکے جو جامعہ تک پہنچیں ہر حالت میں لڑکپن کے بہترین نمونہ ہوں تا کہ ہماری جامعہ کے طیلسانی دنیوی زندگی کی ہر اوش میں اپنے آپ کو لئے رہیں۔

اردو کی اہمیت جامعہ عثمانیہ کے قیام سے جو موجودہ ہندی جامعات میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے یہ کام ہمارے لئے آسان ہو گیا ہے۔ اس بات کے اثبات کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے کہ ہندوستان کی کسی اور جامعہ کی بہ نسبت جامعہ عثمانیہ میں انسانی قوت کے کمتر صرفے حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ذریعہ تعلیم ہندوستان کی وہ لنگوا فرانکا تمام زبان یعنے اردو زبان ہے؟

بلکہ ہندوستان کے سواحل سے پرے بھی بنی نوع انسان کی خدمتگذاری کرتی ہے
اردو زبان جو دراصل ہندی ہی ہے نہ صرف اکثر شرقی ممالک میں کارآمد ہے۔
بلکہ دنیا کے بعض ایسے دیگر حصص میں بھی مفید ہے جو برطانوی تعلق کی وجہ سے ہندستانیوں
کی دسترس میں ہے۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے اس واسطے کہ اردو نے یہ فائدے
بہت ہی قدرتی طریق پر حاصل کرلئے ہیں۔ یہ بہت ہی قریبی ہندو مسلم تعلقات سے
پیدا ہوئی تھی اور ہندو مسلم مشترکہ سہامت کی سرپرستی میں پل کر بڑی ہوئی۔
جب انگریز آئے تو بھی اس کی ترقی جاری رہی اس واسطے کہ ہندوستان
کے اکثر حصوں میں یہی زبان مافی الضمیر کے اظہار کا بہت ہی قدرتی اور آسان تر
ذریعہ تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد کے بعد سے اردو کی افادت بہت
بڑھ گئی کیوں کہ دنیا میں مشترکہ ہندی سہامت کی وجہ سے اردو انگریزی کے ہاتھ
میں ہاتھ دئے ہوئے ہندوستان کے سواحل سے پرے نکل گئی اور سارے کرۂ
ارضی کے سیکڑوں مقامات میں اردو بولی اور سنی جارہی ہے۔ بنی نوع انسان کے
لئے اردو کی مہتم بالشان خدمات ان دونوں تین بڑی نسلوں ہندوں مسلمانوں اور
انگریزوں کے اس اتحاد کا نتیجہ ہیں جو دراصل اس حیرتناک زبان کے لئے خدا کا عطیہ
ہے۔ اردو دکن اور ہندوستان کے دیگر حصص اور مرافقت و برادری کی فضا
میں پیدا ہوئی ہے۔ اس کی قوت جاذبیت وانضمام بھی اس کے ساتھ ہی پیدا
ہوئی ہے۔ اس قریبی موافقت میں اس کی یہ طاقت برقرار رہی یا بڑھ گئی وہ اس فضا
میں پل کر بڑھی ہے۔ یہ اس کی جانداری اور کامیابی کے اسرار میں سے ایک ہے۔
یہ اس کا ایک قدرتی عطیہ ہے جو اس کی پیدائش اور پرورش کے عجیب وغریب
حالات میں اس کو ملا ہے۔ لہذا اردو کا ایک عظیم الشان مستقبل ہے جب ایسی
زبان جامعہ عثمانیہ میں ذریعۂ تعلیم ہو تو اس جامعہ کا مستقبل بھی ضرور بہت عظیم الشان

ہوگا بشرطیکہ آپ اسے اساتذۂ حیدرآباد، اپنے تلامذہ کو جامعہ میں پہنچنے سے قبل
ہر اعتبار سے پوری تربیت دے لیں۔

انگریزی کی اہمیت اردو کو ذریعہ تعلیم کرنے سے آپ انگریزی زبان کی اہمیت کو
نہ بھلا دیں جس کے ہم بہت رہین منت ہیں۔ اس نے ہمارے لئے تمام علوم جدیدہ
کے عظیم الشان دروازے کھول رکھے ہیں اور بعض اغراض کے لئے تو یہ ساری
مہذب دنیا کی زبان ہے۔ چونکہ جامعہ عثمانیہ میں اردو ذریعہ تعلیم ہے
اس لئے آپ کو اس بات کی ضرورت اور بھی شدید ہے کہ انگریزی کی تعلیم پر زیادہ
توجہ دیں تاکہ اس اہم زبان میں ادبی معلومات کا مناسب معیار برقرار رہے۔
مجھے جامعہ اور دیگر ذرائع سے یہ شکایتیں وصول ہوئی ہیں کہ وہ لڑکے جو ہمارے
مدارس سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں وہ معیار سے گرے ہوتے ہیں۔ لہذا اس بات پر
بہت زور دیا جاتا ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں انگریزی پر بہت زیادہ توجہ کیجائے

حضرت اقدس و اعلیٰ کا شکریہ مدرسین حیدرآباد میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بیس برس
قبل اس تعلیمی سرگرمی کا جو آج کل یہاں ممالک محروسہ سرکار عالی میں دیکھی جارہی ہے
عشر عشیر بھی نہ تھا۔ یہ عظیم الشان ترقی کیونکر ہوئی، یہ سب کچھ حضرت اقدس و اعلیٰ کی
اس فراخدلانہ اور فیاضانہ دلچسپی کے طفیل میں ہوا ہے جو آپ کو آپ کی رعایا کے ساتھ
ہے حضور والا کی فیاضی و دوربینی نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ میں انجام پانے
والے کام کو حیرتناک معجزے کے طور پر صرف چند سالوں میں پورا کر دیا ہے ہم
سب حضرت اقدس اعلیٰ کے بے حد ممنون ہیں کہ اس تھوڑی سی مدت میں ہمارے
لئے ذات والا نے ایسے عظیم الشان تعلیمی معہدات فراہم فرمادئے۔ فقط

مدارس تحتانیہ اور اخلاقی تعلیم

یہ عام طور سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تعلیم کے تین مقاصد ہیں۔ تربیت جسم۔ تربیت ذہن۔ اور تربیت اخلاق کھیل کود اور ڈرل جمناسٹک سے جسمانی تربیت ہوتی ہے۔ بدن کا نشو نما ہوتا ہے۔ رگ پٹھے مضبوط ہوتے ہیں۔ دوران خون تیزی سے ہوتا ہے۔ ذہنی کام کی وجہ سے جو تکان پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ رفع ہو جاتی ہے۔ صحت برقرار رہتی ہے۔ کھانا اچھی طرح ہضم ہوتا ہے۔ ذہنی تربیت کے لئے نصاب مقرر ہے۔ مدرس کی کتابی اور زبانی تعلیم سے بچوں کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے غور و فکر کی مشق ہوتی ہے خیالات میں ترقی وسعت اور گہرائی پیدا ہوتی ہے تربیت اخلاق سے بچوں میں نیک اور مفید عادتیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ سلیقہ۔ صفائی۔ سچائی ادب و تعظیم سیکھتے ہیں۔

مدارس تحتانیہ میں عموماً ذہنی تربیت کی جانب زیادہ توجہ کی جاتی ہے۔ جسمانی تربیت پر اس سے کم۔ مگر تربیت اخلاق پر اس قدر کم توجہ کی جاتی ہے۔ کہ نہ کرنے کے برابر ہے۔ اگرچہ ذہنی قابلیت کے علاوہ دنیا میں اخلاقی ضرورت ہے۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ ہوگا کہ نیک سیرت کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر بہت کم مدرسین ہیں جو اس کی اہمیت سے واقف ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں دیکھتے ہیں کہ کوئی شئے ترتیب اور سلیقہ سے نہیں رکھی ہوئی ہے۔ کسی رکن خاندان کو سلیقہ سے لباس پہننا نہیں آتا ہے۔ ایک گاؤں کا گاؤں غلیظ ہوتا ہے۔ سرکاری اور خانگی معاملات میں دیانت داری بہت کم نظر آتی ہے۔ بدعہدی کا مرض عام ہے

وفاداری اور سچائی عنقا ہیں۔ تاہم وہ تربیت اخلاق طلبہ کی جانب توجہ نہیں کرتے آپ کسی مدرسہ تحتانیہ میں داخل ہوں تو آپ کے روبرو خرابی اخلاق کے قابل افسوس منظر پیش ہوتے ہیں۔ مدرس صاحب نہایت بے پروائی سے شملہ یا گوٹا باندھے ہوئے ہیں جس کا کوئی پیچ سیدھا نہیں سر کے بڑے بڑے بال شملہ کی بیچ کی خالی جگہ سے نکلے ہوئے ہیں ٹوپی ہے تو اسطرح پر کہ بال باہر نکلے پڑے ہیں۔ قمیص کا گریبان کھلا ہے۔ کوٹ ہے تو کھلے کالر کا ہے جس کے گریبان سے میلا قمیص نمودار ہے بٹن یا تو ہیں ہی نہیں یا ہیں تو بند نہیں ہیں۔ ایک جیب میں پان کی تھیلی اور چونیٹی ہے جس سے جیب پھول کر کپا ہوگئی ہے۔ دھوتی یا شیروانی کے دامن سے ناک صاف ہوتی رہتی ہے۔

یہ تو بعض مدرس صاحبان کی حالت ہوتی ہے۔ طلبہ کی حالت تو ان سے بدتر ہوتی ہے۔ مرہٹواڑی میں رواج ہے کہ جب تک ایک برہمن لڑکے کی مونج نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اسے دھوتی پہننے کو نہیں دیجاتی ہے۔ اس کی وجہ سے چھ چھ سال کے بچے بے دھوتی باندھے مدرسہ میں چلے آتے ہیں۔ کبھی ایک چندی باندھ لیتے ہیں۔ مگر اکثر اوقات یہ بھی نہیں ہوتی ہے۔ کرتوں یا قمیصوں کے بٹن شاید ہی کبھی ٹکے ہوئے ہوں۔ اگر ٹکے ہوں تو بند نہیں ہوتے گریبان کھلا رہتا ہے صبح کے وقت بچے منہ ہاتھ دھو کر نہیں آتے آنکھوں میں چیپڑ بھر ہوتے ہیں۔ ناک سے رینٹ نکلتی رہتی ہے۔ دہانہ کے دونوں کونوں پر رات کی نکلی ہوئی رال جمی رہتی ہے۔ دانت صاف نہیں ہوتے ہیں۔ ناخن بڑے بڑے اور میل سے بھرے ہوتے ہیں منہ پر مکھیاں بھنکتی رہتی ہیں۔ بعض اوقات اسی غلاظت کی وجہ سے بچوں کو خارش ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسی حالت میں مدرسہ چلے آتے ہیں نہ والدین انھیں گھر پر روکتے ہیں نہ اساتذہ صاحبان

اس مرض کو متعدی تصور کرتے ہیں۔

بچّوں کے جزدان اکثر میلے ہوتے ہیں۔ اور سیاہی کے داغوں سے تو شاید ہی کوئی بستہ محفوظ ہوگا۔ کا پیاں سلیقہ سے سلی ہوئی نہیں ہوتی ہیں پنسل کی لکیریں سیاہی کے دھبے۔ اور بعض اوقات سالن کے داغ بھی اُن پر پڑے ہوتے ہیں۔ جزدان میں کتب اور بیاضات ایسی بے پرواہی سے رکھی جاتی ہیں۔ کہ اوراق کے کونے مڑ جاتے ہیں۔ اس میں شکنیں پڑجاتی ہیں۔ کتب بھی سیاہی کے دھبوں سے پاک نہیں رہتیں۔ طلبہ موٹے بروکے قلم سے اپنے نام جابجا لکھدیتے ہیں۔

اشیاء کو ترتیب سے رکھنے کی جانب بھی بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ کسی بچے کا بستہ بنچ کے نیچے رکھا ہوتا ہے۔ کسی کا سامنے فرش پر۔ اگر اوپر ہے تو کسی کا دائیں جانب رکھا ہوا ہے۔ تو کسی کا بائیں جانب۔ بعض اوقات کاپی ایک طرف ہوتی ہے۔ تو کتاب ایک طرف دوات ایسی بے پرواہی سے رکھدی جاتی ہے۔ کہ خود صاحب دوات کو علم نہیں رہتا بے خبری میں ٹھوکر لگ جاتی ہے سیاہی بکھر جاتی ہے۔ اور فرش خراب ہوجاتا ہے۔

طلبہ کی نشست و برخاست میں بھی بہت کم ترتیب نظر آتی ہے کوئی بچہ دونوں پاؤں اٹھاکر بنچ پر بیٹھ جاتا ہے۔ کوئی ایک پاؤں اٹھاکر براجتا ہے حساب یا املا لکھتے وقت منہ پھیرنے کا کوئی طریقہ مقرر نہیں ہے بعض وقت آمنے سامنے منہ کرادئے جاتے ہیں۔ بعض وقت سب کے منہ ایک جانب کرائے جاتے ہیں بعض وقت طلبہ کو معلوم نہیں ہوتا کہ کدھر منہ کریں تو مدرس سر پکڑ پکڑ کر منہ پھرواتے ہیں حساب یا املا کے ختم پر سلیٹیں بہت بدسلیقگی سے فرش پر یا مدرس صاحب کی میز پر رکھتے ہیں۔ نہ آہستہ رکھتے ہیں اور نہ ترتیب سے۔

مدرس صاحب کی جانچ کے وقت اس قدر بے تابی کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر اسے قابو میں نہ رکھا جائے تو سلامتی طبع قائم رہنا ممکن نہیں۔ تبدیلی جماعت یا برخاست یا افتتاح مدرسہ کے وقت آتے جاتے ہیں ترتیب کا بہت کم خیال رکھتے ہیں بعض اوقات تو اس قدر شور کرتے ہیں۔ کہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

مدارس تحتانیہ کے طلباء کو ادب و تعظیم کی بہت کم اور ناقص تعلیم دیجاتی ہے۔ جب کوئی مدرس مدرسہ میں داخل ہوتا ہے تو بعض وقت تو طلبہ تعظیم کے لئے کھڑے بھی نہیں ہوتے اگر کھڑے ہوتے ہیں تو چپ نہیں رہتے بلکہ آداب آداب سے تمام جماعت کو سر پر اٹھا لیتے ہیں جب راستہ میں کہیں مدرس صاحب اور طلبہ دوچار ہو جاتے ہیں تو بچے بعض وقت تو تعظیم ہی نہیں کرتے کترا کر نکل جاتے ہیں بعض وقت پیشانی پر ہاتھ رکھے دوڑتے آتے ہیں۔ اور سامنے آکر زور سے آداب کہتے ہیں۔ میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ طلبہ مدرسہ باہر مدرس صاحبان کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے ہیں۔

مندرجۂ بالا ایسی اخلاقی خرابیاں ہیں کہ ان پر شدید توجہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تربیت اخلاق کا بہترین زمانہ وہ ہے جو بچے مدارس تحتانیہ میں گذارتے ہیں۔ اس وقت ان کے دل و دماغ نرم و نازک ہوتے ہیں یہی زمانہ قیام عادات کا ہوتا ہے۔ مدرس صاحبان کو اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہئے ورنہ زیادہ سن ہونے کے بعد تربیت اخلاق بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مدرسین صاحبان کی کوششیں اکثر اس وجہ سے بے اثر ہوتی ہیں کہ بچوں کے والدین تربیت اخلاق کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے بلکہ میں غالباً زیادہ غلطی پر نہ ہوں گا اگر یہ کہوں کہ اکثر والدین خود اپنے اخلاق کی درستی پر اس قدر توجہ نہیں کرتے ہیں جس قدر کہ ضرورت ہے۔ مگر والدین کی غفلت اور بداخلاقی سے مدرسین کو ہمت نہ ہارنا چاہئے

بلکہ مسلسل کوشش جاری رکھنا چاہئے۔ تربیت اخلاق سعی پیہم کے متقاضی ہے کیونکہ درستی اخلاق واقعتاً نیک عادتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ عادتیں ایک روز میں قائم نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ان کے لئے عرصہ دراز درکار ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ درمیان میں غفلت نہ ہوئی ہو ورنہ تمام محنت رائگاں جائیگی مشہور ماہر نفسیات جیمس نے قیام عادات اور اس میں خلل اندازی کو ایک تسبیح کے دانے پرونے سے تشبیہ دی ہے۔ جب تک تاگے کا سرا مضبوط پکڑے ہوئے دانے پروے جاتے ہیں اس وقت تک تسبیح تیار ہوتی رہتی ہے۔ مگر جہاں ھاتھ سے سر چھوٹا کہ تمام دانے بکھر جاتے ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت قیام عادات کی ہے مسلسل کوشش سے یہ قائم ہوتی ہیں مگر ایک مرتبہ کی غفلت سے ان پر بہت مضر اثر پڑتا ہے

سطور بالا سے یہ اثر ہوگا کہ مدارس تحتانیہ میں اخلاقی تربیت کی بہت ضرورت ہے۔ مگر مدرس صاحبان بہت کم توجہ کرتے ہیں تربیت اخلاق کے معنی قیام عادات ہے۔ عادتیں مسلسل کوشش سے قائم ہوتی ہیں۔ یہ کوشش شامل ہے ایک تو خود مدرس صاحبان کے اچھے نمونہ پر دوسرے مسلسل ہدایات پر۔ تیسرے متصل عمل پر۔ مدرس صاحبان کو خود ہر کام میں صداقت سلیقہ۔ تربیت۔ صفائی کو مد نظر رکھنا چاہئے ورنہ انکی ہدایات بالکل بیکار جائیں گی کیونکہ جب طلبا۔ یہ دیکھیں گے کہ جس بات کی ہدایت مدرس صاحب کر رہے ہیں۔ اس پر وہ خود عمل پیرا نہیں ہیں۔ تو وہ بدظن ہوجائیں گے۔ اور مدرس صاحب کی تنبیہ پر مطلق توجہ نہ کریں گے۔ دوسرے بلالحاظ اخلاق والدین وہمسائگان طلبا کو ہمیشہ امور اخلاق کے متعلق ہدایت کرتے رہنا چاہئے اور کبھی اس کوشش کو ترک نہ کرنا چاہئے۔ یہ ہدایات کبھی احکام کی صورت میں ہونگی اور کبھی قصہ اور کھانی کے پیرایہ میں دیجائینگی۔ گاہے دوران اسباق میں ان کی جانب توجہ مبذول کرائی جائیں گی۔ اور گاہے کسی دوسرے طالب علم

بتاکر اصلاح اخلاق کی ترغیب دی جائیگی۔ تیسرے صرف زبانی کہنا کافی نہیں ہے بلکہ طلبہ سے عمل کرایا جائے۔ طالب علم منہ دھوکر نہ آئیں تو باری باری سے ایک ایک دو دو طلبہ کو گھر یا پاس کے نل وغیرہ پر منہ دھونے کے لئے بھیجدیا جائے۔ بٹن نہ بند ہوں تو بند کرائے جائیں اس عمل میں سزا اور انعام سے مدد لی جاسکتی ہے۔ جو طلبہ ہدایات پر عمل نہ کریں انھیں مناسب سزا دیجائے جو ان پر عمل پیرا ہوں انھیں انعام دیا جائے یہ ضروری نہیں کہ یہ انعام قیمتی ہوں۔ بعض اوقات تعریف ہی انعام ہوتی ہے کبھی نمبر چڑھانا مفید ہوگا۔ گاہے تقسیم اسناد بھی نیک اخلاق طلبہ کی ترغیب اور تحریص کا باعث ہوگی۔ اخیر میں مختصراً عرض کیا جاتا ہے کہ مدرس صاحبان کو تربیت اخلاق میں کن امور پر زور دینا چاہئے۔

۱۔ صفائی۔ طلبہ گھر سے ہاتھ منہ دھوکر آئیں۔ لباس کیسا ہی ہو۔ مگر صاف ہو میل کچیل سے صاف ہو۔ اس پر داغ دھبے نہوں۔ بیاضات اور کتب اور جزدان پر سیاہی یا دوسری چیز کے داغ نہوں۔ عمارت مدرسہ میں تھوکنے کی سخت ممانعت کی جائے۔ مدرسہ کی دیواروں دروازوں وغیرہ پر چاک یا پنسل سے کچھ نہ لکھا جائے۔ عمارت مدرسہ یا بیت الخلا کی دیواروں پر اگر کوئی طالب علم کچھ لکھے تو سخت سزا دیجائے۔ کاغذ پھاڑکر فرش پر نہ بکھیرے جائیں بارش کے موسم میں کمرہ مدرسہ میں جوتوں کی کیچڑ جھاڑ کر آئیں۔ لکھتے وقت قلم سے سیاہی نہ چھڑکیں۔ پنسل کو منہ میں لیکر تر نکریں وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ سلیقہ و ترتیب۔ طلبہ مدرسہ میں داخل ہوں تو اپنی مقررہ نشست پر بیٹھیں۔ اگر ڈلیک موجود ہے تو دوات اوپر اس کے خانہ میں رکھیں۔ اور سوائے کتاب یا بیاض یا سلیٹ ضروری کے دوسری تمام چیزیں ڈلیک کے خانہ میں

رکھیں اگر بنچ پر جگہ ہے اور ڈیسک نہیں ہے تو اپنا بستہ بائیں جانب رکھیں اور دوات مقررہ جگہ پر رکھدیں بنچ پر اسی وقت رکھیں جب ان کی ضرورت ہو۔ پڑھتے وقت سیدھے کھڑے ہوں۔ کتاب کو آنکھوں سے ایک فٹ دور رکھیں لکھتے وقت ایک زانو بیٹھنا چاہیئے۔ حساب کرتے وقت کل جماعت کو دائیں جانب منہ کرلینا چاہیئے۔ کھڑے کرا کے جو سوالات حل کرائے جاتے ہیں۔ اور املا لکھایا جاتا ہے اسے ایک قلم موقوف کیا جائے۔ برخاست مدرسہ یا تبدیل جماعت کے وقت قطار باندھ کر جائیں۔ جب کوئی افسر یا مدرس داخل جماعت ہو تو ایک ساتھ چپ چاپ کھڑے ہو جائیں۔ منہ سے آداب یا سلام کہنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہاتھ اٹھانے کی چنداں ضرورت ہے البتہ مدرسہ سے باہر اگر مدرس صاحب یا کوئی بزرگ ملیں تو کھڑے ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر سلام کیا جائے۔ مدرس صاحب کو بیاضات یا سلیٹیں دیتے یا لیتے وقت اپنی باری کا خیال رکھا جائے اس وقت گڑبڑ نہ کیجائے۔ اگر ممکن ہو تو مسلم اور ہندو طلبہ کم از کم سرکار ایک قسم کا لباس رکھیں ہو کام کیا جائے خاموشی سے کیا جائے۔

صداقت | مدرس صاحب طلبہ سے غلط باتیں نہ کہیں جھوٹے وعدے نہ کریں جو بات کہیں سوچ سمجھکر کہیں اور اسے پوری کریں۔ بچوں کو کہانیوں کے ذریعے جھوٹ کے نقصانات اور سچ کے فوائد بتائیں۔ عوام میں جھوٹے عذرات کرنیکی عام عادت ہوتی ہے اور گاؤں کے باشندوں کے لئے جھوٹے وعدے کرلینا تو ایک معمولی بات ہے۔ یہ عادت بچپن ہی سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس خوئے بد کو مدرسہ میں روکنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس عادت کو پیدا ہونے سے روکنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ابتداً طلبہ جو عذرات پیش کریں۔ انھیں مان لیا جائے شدہ شدہ طلبہ کو محسوس ہوگا کہ وہ جو

سکھتے ہیں مدرس صاحب تسلیم کر لیتے ہیں تو جھوٹے عذرات کرنا بے سود ہے
رگجا ہو۔ ہیڈ ماسٹر ارنالڈ نے بھی یہی طریقہ اصلاح دروغ بیانی کا اختیار کیا تھا
کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اکثر طلبہ خوف کی وجہ سے جھوٹ بولتے ہیں۔

ادب و تعظیم | طلبہ کو اپنے والدین اور مدرسین اور دوسرے قابل تعظیم اصحاب کا ادب
کرنا چاہئے۔ جہاں کہیں یہ لوگ ملیں۔ بچوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے۔ اور ادب سے سلام
کرنا چاہئے۔ جماعت میں جب کوئی مدرس یا افسر تعلیمات داخل ہو تو طلبہ صرف ایک
ساتھ خاموش کھڑے ہو جائیں۔ زبان سے سلام کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کوئی
جلسہ میں شریک ہوں تو حسب مراتب بیٹھیں۔ آگے بڑھکر بیٹھنے کی کوشش نکریں
گھر پر والدین کے روبرو ہمیشہ ادب سے بیٹھیں۔

دیگر امور اخلاق کے متعلق میں ایک مرتبہ ضبط کے چند نقائص اور ان کی
اصلاح کے عنوان سے ایک مضمون لکھ چکا ہوں اگر مدرس صاحبان اس مضمون کے
ہمراہ اسے بھی پڑھ لیں تو مفید ہوگا۔

اطلاع

حالیہ احکامات کی بنا پر امتحان مڈل کے قواعد میں اہم تبدیلی ہوگئی ہے۔
سال آیندہ سے اس امتحان میں کامیابی عثمانیہ پر میٹرک یا فورتھ فارم
کی شرکت کیلئے ضروری ہوگی یہ امتحان انہیں کے لئے کارآمد ہوسکیگا جو مدارس لوکلفنڈ میں ملازمت کرنا چاہتے ہیں

اشتہار

اگر آپ ملکی اور مذہبی مسائل میں ہندوستان کے علماء کی متفقہ رائے لینا چاہتے ہیں
تو جمعیۃ علمائے ہند کا اخبار پڑھا کیجئے جس کا نام الجمعیۃ ہے اور ہندوستان کی سب سے بڑی
مذہبی جماعت جمعیۃ علماء ہند کا ترجمان ہے۔ یہ اخبار دہلی ہفتہ میں دوبار نکلتا ہے۔ اور تمام مسائل مذہبیہ و سیاسیہ
نہایت متانت سے بحث کرتا ہے۔ اس اخبار کو حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علمائے ہند
اور مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے قیمت سالانہ صرف چھ روپیہ ہے
نمونہ طلب کرنے پر مفت بھیجا جاتا ہے۔ منیجر اخبار الجمعیۃ بازار بلیماران دہلی سے طلب کیجئے

فرانس میں زرعی تعلیم

یہ مسئلہ ایک زمانہ سے ہندوستان کے ارباب حل وعقد کے پیش نظر ہے کہ ملک کے لئے زرعی اور فنی تعلیم کس درجہ ضروری ہے اور کن اصول پر اس کا رواج ہونا چاہئے۔ ماہرین فن شلاً میسور کے مسٹر ماتھن (جن کے اس مسئلہ سے متعلقہ مضمون کا ترجمہ اس رسالہ میں شایع ہوچکا ہے)۔ اور ہمارے حیدرآباد کے مولوی محمد حسین صاحب جعفری (جن کا مضمون ڈنمارک کے زرعی حالات کے متعلق ایک وسیع تحقیق اور مشاہدہ کا نتیجہ ہے) وغیرہ نے وقتاً فوقتاً فنی اور زرعی تعلیم کی اہمیت کو کافی طور پر واضح کرنے کی کوشش کی اور اس کے رواج کے لئے مختلف اصول بتلائے ہیں۔ یہ اصول کس حد تک ملک کے لئے مفید ہوسکتے ہیں اس پر بحث کرنا ابھی قبل از وقت ہے ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دنیا کے مختلف ترقی یافتہ اقوام نے زرعی اور فنی تعلیم سے متعلقہ مشکلات پر کیسے عبور حاصل کیا اور کن اصول کے تحت کام کر رہے ہیں کیونکہ ان کیفیات پر غور کرنا ہمارے لئے سبق آموز ہے۔ سب سے پہلے فرانس کی حالت ملاحظہ ہو۔ یہ سلطنت بھی لحاظ تمدن۔ دولت وثروت اور وسعت حکومت دنیا کے عظیم الشان دول میں شمار کیجاتی ہے اس ملک میں انگلستان کے برخلاف اور امریکہ وجرمنی کے مانند زراعت کو بھی اتنی ہی اہمیت حاصل ہے جتنی کہ صنعت وحرفت یا تجارت کو بلکہ فرانس کے اقتصادی جغرافیہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ زراعت یا زراعت سے متعلقہ صنعتوں کو دوسری ہر قسم کی صنعتوں پر ملک کے جغرافی خصوصیات کا لحاظ

کرتے ہوئے ہر وقت فوقیت حاصل رہی اور اس لئے اس ملک نے اپنے ہاں زرعی تعلیم کے رواج دینے میں کیا کیا مسائل حل کئے انکا بغور مطالعہ اہل ہند کے لئے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔

فرانس میں سب سے پہلے زرعی تعلیم کا مدارس ابتدائی اور مدارس تعلیم المعلمین کے نصاب میں داخل کئے جانے کا خیال ۱۸۶۵ء میں عمل کی شکل اختیار کرنا شروع کیا مگر تقریباً چھ برس تک کوئی ایسی قابل ذکر توجہ حکومت کی جانب سے اسطرف نہوئی البتہ ۱۸۷۱ء میں ایک قانون نافذ ہوا جسکی رو سے زراعت کی ابتدائی تعلیم مدارس کے نصاب میں داخل کیگئی۔ قانون نے یہ تو بتلا دیا کہ زراعت سے متعلقہ ابتدائی معلومات کا طلبہ کے لئے مہیا کرنا ہر مدرسہ پر لازم ہے مگر یہ نہ بتلایا کہ یہ معلومات کن اصول کی بنا پر اور کس نصاب کے ماتحت مہیا کئے جائیں جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مختلف مدارس کے زرعی تعلیم کے نصاب میں ہمرنگی اور یکسانیت باقی نہ رہی۔ ہر مدرسہ اپنے خود ساختہ اصولوں کی بنا پر من مانے طریقوں سے تعلیم دینے لگا۔ اس دور کے حالات کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ چند مدارس نے زرعی تعلیم کے یہ معنی سمجھے تھے کہ زراعت کے متعلقہ علوم و فنون سے خفیف سی سطحی اور علمی واقفیت پیدا کر دیجائے اور وقتاً فوقتاً زرعی رسالوں کے مضامین طلبہ کے سامنے پڑھ دیئے جائیں بعض مدارس نے اپنے ہاں یہ نصاب تجویز کیا تھا کہ زرعی معلومات کے متعلق "سوال وجواب" اور چھوٹی چھوٹی ابتدائی کتابیں لڑکوں کو یاد کرائیں۔ ایک تیسرا طریقہ یہ رائج تھا کہ طلبہ کو اساتذہ اپنے اپنے باغوں میں لیجاتے اور مختلف درختوں کو بتلاکر ان کی کاشت کے طریقے سمجھا دیتے کہیں کہیں یہ بھی ہوتا کہ طلبہ سے ہی باغبانی کا کام لیا جاتا اور بعض مدرسوں نے یہ بھی کیا کہ طلبہ کے لئے علٰحدہ علٰحدہ چھوٹے چھوٹے باغیچہ بنا دئے کہ وہ ان میں

کام کرکے عملی طور پر زرعی علوم و فنون سے واقفیت حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض طریقے بے سود اور مضر تھے مگر یہاں ان کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ ناکامیاب اور چند کامیاب ہونیوالے اصولوں پر جبتک کافی طور سے غور نہ کر لیا جائے اس وقت تک کامیاب اصول اندھیرے ہی میں رہتے ہیں۔

انیسویں صدی کے ختم تک فرانس میں زرعی تعلیم کا یہ عالم تھا کہ مدارس اندھوں کی طرح ٹٹول ٹٹول کر چلنا چاہتے اور کبھی مفید اور کبھی مضر طریقوں سے انھیں دوچار ہونا پڑتا تا ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے کچھ اہل فن بھیجے گئے کہ وہ فرانس کی زرعی تعلیم کے حالات کا مشاہدہ کرکے رپورٹ پیش کریں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "مختلف زرعی نصاب میں متعدد ترقیاں ہوئی ہیں اور طرز تعلیم کی اہمیت اور طریقوں سے ملک اب ایک گونہ زیادہ واقف ہو چلا ہے اور بظاہر نصاب کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خالص زراعتی تعلیم کے بجائے درسی کتابوں میں سائنس حفظان صحت۔ معاشیات خانگی۔ باغبانی۔ زراعت وغیرہ کے مضامین پر سبق موجود ہیں۔ اور سائنس کے نام سے جو نصاب کہ قائم ہوا ہے۔ اس میں مندرجہ صدر علوم و فنون کو اہم جگہ دیگئی ہے اور لازمی یہ قرار دیا گیا ہے کہ سائنس کی تعلیم میں ان امور کا خصوصیت سے لحاظ رکھا جائے جو دیہات کی روزانہ زندگی میں پیش آنے والے ہوں۔ علاوہ سرکاری تعلیمی اور آزمائشی باغات اور کھیتوں کے تقریباً ستانونے فی صدی اساتذہ کے ہاں ذاتی باغات موجود ہیں۔ چونکہ اسی فیصدی سے زیادہ معلم گاؤں والے ہیں اس لئے انہیں ان باغات سے بڑی دلچسپی ہے اور ان کا طرز تعلیم حقیقتاً مفید ہے۔ دہقانوں کی اولاد ہونے کے سبب سے یہ لوگ فطرتاً دہقانوں سے محبت اور ہمدردی رکھتے ہیں۔ اگرچہ کہ محکمۂ تعلیمات میں رہتے ہوئے انھیں متعدد زحمتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے مگر ان زحمتوں کے

باوجود بھی اس محکمہ کی ملازمت کا ترک نہ کرنا اسبات کی دلیل ہے کہ ان میں حب الوطنی کا قابل قدر جوہر موجود ہے اور بظاہر دیکھنے کو زرعی تعلیم سے ملک میں کہیں کہیں بے پروائی تو ضرور پائی جاتی ہے مگر مخالفت کسی طرح کی نہیں کی جاتی البتہ محکمہ جات تعلیمات اور زراعت ملک کی تعلیم کے مسئلہ میں متحد العمل نہیں۔

سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد تبدریج یہ کوشش شروع ہوئی کہ مدارس فوقانیہ اور کالجوں کے نصاب میں زرعی تعلیم داخل کی جائے مگر ابتدائً اس خیال کو کامیابی نصیب نہ ہوئی بلکہ اس کے بجائے ایسے ابتدائی مدارس میں جہاں کہ مدرسہ سے متعلقہ باغات اور کھیت وغیرہ موجود تھے زراعتی تعلیم بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہونے لگی۔ سب سے زیادہ دلچسپ کیفیت یہ نظر آئی کہ ابتدائی تعلیم کے اعلیٰ درسگاہوں یعنے مدارس وسطانیہ کے نصاب میں علم و فن زراعت کو خاص اہمیت دیجانے لگی۔ یہ امر اس لئے قابل لحاظ ہے کہ ابتدائی مدارس کے لئے جو معلمین ملک کے ہر گوشہ سے جمع ہوتے وہ انہی ثانویہ درس گاہوں میں تعلیم پائے ہوئے ہوتے اور اس لئے علم و فن زراعت سے کافی دلچسپی اور مہارت رکھتے۔ ان ثانویہ مدارس کے نصاب میں یہ لازمی قرار دیا گیا کہ طبعیات اور خصوصاً کیمیات کی تعلیم اس نہج پر ہو کہ اس سے علم و فن زراعت کے تحصیل میں خاص مدد لیجا سکے اور بعض مدارس میں آخری تین سال کی تعلیم کے لئے جماعتوں کو ادبی تعلیم صنعتی تعلیم اور زرعی تعلیم کے تین شعبوں پر تقسیم کر دیا گیا اور لیونگ سرٹیفکٹ کے امتحان میں فن زراعت کے متعلق تحریری پرچہ کے علاوہ عملی آزمائش بھی لازمی قرار دیگئی۔ یہ سرٹیفکٹ جس کو "بریویٹ" کہتے ہیں ایک ایسی سند ہے کہ جس کے بغیر مدارس ابتدائی اور مذہبی مدارس کی معلمی یا مدرسہ تعلیم المعلمین کی شرکت ناممکن سمجھی جاتی ہے۔

اضلاع کیلئے مدارس تعلیم المعلمین کے زرعی نصاب میں دستکاری طبیعیات

اور کیمیات بھی داخل کئے گئے۔ کچھ زمانہ تک یہ بھی ہوا کہ فن زراعت سے متعلق علمی کام سکھلانے کے لئے عام مدرسہ کی تعلیم ختم ہونے کے بعد طلبہ ایک سال کیلئے زرعی مدارس کو بھیجے جاتے مگر مصارف کے خیال سے بعد میں یہ طریق ترک کر دیا گیا پروفیسر اور علما زرعیات کے ہاتھوں علم و فن زراعت کی درسی تعلیم نے خوب خوب ترقیاں کیں مگر عملی تعلیم اسلئے ناقص رہی کہ سائنس اور زرعیات کے پروفیسرس باہم اتحاد عمل نہ پیدا کر سکے۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں مدارس ابتدائی کے صدر ناظم یعنی۔ ایم۔ پی۔ نے یہ تجویز پیش کی کہ تعلیم المعلمین کے ضلعواری ادارے قایم کئے جائیں اور ان میں سے بعض کو زرعی تعلیم کے لئے مخصوص کیا جائے مگر ان کی یہ تجویز کامیاب نہ ہوئی بلکہ سائنس کے پروفیسر اور نظمار زراعت کے درمیان اتحاد عمل نہونے سے طریق تعلیم کو نقصان پہونچتا رہا اور اس دوران میں عام تعلیمی فضا بد سے بدتر ہونی شروع ہوئی۔ دنیا کے دوسرے بڑے بڑے ملکوں کی طرح دیہی فرانس بھی شہری کشش کے مضر اثرات سے نہ بچ سکا اور زراعت کی زرخیزی کے باوجود بھی گاؤں والے دیہاتی زندگی ترک کرکے شہری زندگی اختیار کرنے سے باز نہ آسکے۔ اس کے علاوہ دوسری چیز جو دیہی مدارس (عام ہوں کہ فنی) کے طریقہ تعلیم میں حارج ہو رہی تھی وہ کل طلبہ کی ایکدم غیر حاضری فصل کٹنے اور میوہ جات کے توڑنے اور جمع کرنے کے زمانہ میں تمام دیہی آبادی ایک جا جمع ہو جاتی یعنی بچہ جوان۔ بوڑھے مرد اور عورت باہم ملکر کام کرتے اور طلبہ تعلیمی مشاغل میں منہمک رہتے اور مدارس میں حاضری دینے کے بجائے میوے چننے اور کھیت کاٹنے میں مصروف ہو جاتے ان وقت بے وقت کی غیر حاضری سے طرز تعلیم کو جو نقصان پہنچا وہ ظاہر ہے فصلوں کے تیار ہونے کے زمانے میں مدارس کو بند کر دینے یا طلبہ کو رخصت دیدیکی

ضرورت کو حکومت نے محسوس کیا اور بعضوں کا یہ خیال ہوا کہ بالکل مدارس کو بند رکھنے کے بجائے اوقات مدارس میں ایسی تبدیلیاں کی جائیں کہ ہر وقت اور ہر موسم میں طلبہ کچھ گھنٹے تعلیم حاصل کر سکیں اور تعلیمی عمر ۱۴۔۱۵ برس بلکہ ضرورت ہو تو اس سے بھی زیادہ کر دی جائے۔

مگر ملک کی فنی اور زرعی تعلیم کی اس وقت کیفیت یہ ہے کہ معمل آزمائش گاہیں اور نمونے کے کھیت اور باغات بہ نسبت سنہ ۱۹۰۰ء اب کہیں زیادہ ہیں۔ وہی اساتذہ اغراض تعلیم اور طلبہ دونوں سے خاص ہمدردی رکھتے ہیں اور یہی کیفیت "ماں باپ" کی ہے کیونکہ وہ بھی تو ایک زمانہ میں ان مدارس کے طالب علم رہ چکے ہیں۔ سائنس کی تعلیم میں زیادہ تر عملی اور خصوصی پیرایہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ آج سے تیس سال پہلے "تعلیمی ہوا خواہوں" (   ) تعطیلات یا مدرسہ کے سوا دوسرے اوقات میں اختیار کیجا سکتی تھیں مگر اب انھیں تعلیم کا ایک اہم اور عملی جزو سمجھا گیا ہے۔ "پرویٹ" کے زبانی امتحانوں میں ذہنی۔ ریاضی۔ زرعی معلومات کے سوالات پر بہ نسبت دوسرے علوم اور فنون سے متعلقہ سوالات کے بہت بہتر جوابات حاصل ہوتے ہیں۔ مدرسہ سے متعلقہ عجائب خانے تعلیم کے بڑے ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

ملک میں اثناتی ابتدائی مدارس کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور چونکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ قوم کے مزدور پیشہ افراد کو تعلیم دیجائے اس لئے ان کو نصاب کے ترتیب دینے میں کافی آزادی دیگئی ہے دہقانوں نے ان اداروں کا بڑی ہی گرمجوشی سے استقبال کیا اور ان کے اس خیر مقدم سے ملک کی علم دوست مزدور پیشہ افراد کے لئے برکات علم کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے کم آباد اضلاع میں تعلیم نسوان کا ایک نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ شادی شدہ اور خانہ داری کرنیوالی

خواتین کے لئے بھی باقاعدہ مدرسے قائم ہیں جن کے مصارف برداشت کرنے کے لئے حکومت ستر فیصدی سے اعانت کرتی ہے پندرہ سال سے زیادہ سن والی لڑکیوں کے لئے ان اضلاع میں باقاعدہ گشتی مدارس قائم ہیں جو تیرہ ضلعوں کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں مختلف مضامین میں تقریباً نو سو نصاب ایسے قائم کئے گئے ہیں کہ جو لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے مفید ثابت ہوں اور اس کی تعلیم ایسے ابتدائی درجہ کے معلمین کے ذمہ ہے جو پرایویٹ کا امتحان کامیاب ہوں۔ ان کے علاوہ دہقانوں کے پندرہ سال سے زیادہ سن رکھنے والے لڑکوں کے لئے بھی گشتی فن مدارس اور چالیس ایسے مدرسے قائم ہیں جو صرف موسم سرما میں کام کرتے ہیں یعنی جب کا ان لڑکوں کو کھیت باڑی اور باغات کے کام سے فرصت ہو۔

بہت سارے مدارس فوقانیہ کی تعلیم میں زرعی نصاب کو جگہ دی گئی ہے مگر سب سے اہم اور اثر پذیر اصلاح اس وقت مدارس تعلیم المعلمین کے نصاب میں کی جا رہی ہے اور جس عدم اتحاد عمل نے سنہ ۱۹۱۰ء کے انگریزی وفد کو متعجب کیا تھا اس نقص کے دفع کرنے میں اہل ملک کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور اب وزارت تعلیمات اور وزارت زراعت باہم متحد العمل کام کر رہے ہیں۔ یہ اتحاد العمل ایک ایسی کانفرنس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ جس میں محکمۂ تعلیمات اور محکمہ زراعت ہر ایک نے دو تجربہ کار انسپکٹر بھیجے کہ باہم مشورہ کرکے ان محکمہ جات کے متحد العمل کے ذرائع پر غور کریں۔ اس کانفرنس نے مختلف مدارس تعلیم المعلمین کے اساتذہ سے رائے مشورہ کرنے کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ ایک متحدہ زرعی اور عام تعلیم کا نصاب ترتیب دیا جائے اور امتحاناً چند مدارس تعلیم المعلمین میں جاری کئے جائیں۔ اس نئے پروگرام کے بعض کیفیات دلچسپی سے خالی نہیں سائنس کی تعلیم اس پروگرام کے بموجب خصوصی اور ابتدائی سے عملی تعلیم کو درسی تعلیم پر ترجیح دی گئی ہے۔ سائنس کے اساتذہ اور زرعیات کے اساتذہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنا

نصاب ایک دوسرے کو بتلاتے رہیں تاکہ ایک ہی مضمون پر دو مختلف طریقوں سے لکچر نہو ا کریں یا ان نصاب میں غیر معمولی تصادم نہو۔ ہر مدرسہ ایک یا زیادہ آزمائشی کھیت اور باغات اور معمل وغیرہ میں سا تمام باقاعدہ کام ہوا کرے تاکہ پہلے کی سی کیفیت نرہے جبکہ وقتاً فوقتاً دیوانہ وار مختلف کھیتوں ۔ باغوں یا معمل میں آکر سرسری طور پر طلبہ کو سمجھادیا جاتا ہے۔ آخری امتحان تحریری ہوا کرے اور ممتحن جماعت میں زراعیات کے ماہر فن بھی شامل رہیں یہ آزمائشی پروگرام بیس ضلعوں کیلئے تجویز کیا گیا ہے اس کے علاوہ ان اضلاع کے مہتمم تعلیمات اور مہتمم زراعت کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ ان اداروں کا متحدہ معائنہ کرتے رہیں تاکہ ان ہر دو محکمہ جات کے تعلیمی اتحاد عمل میں نقص نہ پیدا ہو

تعلیم کا نصب العین

دنیا کی تاریخ میں اسوقت تعداد نفوس ممالک عالم میں عارضی یا مستقل اثر ڈالنے یا قائم رکھنے کے اغراض کے لئے قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتی اور نہ آئندہ رکھیگی تاریخ دنیا جو کہ تقریباً دس ہزار برس پرانی ہے اس میں اسیرین۔ فونیشین یہ چینی۔ پرودین ہندی مصری۔ فارسی۔ یونانی۔ رومن۔ عرب۔ اور موجودہ یورپین اعلیٰ ترین تہذیبوں کے دور میں جنمیں جمہوریت و بادشاہت سبھی کے دور یکے بعد دیگرے دنیا نے تجربے کئے لیکن آج تک کبھی کسی دور میں عنان خیالات وسلطنت کثرت نفوس کے ہاتھ میں نہ رہی ہر دور میں سلطنت اقلیت کی اقلیت کے ہاتھ میں بہ تناسب ان کے اعلیٰ تر اخلاق اور قابلیت تنظیم کے ہمیشہ رہی ہے اور رہے گی عنان خیالات کے متعلق تو فطرت کا مظاہرہ عجیب تر ہے یہ دنیا کے ہر دور تہذیب میں چند گنتی کے نفوس کے ہاتھ میں رہی

اور لاانتہا کثرت نفوس انہیں معدودے چند اشخاص کی قوت دماغی کے تابع رہنے کے لئے ہمیشہ مجبور رہی اور اتبک ہے کسی کو دنیا کی اکثریت پیمبر ماننے پر مجبور ہو کر اس کی ہمیشہ ہمیش کے لئے مطیع ہوئی اور کسی کو اس نے فلسفی یا سائنس دان مانا اور اس کا اتباع اس کو کرنا پڑا۔ اس لئے یہ یاد رکھئے کہ کثرت نفوس کسی خیال کے قائم کرنے اور اس کو ترویج دینے کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی اقلیت کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اگر وہ اپنے اصول میں صحیح اور اپنے ذہن میں پکی ہو گی تو آخر میں کامیابی کا سہرا اسی کے سر رہتا فطرت کا اٹل قانون ہے جو کسی حالت میں ٹس سے مس نہیں ہو سکتا۔

حضرات! آج مشاہدہ کیجئے برطانیہ عظمیٰ کی آبادی بمقابلہ ان ممالک کی آبادی کے جن پر وہ ذہنی اور مادی ہر دو حیثیتوں سے غالب ہے وہ ان کی ۱/۲ فیصدی بھی نہیں ہے۔ ہندوستان کی تاریخ لیجئے آریائی اقوام جب وسط ایشیا سے یہاں آکر آباد ہوئے وہ بمقابلہ اس آبادی کے جو کہ یہاں پہلے سے موجود تھی کس قدر قلیل تھے پٹھان مغل جو ان کے بعد وسط ایشیا سے ممالک ہند کے طرف آئے اور ایسے وقت آئے جب ہندوستان کی تہذیب ایک بار اپنا اعلیٰ ترین نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر چکی تھی اور پھر دوبارہ انہوں نے دنیا کی تہذیب کے نادر ترقی کے نمونے پیش کئے جو اس وقت تک دنیا کو حیرت میں ڈالتے ہیں ان کی تعداد کیا تھی وہ آٹھ فیصدی نہیں بلکہ ۱/۸ فیصدی آبادی میں نہ تھے لیکن جس طرح کہ آج باشندگان برطانیہ عظمیٰ نے اپنے اعلیٰ تر اخلاق اور اپنی قابلیت تنظیم سے اپنے سے بیس گنا آبادی دنیا پر قوی ترین اثر قائم کیا ہے اسی طرح انہوں نے بھی کیا اس کا راز صرف قوت ارادی اور ثابت قدمی تھا اور ہے جس اقلیت میں جبتک یہ چیز باقی رہے گی اس وقت تک اس کا اکثریت پر غالب رہنا لازم ہے اور جہاں یہ دونوں چیزیں مفقود ہوں یاد رکھئے کہ اکثریت ہو یا اقلیت اس کے اثر کو چاہے کتنے ہی مصنوعی ہاڑ لگا کر عارضی طور سے قائم رکھا جائے

لیکن ان کا فنا ہو جانا لازم ہے

تعلیم کا نصب العین کیا ہونا چاہیئے اس کو سب سے پہلے مرحوم سر سید علیہ الرحمہ نے ہندیوں کے سامنے پیش کیا لیکن جیسا کہ تمام مغربی ایشیا کے ممالک میں یورپین تہذیب کا حشر ہوا وہی اس نصب العین کا ہوا جو سر سید علیہ الرحمہ نے بکمال دانائی اور دور بینی پیش کیا تھا۔ سر سید علیہ الرحمہ نے علیگڈھ کالج کے ہندو مسلمان نوجوانوں کے سامنے ایک عملی نصب العین پیش کر کے یہ تبلایا کہ وہ انگریزوں سے محبت اور ان کی عزت کرنا اپنا شیوہ قرار دیں اور تعلیم کے بعد جس شعبہ زندگی میں داخل ہوں وہاں اپنے آپ کو ویسا ہی محب ملک ہند قابل اعتبار قائم کرنے اور تنظیم پیدا کرنے والا ثابت کریں جیسا کہ ایک کیمبرج اور اکسفورڈ کا انگریز گریجویٹ اپنے آپ کو سچا محب ملک انگلستان ہر اس حصہ دنیا میں ثابت کرتا ہے۔ جہاں وہ اپنے امپائر کے نمایندے کی حیثیت سے جاتا ہے چاہے اسکی قسمت اس کو ریگستان افریقہ میں لے جاوے یا چمنستان ہمالیہ میں لیکن مثل مشہور ہے کہ بلی کو خواب میں چھیچڑے ہی نظر آتے ہیں اور بھوکے کو دو اور دو چار روٹیاں ہی معلوم ہوتی ہیں اس طرح سے سر سید علیہ الرحمہ کے دور ہندی کی فضا میں خود ان کے کالج سے اکثر طلبا علی الخصوص اور تمام ہندوستان کے نوجوانوں نے علی العموم اس کی صرف یہ تعبیر کی کہ ایک ہندی نوجوان کا نصب العین اس طرح سمجھا تا ہے کہ وہ ڈاڑھی کو باحتیاط روزانہ مونڈھے اعلیٰ ترین کاٹ کا سوٹ پہن لے بی اے ہو جائے اسپورٹس کو ذریعہ سائی حکامان انگریزی بنا کر سب انسپکٹری سے لیکر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹی پولس نائب تحصیلداری سے ڈپٹی کلکٹری کے اعلیٰ ترین عہدوں تک ترقی کرنیکے بعد انگلش کلب میں داخل ہو کر اپنی معراج کمال کو پہونچے ظاہر ہے کہ ایسی قوم جس کے نوجوانوں نے سر سید کے اعلیٰ ترین پیش کردہ نصب العین کی یہ گت بنائی اس کا سوا اس کے کیا حشر ہو سکتا تھا جو آپ کے سامنے ہے۔ جو نوجوان

مذکور الصدر ذرایع حصول معاش میں کامیاب ہو گئے ان کی زندگی اسی پھیر میں ختم ہو گئی۔ جو ناکام ہوئے وہ بحیثیت قومی لیڈر یا بعض اوقات بحیثیت معمولی مجرمیا رشوت خوری یا دغابازی اپنا ایک حصہ زندگی محبس میں بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ نہایت تھوڑی تعداد نوجوانان ہند نے سر سید علیہ الرحمہ کے پیش کردہ نصب العین کو صحیح طور پر سمجھا جن کی تعداد پر کالمعدوم کی مثال صادق آتی ہے۔ سر سید علیہ الرحمہ نے یہ چاہا تھا کہ ہندی نوجوان انگریزوں سے بھی محبت رکھیں اور ان کی عزت کریں۔ یہ دونو جذبات صحیح معنی میں ایک فرد کے دوسرے کی طرف یا ایک قوم کے دوسری قوم سے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ فرد یا قوم دوسرے کی نقالی کرنے لگے یا اسکی ذہنی غلامی پر فخر کرنے لگے۔ سر سید علیہ الرحمہ جو عزت و محبت نوجوانان ہند کے دل میں باشندگان انگلستان وکیمبرج و اکسفورڈ کے نوجوانوں کی قائم کرنا چاہتے تھے وہ وہ محبت اور عزت تھی جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہوتی ہے۔ اس کا اثر قوم میں نقالی کی بجائے یہ اثر ہونا چاہئے تھا کہ ہر ہندی نوجوان ہر شعبۂ زندگی میں جہاں کہیں کہ اس کو کام پڑے اس پر غور کرے کہ اگر میرے بجائے انگریز اپنے دیس میں اسی حالت میں ہوتا جہاں میں ہوں تو اس موقع پر کیا کرتا کیا بحیثیت طالب العلم یونیورسٹی کیا بحیثیت پبلک سرونٹ کیا بحیثیت تاجر کیا بحیثیت فلاح یا بحیثیت قومی پیشوا اسکی سچی محبت اور عزت کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ اپنی قوم اور ملک کے لئے اپنے اخلاق اور اپنی قابلیت کو بلحاظ اعلیٰ ترین قوم اپنے ملک اور قوم کی عزت دنیا میں قائم کرنے کے لئے ایسا ہی اعلیٰ ذریعہ بنتا جیسا کہ ہر ایک انگریز اپنے ملک و قوم کے لئے ہے۔

حضرات۔ میری رائے میں سر سید علیہ الرحمہ کے پیش کردہ نصب العین کی تشریح اسی طرح کی جاوے جیسا کہ میں نے اوپر پیش کیا ہے اور ہمارے نوجوانوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جاوے ان کے زمانہ طفولیت سے یہ تعلیم

مدارس دارالعلوم میں دی جاوے تو اس میں ہمارے ملک کی اعلیٰ ترین فلاح اور بہبود مضمر ہوگی اور نوجوان مسلمانان صرف اپنی ہی اقلیت کے لئے مایۂ ناز نہ ہونگے بلکہ تمام اہل ہند بلا امتیاز ملت و مذہب ان پر بجا ناز کر سکیں گے۔

حضرات مذکور الصدر اغراض کے حصول کے لئے مسلمان نوجوانوں کی تعلیم میں چند ضروریات کا ملحوظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

ان کی تعلیم ایسی ہو کہ دوسری پڑوسی اقوام کے ساتھ مل کر عملی تعمیری کا خدمت ملک کا جذبہ ان میں پیدا ہو۔ تمام مدارس میں بچوں کو قصوں اور تاریخی واقعات سے یہ تبلایا جاوے کہ کس طرح ہندو اور مسلمان دونوں نے ملکر صدیوں تک ملک کی ترقی میں دوش بدوش کامیابی کے ساتھ کام کیا اور کس طرح سے اب دوسری اقوام جنہوں نے ملک ہند کو اپنا وطن بنالیا ہے۔ ان کے ساتھ تعاون کر کے ملک کی ترقی ممکن ہے۔ یورپ کے ان ممالک کے واقعات تاریخی سے ان کو آگاہ کیا جاوے جہاں باوجودیکہ دیگر امور میں سخت ترین مخالفت ہونے کے مختلف طبقات آبادی ممالک یورپ نے اپنے اپنے ملکوں کے لئے کیا عظیم الشان کارنامے کئے عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں آپس میں اور عیسائی اور یہودیوں کے باوجود سخت ترین اختلاف مذہبی و اقتصادی کے تقریباً ہر ملک یورپ میں جملہ باشندگان ملک نے کیا کیا اس کا ہر جزو ہمارے نوجوانوں کے لئے اعلیٰ ترین مشعل ہدایت ہوگا سچی اسلامی فضا میں تعلیم دینے کے لئے مکاتب سے لیکر کالجوں تک جتنے مخصوص مسلمانوں کے امدادی مدارس قائم ہوں اتنا ہی بہتر ہے اس سے خیرات و زکوٰۃ کا صحیح مصرف ہوتا ہے لیکن یہ فضا خالص اسلامی ہونا چاہئے جس میں روا داری۔ پڑوسی کی امداد اور بنی نوع انسان سے سچی محبت کی تلقین سب سے اہم جزو ہونا چاہئیں وہ مدارس ہمیشہ دوسرے اقوام کے لئے اگر وہ اس میں شریک ہونا چاہیں

کھلے رہیں صرف یہی نہیں بلکہ اگر دوسرے اقوام کے قابل طلبار بذریعہ وظائف مل سکیں تو ان کو اس طرح سے اسلامی مدارس میں داخل ہونے کی ترغیب دیجاوے تاکہ مسلمان نوجوانوں کو دوسری اقوام کے اعلیٰ ترین دماغوں سے بروقت مقابلہ کا موقع رہے اور ان میں ذاتی صحیح جذبہ گوئے سبقت لے جانے کا شروع ہی سے پیدا ہوتا رہے باوجود اسلامی مدارس کے کثرت قیام کے میرے نزدیک مسلمان طلبہ کو قطع نظر ان دقتوں کے جو آئے دن انکو عام سرکاری مدارس میں پیش آتی رہتی ہیں ضرور بضرور ان سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دینا ازبس ضروری ہے۔ اُن مدارس سے مسلمانون کا پورا فائدہ نہ اٹھانے کے یہ معنی ہیں کہ جتنا ٹکس یا چندہ مسلمانو نکا ان میں صرف ہوتا ہے اس کے استفادہ سے مسلمان بالکل محروم رہ جاتے ہیں اور مسلمانوں کی سی غریب قوم کو دوگنا بار اپنے فرقہ داری مدارس کے قیام اور گورنمنٹ مدارس کے قیام کا اٹھانا پڑتا ہے اور صرف وہ نصف کی حد تک اس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ فرقہ واری مکتب یا مدارس سرکاری کی کوشش تعلیم کو صرف سپلیمنٹ کرنے کی غرض سے ہونا چاہئے اس امر کی کوشش ہمیشہ جاری رکھنا چاہیے کہ بذریعہ وظیفہ خانگی یا جس طرح سے بھی ہو گورنمنٹ مدارس سے مسلمان پورا پورا فائدہ ہمیشہ حاصل کرتے رہیں

جہانتک کہ مذہبی تعلیم کا تعلق ہے میری رائے میں حتیقدر ممکن ہو عبادات میں فرائض کے ساتھ ساتھ منہیات اہم کی طرف مسلمان طلبار کی توجہ احکام شرعی کے علاوہ دلائل مادی مسلم عالم تہذیب یافتہ کی طرف بھی دلائی جایا کرے مجرد عبادات میں طلبار کو فرائض بلا ان کے اصل غایت کے یاد کرا دینا یا کسی جزو کو حرام اور دوسری کو حلال قرار دینا ان کی قلبی اطمینان کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اس لئے تعلیم دینیات کو طلبار ازحد غیر دلچسپ مضمون تصور کرنے لگتے ہیں بخلاف اس کے اسلامی دینیات

اگر اپنی اصل شکل میں پیش کی جاوے تو انکشافات تمدن حاضرہ کے پیش نظر وہ ایک نہایت دلچسپ اور موجودہ علمی اصطلاح میں نہایت سائنٹیفک مضمون بن سکتا ہے یہی دیکھا جاتا ہے کہ معلمین دینیات اپنا تمام وقت عبادات کی تعلیم میں صرف کر دیتے ہیں حالانکہ اسلام میں معاملات کو عبادت سے کم درجہ نہیں دیا گیا۔ معاملات جن سے دنیا حاصل ہوتی ہے ان کے لئے خود خدائے عزوجل نے اپنے بندوں کی مجوزہ دعا میں آخرت کے حسنات کی طلب میں بلحاظ ترتیب سبقت دی ہے علاوہ اس کے اعلیٰ تعلیم دینیات میں دوسرے مذاہب کے اعلیٰ اصولوں کی طرف مسلمان طلبار کی توجہ مبذول کرا دینا ازبس ضروری ہے ان کو تقابلی مطالعہ مذاہب سے واقف کرا دینا اس نوبت تعلیم پر بے حد ضروری ہے۔

اسلامی مدارس میں بطور خاص اور دیگر تمام مدارس میں مسلمان طلبار کیلئے تعلیم جسمانی کا مسئلہ بھی ازحد اہم ہے میں اس بارہ میں ایک جزو کے خلاف آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ ممالک ہند کے اکثر حصوں میں اور خود آپ کے قرب و جوار میں اس امر کی کوشش بعض پیشوایان ملک کر رہے ہیں کہ ان کا فرقہ جسمانی ورزشوں کی طرف متوجہ ہو میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا مسلمانوں کو اس غلط تحریک سے محفوظ رکھے البتہ مسلمان میں قوت کے ساتھ انگریزی اور ہندوستانی اسپورٹس کا شوق پیدا کرنا اور جو کچھ ایسا موجود ہے اس کو قائم رکھنے کی کوشش ازبس ضروری ہے لیکن ان باتوں کا ہمیشہ اجتماعی شکل میں ہونا مناسب ہے۔ صرف جسمانی ورزش جس سے پہلوان یا اکھاڑے میں تلوار پھینکنے والے پیدا ہوں وہ سوائے اس کے کہ ملک میں فتنہ و فساد کے وقت بودے اور بزدل قسم کے جرائم پیدا کرے اور کوئی مفید ملک خدمت گذار پیدا نہیں کر سکتی البتہ ایسے اسپورٹس جن میں تازی دار مقابلہ اجتماعی کے ساتھ ساتھ اسپورٹنگ اسپرٹ نوجوانوں میں پیدا کریں ان کی ترویج مسلمانوں کے لئے ازبس ضروری ہے ایسے

ایسے اسپورٹسمین بہادری کے ساتھ ساتھ ملک میں بجائے بدامنی کے امن کا ذریعہ ہوں گے اور بجائے بودے پن سے کسی نہتے کو مارنے کی فکر کے بلا لحاظ مذہب و ملت مظلوم کی حفاظت کو ملک کی خدمت اور اپنی زندگی کا قابل فخر کارنامہ خیال کریں گے۔ مسلمان نوجوانوں میں اس قسم کی بہادری کا جذبہ ہو تو ملک کے لئے مفید۔ جسمانی ترقی اگر وہ اسپورٹنگ سپرٹ کے ساتھ ساتھ نہ ہو تو وہ انسان کو درندہ یا وحشی جانور سے زیادہ قریب تر کر دیتی ہے اور اسی مناسبت سے وہ انسانیت سے دور ہو جاتا ہے۔ اس کا آپ اگر چاہیں تو تقریباً روزانہ مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

تبصرہ

رسالہ ادبی دنیا کمبرے کی کانوں سے ہیرے اتنے نکلے کہ ہیرے کا بھاؤ گر گیا۔ لاہور سے اتنے رسالے نکلے کہ لوگ خریدتے خریدتے تنگ آ گئے۔ اب خریداروں کو گھیرنے کے لئے کسی جدت کی ضرورت تھی۔ وہ رسالہ ادبی دنیا نے اختیار کی۔ شایع ہوا۔ اور بڑی آن بان سے شائع ہوا۔ اور بقول آزاد مرحوم "بڑی دھوم دھام سے آیا۔ اور ایک نقارہ اس زور سے بجایا کہ سب کے کان گنگ کر دیئے۔ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا۔ مگر سب واہ واہ اور سبحان اللہ کرتے رہ گئے"۔

وہ نقارہ کیا ہے۔ رسالہ کے مقصد اشاعت کا اعلان ہے وہ وہ دعوے کئے ہیں کہ لوگوں کے دل ہل گئے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ جوش باقی بھی رہتا ہے یا دو دوھ کا ابال ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

مقاصد اشاعت بہت شاندار ہیں۔ آپ بھی یاد کر لیجئے اگر کوئی رسالہ نکالنا ہو تو کام آئینگے

- زبان تصنیفی اردو کو عام فہم بنایا جائے۔
- دوسری علمی زبانوں کے خزانوں سے اردو ادب کو سرمایہ دار بنایا جائے۔

۳۔ اردو انشا پردازی اور اردو شاعری پر آسان زبان میں تعلیمی مضامین کے ذریعہ نوجوانوں اور طلبہ میں صحیح ذوق ادبی پیدا کیا جائے۔

۴۔ (الف) اردو شاعری کو بہت سی غیر مذاقی پابندیوں سے آزاد کرکے آزاد زبانوں کی شاعرانہ خوبیوں کا اسمیں اضافہ کیا جائے۔

ب۔ موجودہ گرامر میں ضروری تغیر و تبدل کیا جائے۔

ج۔ دوسری زبانوں کے خوشگوار الفاظ اردو میں داخل کئے جائیں۔

کام بہت اہم ہے۔ مگر ضرور ہے۔ گا بھلا پنجاب کے اہل قلم کسی کام کا بیڑا اٹھائیں اور اسکو پورا کر نہ دکھائیں۔ تھوڑے ہی دن جاتے ہیں۔ کہ پرانی اردو کی جڑ بنیاد تک باقی نہ رہیگی اور اس کی جگہ پنجابی اردو کی عالیشان عمارت کھڑی ہو جائے گی۔ دلی اور لکھنو والوں سے کہدو کہ بڑھیا اپنے آسن باسن اٹھا۔ راجہ کا پرانا کوٹ گرتا ہے۔ نیا کوٹ کھڑا ہوتا ہے رسالہ کا دعوٰی ہے کہ موجودہ زبان کی جگہ سر عبدالقادر کے نئے اسکول کی زبان تمام دنیا میں اُبھر گی تو زبان اس سے پہلے بھی بدلی جا چکی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے یہ اختیارات بابل کو تباہ کرنے میں استعمال کئے تھے۔ اب وہی دعوی رسالہ ادبی دنیا نے کیا ہے کامیابی میں رتی برابر شک نہیں جب بابل میں کوڑی پیسہ لگائے بغیر یہ کام ہو گیا تو ایسے رسالہ سے کیوں نہ ہوگا۔ جو پانچہزار روپیے اس سال اپنی گرہ سے خرچ کر کے اردو کا یہ پرانا کھنڈر ڈھا رہا ہے۔

مقاصد بالا کو پیش نظر رکھکر ہم نے بھی اس کے مضامین کو دیکھا۔ ہم کو تو کوئی نئی بات نظر نہیں آئی۔

خیر۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

جتنے مضامین ہیں ان کا وہی رنگ ہے۔ جو دوسرے رسالوں میں ہے۔ نظم کا حصہ بھی کچھ ایسا نہیں ہے کہ لوگ میر اور مرزا کے کلام کو بھول کر ان نظموں کو دل میں جگہ دیں۔ دنیا کی بیسیوں زبانوں کے جواہر پارے اس رسالہ میں ضرور ہیں مگر جواہر کچھ جڑے ہوئے

ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں اپنے منتشر جواہر ریزے کچھ کر ل ہی کے زیادہ موزوں ہوتے ہیں
ایس اے بخشی اینڈ کمپنی نے بھی ایسے ہزاروں زرین اقوال ایک کتاب کی صورت میں شائع
کئے ہیں رسے کوئی۔ جو کہدے کہ میں نے وہ کتاب شوق سے پڑھی ہے اور اس کے کسی
قول کو اپنی کسی تحریر میں استعمال کیا ہے۔

اردو زبان میں دوسرے زبان کے خوشگوار الفاظ دیکھنے ہوں تو رسالے کے آخر
میں فرہنگ ملاحظہ فرمائی جائے بعض صورتوں میں تو یہ الفاظ باصرہ خراشی کی حد تک پہنچ گئے ہیں

دوسری زبان سے مضامین [illegible] خیالات لینے کے [illegible] بہت بڑا [illegible] رسالہ نے اپنے اوپر لے
ایڈیٹر صاحب کا خیال یہ ہے کہ اب بھی اردو ادب علمی اور فنی تحریرات سے خالی ہے اور اس میدان
میں جو کچھ کیا ہے وہ پنجاب کی ایک انجمن نے کیا ہے ممکن ہے کہ ان کا خیال اس سے زیادہ دور
نہ جا سکا۔ اور شاید حیدرآباد کے دارالترجمہ اور عثمانیہ یونیورسٹی کی اطلاع ان کو اب تک نہ ہوئی ہو
اور اگر ہوئی ہو تو وہ تجاہل عارفانہ برت گئے ہوں۔ خیر کچھ ہی کیوں نہ ہو ہم یہ ظاہر کر دینا
مناسب سمجھتے ہیں۔ رسالہ ادبی دنیا کو پانچ ہزار روپیہ سالانہ سے کچھ زیادہ نقصان اسکا تم میں
اٹھانا ہوگا۔ کیونکہ (تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ اس کام کے لئے حیدرآباد میں اٹھ رہے
ہیں [illegible] پھر بھی یہ حالت ہے کہ اس کی اطلاع لاہور تک نہیں پہونچی ہے۔

جس جدید اردو کو رائج کیا جا رہا ہے۔ اس کے چند نمونے ہم نے نقل کر کے رکھ لئے
ہیں کیونکہ اب اسی اردو سے واسطہ پڑ گیا۔ آپ بھی لکھ رکھئے تاکہ سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آ دیں۔

۱۔ آ۔ اے۔ دوست! ہم ان تمام مسرتوں سے بہرہ اندوز ہونگے۔ جو لبریز اور رنگیان
شجار وادیوں، پہاڑوں کھیتوں اور جنگلوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ص ۱۲

۲۔ خاص کر جرمنی اور فرانس کا یکجا ہونا۔ جو کچھ عرصہ پہلے معلوم ہوتا تھا بہت پر معنی تھا ص ۱۳

۳۔ ۔ن نے اپنا بایاں ہاتھ کپڑے کی ایک پٹی کے سہارے گلے میں لٹکا رکھا تھا۔ ص ۱۶

۴۔ ایک قسم کتنے مذبذب کے ساتھ ڈاکٹر نے مریض کا ہاتھ اپنی گرفت سے رہا کر دیا۔ ص ۱۷

۵۔ کیا یہ ایک دیانت دار آدمی کا کام ہے کہ وہ اپنی بیوی کی عدم موجودگی میں اس کے کسی نجی راز کو اس ذلیل طریقے سے طشت از بام کرنے کے درپے ہو جائے۔ ص ۲۱

۶۔ اس نے محسوس کیا کہ اس بوالہوس تکمیل کے راستے واقفیت میں لانے کے لیے اقدام کر دینا چاہیے۔ ص ۲۵

۷۔ مذہب کو ہر ایک امر کی پائیں گاہ (بیک گراونڈ) بنایا گیا ہے۔ ص ۲۵

۸۔ مسٹر انڈروز ہی ان دنوں اس کے کارساز تھے۔ ص ۲۶

۹۔ (........) کا جو ترجمہ کیا گیا ہے اس کو شاید ترحمہ کہتے ہیں ہر شخص تامل کرے گا۔ ص ۳۰

۱۰۔ لیکن آہ ایک ذلیل کتے کی مانند جو محبوس ہو تازی خانہ میں۔ ص ۳۹

۱۱۔ ... جو ایک وقت اس عبد خاک سے آزاد زندگی کی شعاع فردوس میں مستغرق تھا کس قدر ذلیل کن زجر و توبیخ جواب ہے میرے شعلہ تفاخر کا۔ ص ۴۴

۱۲۔ شیطان تلوار کو نیچے پھینکتا ہے اور والنٹین ایک گراہٹ کے ساتھ کرتا ہے۔ ص ۴۵

۱۳۔ تلیڈ و کے دفتر میں ایک قابل ذکر قلمی نسخہ ملا جس میں الفرد بادشاہ کے نوٹ ملے جو اس کے قلمی تھے جس کے مطابق گانے گائے جاتے تھے۔ ص ۵۸

۱۴۔ دفعتاً فرانسیسی فوج میں جنگ کی ہماہمی نمودار ہوئی۔ ص ۶۳

بزم تحقیق میں صرف پنجاب والوں کی غلطیاں بتائی گئی ہیں۔ اگر مقاصد رسالہ میں اصلاح زبان کو صرف پنجاب ہی تک محدود کر دیا جاتا تو ہمکو کچھ لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

نوعیت اور ترتیب مضامین کے لحاظ سے رسالہ اچھا اور بہت اچھا ہے واقفیت عامہ کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ رسالہ کی تقطیع بڑی ہے خط صاف اور پاکیزہ ہے سب سے زیادہ خوبی یہ ہے کاغذ بچانے کے لئے قلم کو اتنا باریک نہیں کیا ہے۔ کہ آنکھ پھوڑ ہو جائے تصویریں بھی اچھی ہیں خاصکر ڈاکٹر ٹیگور کی تصویر تو شیشے میں لگانے کے قابل ہے۔ ان تمام خوبیوں پر چندہ کچھ زیادہ نہیں تین روپیہ قیمت سالانہ اور ۲ ر محصولڈاک ہے۔ مینیجر رسالہ ادبی دنیا۔ لاہور سے ملسکتا ہے۔

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جسمیں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے
سیاسی مضامین شریک نہ کیے جائیں گے

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۱۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے انکی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۳ روپے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئیے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صہ ۸/	ہے ۸/
سہ بار	۸/ عسہ	للعہ	معہ ۸/
ششماہ	للعہ	۸/ عسہ	دعہ
سالانہ	دعہ	للعہ	۸/ عسہ

جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہئیے۔

دفتر رسالہ المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن

جلد پنجم

نمبر ۱۱

محمد سجاد مرزا۔ ایم۔اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

فرمان مبارک

شرف صدور لایا ہے کہ

بچوں کا قاعدہ شریک نصاب کیا جائے

حضرت اقدس و اعلیٰ کے حکم کی پوری پوری تعمیل ضروری ہے
بس صاحبان بچوں کے قاعدہ کو جسمیں ہمارے آقا و صاحبزادگان
بلند اقبال کی شبیہ ہے اور جو جدید مگر مقبول اصولوں پر ترتیب دیا گیا ہے
رائج فرمائیں قیمت فی جلد ۴ر۔ تاجروں و مدارس کو کمیشن دیا جاتا ہے

ملنے کا پتہ

دی حیدرآباد بک ڈپو حیدرآباد دکن

عبدالقادر تاجر کتب و مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پبلشر چارمینار حیدرآباد دکن

مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین المعلم

نمبر (۱۱)	ماہ مہر ۱۳۳۸ فصلی	جلد (۵)

زبان انگریزی کے تلفظ کے نقائص اور اُن کے دُور کرنیکی تدابیر

ایسے وقت جب کہ ہمارے مدارس ثانویہ میں انگریزی زبان کی تعلیم کی اصلاح کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور مدارس تحتانیہ میں ہی اس کی تعلیم کا انتظام درپیش ہے پروفیسر ریلال کا مضمون "زبان انگریزی کے تلفظ کے نقائص اور اُن کے دور کرنیکی تدابیر" جو مولوی ثناء اللہ شریف صاحب ایم اے (عثمانیہ) صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ ضلع بیٹھ نے بامحاورہ اُردو میں نہایت خوبی سے ترجمہ کیا ہے دلچسپ اہمیت اختیار کرلیتا ہے

ہمارا تجربہ ہے کہ انگریزی زبان کی تعلیم میں صحیح تلفظ اور لہجہ کا خیال نہیں رکھا جاتا جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلبہ اعلیٰ تعلیم کے بعد بھی صوتیاتی صحت کے ساتھ گفتگو نہیں کرسکتے اور اہل زبان کو ان کی بات جیت سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے طلبہ کی ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ دوران تعلیم میں اہل زبان سے ان کو واسطہ نہیں پڑتا دوسرے ان کے معلمین صوتیات کی کتابوں سے بالعموم متمتع نہیں ہوتے۔ پروفیسر دلال نے مندرجہ ذیل مضمون نہایت جستجو اور کئی مدرسین کے تجربوں سے فائدہ اٹھاکر تیار کیا ہے۔ ہمارے خیال میں ان کی تجاویز پر عمل کیا گیا تو خاطر خواہ نتیجہ نکلے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہی ان کے مضمون سے صحیح تلفظ اور لہجہ پر توجہ کرنے کی تحریک ہی پیدا ہوگئی تو اس ترجمہ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ آخر میں ہم مولوی ثناء اللہ شریف صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے خندہ پیشانی سے ترجمہ کے اہم کام کو اپنے ذمہ لیا اور اس کو بحسن و خوبی پورا کرکے اپنے کو جامعہ عثمانیہ کا سچا سپوت ثابت کر دکھایا۔

مدیر

غیر زبانوں کے سیکھنے میں ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو صحیح تلفظ کریں اور اس کی ادائی پر قابو رکھیں اب تک یہ اکثر تقلید کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ طلبہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے تلفظ سیکھیں، اور صحیح تلفظ سیکھنے میں اسا[تذہ] اُن کی احتیاط سے رہنمائی نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف ترقی یافتہ ممالک کے ہر شعبہ لسانیات میں صوتیات کی تعلیم کے لئے آسانیاں فراہم کی جاتی ہیں یعنے یہ کہ یہاں تجربہ خانے قائم کئے جاتے ہیں جن میں تجربہ کے لئے ضروری آلات موجود ہوتے ہیں اور تربیت یافتہ اساتذہ کی جماعت مقرر ہوتی ہے جن کا فریضہ ہے کہ وہ طلبہ کو زبان کے لکھنے اور بولنے کی مکمل اور اچھی مشق کروائیں۔ جو طلبہ اس طریقے سے تعلیم حاصل کرتے ہیں انہیں کو زبان کے سکھانے کی اجازت دی جاتی ہے۔

صحیح تلفظ کے اہم لوازم بہ اختصار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) صحیح آوازوں کا سننا مفرد اور مرکب دونوں حالتوں میں۔

(۲) صحیح آوازیں نکالنا اور مناسب مقام پر ان کو ادا کرنا۔

(۳) الفاظ یا ان کے اجزا پر مناسب زور دینا اور تلفظ میں طوالت اور صحیح لہجہ کا خیال رکھنا۔

(۴) روانی کے ساتھ بولنا۔

(۱) آوازوں کا صحیح احساس انہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جن کا حاسۂ سماعت تربیت یافتہ ہو۔ چنانچہ ایسی مشقیں جن سے سماعت کی تربیت ہوتی ہو نہایت ضروری ہیں۔ صحیح سننا صحیح بولنے سے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ ان دونوں چیزوں کے لئے گہری توجہ درکار ہے اور دونوں کی ترقی کا مدار سرگرمی اور محنت پر ہے۔ مبتدی کو آوازوں کے سننے کی کافی مشق کروانی چاہیے۔ اس کی سماعت کو اتنی تربیت دینی چاہیئے کہ وہ انگریزی کی اہم آوازیں پہچان لے سکے۔ ہندوستان میں طلبہ سے ایسی سماعی مشقیں افسوس ہے کہ کروائی نہیں جاتیں۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں کوئی کلام نہیں۔ انہی ضروری مشقوں کا نہ کروایا جانا ہی غالباً ہندوستانی طلبہ کے اکثر تقریری نقائص کا ذمہ دار ہے۔

(۲) صحیح آوازوں کی تجوید کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ آلات صوتی (Vocal organs) سے واقفیت پیدا کی جائے۔ ہر معلم انگریزی کو ایسے خاکے کھینچنے میں کافی مشق ہونی چاہیئے جو دوران تجوید میں زبان، ہونٹوں اور دانتوں کی حالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے وہ اس قابل ہو کہ صحیح آواز کو غلط آواز سے متمیز کر سکے اور اپنی زبان سے [illegible] ان کو ادا کر سکے۔ جب تک یہ اوصاف اس میں پیدا نہ ہوں وہ اپنے طلبہ کے [illegible] دور نہیں کر سکتا۔

(۳) الفاظ اور ان کے اجزاء پر صحیح زور (Stress) اور (length) طوالت

وصحیح لہجہ (Intonation) کا استعمال صاف اور شیریں گفتار کے لئے نہایت ضروری ہے۔ شیریں گفتار اپنے میں ایک جادو رکھتی ہے جو سامعین کو ہمہ تن گوش بنادیتی ہے۔ ایک انگریز کا لہجہ ہمارے لہجہ سے بہت کچھ مختلف ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو مدارس میں انگریزی لہجہ کی کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں دی گئی۔

(۴) آخری چیز "روانی" (Fluency) ہے۔ تلفظ کے مندرجۂ بالا تینوں مدارج طے کرنے کے بعد روانی پیدا کرنے کی کوشش کی جانی چاہیئے۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کی جانب سے روانی کے اکتساب میں یکساں طور پر نامناسب عجلت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا طالب علم جس کو روانی کی مشق تک حاصل نہیں، اس امر کے اظہار کی کوشش میں کہ وہ اپنے سے زیادہ قابل لوگوں کی طرح روانی کے ساتھ گفتگو کرسکتا ہے، فطرتاً بے چین رہتا ہے۔ اور استاد کا یہ عقیدہ ہے کہ زبان اور تلفظ کی غلطیوں کا کوئی لحاظ نہ کیا جانا چاہیئے اگر ابتدائی مدارج میں روانی حاصل کرنا مقصود ہو۔ وہ اس واقعہ کو محسوس نہیں کرتا کہ بری عادتیں پیدا ہونے کے بعد مشکل سے چھوٹتی ہیں۔ ابتدائی مدارج میں طلبہ کو صاف اور آہستہ تلفظ کرنا سکھلانا چاہیئے، روانی بعد میں خود بخود آجائے گی۔ قبل اس سے کہ بچوں کو بھاگنے کی ہمت دلائیں، ان کو درست اور سیدھا چلنا سکھلانا چاہیئے۔

مخارج (Organs of speech)

(مخارج کا خاکہ آگے دیا گیا ہے جس سے مختلف مخارج کی نوعیت اور اعمال کو مختصر مگر واضح طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی۔)

دہن کے اس حصہ کو جس کو تالو کہتے ہیں، علمائے صوتیات نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) لثہ (Teeth ridge) جس کو فارسی میں بن دندان کہتے ہیں (۲) غلذ (Hard palate) یعنے تالو کا وہ حصہ جو سخت ہے (۳) [illegible] (Soft palate) یعنے تالو کا وہ حصہ جو جھلی کی طرح نرم ہے۔ لثہ کی شکل

محدّب ہے (Convex) اور عکدا، غلصمہ کی شکلیں (Concave
مقعر ہیں۔ عکد کی سختی اور غلصمہ کی نرمی انگلی سے محسوس کی جا سکتی ہے۔
تارک کی طرح زبان کو بھی عالمان صوتیات نے چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) تیغ زبان (Blade of the tongue) زبان کا وہ حصہ (کنارے) نہ کے مقابل ہے۔

(۲) نوک زبان۔ (Tip of the tongue) زبان کی نوک یعنے بالکل ابتدائی حصّہ۔

(۳) مقدم زبان۔ (Front of the tongue) زبان کا وہ حصّہ جو عکد کے مقابل ہے۔

(۴) موخر زبان۔ (Back of the tongue) زبان کا وہ حصّہ جو غلصمہ کے مقابل ہے۔

مندرجۂ بالا تینوں حالتوں میں زبان حالت سکون میں فرض کر لی گئی ہے۔
جب صوتی (Vocal chords) تار ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں اور سانس یا نفس اُن میں سے ٹکرا کر گذرتی ہے تو اُن میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جب تک ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوتے ہیں اس قسم کا ارتعاش پیدا نہیں ہوتا۔ دوران تکلم گلے پر انگلیاں رکھنے سے ان صوتی تاروں کا ارتعاش محسوس ہو سکتا ہے۔ غنہ کی آوازیں اُس وقت نکلتی ہیں جب کہ غلصمہ نیچے کر دیا جاتا ہے اور جب دوسری معمولی آوازیں نکلتی ہیں تو غلصمہ اوپر کی طرف اُٹھا لیا جاتا ہے تا کہ جوف غنّہ (nasal cavity) کا راہ بند ہو جائے۔

حروف صحیحہ۔

مندرجۂ ذیل نقشہ سے انگریزی حروف صحیحہ کی تقسیم ظاہر ہوتی ہے۔ افقی ترتیب سے

مخارج ظاہر ہوتے ہیں اور عموداً ترتیب سے طریقۂ تجوید (صفات[1]) معلوم ہوتا ہے۔ نشان کردہ حروف صحیحہ وہ ہیں جو نفسی Breathed کہلاتے ہیں یعنے محض سانس کی مدد سے اُن کی تجوید کی جاتی ہے باقی حروف صوتی (Voiced) ہیں۔ ان کی تجوید میں آواز سے بھی مدد لینی پڑتی ہے۔ مفصل معلومات کے لئے انگریزی صوتیات کی کوئی کتاب ملاحظہ کی جائے۔

(نوٹ):- یہ امر واضح ہے کہ اس ضمن میں زبان انگریزی کے معمولی حروف کے علاوہ بعض صوتیاتی علامات بھی استعمال کی گئی ہیں جن میں سے اکثر یونانی زبان کے حروف ہیں۔ یہ حروف انگریزی زبان میں پائے نہیں جاتے لیکن اِن کی آوازیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ اِن صوتیاتی علامات کی توضیح ہم نے حسب صوابدید مختلف مقامات پر کردی ہے۔

نقشہ تقسیم حروف صحیحہ

	حلقی	قصی	غاری	لثی غاری	لثی	سنی	شفوی سنی	شفوی
شدیدہ	?	k, g			t d			p, b
غنۃ		ŋ			n			m
اسلیہ		ɫ (دھندلا)			l			
غلطان					r			
فرکی	h			ʃ, ʒ	s, z	θ ð	f, v	
نیم ملتین		(w	j					w

سلہ یہ ایک فن تجوید کی اصطلاح ہے۔ جن طریقوں سے حروف کی تجوید کی جاتی ہے اُن کو صفات حروف کہتے ہیں۔

شکل علامتوں کی تشریح درج ذیل کی جاتی

(۱) θ اس سے مراد th کی وہ آواز جو لفظ think میں پائی جاتی ہے (۲) ð اس سے مراد th کی وہ آواز ہے جو لفظ thony میں پائی جاتی ہے (۳) ŋ اس سے (ng) کی وہ آواز مراد ہے جو لفظ present میں پائی جاتی ہے (۴) ʃ سے مراد sh کی آواز ہے (۵) ʒ سے ژ کی وہ آواز مراد ہے جو لفظ Pleasure میں پائی جاتی ہے (۶) ʒ سے ژ کی آواز مراد ہے (۷) ŋ سے ŋ کی وہ آواز مراد ہے جو لفظ thing میں پائی جاتی ہے (۸) l (دھندلا) اس سے مراد (l) کی وہ آواز ہے جو لفظ field میں پائی جاتی ہے۔ (w) کی آواز wh کی آواز ہے۔ حسن تکلم کے لئے حروف صحیحہ کی صحیح تجوید نہایت ضروری ہے انہی حروف کے لحاظ سے الفاظ کے اجزاء Syllables قرار پاتے ہیں۔ اگر ان کا تلفظ مناسب طریقہ پر نہ کیا جائے تو حروف علت کی آوازیں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو جاتی ہیں اور تکلم میں صفائی باقی نہیں رہتی

حروف صحیحہ کی تقسیم بہ اعتبار مخارج کے۔

(۱) شفوی Bi-labial وہ حروف جن کی آوازیں ہونٹوں کے ملانے سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً w, m, b اور p — ان کی آواز نکالنے میں دونوں ہونٹوں کے فقط کنارے ملتے ہیں اور جب یہ حرف کسی لفظ کے آخر میں آتا ہے تو ہونٹوں کے کناروں میں بہت تھوڑا اتصال ہوتا ہے۔

(۲) شفوی سنی Labio-dental وہ حروف جن کی تجوید میں نیچے کا ہونٹ اوپر کے جبڑے سے مل جاتا ہے مثلاً v, f

(۳) سنی dental وہ حروف جن کی آوازیں تیغ زبان دانتوں سے ملکر پیدا کرتی ہے مثلاً (θ) (یہ علامت (ت) کی آواز ظاہر کرتی ہے جیسے لفظ thick میں) اور (ð) (یہ علامت (د) کی آواز ظاہر کرتی ہے جیسے لفظ thou میں) یہ واضح ہو کہ (θ اور ð) دونوں یونانی زبان کے حروف ہیں جن کی آوازیں تو انگریزی زبان میں

موجود ہیں۔ لیکن علیحدہ حروف سے ظاہر کی جاتی ہیں۔ اسی نوعیت کے بعض اور علامات بھی آگے آئیں گے۔

(۴) لثی alveolar وہ حروف جن کی آوازیں لثہ اور نوک زبان کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں جیسے t، d، n، l، r، s، z، ۂ۔

(۵) لثی عکدی Palate-alveolar تیغ زبان لثہ اور عکدے سے متصل ہو کر لثی عکدی حروف کی آوازیں پیدا کرتی ہے جیسے (ʃ) یعنے (sh) کی آواز جو الفاظ shoe، sh وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ (ʒ) یعنے (s) کی وہ آواز جو مثلاً pleasure کے لفظ میں پائی جاتی ہے۔

(۶) عکدی palatal وہ آواز جو وسط زبان اور عکدے کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے مثلاً (j) یعنے y کی آواز۔

(۷) غلصمی velar وہ حروف جن کی آوازیں وسط زبان اور غلصمہ کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً (w)، l، ŋ، g اور k (شدیدہ)

(۸) حلقی glottal وہ حروف جن کی آوازیں محض حلق سے نکلتی ہیں۔ مثلاً (ʔ) اور h کی آواز جیسے لفظ hand میں۔

بلحاظ صفات یعنے طریقۂ تجوید کے حروف صحیحہ کی تقسیم۔

(۱) حروف شدیدہ plosive ملاحظہ ہو چھوٹے خاکہ نمبر ۱، ۲، ۳۔ حروف شدیدہ کی تجوید پہلے مخارج کو ملانے اور پھر سانس کے زور سے ان کو فوراً علیحدہ کرنے سے ہوتی ہے۔ (حروف شدیدہ حسب ذیل ہیں۔ ʔ، g، k، d، t، b، p

حروف k، t، p کی تجوید میں جب مخارج ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو تھوڑی سی سانس بھی ساتھ ہی نکل جاتی ہے۔ یہ بات اس وقت صاف طور پر محسوس ہوتی ہے جب کہ ان حروف کے بعد ایسے حروف علت آئیں جن پر زور دیا گیا ہو مثلاً Pa...

کی تجوید میں مخارج کے علحدگی کے ساتھ ہی بعض حروف علت کی آوازیں وابستہ ہو جاتی ہیں مثلاً لفظ time وغیرہ۔ حروف ج، ط، Rub اور Rabbing وغیرہ میں حروف شدیدہ کی صحیح آوازیں اس طرح پیدا کی جا سکتی ہیں کہ مخارج کو باہم زور کے ساتھ ملایا جائے اور نہایت سرعت سے اُن کو علحدہ کیا جائے ہمارے طلبہ مؤخر الذکر ہدایت کی پابندی نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان حروف کی غیر انگریزی تجوید کرتے ہیں۔

جب دو حروف شدیدہ ایک ساتھ وقوع پذیر ہوں تو پہلے حرف کی تجوید اس شدت نفس سے نہیں کی جاتی مثلاً doctor -

جب ایک لفظ حرف شدیدہ پر ختم ہوتا ہے اور دوسرا حرف شدیدہ سے شروع ہوتا ہے تو پہلے حرف شدید کی تجوید اس شدت نفس سے نہیں ہوگی مثلاً a fat cat وہ حروف شدیدہ جو لفظ کے آخر میں آئیں صاف طور پر سنائی دینا چاہیے لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ طلبہ اس ضروری امر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

(۲) حروف غنہ۔ (ملاحظہ ہو چھوٹے خاکے نمبر ۶، ۵، ۴-)

انگریزی زبان میں حروف غنہ تین ہیں n، m، ŋ ان حروف کی تجوید میں ان کے مخارج کو ایک دوسرے سے مضبوطی کے ساتھ ملانا چاہیے۔ (ŋ) کی آواز میں (g) کی آواز نمایاں طور پر محسوس نہیں ہوتی جیسے کہ ہم میں سے اکثر پیدا کر لیتے ہیں مثلاً thing کے تلفظ میں۔ بعض لوگ اور خصوصاً بچے تمام حروف علت کی آوازوں میں غنہ پیدا کرنے کے عادی ہیں۔ غنہ کے حروف علت جس طرح فرانسیسی زبان میں پائے جاتے ہیں ٹکسالی انگریزی میں نہیں پائے جاتے مگر اُستاد اس عادت کو چھوڑا سکتا ہے منفردہ آوازوں کی مسلسل مشق جو ( ) اور (ɯ) کے سے تنگ close حروف علت سے لے کر (a) کے سے کشادہ open حروف علت پر ختم ہو کرائی جائے جب بچے ان منفردہ آوازوں کی تجوید بغیر غنہ کے اچھی طرح کر لیں تو اس وقت (اور اس سے قبل نہیں) الفاظ کے تلفظ کی مشق کرائی چاہیے۔

یہ اچھی تدبیر ہوگی اگر Time, Some, Come, Same ... کی آوازوں کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے کرلیں کہ پہلے حصہ میں حرف علت کی سادہ آواز ہو اور دوسرے میں غنہ آوازیں مثلاً ti - me, Co - me, Sa - me اور تلفظ کروالیں۔ الفاظ کے ان دو حصوں کے تلفظ میں کچھ وقفہ دیا کریں لیکن بعد میں رفتہ رفتہ اس وقفہ کو گھٹا کر لفظ کا صحیح تلفظ حاصل کرلیں۔

(۳) حروف لیٹرل Lateral ملاحظہ ہو چھوٹے خاکے نمبر ۷ اور ۸

ان حرفوں کی آوازیں کنارۂ زبان سے نکلتی ہیں مثلاً L کی آواز انگریزی زبان میں L کی آواز دو طرح کی ہوتی ہے یعنے صاف (L) اور دھندلا (L)۔ مؤخر الذکر کی تجوید ہندوستانی طلبہ کے لئے ایک وبال ہے ان کی تجوید کا طریقہ یہ ہے۔ نوک زبان کو لثہ کے ساتھ مضبوطی سے ملا دینا چاہیئے اور مؤخر زبان کو غلصمہ سے ملا کر (m) کی آواز نکالنے کی کوشش کی جائے تو دھندلے (L) کی آواز نکل آئے گی۔ یہ آواز اس (L) کی آواز ہے جو کسی لفظ کے آخر میں آتا ہے یا جس کے بعد کوئی حرف صحیح پایا جاتا ہے مثلاً Smell, Kettle وغیرہ۔

(۴) فرکی۔ فرک عربی میں رگڑ کو کہتے ہیں ان حروف کو فرکی اس لئے کہا گیا ہے کہ انکی تجوید مخارج کی رگڑ سے ہوتی ہے۔ اس اصطلاح کو انگریزی لفظ Fricatives سے صوتی مناسبت پائی جاتی ہے۔ حروف ملاحظہ ہوں چھوٹے خاکے نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲۔

فرکی آوازیں عموماً اس لئے غیر واضح ہوتی ہیں کہ ان کی تجوید آہستہ کی جاتی ہے۔ یہ آوازیں سانس کے مناسب زور سے ادا کی جائیں (F) اور (V) کی آوازیں طلبہ سے صحیح طور پر ادا نہیں ہوتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لڑکے ان حروف کے تلفظ میں اپنے دونوں ہونٹ ملا دیتے ہیں، حالانکہ تلفظ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نیچے کے لب کو اوپر کے جوڑے سے ملایا جائے اور آواز زور سے نکالی جائے مثلاً Fire, Seven وغیرہ

جو لڑکے (ð) اور (θ) کی آوازیں صحیح طور پر ادا نہ کرسکیں ان کو سمجھایا جائے کہ وہ

اپنی زبان دانتوں کے درمیان رکھیں اور سانس زور سے باہر نکالیں۔ سانس زور سے
نوک زبان اور دانتوں کے درمیان سے گذرے۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ نیچے کا
ہونٹ بالکل علیحدہ رہے۔ معمولی حالات میں اگر نوک زبان اوپر کے جوکڑے کے پیچھے رکھی
جائے تو باہر سے صاف نظر آتی ہے۔

(S) اور (Z) کی آوازیں بھی بعض لڑکے نہایت مشکل سے ادا کرتے ہیں۔ ان
آوازوں کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دانتوں کے دونوں جوکڑوں کو ملالیں اور تیغ
زبان کو اوپر کے لثہ پر رکھیں اور مقدم زبان کو حلق کی طرف اٹھائیں۔ لثہ اور تیغ زبان کے
درمیان نہایت تنگ راستہ ہونا چاہیئے۔ جب سانس اس حالت میں دہن سے باہر نکلے
تو (S) کی آواز پیدا ہوگی اور اس کے ساتھ اگر صوتی تار بھی مرتعش ہو جائیں تو (Z) کی
آواز نکلے گی۔ اگر منھ کھلا رکھا جائے تو یہ آوازیں نکل نہیں سکتیں۔ ان آوازوں کے پیدا کرنے کا
ایک اور طریقہ ہے وہ یہ کہ بچوں سے کہا جائے کہ بغیر ہونٹوں کو ملائے سیٹی بجائیں پھر وہ نہایت
آسانی سے (S) کی آواز نکالنی سیکھ جائیں گے اور اگر سیٹی بجانے کے ساتھ کچھ آواز پیدا کرنے
کی کوشش کی جائے تو لازمی طور پر صوتی تار بھی مرتعش ہو جائیں گے اور (Z) کی آواز پیدا
ہوگی۔ بہت مناسب ہے کہ یہ آوازیں پہلے انفرادی شکل میں سکھلائی جائیں اور پھر الفاظ میں۔
J اور Z یعنے تش اور ژ کی آوازوں کے ادا کرنے میں بچے ٹھوکریں کھاتے ہیں خصوصاً
(Z) کم عمر مبتدیوں سے صحیح طور پر ادا نہیں ہوتی۔ اس آواز کے ادا کرنے کی ترکیب یہ ہے۔
جیسے (S) کی تجوید میں مقدم زبان کو کسی قدر حلق کی جانب اٹھایا جاتا تھا اس موقع پر زیادہ
اٹھایا جائے اور جس طرح (S) کی حالت میں مقام تجوید پر ایک تنگ راستہ پیدا کیا جاتا
تھا اس کو کسی قدر وسیع کر دیا جائے۔ اب (Z) کی آواز نہایت آسانی سے پیدا ہو جائے گی
اکثر اساتذہ J اور Z کی آوازیں بچوں سے ادا نہیں کروا سکتے اور بسا اوقات مایوس ہو کر اس
کی کوشش چھوڑ دیتے ہیں یہ یاد رہے کہ ان آوازوں کو لفظوں کی شکل میں ادا کروانے سے پہلے

انفرادی طور پر ادا کرنے کی خوب مشق کروائے۔

(۵) غلطاں۔ یعنے وہ حروف جن کی آوازیں دہن سے غلطاں ہو کر نکلتی ہیں انگریزی میں ان کو Rolled letters کہتے ہیں۔ حروف۔ (ملاحظہ ہو چھوٹے خاکے نمبر ۱۳ اور ۱۴)

حرف (r) کی آواز شمالی انگلستان کے لوگ رگڑ سے نہیں بلکہ گھما کر ادا کرتے ہیں جنوبی انگلستان میں (r) کی آواز عام طور پر فرکی ہوتی ہے ہندوستانی طلبہ کو یہ بات معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر حرف (r) کسی لفظ کے آخر میں یا کسی حرفِ صحیح کے ماقبل واقع ہو تو بالکل معدولہ - un Sounded ہوتا ہے مثلاً march, here, morning وغیرہ۔

(۶) نیم علتیں Semi-vowels چھوٹا خاکہ نشان ۱۵۔

w اور y یعنے y نیم علتیں اس لئے کہلاتی ہیں کہ ان کی آوازیں علی الترتیب (u) اور (i) کی سی ہیں اگرچہ پوری طور پر ادا نہیں کی جاتیں w کی آواز (v) کی آواز سے متمیز ہے لیکن اکثر لوگ اس کی صحیح تجوید نہیں کرسکتے۔ (واضح رہے کہ (v) کی آواز نیچے کا ہونٹ اور اوپر کے دانت کے ملنے سے نکلتی ہے اور (w) کی آواز دونوں ہونٹوں کے مل کر کھلنے سے پیدا ہوتی ہے۔) حلقی Glottal stop آواز (?)

اس آواز سے اکثر لوگ واقف نہیں ہیں یہ وہی آواز ہے جو کھانسنے میں سنائی دیتی ہے جملوں میں حروف علت سے شروع ہونے والے الفاظ کے آگے ہم یہ آواز غیر شعوری طور پر ادا کر دیتے ہیں مثلاً This is ? a house, It is ? our own fault far ? away

اس امر کا خیال رکھا جائے کہ ایسے مسلسل الفاظ کے درمیان جن میں معنے کا تعلق ہو کوئی وقفہ نہ ہونا چاہیئے۔

منحرفہ آوازیں Cocuminal Sounds چھوٹے خاکے نمبر ۱۶ اور ۱۷۔

وہ آوازیں جو نوک زبان کو عکد کی طرف پلٹانے سے پیدا ہوتی ہیں یہ t, d, l, r کی آوازیں ہیں خصوصاً اس وقت جب کہ یہ حروف (r) کے بعد واقع ہوں مثلاً lead, rear

وغیرہ۔ لیکن نوک زبان کو اس طرح پلٹنا اعیب سمجھا جاتا ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ زبان دانتوں سے مضبوط لگائے رکھیں اور ان حروف کی تجوید کریں۔

(۸) ɭ (ہندی)

(۷) ɭ شل

(۶) ɳ

(۱۱) s ، z

(۱۰) ط Q

(۹) f ، v

(۱۴) غلطان (۳)

(۱۳) ری (۳)

(۱۲) ʃ ، ʒ

(۱۷) منحرفہ (۲)

(۱۶) منحرفہ ا

(۱۵) ہم
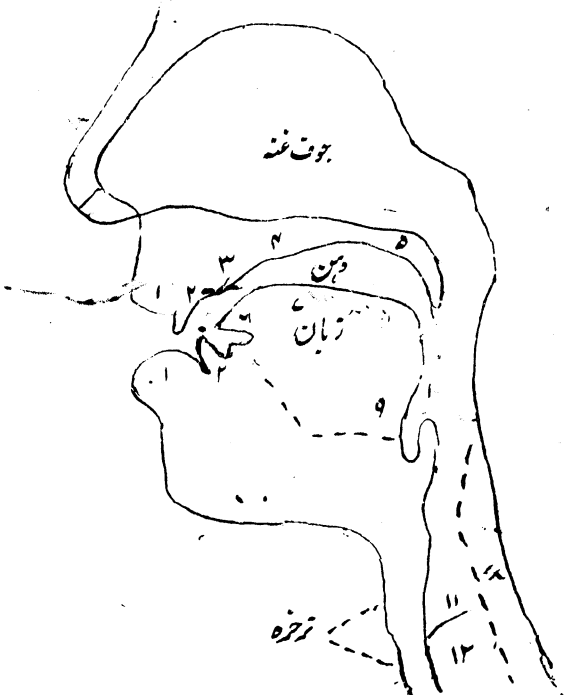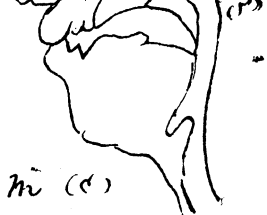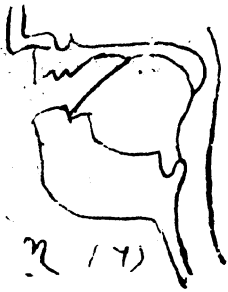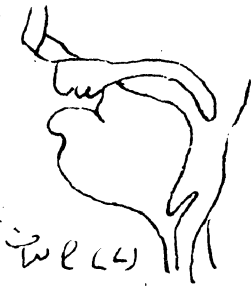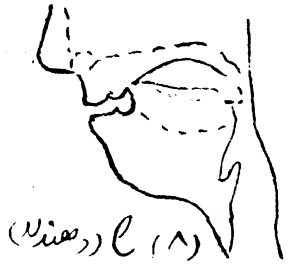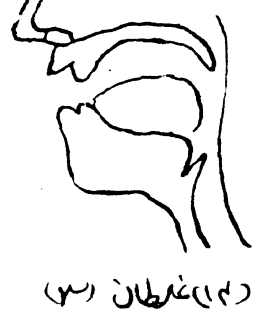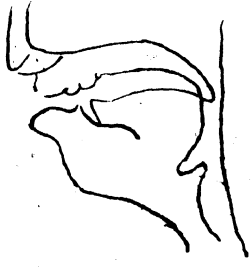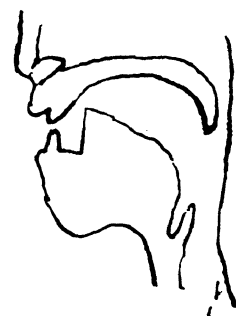
حروف علت

زبان انگریزی میں بارہ خالص یعنے یک علتی اور نو دوعلتی آوازیں ہیں یہ صوتیاتی علامات میں حسب ذیل لکھی جاتی ہیں۔

بارہ خالص آوازیں

ə - ə: - ʌ - u: - u - ɔ: - ɔ - a: - æ - e - i - i:

12 11 10 9 8 7 6 5 4 3 2 1

نو دوعلتی آوازیں

uə - ɔə - ɛə - iə - ɔi - au - ai - ou - ei

9 8 7 6 5 4 3 2 1

ان علامات پر نشان اس لئے لگائے گئے ہیں کہ دوران تحریر میں ان کی طرف آسانی سے اشارہ کیا جا سکے۔ ان سے کوئی ترتیب دکھلانی مقصود نہیں۔ اُستاد ان آوازوں کو مختلف مرتبہ دھرایا کرے تاکہ مبتدیوں کی سماعت کی تربیت ہو۔ بچے عموماً حروف علت کی تجوید غلط کیا کرتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہوا کرتی ہے کہ ان کو مشق سماعت نہیں کروائی جاتی۔

حروف علت کی تجوید میں صرف صوتی تار مرتعش ہوتے ہیں اور (مخارج میں) کسی قسم کی رگڑ یا فرق پیدا نہیں ہوتا۔ نفس پھیپھڑوں سے گذر کر صرف دہن کمرہ صوتی Sound chamber جسکو انگریزی زبان میں فرنکس Pharynx کہتے ہیں تغیر ہوتی ہے۔ حروف علت کی آوازیں اس لئے مبہم ہوتی ہیں کہ ان کی تجوید کے وقت منہ کافی طور پر کھلا ہوا نہیں ہوتا۔ اس لئے دوران تجوید میں دونوں جبڑوں کو مشق کے طور پر کھلے ہوئے رکھنا چاہیے۔

حروف علت کی آوازیں از (۱) تا (۴) یعنے (i: - i - e - æ) یہ آوازیں مقدم علتوں کی آوازیں front vowel sounds ہیں اس لئے کہ ان کی تجوید میں زبان آگے کی طرف لائی جاتی ہے۔ ہونٹوں کو کسی قدر زور سے پھیلایا جاتا ہے۔ (i:) کی آواز (i) کی آواز سے زیادہ شدید ہوتی ہے مثلاً seat اور sit وغیرہ۔ (e) کی آواز کسی قدر کھلی ہوئی ہے مثلاً met, set وغیرہ۔ دہن کو کسی قدر پھیلا کر کھولنے سے (æ) کی آواز پیدا

ہوتی ہے۔ یہ آواز بکرے کی آواز (میا) سے مشابہت رکھتی ہے مثلاً (مقلہ شاہ) [illegible] نیز ممکن ہے ہمارے طلبہ (e) اور (æ) کی آواز میں کوئی فرق نہ کر سکیں۔ ان دونوں آوازوں کا فرق bed اور head - bad اور had کے سے الفاظ کا تلفظ کروانے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ (ɪ) کی آواز (e) کی آواز سے اس صورت میں زیادہ مشابہت رکھتی ہے جب کہ (ɪ) کسی لفظ کے آخر میں واقع ہو مثلاً city , many وغیرہ ان دونوں الفاظ میں (y) کی آواز دراصل (i) کی مختصر آواز ہے۔

حروف علت کی آوازیں از (۹) یعنے ! a ɔ - ɔ: - u - u:

یہ آوازیں مؤخر علتوں Back Vow sounds کی آوازیں ہیں۔ ان کی تجوید میں زبان کو پیچھے کی جانب لیجانا پڑتا ہے اور ہونٹوں کو گول کیا جاتا ہے۔ (a:) کی آواز الف کی آواز کی سی ہے جیسے لفظ father میں (ɔ) کی آواز ایسی ہی ہے جیسے کہ لفظ not میں پائی جاتی ہے (ɔ:) کی آواز (a) کی آواز کی سی ہے جو کسی قدر ہے ہونٹوں کو گول کر کے ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہے مثلاً all - u کی آواز وہی ہے جو put کے لفظ میں پائی جاتی ہے (u) کی آواز کو کھینچ کر شدت سے ادا کرنے سے (u:) کی آواز پیدا ہوتی ہے مثلاً School - tool وغیرہ

حروف علت از (۱۰) تا (۱۲) یعنے ə - ə: - ʌ کی آوازیں ان آوازوں کو متوسط علتوں کی آوازیں Central Vowel Sounds کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی تجوید میں وسط زبان سے مدد لیجاتی ہے۔ ہم ان آوازوں کو ایک دوسرے سے بآسانی تمیز نہیں کر سکتے۔ (ʌ) کی آواز much - cut - luck وغیرہ الفاظ میں پائی جاتی ہے (ə:) اور (ə) کی آوازوں میں آسانی سے تمیز ہو سکتی ہے۔ اول الذکر کی آواز مؤخر الذکر کی آواز سے کسی قدر لمبی ہوتی ہے مثلاً bird اور heard وغیرہ میں

انگریزی زبان میں بعض حروف علت جو ایسے اجزائے لفظ میں پائے جاتے ہیں جن پر

... (ә) اور (i) کی آواز اختیار کر لیتے ہیں مثلاً لفظ Consider میں
con پر زور نہیں دیا جاتا اس لئے اس جز کا تلفظ Kan یعنے "کان" نہیں بلکہ Kәn
یعنے "کن" ہوگا اسی طرح Waited میں ted کے جز پر زور نہیں دیا جاتا اس لئے
اس کا تلفظ ("tid") کا سا ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انگریزی زبان میں جس طرح لکھا جاتا ہے اسی طرح ہمیشہ
تلفظ ادا نہیں کیا جاتا۔ اس زبان میں ایسے الفاظ اور اجزائے الفاظ کو، جن پر زور نہیں دیا
جاتا جلدی سے ادا کر دینے کا ایک عام رجحان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ
و اجزائے الفاظ میں جو شدید نوعیت کے حروف واقع ہوتے ہیں وہ بھی کمزور حروف
علت میں تحویل ہو جاتے ہیں (جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے) تعلیم یافتہ انگریزوں کا سا
تلفظ پیدا کرنے کے لئے معتد بہ مشق کی ضرورت ہے۔ ایک ہوشیار معلم کو ان دقائق کی
خصوصیات بیان کرنی پڑتی ہے دوسرا طریقہ صحیح تلفظ کے حاصل کرنے کا یہ ہے کہ تعلیم یافتہ
انگریزوں کی گفتگو سنا کرے اور اور آوازوں پر توجہ کیا کرے۔

• دو علتوں سے ملی ہوئی آوازیں۔

(۱) (ei) اس مرکب علت کی آواز ہندوستانی طلبہ سے واضح طور پر ادا نہیں ہوتی
ان مرکب آوازوں کو وہ عموماً منفردہ آواز کی طرح ادا کرتے ہیں مثلاً لفظ day کو وہ de کی طرح ادا
کرتے اور dei کی طرح ادا نہیں کرتے اور بعض دفعہ اس مرکب آواز کے ایک حصہ کو شدید
کر دیتے ہیں جن کا اثر نتیجۃً ناخوشگوار ہوتا ہے۔

(۲) (ou) یہ مرکب آواز go، lo، so، no کے سے الفاظ میں
پائی جاتی ہے۔ ہم اس آواز کے صرف پہلے حصہ کو ادا کرتے ہیں اور دوسرے حصہ کو بالکل چھوڑ
دیتے ہیں۔ کسی انگریز سے کہیئے کہ وہ حرف (O) کی آواز کو متعدد دفعہ ادا کرے۔ ہمیں صاف
معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس آواز کے ادا کرنے میں نیچے کے جبڑے کو اوپر اٹھاتا ہے اور پھر فوراً

نیچے کر دیتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مرکب آواز ہے۔

(۳) (ei) یہ آواز my ، fine وغیرہ الفاظ میں ہے۔ اس بات میں احتیاط کی جائے کہ بچے کہیں my کی آواز کو may کی آواز سے مخلوط نہ کریں۔

(۴) (au) یہ مرکب آواز لفظ out سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس امر کا خیال رکھیں کہ بچے اس کو aut یعنی "اَوٹ" کے بجائے aut یعنی "اَوٹ" نہ تلفظ کریں جیسا کہ بعض لوگ کیا کرتے ہیں۔

(۵) (ɔi) یہ مرکب آواز boy کے سے الفاظ میں پائی جاتی ہے اس امر کا لحاظ رکھیں کہ یہ آواز بجائے oi کے boy کے پیرایہ میں نہ ادا کی جائے۔

(۶) (iə) یہ مرکب آواز hear اور dear کے الفاظ میں پائی جاتی ہے اس کے پہلے حصّہ کی آواز (i:) کی طرح طویل نہیں ہے بلکہ (i) کی سی مختصر ہے اگر ہم hear کی آواز کو صوتیاتی علامات میں لکھیں تو hiər لکھیں گے نہ کہ hi:ər

(۷، ۸، ۹) εə ، ɔə ، uə

یہ تینوں مرکب علتوں کی آوازیں ہیں۔ بچے ان کو عموماً منفردہ علتوں کی آوازوں کی طرح ادا کرتے ہیں۔ ان کی تجوید میں دونوں اجزا کی آوازیں ایک ساتھ ظاہر ہونی چاہیئے

(εə) یہ مرکب آواز الفاظ fair ، share وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ fair کا تلفظ fer کی طرح نہیں بلکہ fεər کی طرح کرنا چاہیئے۔ (ɔə) یہ مرکب آواز لفظ more سے ظاہر ہوتی ہے۔ (uə) مثلاً poor اور sure وغیرہ میں۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ poor کا تلفظ pu:r نہیں ہے جیسا کہ اکثر لوگ غلطی سے کیا کرتے ہیں۔ اس کا تلفظ puər ہے جس سے آواز کا مرکب ہونا ظاہر ہے۔ اسی طرح sure بھی a:r کر نہیں بلکہ uər ہے طوالت length

ایک علتی آوازوں میں سے i: ، a: ، ɔ: ، u: ، ə: کی آوازیں

... کے لحاظ سے لبی یا طویل ہوتی ہیں۔ اور بقیہ علتوں کی آوازیں ... اور مختصر ہوتی ہیں ہمارے طلبہ عموماً Sheep اور hid ، heed اور ... Seat ، Ship اور ... میں احتیاط سے فرق نہیں کرتے۔ استاد کو چاہیئے کہ ایسے موقعوں پر آوازوں کی صحیح طوالت کی مشق کروائے۔

زور اور لہجہ

زور: انگریزی زبان میں اہم الفاظ اور اجزائے الفاظ کو زور سے یعنے سانس کی قوت سے ادا کیا جاتا ہے۔ ایسے تمام الفاظ جو گرامر کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتے ہیں زور سے ادا کئے جائیں۔ یہ بات کہ اجزائے الفاظ میں کس جز پر زور دیا جائے لغت دیکھنے سے یا اشخاص کی گفتگو پر غور کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اُستاد کو چاہیئے کہ اسباق میں جتنے نئے الفاظ آتے ہیں سیاہ تختے پر لکھ دے اور ان کے اجزا پر صحیح زور دے کر خود بھی کئی بار ادا کرے زور طلبہ سے بھی ادا کروائے۔ جملوں میں سالم الفاظ پر زور دینے کے متعلق یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اُستاد خود الفاظ پر صحیح زور دے کر گفتگو کیا کرے اور اسباق پڑھایا کرے الفاظ پر غلط زور دے کر پڑھنا بہت بھدا اور بیزار کُن اثر پیدا کرتا ہے۔

لہجہ: جب کوئی شخص کچھ پڑھتا ہے یا بات چیت کرتا ہے تو اُس کی آواز میں ایک قسم کا زیر و بم پایا جاتا ہے اسی کو لہجہ کہتے ہیں۔ ہر زبان کا ایک انوکھا لہجہ ہوتا ہے۔ اس لئے انگریزی زبان کے مبتدی کو اگر باقاعدہ طور پر انگریزی لہجہ نہ سکھلایا جائے تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ انگریزی اپنی مادری زبان کے لہجہ میں بولنے لگے چنانچہ ہمارے طلبہ انگریزی زبان کی خوبی اور اُس کی موسیقی کی قدر کرنے سے قاصر ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مدارس اور کالج کے طلبہ انگریزی نظم پڑھ کر حظ حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ مطالب و معانی تو سمجھ جاتے ہیں اور ان پر بحثیں کرتے ہیں، مگر آوازوں کی خوبیوں پر اُن کی نظر نہیں پڑتی۔

یہ تو ممکن نہیں کہ انگریزی لہجہ کے مختلف دقائق پر یہاں بحث کی جائے ادنیٰ لوگ

اپنی زندہ گفتار کے ذریعہ سے بچوں کو صحیح لہجہ سکھلا سکتے ہیں جو ہے
بیانیہ نثر کو معمولی لہجہ کے ساتھ پڑھنا سکھلایا جا سکتا ہے انگریزی میں ...
ہیں: ایک تو وہ جو اترتے ہوئے ہیں دوسرے وہ جو ... ہیں۔ ہم اترتے ہوئے
سُروں کو "زیر" falling tune کے لفظ سے ... پڑھتے ہوئے سروں کو "بم"
Rising tune کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اُترتے ہوئے سُر یعنے زیر کا استعمال معمولی جملوں اور جملہ امریہ یا ندائیہ اور ایسے
... جملوں میں ہوا ... کا جواب محض اثبات یا نفی نہ ہو مثلاً We do
What a cold ' Open the ... what we are told
Why wer , you absent - morning وغیرہ

پڑھتے ہوئے سُر یعنے "بم" کا استعمال مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوتا ہے۔
مرادی جملوں میں، تمنائی اور غیر مکمل جملوں میں اور ایسے استفہامیہ جملوں میں جن کا
جواب اثبات یا نفی میں ہو مثلاً

When we arrived at the station ....
It ... was sending for the doctor
Did you go there ?

اضافہ معلومات کے لئے ذیل کی کتب کی سفارش کی جاتی ہے:-

1. An Outline of English phonetics
by D. Jones
2. The Pronunciation of English
C. [illegible] U. Press

روداد آل انڈیا فیڈریشن آف ٹیچرس

ہم جناب ناظم تعلیمات سرکار عالی کے بہت ممنون ہیں کہ انہوں نے مندرجۂ ذیل رپورٹ جو بزبان انگریزی ہے المعلم کو بغرض اشاعت عنایت فرما کر اس کی قدر افزائی فرمائی

مدیر

فیڈریشن مذکور کی چوتھی سالانہ کانفرنس بتاریخ ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء امریکا میں جی جہانگیر پبلک ہال واقع بمبئی منعقد ہوئی۔

مجلس انتظامی نے امسال کا ... روزہ مختلف النوع پروگرام منضبط کیا تھا اور ہندوستان کے مختلف اور دور دراز مقامات کے قایم مقامان نے (جن میں اکثر و بیشتر دیسی ریاستوں کے قایم مقام بھی شامل تھے) کانفرنس کی کارروائی میں نہایت گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ نہ صرف مدرسین و صدر مدرسین ہی نے اس میں عملی حصہ لیا بلکہ محکمۂ تعلیمات بمبئی کے تمام دیسی و یورپین افسران نے اہم تعلیمی مسائل پر مضامین پڑھنے سے جلسہ کو نہایت کامیاب بنایا

... کا پر جوش و محبت آمیز خیر مقدم کرنے کے بعد پرنسپل شیشادری صدر فیڈریشن نے فیڈریشن مذکور کی سن ابتداء ۱۹۲۵ء تا انعقاد کانفرنس ہذا مختصر تاریخ بیان فرمائی۔ دوران تقریر میں صاحب موصوف نے سرکار عظمت مدار کی تعلیمی رپورٹ بابتہ ۲۶-۱۹۲۵ء کا حوالہ دیا اور نہایت احساس افسردگی سے بیان فرمایا کہ سال زیر بحث میں ذکور و اناث کی فیصد شرح تعداد (۶٫۰) سے (۶٫۵) اور (۲٫۱) سے (۳٫۱) تک بڑھی تھی۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ منجانب سرکار و رعایا جملہ مدرسہ جانے والے لوگوں کی آبادی کو دائرہ فوائد تعلیم و تربیت میں لانے کی سرگرم کوشش و پیش قدمی کی جائے گی۔ اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے سرکار کی ان متعدد کمیشنوں (مثلاً زراعتی کمیشن) کی سفارشات کا تذکرہ فرمایا اور امید ظاہر کی کہ کمیٹی ہذا

چند اُن امور و مسائل پر بھی غور کرے گی جو ہندوستان کے متعد تعلیم [illegible]
مند و مفید ہوں۔ موصوف نے انڈین سینو ٹو گراف کمپنی کے تعلیم کر[illegible] [illegible] خدمات
جو مثل دیگر ممالک کے ہندوستانی دنیا میں انجام دے سکتا ہے [illegible] مدرسین کی توجہ
منعطف کرائی نیز باتباع صوبہ پنجاب کمپنی مذکور کی ان مفید [illegible] یعنی سفری سینما بذریعہ
آراستہ موٹر لاریوں کے رواج دینے کی مفید و قابل قدر سفارشات و تجاویز کو بروئےکار
لانے کی جانب متوجہ کیا۔ زاں بعد یہ بھی ظاہر کیا کہ طلباء کے صرف تعلیمی مسائل کے حل پر
غور [illegible] وقت [illegible] اعتنائی کی وجہ سے نظر انداز ہو جاتا ہے اور بایں
سبب یہ مسئلہ بالکلیہ اور بھی زیادہ بے [illegible] جا پڑتا ہے۔ اس لئے ان کے دماغوں کی
اس جہالت و لاپرواہی کو از سر تا پا رفع کرنے کی غرض سے عام کتب خانہ کی قیام کی تجویز
پیش کی جو موجودہ خرابی کو دفع کرنے کا صرف اور یہی ایک واحد علاج ہے۔ ایڈریس کے
اختتامی جملوں میں اپنے ہم پیشہ براوران کو موصوف نے یقین دلایا کہ ایسے سالانہ جلسے نہ
صرف تبادلہ خیالات و تجربات کا موقع بہم پہنچاتے ہیں بلکہ ہندوستان کے تاریخ و جغرافیہ
جیسے مضامین کے سمجھنے میں اصلی و سچی روح پیدا ہو سکتے ہیں اور جن کو مدرسین خود پڑھتے یا
پڑھاتے وقت آل انڈیا ٹریول (سفر ہندوستان) کے بغیر محض حماقت کو نوڑھ مغز ی
کی بوٹ تصور کریں گے۔ موصوف نے تمنا ظاہر کی کہ مدرسین ایسی کانفرنس میں شرکت کرنا
ان قدیم زائرین کی مثل اپنا فرض عقیدت قرار دیں گے جو گاہے ماہے درگاہوں میں حاضر
ہو کر وہاں کی آتش عقیدت اپنے دلوں میں لے کر دور دراز مکانات کو واپس ہوتے ہیں۔

انعقاد اجلاس کی رہبری و قیادت کا سہرا ڈاکٹر جی۔ ایس۔ ارنڈیل کی مقناطیسی شخصیت
کے سر ہے جو حلقۂ تصوف (Theosophy) اور نیز اپنے ان علمی سرگرمیوں کی
وجہ سے جو موصوف نے کانپور، بنارس اور مدراس میں دکھائی ہیں کافی شہرت
حاصل کر چکے ہیں۔ اپنے ولولہ انگیز خطبات صدارت المعروف بہ تعلیم و (خوابیں) میں موصوف نے

...بازوا ... انکا ... پر بحث کی ہے:۔

...نا ہے۔ (۲) غرض و غایت تعلیم

(۳) امتحانات کی خرابیاں۔ (۴) ہندوستان کی تعلیم

(۵) تقلید مغرب ... تعلق تنبیہ و تہدید۔

علم پیشہ اصحاب سے موصوف نے بایں دل سوز الفاظ مطالبات کیے۔ یعنی یہ کہ معلم کی کرامت یہ ہے کہ وہ بنفس خود بہترین نمونۂ عمل ہو اور بذات خود اعظم ترین شخصیت ہو نہ یہ کہ غیر کا قالب بے جان۔ اپنے شاگردوں کو جو وہ بہترین تحفے دے سکتا ہو وہ کمال ذاتی ہو نہ یہ کہ وہ گراموفوں کے رکارڈ کا طرح ... (جس کو دیکھ کر یا سُن کر شاگرد نقالی کریں) طلبا کو تو فقط اس کی آتش عقیدت اس کی ... ی خیالی اور اس کی زندگی کی ضرورت ہے اور پس اس کو تو ہمارے آفتاب جیسے دیوتا کے مثل دن کے وقت تازہ بتازہ روشن و منور رہنا چاہیئے اور ان لوگوں کے ایام حیات کو منور کرنا چاہیئے جو عارضی طور پر اس کی نگہداشت میں چھوڑ دے گئے ہیں۔

ڈاکٹر ارنڈیل نے فرمایا کہ مقصد تعلیم سے مراد کسی فرد بشر کو اس قابل بنا دینا ہے کہ وہ اس نور ... کو اپنی ذات میں جذب کرتا جائے جو اس کی ذات سے خارج ہوں تاکہ اسکی جذب کردہ روشنی اس کے قرب و جوار میں پھیل سکے۔ اگرچہ معلم کو جزو کل ہی عطا ہوا ہے مگر اس سے جن فوائد و فیوض کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ بہت زاید ہے اور حقیقی معلم کو یہ کہنا چاہیئے۔ میں سکھانے کے لئے وجدانی کیفیت لکھتا ہوں تم سیکھنے کے لئے تیار رہو۔

تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مشکل و تکلیف یا شکست و ناکامی کے وقت پناہ کا کام دے بلکہ پوشیدہ قوت ارادی میں بلالحاظ نتائج پیش قدمی کرنے کی طاقت پیدا کرنا ہے لہذا معلم کو بات بات پر حکم دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ جبر و اکراہ تعلیم کے بالکل منافی ہے، مثلاً سزا دینا۔ اس کے بارہ میں احکام و قواعد موجود رہیں جو کوئی کہ اپنے درس تدریس

موثر بنانے کی غرض سے جبر و اقتدار کو عصا قرار دیتا ہے وہ ہر معلم ... قید
یا جیل خانہ کے نگران کار یا بد قطع لباس کی مانند ہے۔ معلم وہ ہے جس ... اور
خود میں سی کلی اعلیٰ و عمدہ آمیزش موجود ہو۔ رواج امتحانات کو لعون کرتے وقت
موصوف نے خیال ظاہر کیا کہ تعلیمی زندگی میں رسم و رواج کو ... لینا چاہیے لیکن ایسا
کرنے میں ہم کو بالکل ان کے زیر اثر نہ آجانا چاہیے۔ ہمارا موجودہ طریقہ تعلیم پروکسٹین بیڈ
کی شکل وصورت میں کسی شے کو قایم کرنے کی طرف مائل معلوم ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ
... ہر وکسٹین ... اور ہم تم کو تمہارے ناموں کے آخر میں ا۔ب۔ت سے
واقف کرادیں گے، امتحانات بذاتہ ... مطلوب نہ ہونے چاہئیں ورنہ ان میں معقولیت
سے زیادہ نامعقولیت پائی جائے گی۔ یہ امر بڑی حد تک باعث تسکین ہے کہ تمام دنیا میں
اکثر قائدین تعلیمی اصطبلوں کو اجین پر دلوٹا ... فطرت پذیر نقائص سے پاک کرنے اور
ان کی درستی و صفائی میں ستعد بکار نظر آتے ہیں۔ طلباء کو زلیسین برائے خوردن، اور لطف
و مسرت نہ کہ دنیاوی کامیابی خود اظہاری نہ کہ نقالی خدمت گزاری نہ کہ خود مطلبی کی تعلیم
دینی چاہیے۔

دنیا بھر میں تعلیمی نقطہ نظر سے ہندوستان سے بڑھ کر کوئی دلفریب ملک نہیں
جو کہ علم کا مسکن و ماویٰ ہو۔ جہانتک دقیق ترین اصول ان متلاشیان حقیقت کی تحقیق کے
لئے جو مملکت وقت کی بجائے دائمی قطعات ارضی میں جستجو کرتے ہوں اس کی قدامت
ازلی میں مضمر و مستعد نظر آئیں گے۔ ازلی ہندوستان کے اساس راہ یعنی پر شکوہ ہمالیہ
ہم کو ہندوستانی زندگی کا سنگ استحکام مل جاتا ہے لہذا تعلیم ہندوستان کی روح
رواں ہاتھ آجاتی ہے۔ مغربی ممالک کی طرف ہم کو ان کی قوت اتحاد۔ اعلیٰ مقصد یا
تعلیم کی صداقت کی وجہ سے نہیں جھکنا چاہیے کیونکہ قالب تعلیم میں تو ہم کوئی نہ کوئی
بات ان کی دیکھا دیکھی پیدا کر سکتے ہیں لیکن روح تعلیم کے لحاظ سے تیقن و اخلاص اور

بدہ جرات کی صفات سے ں کے الفاظ کبھی مملو نہ پائے گئے اور اس لئے وہ ہندوستان کے لئے ہرگز نمونہ ۔ یں بن سکتے۔

ابتدائی تعلیم ۔ تعلیم النساں ۔ تعلیم مدارس فوقانیہ و کلیہ و تعلیم ناقصان سے متعلق متعدد دلچسپ مضامین ے گئے ۔ بعض ان میں سے غذاء عذر و فکر سے مملو ہونے کی بنا پر بالتفصیل بیان کئے جانے کے مستحق ہیں۔

ابتدائی تعلیم | اپنے مضمون ابتدائی تعلیم میں مسٹر ڈیسائی احمد آباد میونسپلٹی کے اسکول بورڈ کے مسٹر ہیڈ انسپکٹر نے فرمایا کہ ان کے حلقہ میں مدرسہ جانے والے عمر کے لڑکوں کی تعداد جو واقعی حاضر ہوتی ہے وہ صرف (۴۲) فیصد ہے ۔ بجملہ ان کے جنہوں نے استفادہ حاصل کیا (۸۰) اسی ۔ فیصد پھر جہالت و لاعلمی کی طرف عود کر گئے اور اس طرح یہ سعی عزیز رائگاں و برباد گئی ۔ اشاعت تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی تاثیر بخشی پر بھی غور کرنی چاہیئے اور اس کام کے لئے مستعد اساتذہ کی فوج کی ضرورت ہے ۔ موصوف کی رائے میں بیشتر معلم تنگ ظرف و ذہانت سے محروم اور احساس فرائض سے خالی معلوم ہوتے ہیں ۔ اس لئے موصوف نے تجویز فرمایا کہ ابتدائی و فوقانیہ مدارس کو میٹرک و ایف اے کامیاب مدرسین سے بھرا جائے ۔ موصوف کو حیرت ہوئی کہ کیوں صرف سررشتہ تعلیمات ہی ہر کس و ناکس کو اپنے آستانہ کے اندر اس دلی سے مہمان نوازی کرنے کے لئے مجبور کر دیا گیا ہے ۔

عملی تعلیم | مسٹر جوشی نمائندہ ریاست ہلکر نے فرمایا کہ ہندوستان کو عملی طریقہ سے تعلیم کی ضرورت ہے یعنی اول عمل اور بعد کو تعلیم ۔ مدارس اور کالجوں سے ہزاروں میٹرک و گریجویٹ نکالنے کی بجائے ان کو کاشت کار ۔ تاجر ۔ دکاندار ۔ بڑھئی ۔ سوت کاتنے والے اور جلاہے تیار کرنے چاہئیں تاکہ فاقہ کشی کا دبلا پتلا بھوت جو ملک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتا رہتا ہے غائب ہو جائے ۔ تمام عقدوں کے عقدہ کا حل یعنی جسم و روح کو ہم آہنگ عمل کیا جائے وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ مدرسہ کا ایک ثلث وقت فنی کمال یا بار آور

دستی مشاغل کے حصول میں صرف کیا جائے۔ اس تکمیل مقصد کے لئے ہماری یہ امید ہے کہ فی الواقعی ہمارے مدارس بن جائیں گے ہمارے مدارس کارخانہ بن جائیں گے اور کلی صنعت وحرفت کے عمل خانہ کی شکل اختیار کرلیں گے۔

ڈاکٹر جی۔ ایس۔ کرشنیا نمائندہ میسور یونیورسٹی نے " یاں خارج از نصاب تعلیم " کے عنوان پر مضمون پڑھا۔ موصوف نے طالب علم کے اوصاف ذاتی کو بروئے کار لانے کے متعلق عملی تجاویز پیش کیں وہ یہ کہ طلباء کے لئے کونسل، ادبی مجالس۔ اور کلب قائم کئے جائیں جہاں ان میں ... اور ... اور رمز آزادی کو سمجھنے میں مضبوط و قوی اور چست و چالاک ہونے کا مادی احساس پیدا کردے تاکہ وہ آیندہ زندگی میں فرائض و ذمہ داریوں کا احساس کرکر پختہ شہری بننے کی قابلیت پیدا کریں بجائے اس کے کہ طلباء کو ایام تعلیم کے مقررہ اوقات میں حدود مدرسہ کے اندر مقید و محبوس کر دیا جائے۔

تعلیم نسواں | انڈین ویمین یونیورسٹی کے قاید و بانی مبانی پروفیسر کاوے نے لڑکیوں کے لئے علٰحدہ فوقانیہ مدارس قائم کرنے اور اعلیٰ تعلیم برائے طالبات کی سہولتوں کو بہم پہنچانے کی ضرورت پر زور دیا۔ معمولی ہندوستانی لڑکی کی نظروں میں متاہل زندگی کے مسئلہ سے بڑھ کر مسئلہ کسب عمل کوئی وقعت نہیں رکھتا اس لئے ان کو افسوس ہوا کہ فرائض مادری و شہریت کی بہ سہولت و کمال انجام دہی میں ان کی موجودہ تعلیمی زمانہ ان کی شریک حال نہیں ہے۔ موصوف نے امید ظاہر کی کہ اگر زمانہ موجودہ کے انگریزی و ریاضی کے مقررہ معیار قابلیت کو اڑا دیا جائے تو لڑکیوں اور بالغ عورتوں کی بڑی کافی تعداد اعلیٰ تعلیم سے بہرہ اندوز ہو جائے گی۔

مسٹر جی۔ کے۔ دیودھر سی۔ ائی۔ ائی رکن سرونٹ آوف انڈیا سوسائٹی و منتظم اشاعت تعلیم بالغات متعلقہ سیوا سدن سوسائٹی نے سوسائٹی مذکور کے جملہ سرگرمیوں کے لائحہ عمل کا مختصر حوالہ دیا اور استدعا کی کہ تمام محبان تعلیم جو ہندوستان کی ترقی میں دلچسپی

دیتے ہیں تا بقدور رسائی مذکور کو تمام ممکن الحصول مستورات کی تعداد میں پہنچایا جائے اور اس سے واقف کرایا جائے کی کوشش کریں کیونکہ اس کی شاخیں ہندوستان کے اکثر مقامات میں پھیلی ہوئی ہیں اور اگر پبلک اس کو چلانے اور سنبھالنے پر رضامندی ظاہر کرے تو اور بھی شاخیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

تعلیم زبان انگریزی ڈاکٹر میار کر متعلقہ ولسن کالج نے (کالجوں میں تعلیم انگریزی) کے عنوان پر نہایت پُر مغز و پُر مذاق مضمون پڑھا اور اس میں بیان فرمایا کہ گروپ سسٹم کے لحاظ سے یونیورسٹیوں کے نصاب کس قدر غلط قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ شعبہ فنون میں بی۔ اے کلاس کے تمام طلبا ماہر خیال کئے جاتے ہیں مگر ماہر کیسے ہیں تانبے اور جست کے میل کے جنھوں نے انگشت شماری میں تو ساری عمر گذار دی لیکن تسبیح کے امام کی طرح خود بیکار رہے۔ موصوف نے یقین دلا کر ثابت کیا کہ صرف انگریزی میں استعداد پیدا کرنے کی غرض سے انگریزی کو زبان اختیاری لینے والے طلبا تاریخ۔ معاشیات۔ فلسفہ اور دیگر علوم حکمیہ سے قطع تعلق نہیں کر سکتے۔ موصوف نے فرمایا کہ پاس ڈگری لینے کی غرض سے چار مضامین میں شرح و بسط کے ساتھ تعلیم دیجائے اور آنرز ڈگری کے لئے تین مضامین میں، علیٰ تعلیم دی جائے جو معقولیت کے ساتھ باہم دگر ملے جلے ہوں۔ ادارت تعلیمی کے پروفیسروں کے آزادی و استحقاق پر بایں الفاظ زور دیا کہ پیشہ وران تعلیم کی صرف یہی ایک شرط تدریس ہے۔ ورنہ اس کی عدم موجودگی میں کالج گریجوئٹ گڑھنے کی مشین کی مانند ہے۔

بیرونی تعلیم مسٹر وکیل احمد آباد کے انسپکٹر تعلیمات نے اپنے مضمون (بیرونی تعلیم) میں ظاہر کیا کہ ہندوستان کے بیش تعداد افراد کی تعلیمی بے توجہی پر اگر مقابلتہً دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یورپ و امریکہ کے اکثر ممالک و نیز جاپان نے ابتدائی تعلیم کو مفت و جبری قرار دے دیا ہے اور یہاں کچھ بھی التفات نہیں۔ علاوہ ازیں تعلیم بالغان کے لئے

بھی انہوں نے کافی سربراہی کی ہے۔ اور یہ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ تعلیم عام امداد کی ہو جائے اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ذہنی و جسمانی و اخلاقی تعلیم بدرجہ اتم ہو۔ اعلیٰ سند یافتہ و تربیت یافتہ مدرسین کے زیر نگین امتحانات و نتائج کا ظالمانہ اقتدار کارفرما ہے اس سے بھی نجات ملنا ان کا بیان کردہ دوسرا اہم ... کی جانب موصوف نے توجہ منعطف کرائی۔

مذہبی تعلیم | مسٹر گوکھلے پرنسپل انجینیرنگ کالج کراچی نے، رجحان دربارہ اعتقاد الوہیت' پر اپنا مضمون سنایا۔ آپ نے فرمایا کہ تعلم کی معقول تعلیم و تربیت کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی ایک اہم جزو ہے اور اس حصول مقصد میں خدا پر ایمان لانا کہ وہ عالم ظاہر کی قوت یا قانون ہے جو دنیا جہاں میں بے خطا کام کرتا ہے اور جس سے درستی اخلاق کے لازمی منطقی نتائج ہویدا ہوتے ہیں اس حقیقت کا عقیدہ وایمان ہر مذہب و ملت کے بچوں کے دماغوں پر نقش کر دینے چاہئیں انہوں نے خیال کیا کہ یہی ایک طریقہ حقیقی اور مفید قسم کی مذہبی غیر جانبداری پیدا کرنے کا یقین دلا سکتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم | بمبئی سیکنڈری ٹرننگ کالج کے پرنسپل مسٹر ہیلیوف نے افسوس ظاہر کیا کہ مغربی دنیا کے تمام سائنس دان لوگ بہت سارے بوس ہنیرجی اور رامن کے ناموں سے واقف و آشنا ہیں لیکن تعلیمی تحقیق و چھان بین میں مشکل سے شاید کوئی کوشش کی ہو جس کی وجہ سے ان کو شہرت حاصل ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ قلت مدرسین۔ قلت ذرائع آمدنی۔ قلت جوش۔ قلت تنظیم تعلیمی میدان کی تحقیق نہ ہونے کے اصل اور واحد اسباب ہیں۔ لہٰذا آپ نے تجویز فرمایا کہ مدرسین جب ٹرننگ کالج سے فارغ ہو کر تعلیمی دنیا میں قدم رکھیں تو وہ ہرگز اس یقین کے تحت محنت و جانفشانی نہ کریں کہ وہ کامل ہیں اور یہ کہ ان کو صرف حاصل کردہ طریقہ تعلیم کو جاری و ساری کرنا ہے اور بس۔ برخلاف اس کے ان کو اس امر سے واقف ہونا چاہیئے کہ ٹرننگ کالج کا کام تو تعلمیں کرنے آمادہ بہ عمل کرنے اور جوش تحقیق میں جان بخشی و تیزی

پیدا کرنے کا ہے۔

بمبئی ٹریننگ کالج کے پروفیسر (کو) نے اپنے ان چند مشاہدات کا تذکرہ کیا جو آپ نے "ہندوستانی بچوں میں شباب جوانی" کے بارہ میں کئے تھے۔ سوالات کے نقشہ جات جو مختلف قوم و ملت کے بچوں سے کئے گئے ہیں۔ اور ان کے وہ رجحانات طبع جو ان کے جوابات سے معلوم ہوئے بڑی محنت و جانفشانی سے تیار کئے گئے تھے لیکن افسوس ہے کہ جو نتائج موصوف نے اخذ کئے وہ مضحکہ خیز اور غیر اساسی معلوم ہوتے تھے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ کسی خاص مدرسہ کے مشاہدات کے اعداد و شمار بڑی محنت و جانفشانی سے تیار ہوئے تھے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ ان سطحی اخذ کردہ نتائج سے بالکل مطابقت نہ کرتے تھے۔

تعلیم بذریعۂ بصارت | تعلیم بذریعہ بصارت کے نائب مہتمم تعلیمات مسٹر نوٓر دنے اپنے مضمون میں تعلیم بصارت کے بعض اہم مختلف مدارج پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ ابتدا میں تعلیم صرف "سننے" پر منحصر تھی۔ ز ان بعد چھاپہ کی ایجاد نے "پڑھنے کا کا زمانہ" پیدا کیا اور شاید وہ دن آئے گا جب کہ یہ تمام طریقۂ قدیم اور پائمال زمانہ ہو جائیں گے اور صرف "عمل" کا راج ہوگا۔ سفر تفریحی۔ عجائب خانہ۔ اشیاء کے ماڈل نقشہ جات۔ کرۂ ارض تختہ سیاہ پر تصویریں۔ دیواری تصاویر۔ انعکاس قندیلی اور سینما وغیرہ مختلف وسائل ہیں جن کے ذریعۂ "تعلیم بصارت" سے متعلق اگر مدرسین چاہیں تو اپنے اسباق تعلیم کو پُر شوق و دلچسپ و جاندار بنا سکتے ہیں۔

تعلیم ناقصان | مدرسہ برائے نابینا موقوعۂ بمبئی کے پروفیسر چیتر پردی نے "تعلیم ناقصان" پر ایک مضمون پڑھا آپ نے مختلف صوبہ جات کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی رپورٹ کی

نوٹ:۔ ہمارے ایسے ناظرین کیلئے جن کے دل ہمدردی سے لبریز ہیں یہ واقفیت باعث دلچسپی ہوگی کہ حسب رپورٹ مردم شماری بابت سالہائے گزشتہ ہمارے ممالک محروسہ میں ۳۴۰۱۰ بہرے ۹۱۳۸۰ گونگے ۲۵۱۹ مجنون اور ۲۴۴۴ جذامی موجود ہیں۔

طول طویل فہرست پیش کی اور اعکاس قندیلی کے ذریعہ ان نابینا لوگوں کے کام کو جو آپ کی نگہداشت میں ہیں اور جس کو دیکھ کر لوگوں کے دل ان معذوروں کے ساتھ رحم و ہمدردی کی جانب مائل ہوں بلکہ ان نادر و باکمال آلات نغمہ و دیگر آلات دست کاری کی بھی تعریف و توصیف ہو سکے جس سے ایک پنتھ دو کاج کی مثل صادق آتی ہے۔

نمائندوں کا گروپ فوٹو۔ سوشیل ٹی فاونڈیشن۔ نمائش تعلیمی۔ تعلیم کے عمل صبح و شام کے پروگرام میں شامل تھے جس کو ڈاک کمپنی نے پیش کیا۔ (کوڈاک کمپنی نے نہر پناما کی تاریخ اور اس کے فوائد۔ امریکی جنگلوں میں درختوں کی دوبارہ پیداوار خام لوہے سے پختہ لوہا بنانا۔ روئی کی کاشت کے طریقے اور اس سے سامان بنانے کی تصاویر فلم اعکاس قندیلی کے ذریعہ پیش کئے) اور میری رائے میں کسی کتاب کے غیر دلچسپ مطبوعہ حروف کے ذریعہ ان واقعات کو پڑھنے کے بجائے اگر طلبار کو انہی واقعات کو پردہ پر دیکھنے کا موقع حاصل ہو جائے تو طلبار کو ادائے جواب کے وقت رٹتے ہوئے اور غیر منہضم علم کو استفراغی شکل میں الٹ دینے سے چھٹکارہ مل جائے گا بلکہ اس کی بجائے ان کے دماغوں میں بہت زیادہ ٹھوس اور مفید علم رہ جائے گا جس سے وہ مستفید ہو سکتے ہیں۔

الفنسٹن ہائی اسکول کے وسیع و کشادہ و آراستہ کمروں میں اشیار نمائش نہایت خوش انتظامی اور سلیقے سے رکھی گئی تھیں۔ نہ صرف معمولی ڈرائنگ خوش خطی اور اس قبیل کے ممتاز طلبار کا جماعتی کام اس موقع پر رکھا گیا تھا بلکہ تاریخ افغانستان بذریعہ تصاویر اخبار۔ کریج گل کاری۔ تصاویر کے فریم و دیگر اشیار آرائش مثلاً سہ درزہ اشیار چوبی۔ بیشتر تعداد قلمی رسائل۔ زنانہ مدارس کا سامان روزن کاری بھی منجملہ دیگر دلچسپ اشیاء نمائش میں سے تھے بھدرا ہائی اسکول بمبئی کے انفرادی کھلاڑیوں اور فتحمند ٹیموں کو عطا کردہ قیمتی تمغہ جات بھی نمایاں اور ممتاز جگہ رکھے ہوئے تھے۔ وہاں کے نمائش میں رکھے ہوئے اشیار کی حسن و خوبی اور کاریگری ان اشیاء کے مقابلہ میں جو عام طور پر ہمارے یہاں دیکھی جاتی ہے کہیں بڑھی

جب رہی تھی۔

تقریباً تیس تحریکات منظور کیے گئے اور ان میں کے بعض اہم حسب ذیل تھے۔

(۱) صوبہ جاتی کثیر الاستعمال زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر اہمیت دینا اور ثانوی اور اعلیٰ مدارج تعلیمی کے امتحانات میں زبان مذکور کو رواج دینا۔

(۲) جملہ مدارس و کالجوں میں ورزش جسمانی کو لازمی کرنے کی ضرورت پر اہمیت دینا۔

(۳) مدارس اور کالجوں کے طلباء میں انسانی اور اتحادی اسپرٹ پیدا کرنے کی غرض سے سیوا سدان مجالس قایم کرنا۔

(۴) مدارس کے انتظامی کمیٹی کے ارکین اور مدرسین اور سرپرستوں کے مابین میعادی جلسہ کرنے کے فوائد پر غور و عمل۔

(۵) منجانب بلدیہ و لوکل بورڈ پبلک جمنازیم کا افتتاح اور ان کی سربراہی۔

(۶) مدارس ابتدائی کے مدرسین کی تنخواہوں اور شرح ماہوار میں اضافہ کرنا۔

(۷) سہ سالہ کارکردہ مدرسین کو بلا شرکت و حاضری ٹرنیگ کالج کسی ٹرنیگ کے امتحان کو پاس کر کر ڈگری، ڈپلومہ یا سند حاصل کرنے کی سفارش کرنا۔

(۸) رعایا سرکار کی جانب سے تعلیم بالغاں و ناقصاں کے اخراجات کی سربراہی کرنا۔

جغرافیہ کیا ہے

زمانہ گذشتہ میں جغرافیہ کی جو تعلیم دی جاتی تھی اور اب بھی اکثر مدارس میں جس قسم کی تعلیم ہوتی ہے اس سے مراد صرف پہاڑوں، دریاؤں، سطوح مرتفع، میدانوں، صحراؤں، براعظموں مختلف ممالک اور شہروں سمندروں، خلیجوں، کھاڑیوں آبناؤں اور جزیروں کے ناموں کی ایک لمبی چوڑی فہرست لی جاتی ہے۔ طلباء کو جغرافیائی اصطلاحات کی تعریفیں رٹا دی جاتی ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں اس کے معنی کیا ہیں، ان سے جھیلوں کے نام کی فہرست سن لی جاتی ہے لیکن وہ یہ نہیں تبلا سکتے کہ کونسی جھیل کہاں ہے۔ ان کے ناموں کو حفظ کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے محل وقوع سے بالکل بے خبر اور نا آشنا رہتے ہیں۔

جغرافیہ کا سبق زمانہ گذشتہ میں اور بسا اوقات زمانہ موجودہ میں بھی عذاب جان ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ دریاؤں اور ان کے معاونین کے ناموں کو رٹنا۔ ان اضلاع کو یاد رکھنا، جہاں گیہوں، یا روئی پیدا ہوتی ہے۔ ان شہروں کے ناموں کو حفظ کرنا جو دال، یا تانبے و پیتل کے برتن کے لئے مشہور ہیں۔ ایک مشکل اور خشک کام ہے۔

اصل میں جغرافیہ کے معنی زمین کا بیان نہیں جیسا کہ زمانہ گذشتہ میں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اس کا اصل مقصد انسان کی حالت کا بیان ہے۔ جو اس پر بستا ہے۔ انسانی حصہ بیان کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور جغرافیہ کے مطالعہ کو اصل میں انسانوں اور اس کی زندگی کا مطالعہ بنانا چاہیئے۔ زمین کی اہمیت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس پر انسان بستا ہے۔ اور اس کے وجود اور پیشوں کا بہت کچھ دارومدار زمین کی حالت پر ہے انسان اس کے کاروبار اس کے رہنے کے مقامات۔ اس کے اطراف پائے جانیوالے

جانور۔ جس زمین پر رہتا ہے وہاں کی پیداوار! یہ تمام چیزیں جغرافیہ کی تعلیم کا نہایت اہم جز ہیں۔ دوسرے ممالک کے باشندے دوسری جگہ کے درخت اور پودے۔ غیر مقاموں کے جانور۔ یہ سب جغرافیہ کی تعلیم میں اہمیت رکھتے ہیں۔ پہاڑوں کی جگہ پہاڑی رہنے والوں۔ میدانوں کی جگہ ان کے بسانے والوں اور دریاؤں کی جگہ ان سے فائدہ حاصل کرنے والوں کے متعلق تعلیم دینی چاہیئے۔ اسی طرح صحراؤں کے عوض کاروانوں۔ اور کارکنوں۔ سبزہ زاروں کی جگہ سواروں، گلہ بانوں اور چوپائے پالنے والوں، خط استوا کے قریب جنگلات کی تعلیم کے عوض وہاں کے پستہ قد باشندوں۔ اور ربر جمع کرنے والوں کا ذکر کرنا چاہیئے۔ زمین کا مختلف منطقوں میں تقسیم کرنا بھی بے معنی نہیں ہے۔ اور نہ یہ تقسیم کنندہ لکیریں بیکار اور بلاوجہ صرف زمین کو چند حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے کھینچ دی گئی ہیں۔ بلکہ ان منطقوں میں انسان بستے ہیں جو بلحاظ قد وقامت رنگ و روپ، تعلیم و تمدن، اخلاق و آداب و مذہب، بلحاظ رسم و رواج۔ کاروبار اور خیالات۔ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح کسی جگہ کی نباتاتی پیداوار اور وہاں کے چوپاؤں کا وجود صرف ایک خیالی کرشمہ نہیں ہے۔ درخت ہائے آبنوس ساہ بلوط، صنوبر و شمشاد، کوکو۔ قہوہ اور ربر، گیہوں۔ جو، جئی، اور رائی، سنکونا۔ اور یوکلپٹس رٹنے اور از بر کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق دیکھنے۔ غور کرنے اور کام میں لانے سے ہے وحشی ترین جانور اکثر کلاس میں ہمارے ساتھی بن جاتے ہیں۔ افریقہ کا ببر بنگال کا شیر۔ منجمد اور انتہائی سرد منطقوں کا سفید ریچھ۔ گینڈا۔ دریائی گھوڑے پیلو ما میموں۔ یہ سب ہماری دل بستگی کا سامان ہو جاتے ہیں۔ ہمہ اقسام کے چرند و پرند، شہری اور جنگلی، کلاس میں ہمارے سامنے عکسی اور قلمی تصاویر کے ذریعہ پیش کئے جاتے ہیں اس طرح جغرافیہ حیوانات۔ جمادات اور نباتات کے اس حصہ کا بیان ہے جس میں یہ انسان کے کام آتے اور اس کی مدد کرتے ہیں۔

(ف) جغرافیہ کا دوسرا فرض بھی نہایت اہم اور ضروری ہے وہ واقعات کا تذکرہ کرتی اور تشریح کر کے اس کا تعلق ایک دوسرے سے سمجھاتی ہے اس طرح جغرافیہ ہمیں نتائج اخذ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ جغرافیہ نہ صرف ظہورات طبعی بتلاتی بلکہ ان کے واقع ہونے کی وجہ بھی حتی الوسع سمجھاتی ہے یعنی فلاں چیز فلاں مقام پر کیوں ہے۔ انسان کسی ایک جگہ کیوں جمع ہوتے ہیں، اُن کے خاص کاروبار اور پیشوں کی کیا وجہ ہے۔ کوئی خاص تجارت کیوں ہے۔ کوئی خاص جانور یا ترکاری کیوں پائی جاتی ہے۔ کسی زمین کے زرخیز یا بنجر ہونے کے کیا وجوہ ہیں۔ کسی چیز کی کثرت یا قلت۔ کوئی خاص طرزِ عمارت۔ یا عادات و اطوار، یا رسم و رواج کسی خاص حصہ میں کیوں پائے جاتے ہیں۔ رنگ و روپ۔ عمارتوں۔ گلی کوچوں۔ دیواروں۔ کمروں۔ چھتوں کا اختلاف کس لئے، اور ایک ملک کا قانون دوسرے ملک سے کیوں علٰحدہ ہے۔ امن و امان۔ بدامنی و بدتری۔ انقلاب یا خانہ جنگی کیوں کہیں رہتی ہے۔ یا کسی ملک کی بےچینی یا امن و سکون۔ جہازرانی یا تجارت کے کیا اسباب ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جغرافیہ ہر اس چیز کی تشریح کرتی ہے جس کا تعلق انسان سے ہے۔ اور وجوہ بتلاتی ہے۔ انسان کی طرزِ معاشرت۔ سیاست۔ معاشیاتی حالات، بین الاقوامی تعلقات ہی نہیں، بلکہ اس کے علوم و فنون اور مذہب تک سے بحث کرتی ہے غرض جغرافیہ کا مقصد بیان کرنا اور سمجھانا ہے اگر جغرافیہ کی تعلیم صحیح اصول پر دی جائے اور اس کے مقاصد کو سمجھ کر ان سے فائدہ حاصل کیا جائے تو بہت جلد یہ مضمون اپنی پستی اور تنزل سے ترقی کر کے قوم اور بین الاقوامی مسائل کے حل کرنے میں ہمارا امد و مددگار ہوگا۔

تماس کا اثر

(INFLUENCE OF CONTACT)

چڑھنے والے پودوں میں تماس کے تہیج کے زیر اثر تنہ جس عمل کا اظہار کرتا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ سوت سہارے کا متلاشی ہوتا ہے۔ اور اس کے اطراف لپٹ جاتا ہے۔ اس عمل کردارت پر اب ہم غور کریں گے۔

(۱) بورپھلنگ۔ (The Nutation of stem tips) جب ہم تنہ کو سیدھا اوگتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس کی پھلنگ خطِ مستقیم میں ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے۔ لیکن در اصل یہ بات نہیں ہے اگرچہ کہ تنہ ایک ہی لکیر میں بہت فاصلہ تک بڑھتا رہتا ہے۔ حقیقت میں تنہ کی پھلنگ جیسے اوپر بڑھتی ہے ہوا میں چھوٹے چھوٹے دائرے بناتی جاتی ہے۔ عمودی تنہ کی پھلنگ اُفقی دائرے اور افقی تنہ کی پھلنگ عمودی دائرے بناتی ہیں۔ اس قسم کے حلقہ نما حرکت یا مدور غیر مساوی بالیدگی کا نتیجہ ہے۔ پھلنگ سے ذرا پیچھے کے حصہ میں بالیدگی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر اس حصہ میں بالیدگی ہر جگہ برابر ہو تو پھلنگ خطِ مستقیم میں بڑھتی رہے گی۔ مگر یہ بات نہیں ہے ایک جگہ کی خانوں کی زیادہ بالیدگی کے وجہ سے نئے یافتہ کی ایک کھونٹی پیدا ہو جاتی ہے مثلاً شکل (۳) (۱) اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تنہ کی پھلنگ سمت (ب) کی طرف جھک جاتی ہے۔ مخصوص بالیدگی کا حصہ بتدریج تنہ کے چاروں طرف بدلتا رہتا ہے۔

شکل ۴ - بڑھنے والے حصہ کی عمودی تراشش یا خاکہ ہے جس کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ (۱) کی بالیدگی سے تنہ (اَ) کی طرف، (ب) کی بالیدگی سے (ب) کی طرف اور (ج) سے (جَ) کی طرف جھک جاتا ہے۔ پس اُس اثناء میں جب کہ (۱) پھر مخصوص بالیدگی کا حصہ بنے پھلنگ ایک پورا چکر کر چکے گی۔

ابھی تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ بغیر سہارے اوگنے والے تنوں کی نسبت میں ہے اب ہم دیکھیں گے کہ چڑھنے والے تنوں پر یہ اصول کہاں تک منطبق ہوتے ہیں۔

(ب) لپٹنے والے تنوں کے نمایاں مدور پھیلنگ (The pronounced Nutation of Twining stem Tips) لپٹنے والے تنوں کی پھیلنگ بہت لمبی ہوتی ہیں۔ اور بالیدگی کا حصّہ دوسرے پودوں کے مقابلہ میں پھیلنگ سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے تنوں کی پھیلنگ زیادہ بڑے دائرے بناتی ہیں۔ لپٹنے والے پودے کی پھیلنگ کے مدور ظاہر کرنے کے لئے شکل ۔۔ میں ایک تجربہ بتلایا گیا ہے۔

قریب ۸ انچ قطر کا ایک دائرہ پٹھے پر کھینچ لیا گیا اور اس میں بیس نصف قطر برابر برابر فاصلوں پر بنائے گئے شکل ۵۔ پٹھے میں ایک ایسا شگاف لگایا گیا تاکہ سیم کا تنہ اس طرح بٹھایا جا سکے کہ وہ دائرے کے مرکز سے گزرے شکل ا۔ ۷۔ پودے کی پھیلنگ کے اوپر سے مشاہدہ کیا گیا۔ اور اس کا خاکہ پٹھے پر بنا لیا گیا۔ یہ مشاہدات ۲ ½ گھنٹوں میں ختم ہوئے۔ اس اثناء میں پودے کی پھیلنگ نے پورا ایک چکر بنایا۔ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ لپٹنے والا تنہ کس طرح سے سہارے کی تلاش کرتا ہے اور اس کو مس کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

(ج) لپٹنے والا تنہ اپنے سہارے کو کس طرح پکڑتا ہے۔ اس عمل میں اور بغیر تہیج تماس مدور پھیلنگ میں امتیاز کرنا لازمی ہے۔ یہاں پر بھی غیر مساوی بالیدگی کی باعث تنہ سہارے کے اطراف لپٹتا ہے۔ لیکن یہ عمل تماس کے تہیج کے زیر اثر سرزد ہوتا ہے۔

اب اس عمل پر ذرا غور کرو۔ لپٹنے والا تنہ شکل ۔ ۸ اپنی حلقہ نما دور میں سہارے کو مس کرتا ہے جب تنہ (ا) مقام پر سہارے کو مس کرتا ہے تو (ا) خانے جو سہارے کو مس کر رہے ہیں۔ متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور یہ متاثر خانے تہیج کو تنہ کے دوسری جانب

(ب) خانوں تک منتقل کر دیتے ہیں۔ اس تہیج کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلئے (ب) زیادہ تیزی سے بڑھتے ہیں پس (ب) مقام پر خانوں کا کھوٹی نما ایک حصہ تیار ہو جاتا ہے شکل ۹۔
اب (ج) خلئے سہارے کو مس کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ تہیج کو (د) خانوں تک منتقل کر دیتے ہیں۔ پس ان خانوں کی بالیدگی سے شکل ۱۰ خلئے (م) سہارے کو مس کرتے ہیں۔
علیٰ ہذالقیاس اُن کا مجموعی اثر یہ ہوتا ہے کہ تنہ سہارے کے اطراف لپٹتا جاتا ہے۔
اس عمل کے ساتھ ساتھ تنہ روشنی کی طرف اُوپر بڑھتا رہتا ہے۔ حلقہ نما اور اوپری بالیدگی کا مجموعی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پودے کی بالیدگی سہارے کے اطراف پیچدار ہوتی ہے

(د) سوت کا عمل کرداریت۔

سوت۔ عمل مدور کے ذریعہ سہارے کو تلاش کر لیتا ہے پھر لپٹنے والے تنوں کے مانند تماس کے تہیج کے زیر اثر نا برابر بالیدگی کے باعث سہارے کو پکڑ لیتا ہے۔ اشکال ۱۲-۱۴۔ سوت کے یہ حرکات تبھی تک ممکن ہیں جب تک وہ بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن پرانا سوت اگر وہ اثنار بالیدگی میں سہارے کو نہ پکڑ سکا تو بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔ بیلوں کے نچلے حصوں پر اکثر اِس قسم کے سخت اور بیکار سوت پائے جاتے ہیں۔
جب سوت سہارے کو پکڑ لیتا ہے۔ تو وہ چوبی ہو جاتا ہے۔ سوت کا بقیہ جو لپٹا نہیں ہوتا اُس میں بھی پیچدار حلقہ پڑ جاتے ہیں شکل ۱۵۔
چونکہ اس سوت کا اوپری حصہ مضبوطی سے لپٹا ہوا ہے لہذا حلقہ بڑھنے کے باعث سوت پودے کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے شکل ۱۴-۱۵۔ اس قسم کے حلقہ دار سوت میں دو حصے ہوتے ہیں جن کے پیچ متضاد سمت میں پائے جاتے ہیں شکل ۱۵۔ کو غور سے دیکھو متضاد پیچ کا ہونا ایک ایسی ترکیب ہے جس کے باعث مروڑ کا کھنچاؤ اس قدر نہیں بڑھنے پاتا کہ سوت ٹوٹ جائے۔
غالباً جب سوت کے دونوں کنارے جکڑے رہتے ہیں۔ ایک سہارے سے
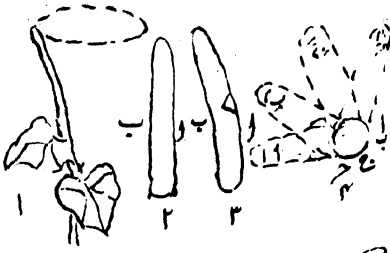
اور دوسرا چڑھنے والے پودے
ہے۔ تو ایسی صورت میں جب
سوت کا ایک حصہ حلقہ وار
ہو جاتا ہے۔ تو لازمی ہے کہ
دوسرا حصہ متضاد سمت میں
حلقہ بنائے۔ اب تم سمجھ گئے
ہوگے کہ سوت کس طرح سے
اپنے سہارے کو تلاش کرتا
ہے۔ اور اس کے اطراف
لپٹ جاتا ہے اور بقیہ حصہ
بھی حلقہ وار ہو جاتا ہے۔ یہ
بقیہ حصہ سبز اور ملائم ہوتا ہے
لیکن بعد میں چوبی اور لچکدار
ہو کر کافی مضبوط ہو جاتا ہے
اور اس کی حیثیت مثل کرنت
کی قوت رکھنے والے عضو کی
ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ پودے
کو مضبوطی سے سہارے سے
جکڑ کر اسے کچھ اوپر کھینچ لیتا ہے
اس کا آزاد حصہ گھڑی کی کمانی
کے مانند لچک کی قوت رکھتا ہے
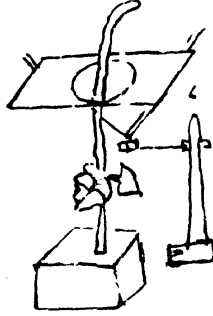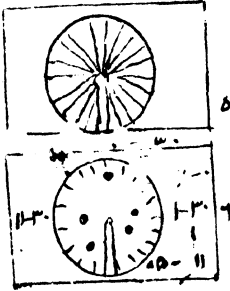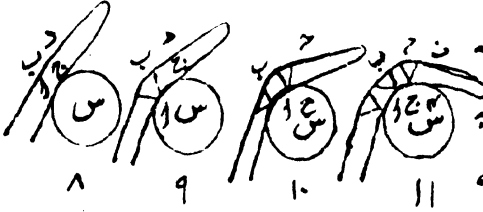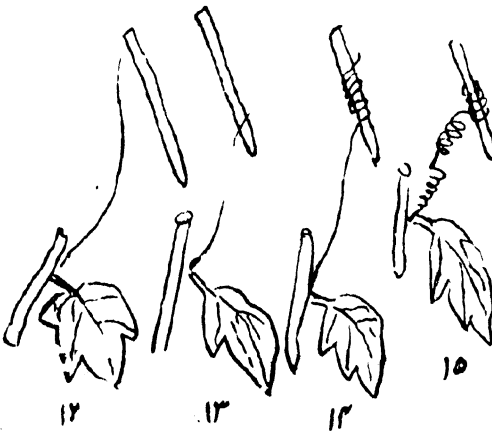
اور جب ہوا کے جھونکو سے پودے گے اور مرجھانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تو ملقہ کھل جاتے ہیں۔

شذرات

حال میں دفتر نظامت تعلیمات میں جائداد ہائے اہلکاری کے لئے ایک امتحان مقابلہ ہوا۔ شرکائے امتحان کی تعداد (۴۴) تک پہنچ گئی تھی۔ امیدواران میں اہلکار و مدرسین دونوں شامل تھے۔ اور یہ بلدہ تک ہی محدود نہیں تھے۔ بلکہ اضلاع سے بھی قسمت آزمائی کرنے آئے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ امتحان مقابلہ موزون اہلکار کے پتہ لگانے میں کس حد تک کامیاب ثابت ہوتا ہے

قصبہ مدرگی میں کتب خانہ سفری قایم ہوا ہے جو سید محمود صاحب بحری صدر مدرس و ملرڈ پا صاحب مددگار کی کوشش اور بدن گوڑا صاحب و ایر پا صاحب کنڈے راؤ صاحب و سد پا صاحب کی مالی امداد کا نتیجہ ہے۔

بحین دورہ اورنگ آباد شاہزادگان اعظم جاہ بہادر و معظم جاہ بہادر نے مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد کا معائنہ فرمایا۔ مولوی سید محمود علی صاحب صدر مہتمم مدرسہ نے بالمدرر دروازہ داخلی پر چاندی کے دوانیاں اور نقرئی پھول نچھاور کئے شاہزادگان بلند اقبال نے نمائش گاہ کو عزت ورود بخشی مٹی پتیل اور نجاری و پارچہ لوہاری و بید وغیرہ کی بنی ہوئی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا۔

صدر مدرس صاحب مدرسہ تحتانیہ قصبہ باتوڑہ نے ۱۲ شہریور ۱۳۳۰ ف کو اپنے مدرسہ میں سنٹرل کلاس معلمین کے انعقاد بصدارت مولوی محمد عثمان شریف صاحب ناظر تعلیمات

ضلع نظام آباد کا انتظام کیا جس میں جملہ اسٹاف مدرسہ اور اطراف و اکناف کے مدرسین نے شرکت فرمائی تھی۔ ٹرینڈ اساتذہ ...بار نے حسب ذیل مضامین پر نہایت دلچسپ سبق دیئے جو جدید طریق تعلیم پر مشتمل تھے۔

(۱) ابجد خوانی اردو (۲) ابجد خوانی تلنگی (۳) پہاڑے سکھانا (۴) جغرافیہ (۵) اردو (۶) حساب۔ جو نکتہ چینی کی گئی وہ بھی دلچسپی سے خالی نہ تھی صاحب صدر نے ہر سبق پر مفید تبصرہ کرتے ہوئے مدرسین کے معلومات میں اضافہ فرمایا اختتام اسباق کے بعد صدر معز نے طریق تعلیم و نظم و نسق مدارس کے متعلق ایک نفع بخش تقریر فرمائی جس سے حاضرین کی کافی طور پر رہنمائی ہوئی اسی سلسلہ میں بوقت سہ پہر صدر مدرس صاحب نے اسپورٹس کا انتظام کیا طلبہ و اساتذہ کا ایک جلوس بمعیت پرچم شاہی مدرسہ سے نکالا گیا۔

فٹ بال کھیلوں اور ڈرل ... لڑکوں نے بخوش اسلوبی کیا آخر میں صدر صاحب نے کھیلوں میں جیتنے والوں کو انعامات از قسم سامان نوشت و خواند تقسیم فرمائے۔

روئیداد جلسہ سالانہ مدرسہ وسطانیہ عثمانیہ قصبہ مغل گدہ ضلع محبوب نگر۔

...بال حال عالیجناب مولوی سید محمد جواد صاحب بی۔اے۔ بی۔ ٹی مہتمم تعلیمات ضلع کی ابتدائی تشریف آوری کے مبارک موقع پر مقامی مدارس نسوان اردو و تلنگی کی سجاوٹ اور مدرسہ وسطانیہ کی امتیازی شان و آرائش ایک عجیب پر لطف و نظر فریب منظر پیش کر رہی تھی۔

۲۵ شہریور کو وسطانیہ کے خاص جلسہ سالانہ کا انعقاد عمل میں آیا جس میں مدرسہ تحتانیہ قصبہ کندرگ کا بھی پورا اسٹاف شریک تھا۔ اور کئی مقامی معززین و ساہوکار بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مدارس نسوان کی معلمات کو بھی صدر مدرس کے مکان میں سے جلسہ کی کارروائی کے معائنہ سے محظوظ اور سبق اندوز ہونے کا موقع دیا گیا تھا۔

طلبہ کی حمد اور ترانے کے بعد صدر مدرس نے مدرسہ کی تعلیمی ترقی اور عام انتظا

ور اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے نہایت مسرت کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا کہ عام پریشانی کے باوجود مدرسہ ہذا سے گزشتہ سال دس کے دس اُمیدوار امتحان مڈل میں کامیاب ہو گئے اور اس سال بھی اردو مڈل کے علاوہ یہاں زبان انگریزی کے مضمون میں تین میں سے دو لڑکے پاس ہوئے۔ اس کے بعد مولوی سید حسینی صاحب نے ایک مضمون "اساتذہ اور والدین کا اشتراک عمل" پڑھ کر سنایا جو والدین کے لئے عمدہ تجاویز اور نصیحتوں سے مملو تھا۔

اس کے بعد ... معزز نے مدرسہ کے خاص خاص ممتاز طلبہ کو ۴۸ کتابیں بطور انعام تقسیم کیں۔ اور اسی طرح اسپورٹس میں اول و دوم آنے والوں کو بھی اساتذہ کی جانب سے انعامات عطا فرمائے۔

مرکز نمبر ۲ تعلقہ گلبرگہ کی انجمن اساتذہ کا جلسہ بصدارت مسٹر بال گوبند پرشاد صاحب ہوا۔ اساتذہ نے مختلف مضامین پر تقریریں کیں۔ تبادلہ خیالات کے بعد جلسہ اساتذہ حضرت قدس و اعلیٰ کی ترقی اقبال کے لئے دعا کر کے برخاست ہو گئے۔

ماڈل اسکول چیلی پورہ کی تاریخ میں ۲۷ امرداد ۱۳۴۸ف کا مبارک دن ہمیشہ عزت و احسان کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ کیونکہ شاہزادگان عالی قدر نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس کو شاہانہ ملاحظہ کا اعزاز عطا فرمایا۔

مدرسہ اندر باہر رنگین جھنڈیوں، خوشنما تصویروں اور قطعات سے آراستہ کیا گیا تھا۔ سب سے کہیں زیادہ وہ عقیدت اور خلوص کا منظر تھا، جو مدرسین اور طلباء کے دلوں میں موجزن تھا۔

ٹھیک پونے گیارہ بجے رونق افروزی ہوئی۔ شاہزادگان بلند اقبال کے ہمراہ

اراکین اسٹاف اور مقامی اعلیٰ عہدہ داران تھے۔ مدرسہ کی جانب سے جناب صدر مہتمم صاحب نے جناب مہتمم صاحب و ناظر صاحبان وغیرہ کی معیت میں موودبانہ استقبال کیا۔

حضرت ولی عہد بہادر نے صحن مدرسہ میں قدم رکھتے ہی مدرسہ کے حالات دریافت فرمائے۔ اس کے بعد ایک نظر کیمیا اثر کی جنبش سے مدرسہ کے ہر کمرہ ہر جماعت و آلات تعلیمی طلباء اور مدرسین کو ملاحظہ فرمایا۔ اس شاہانہ سرپرستی پر جس قدر بھی فخر و ناز ہو بجا۔ اور رعایائے دکن کو جس قدر اطمینان اور مسرت حاصل ہو واجبی ہے۔

بتاریخ ۲ شہریور ۱۳۳۸ف روز جمعہ مدرسہ تحتانیہ درجہ اول دو زبانی قصبہ مرکھل تعلقہ دگلور کا آٹھواں تعلیمی جلسہ زیر صدارت جناب مولوی محمد بشیر الدین احمد صاحب منتظم کوتوالی اسٹیشن ہاؤس قصبہ مذکور منعقد ہوا شرکاء کی تعداد چار سو سے کم نہ تھی جلسہ کا آغاز حمد سے کیا گیا طلبائے مدرسہ نے اردو و مرہٹی نظمیں خوش الحانی سے پڑھیں نیز اردو و مرہٹی میں دلچسپ مکالمے ہوئے جس سے حاضرین محظوظ ہوئے مدرسہ کے اندر باہر رنگ برنگ کی کمانیں و بیرقیں لہرا رہی تھیں۔ دیواروں پر خوش خط و خوشنما سنہری قطعات سلیقہ کے ساتھ نصب تھے [illegible] رشک گلزار بن گئی تھی۔

محمد عبدالقادر صاحب صدر مدرس مدرسہ نے مدرسہ سے متعلق مختصر سی رپورٹ پڑھی اور مدرسہ کے نتائج و ترقی و آبادی کا اظہار کیا مولوی محمد عبدالغفور صاحب صدر مدرس تحتانیہ پیٹھ امراپور تعلقہ دگلور نے مدرسہ کی ترقی و آبادی پر اظہار خوشنودی فرماتے ہوئے طلباء کے ورثا کو یہ ترغیب و تحریص دلایا کہ مدرسہ ہذا کا کورس ختم کرنے والے طلبا کو مدرسہ وسطانیہ میں شریک کیا کریں تاکہ وہ نونہال پودے بلند معلومات میں اضافہ کریں۔

تمام طلباء و حاضرین جلسہ کو نرسا صاحب ساہو نے (صمد) کی شیرینی تقسیم کی۔

سرینواس راؤ صاحب وکیل و مہادیا صاحب ساہو و شمس الدین صاحب بڑے گرمے کامیاب

طلبا کو کتابیں چھ دوات وچھ ہولڈر ایک کتاب بطور انعام دئے

مدرسہ کلواکرتی کا جلسہ ۱۶ اپریل ۱۹۳۸ء کو ٹھیک پانچ بجے شام میں بصدارت مولوی [illegible] صاحب مہتمم تعلیمات آغاز ہوا۔ جملہ اہلیان بستی، اور عہدہ داران مقامی [illegible] میں شریک رہے۔ سب سے پہلے مدرسہ ہذا کے طالب علم [illegible] اللہ نے قرأت پڑھی اس کے بعد برہان الدین اور عزیز الدین نامی طلبا نے ڈاکٹر اقبال کی نظم (بچے کی دعا) خوش الحان آواز میں سنائی۔ بعد ازاں محبوب علی اور ونیکٹ ریڈی۔ طلبہ سکنڈ فارم نے [illegible] اور ریاضت جسمانی پر اپنے اپنے مضامین پڑھے۔

بعد ازاں [illegible] سید کریم صاحب مددگار مدرسہ ہذا نے علم کے اثرات اور فضیلت انسانی پر تقریر کی۔ اور پور فنڈ مدرسہ اور اس کی محبت، اساتذہ اور والدین کے حقوق کا بھی مسئلہ چھیڑا۔ اور مولوی سید عبدالطیف صاحب صدر مدرس نے والدین اور مدرسین کے اشتراک عمل پر تقریر فرمائی۔

اس کے بعد عالیجناب صدر کے ایما سے جناب [illegible] دست مبارک سے اُن لڑکوں کو جو امتحان سالانہ میں [illegible] انعامات تقسیم فرمائے بعد تقسیم انعامات صدر جلسہ نے مو[illegible]دہ رفتار تعلیم اور گورنمنٹ کی دریا دلی جو شعبۂ تعلیم سے متعلق ہے بیان کی۔

معزز صدر نے اخلاقی یا دینی تعلیم پر بہت زور دیا۔ اور مسئلہ پور فنڈ کی غیر معمولی اہمیت بیان کی۔ حاضرین جلسہ اور اولیائے طلبا سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا کہ [illegible] ہمارے لئے ایک کامیاب دن ہے جبکہ آپ اور ہم ساتھ ساتھ اپنے خدمات [illegible] انجام دیں، یعنی آپ کو بھی اپنی اولاد کی صحیح ترقی کا درد اپنے دل میں پیدا [illegible] اور ہم بھی اُن کو صحیح تربیت کرنے میں کامیاب ہوں۔

اس کے بعد صاحب موصوف نے مدرسہ ہذا کے لئے ایک جائداد ... روپیہ بغرض ... خیاطی کی منظوری کا وعدہ فرمایا۔

جلسہ کا اختتام ... جلسہ کے شکر ... ترقی عمر و اقبال حضور پرنور صاحب ... ادگان ... اقبال اور صاحبزادیاں ہمایوں ...

ایک اور جلسہ تعلیمی مدرسہ تحتانیہ محمد ... مولوی سید محمد جواد صاحب ... ہتمم تعلیمات کی صدارت میں کامیابی سے منعقد ہوا۔ اسپورٹس ہوئے۔ تقریریں ... پور فنڈ کے لئے چندہ جمع ہوا۔

اشتہار

خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تقدیر کا ۔ شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

مذہبی، ادبی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی، مضامین شائع کرنے والا ریاست میسور کا واحد ... الکلام جو ہر ... کو شہر بنگلور سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے عربی و فارسی اخبارات کے اعلیٰ تراجم ممالک غیر کی ... خبریں شائع ہوتی ہیں۔ ہندوستان، دکن اور ریاست میسور کی ساری اہم خبریں بالتفصیل صرف الکلام میں شائع کی جاتی ہیں چونکہ الکلام دکن بھر میں نہایت کثیر الاشاعت اردو اخبار ہے اس لئے مشتہرین کے لئے عمدہ ذریعہ تجارت ہے۔ سالانہ چندہ مع محصول ڈاک پندرہ روپیہ ششماہی آٹھ روپیہ اور سہ ماہی چار روپے۔

اشتہار کے نرخ۔ فی صفحہ فی اشاعت چالیس روپیہ کم ... کے ... اسی تناسب سے ... میں کمی کی جائے گی۔ اگر ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک اشتہارات شائع کرانے کا معاہدہ ... اور کل ... بلغ پیشگی دیا جائے تو مزید رعایت مدنظر رہے گی۔ منیجر روزنامہ الکلام۔

رج ان گ یم ۲۰۶۵ء

رجسٹرس ح ۱۸

جلد

نمبر ۱۲

المعلّم

(پ)

ماہ آبان ۱۳۳۸ف

مدیر

محمد سجاد مرزا۔ ایم اے (کنٹب)

اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن

صدور لایا ہے کہ

بچوں کا قاعدہ شریک نصاب کیا جائے

حضرت اقدس و اعلیٰ کے حکم محکم کی پوری پوری تعمیل ضروری ہے
مدرس صاحبان بچوں کے قاعدہ کو جسمیں ہمارے آقا و صاحبزادگان
باتمثال کی شبیہ ہے اور جو جدید مگر مقبول اصولوں پر ترتیب دیا گیا ہے
قیمت فی جلد ۴ر تاجروں و مدارس کو کمیشن دیا جاتا ہے

ملنے کا پتہ

دی حیدرآباد بک ڈپو حیدرآباد دکن
عبدالقادر تاجر کتب و مالک اعظم اسٹیم پریس و مالک گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر چارمینار حیدرآباد دکن
مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مندرجات المعلم

جلد (۵)	ماہ آبان ۱۳۳۸ف	نمبر (۱۲)

جامعات اور تجسس

جامعہ میسور کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر سری. وی. رامن ایم. اے. ڈی. ایس. سی (آنرز) نے جو عالمانہ تقریر فرمائی اس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

مدیر

جلسہ ہذا کو مخاطب کرنے کی غرض سے میرا یہاں مدعو کیا جانا میرے لئے نہایت

باعث فخر و اعزاز ہے اور جس کو قبول کرنے میں اگرچہ میں اس وقت جب کہ سائنس کی نہایت
کی غرض سے یورپ کو روانہ ہونے والا تھا میرے بعض کاموں میں رخنہ پڑ گیا۔ مجھے کوئی تامل
نہ ہوا۔ چند سال سے میسور نے دولت و اقبال میں ایسے پر شوق دلچسپی کا احساس کیا ہے اور
زمانہ حال سے ریاست ہذا میں اتنی مرتبہ آنے کا اتفاق ہوا ہے کہ میں جناب مہاراجہ بہادر کی
ریاست میں حق باشندگی حاصل کر لینے کا دعویٰ کر سکوں۔ یہ امر کہ میسور نے زمانہ گذشتہ میں سر
کے شسشادری یا سری ایم وسویریا جیسے ممتاز حکام سیاست کو آزاد میدان عمل پیش کیا اور
ہریچندر رانا سیل یا رادہا کرشن جیسے قابل افراد کی گو عارضی دستیاری ہی سہی اطاعت شعاری
حاصل کی ریاست کو شان و شکوہ کے ہالہ سے مزین و آراستہ کرنے کے لئے بذاتہ خود کافی و
وافی ہے۔ ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی کی توجہ اپنی جانب منعطف کرانے کے لیے میسور میں
بہت کچھ سامان موجود ہے۔ سیوا سامدرم اور کرشنان گرمیں رفاہ عام کی اعلیٰ کارگزاریاں
بنگلور اور بھدراوتی میں ریاست کی صنعتی گرم بازاری ہی میسور کو آسمان زینت پر جلوہ فرما
اور ہندوستان کے دیگر مقامات سے مودبانہ توصیفی نگاہوں سے دیکھے جانے کے لئے
کافی ہیں۔ میسور کی شہرت ان باتوں اور اس کے حکمراں کی دانائی اور مساعی کی زندہ
شہادتوں اور ان حضرات کی قرابت کی وجہ سے جنہوں نے اس کے انتظام مملکت میں
امداد فرمائی ہے دور و نزدیک پھیلی ہوئی ہے۔ سائنس داں ہونے کی حیثیت سے میری دلی
تعریف مہاراجہ بہادر کے اس دوراندیشانہ پالیسی کے کام پر بے اختیار نکل پڑتی ہے جو
ممدوح کے ایما سے انڈین انسٹیٹیوٹ آف سائنس واقع بنگلور کے قیام کا باعث ہوئی۔ نہ
صرف میسور بلکہ تمام ہندوستان اس شہرت و ثروت کی بہار کے پختہ ثمرات سے ایک
نہ ایک دن بہرہ اندوز ہو کر رہے گا۔ چند سال سے انسٹیٹیوٹ مذکور کے حالات نے میری
ذاتی توجہ کو بذات خود حاصل کیا ہے اور اس شاندار دن کو جلد تر پیدا کرنا میری دائمی اور
انتھک کوشش رہی ہے۔

ملاحظہ ہو عالم۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تاریخ ہندوستان میں کسی وقت بھی ہمارے بڑے
وسیع ملک کے مختلف حصص آپس میں علمی نشو و نما کے اتصال سے بالکل دست کش نہیں
ہوئے ہندوستان کے ایک مقام کی ترقی ہر دوسرے مقام کی حالت میں الٹ پلٹ
کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اگر کسی اور سبب سے نہیں تو کم از کم اسی وجہ سے
میسور کی ترقی ہندوستان کے دیگر مقامات میں پرجوش شوق کے ساتھ دیکھی جائے گی
اگر میسور ترقی کر گیا تو ہر ہندوستانی دل باغ باغ کر دے گا۔ اگر وہ پیچھے رہ گیا تو بقیہ
ہندوستان بھی نقصان اٹھائے گا۔ کسی کو بھی یہ شبہ نہیں کہ ہمارے قومی نشو و نما میں میسور
کا ذاتی خاص اور ممتاز حصہ ہے۔

صرف ایک مثال ہے جس کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف حصص تبادلہ خیالات
سے ایک دوسرے کو مستفید کر سکتے ہیں انڈین سائنس کانگرس کی کارگزاریاں بیان کر سکتا
ہوں۔ آج تک ۱۹۱۷ء میں بنگلور کو پہلی دفعہ آنا مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے۔ ان چند ایام کی
کارگزاریوں کی بہت ساری تصویر اب بھی میری یاد کے سامنے موجود ہیں۔ کانگرس میں
شریک ہونے والے مندوبین کی ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کا بے غرضانہ پُر اثر الطاف
و کرم کے ساتھ اندرون محل سریلے نغموں کے ذریعہ خاطر داری کرنا۔ صندل کے کارخانوں کی
معطر چہل پہل۔ انڈین انسٹیٹیوٹ آف سائنس کی بڑی Campus جو اس وقت
ایک قدیم ناظم رصدگاہ کی کوشش سے ہوش ربا تماشوں کا اکھاڑا بن گیا تھا یہ اور دیگر رنگین
نقش و نگار میرے دل و دماغ میں اچھی طرح بیٹھ گئے ہیں۔ اس دفعہ بنگلور کے معائنہ سے
خاص کر جس شے نے میرے اندر دلچسپی پیدا کی وہ چھ انچ لانبی اور نصف انچ چوڑی شیشہ
کی ایک نلی تھی جس کو میں نے ان جلسوں میں اثبات عمل (ڈیمانسٹریشن) کے طور پر وہاں
استعمال ہوتے دیکھا تھا۔ پارہ کے چمکدار غبار اور خیرہ کن سفید خط ظاہر کرنے والی شیشہ کی
نلی مجھے افشار حقیقت معلوم ہوئی۔ پارہ کے اس خط کی قوت نے کہ وہ تحقیق سائنس کا

زبردست آلہ ہے میری آنکھیں کھولدیں آپ حضرات نے الف لیلیٰ میں قصہ پڑھا ہوگا کہ کس طرح الہ دین کو اس عجیب چراغ کا راز معلوم ہوا جس کے ذریعہ اس کو دولت و شہرت حاصل ہوئی۔ الہ دین نے چراغ کو رگڑا اور فوراً ایک بڑا جن اس کے حکم بجالانیکو آموجود ہوا۔ اسی طرح یہ بھی کوئی مبالغہ نہیں کہ وہی خام پارہ کا خط موجودہ طبعیات میں الہ دین کے چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ برقی رو کے چھو جانے سے اس کے اندر سے ایک جن نکلتا ہے جو روشنی کی رفتار کے برابر تیز جاتا ہے جو نہایت حیرت انگیز کام انجام دینے کے قابل ہے وہ ایسی قوت ہے جو ایک انچ کے ایک کروڑویں حصہ میں متجزی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ ذرات اور اندرونی کیفیت و ساخت کو بھی ظاہر کر سکتا ہے۔ یہ کوئی امر اتفاقی نہ تھا کہ گیارہ سال کے یہی پارہ کے خط والا چراغ تھا جس نے جدید نادر برقی کی تحقیق کا مجھے موقع دیا جس کا آپ نے حال پڑھا ہوگا اور علی ہذا یہ بھی سوء اتفاق نہ تھا کہ اس تحقیق کے چند ہی روز کے بعد میں نے چند سائنس داں حضرات کو سنٹرل کالج بنگلور میں بحیثیت سامعین جمع کیا جن کے سامنے سائنس کی اس محققہ مسئلہ کی سرگذشت پیش کی۔

عمل انسانی کا کوئی حلقہ ایسا نہیں جو مختلف تہذیب و ملک کے لوگوں کو ایک جانب کھینچتا ہو اور ہمدردی اور دوستانہ تعلقات کی اس قدر بندش قایم کرتا ہو جیسے کہ تلاش علم۔ علم اپنی فطرت سے عالمگیر واقع ہوا ہے۔ فطرت کا جدید محققہ مسئلہ ایک ایسی تحقیق ہے جسکی وقعت یا افادہ محقق کے قومیت یا رنگ کی وجہ سے کسی طرح تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسی تحقیق کا تسلیم کرنا بالعموم فعل اختیاری ہوتا ہے۔ اس قسم کی زبردست مثال اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ دوران جنگ میں انگلستان و جرمنی کے مخاصمانہ جذبات انگریز سائنس دانوں کو آئنسٹائن کی تحقیق کی کامل اور مستعدترین قابلیت کو تسلیم کرنے سے باز نہ رکھ سکے میں یقین کرتا ہوں کہ جنگ کے بعد انگلستان و جرمنی کی عاجلانہ مصالحت جرمنی کے اس علمی و ذہنی اقتدار کی وجہ سے پیدا ہوئی جو جرمنی تمام دنیا میں قایم کرنے میں مصروف ہے اور

باوجود میدان جنگ میں ہارنے کے اب بھی غیر متاثر ہے۔

جامعات اور قومی خوشحالی اعلیٰ قسم کی ذہنی سرگرمی جسے ہر جامعہ کو ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے وہ قومی خوشحالی اور اہمیت کے بے تعداد قوت کی طاقت ہے۔ زراعتی صنعتی یا تجارتی ترقی کی سرگرمی کا براہ راست نتیجہ اور اس کے بلاواسطہ نتائج اس سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ ذہنی انجماد قومی تباہی اور فنا کے مساوی ہے۔ برخلاف اس کے ذہنی سرگرمی قومی زندگی کی تمام کیفیات میں بیداری پیدا کرتی ہے۔ اوسط درجہ کے انسان کو جس کے تمام ذرائع ذہنی موجود ہوں تنومندانہ مسرت کے مطمع نظر۔ آرام طلب بیکاری یا بھولے پن کی سوچ بچار کی زندگی میں نظر نہیں آتی بلکہ ذہنی و جسمانی دونوں مختلف النوع سرگرمیوں میں نظر آتی ہے جس کی گاہے گاہے آرام سے تلافی ہوتی رہتی ہے جس کو قدرت گم شدہ شے کے بدلہ میں طلب کرتی ہے۔ منفرداً صرف جسمانی یا ذہنی سرگرمی کمال انسانی کو اعلیٰ رتبہ پر پہنچانے کے لئے غیر مکمل و ناکافی ہے۔ ہر ملک میں تعلیم اور جوش تحقیق ذہنی سرگرمیوں کی روح رواں ہے اور اس قوم کے فکرمندوں اور معلموں کے مقرر کردہ معیار کے ساتھ ساتھ اس کا مزاج بدلتا رہتا ہے۔ پس اس آخری تحلیل و ترکیب ہی کے ذریعہ جامعات کی رہنمائی ہوتی ہے جو ملک میں سرگرمی کی سطح قائم کراتی ہے اور قومی قابلیت بھی۔

قومی خوشحالی اور افعال جامعات کے مابین تعلق کی طرف توجہ مبذول کرانے سے پہلے میں آپ حضرات کو باضابطہ تعلیم امتحان کے تباہ کن مردہ طریق سے خطرہ سے نکالنے پر زور دینا پسند کرونگا۔ تعلیم کی تمام باضابطہ اسکیموں کا میلان دماغ انسان کو ایک نرم دھات کی شکل جس کو بہ داب نصاب و امتحانات کے فولادی سانچوں میں ڈھال کر خاص شکل میں تیار کر لیا جائے معلوم ہوتا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ تعلیم کی اس قسم کی کاریگری اپنے اثرات میں نہایت مہلک ہے اور ہمارے جامعات کے تیار کردہ ذہنی نتائج (طلبہ) شوریت (بے بہرگی) کے ذمہ دار ہیں۔ انفرادیت اور شخصیت کو ترقی دینا تعلیم کا دارومدار

اصلی ہے اور باضابطہ تربیت اور ذہنی تہذیب کے خیال کو اس انفرادی ترقی کے مقام بربادی تک لیجانا آسانی سے ممکن ہے۔ میں کہوں گا کہ بہتر اکثر صورتوں میں بہترین خوبی کی دشمن ہے۔ باضابطہ تربیت کو علم و عمل کی شخصی آزادی کے حق میں راستہ کردینا چاہیئے جہاں کہیں اور جب کبھی بھی بہترین نتائج کی توقع دلاتے ہوں۔ یہی وہ موقع ہے جہانکہ استاد کی دانائی اور ہمدردی کی شدید ضرورت ہے۔

ضرورت تجسس | جامعاتی کاموں کا مطمح نظر اساتذہ اور طلبہ میں خاص قابلیتوں کے مواقع بہم پہنچانا ہے تاکہ وہ اپنی قابلیت کا اظہار کرسکیں۔ جامعات کے عام سرگرمیوں میں رخنہ اندازی کئے بغیر اس مقصد کو کس طرح حاصل کیا جانا میرے خیال میں تنظیم جامعہ کا سب سے اہم مسئلہ ہے اور اس کو کامیابی سے حل کرنے کے لئے نہایت ہی فکر مندانہ اور ہمدردانہ غور و فکر کی ضرورت ہے۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ فی زماننا ہندوستانی جامعات خاص سرگرمیوں اور قابلیتوں کے ارتقا میں عموماً کم توجہ کرتی ہیں اور معمولی روزمرہ کی سرگرمیوں پر زیادہ۔ جو فی الواقعی برعکس ہونا چاہیئے۔ درحقیقت عام طور پر پاس اور آنرز کا امتیاز خاص قابلیت کے لئے خاص مواقع بہم پہونچانے کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے مگر میرے خیال میں یہ کافی نہیں۔ انفرادی قابلیت کے ظاہر کرنے کے واسطے زیادہ آزادی ملنا چاہیئے اور اسی طرح استاد اور طالب علم کو تجسس کی غرض سے زیادہ وقت اور مواقع ملنے چاہئیں ایسے حالتوں میں جہانکہ ایسے مواقع سے استفادہ کرنے کی قابلیت کا بین ثبوت موجود ہو۔

گذشتہ چند سال سے یہ بات تسلیم ہوتی جارہی ہے کہ علم انسان کے تگ و دو میں ہندوستان ناقابل لحاظ جز نہیں ہے۔ میں یہ بھی کہوں گا کہ بیرونی دنیا نے یہ سمجھنا شروع کردیا ہے کہ ہندوستانی ذہن اکثر دوش بدوش چل سکتا ہے یا غالباً سائنس کی بڑھتی ہوئی رفتار ترقی میں رہبری بھی کرسکے۔ حقیقت میں یہ ان دو سالہ آزادانہ ترقی کی دعوت کا نتیجہ ہے جو فطرتاً ہندوستانی دماغ نے ظاہر کیا۔ اور میری رائے میں زیادہ تر

ہندوستان کے ان نوعمر سائنس داں طلبہ کی محنت کا نتیجہ ہے جو انہوں نے گزشتہ دس سال میں کی ہیں۔ لیکن میرے خیال میں محصلہ وقعت اب بھی اطمینان بخش نہیں۔ تمام ملک میں بہت ساری جامعات پھوٹ پڑی ہیں اور ان میں کی اکثر جامعات میں ہندوستانی پروفیسر اختراعی کاموں کی خدمات پر موقع پا کر جم گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض قابل تعریف سرگرمی دکھارہے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اطمینان بخش کام کہیں نہیں ہو رہا ہے اس امر کی ایک خاص وجہ ہے جس کے لئے ہندوستان بھر کی جامعاتی انتظامی کمیٹی سے ہوشیاری سے تجسس کرنے اور بلا تاخیر اصلاح کرنے کی طرف توجہ کرنے کی جانب عرض کروں گا۔ ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں معمولی تعلیم پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے تجسسی کام کے عدم مواقع نے یہ بات پیدا کی ہو۔ میں نہیں خیال کرسکتا کہ اہل طلبہ یا اساتذہ کی قلت اس کی وجہ ہوسکتی ہو۔ کوئی مسئلہ جس پر تجربہ کے بعد مجھے یقین ہوا ہو وہ یہ ہے کہ نوخیز نسل میں قابلیت کا کافی مواد موجود ہے جو حقیقی معنوں میں رہبری کا منتظر ہے۔

علم انسانی کا میدان عمل ازمانہ حال علم انسانی کا میدان عمل نہایت ہی دلچسپ حالت میں ہے۔ انیسویں صدی کے سرگرمی کی خاص شکل اس طرح بیان کی جاسکتی ہے کہ میدان علم چھوٹے چھوٹے مزرعوں میں منقسم تھا جو آپس میں ملے جلے تھے مثلاً ریاضی۔ فلکیات۔ طبعیات کیمیا۔ علم طبقات الارض۔ علم نباتات۔ علم حیوانات۔ معدنیات۔ معاشیات۔ سیاسیات۔ روحانیات۔ فلسفہ وغیرہ وغیرہ۔

گزشتہ چند سال کے اندر علم کو جدید طریقہ سے ترکیب دینے کی ایک زبردست تحریک پیدا ہو چلی ہے ہمارے فلسفیانہ دوراندیشی میں ایک خاص قسم کی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے جو اس امر کے تسلیم کرنے کے مساوی ہے کہ باوجود اختلاف عظیم کے قدرت (فطرت) ناقابل تجزی ہے۔ انیسویں صدی کے مصنوعی موانعات جو علم کے مختلف شعبوں میں پیدا ہوگئے ہیں وہ جلد جلد بوسیدہ اور کمزور ہوتے جاتے ہیں اور

بہت سی شکلوں میں (مثلاً بین طبعیات و کیمیا) فی زمانناتو بالکل ہی غائب ہو گئے ہیں۔
موجودہ ترقی کی رو جامعہ کے اس تصور کو جس کو ہم اشاعت علم انسانی سے تعبیر کرتے
ہیں ایک خاص قوت بخش رہی ہے اور اس کو غیر جانبدارانہ طریقہ سے تسلیم کراتی
ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ رفتار ترقی ہماری اس موقع کے اسباب بہم پہنچاتی ہے کہ اگر
ہندوستان روز دکھائے تو اپنے خاص ترکیبی اور فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے ایک نہ
ایک دن پھر اسی رتبہ کو پہنچ جائے جس کے باعث ارتقاء ذہنی میں تمام دنیا کی رہنمائی کر سکے
لیکن یہ توقع صرف ایک امر ممکن ہے اور اس کی واقعیت میں تبدیل کرنے کے لئے زور
دار کوشش کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے قدیم علم پرستی کے احیا کی محتاج ہے جس کے مقابلہ
میں یورپ کے 'زمانہ وسطی' کا 'احیاء علم' قعر معدومیت میں روپوش نظر آئے گا۔
زمانہ حاضرہ کے علم کی اسپرٹ خیالی اور غیر تائیدی قیاسات سے بھرپور ہے۔
اصلیت خواہ کتنی ہی دل گیر ہو پھر بھی تجربہ یا عمل کے غیر مکمل ترکیب کی بنیاد پر عمومیت
صرف خیال اور بجذبہ یقین کے فوری انکار کی منتظر ہے۔ زور۔ منطق۔ ضبط۔ اصل پر تفصیلی
فروعات کو غور کرنا اور محاکمہ ذاتی کی زبردست قوت کو کام میں لانا ہی وہ امور ہیں جن کا
موجودہ سائنس متلاشی ہے۔ دماغ کی یہ عادتیں لکچر روم یا کتب خانہ میں بیٹھے رہ کر علم کو صرف
خموشی سے جذب کرنے سے نہیں ترقی کر سکتی ہیں۔ فی الحقیقت علم جس کی باضابطہ کتاب
یا تقریر کے اندر تشکیل کی گئی ہو تکمیل تعقل کا نقش بٹھانے پر مائل معلوم ہوتا ہے جو مغالطہ وہ
ہے اور بلا رد و قدح کے بغیر ماننے کی صورت میں دماغ کو اپنی جانب مائل کرتا ہے۔ دماغ
کی اعلیٰ خوبیاں علم سے باہر کھینچ آتی ہے جو خود کو حرکت جسمی لیکن غیر مکمل صورت میں تنقید
اور تحقیق شخصی اور بجا تعریف و توصیف کی مناسب ہو کر پیش کرتی ہیں۔ علمی اعلیٰ کار ہونے کی
حیثیت سے تحقیق کی یہی قدر و قیمت ہے۔ محقق کے اختیار کردہ دماغی عادات کا اندازہ یہی
روشنی ہے جو نہ صرف ترقی علم کی رہبری کرتا ہے بلکہ اس کے ذاتی ذہن کو بھی ترقی دیتا ہے اور

اس کو ان قدیم و جدید مسائل کے حل کرنے کے لئے اپنے خزینہ علم کو کامیابی کے ساتھ مصروف بکار کرنے کے قابل بناتا ہے۔ جامعہ کے تیار کردہ ذہنی اشیا (طلبہ) کے اس قسم کے انداز دماغ کو ترقی دینا ملکی خوشحالی کے لئے اہم ترین شے ہے۔

حقیقی علمی فضا حقیقی کاشت ذہنی اپنے اندر نہ صرف قدر ذھن رکھتی ہے بلکہ مدنی محاسن بھی حقیقی تعلیم یافتہ آدمی کے لئے خود رائی۔ حرارت مذہب یا کسی اور قسم کے بے بنیاد عقاید و تعصب رکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ جامعہ علمی آشرم ہی نہیں بلکہ جراثیم جہالت کی حیات پر درجگہ ہے اگر اس میں تعصب مذہب اور فرقہ وارانہ مخاصمت کی تبلیغ و اشاعت کی رہبری کی جائے جو آج کل ہمارے ملک کی پبلک زندگی کو مسخ کر رہی ہے تب سے بڑی بڑی جامعہ تو ایسی جگہ ہونی چاہیئے جہاں شخصی قابلیت اور شخصی کردار ہی ترقی کے پروانہ راہداری مانے جائیں۔ اور وسیع رواداری اور منتشر خیالات والے آدمی کو مل جل کر ایک ہی مقصد کے کام کرنے کے قابل بنا دے۔ اگر ہمارے جامعات کی اس قسم کے خیالات سے حوصلہ افزائی کی جائے تو کانگرسوں اور کونسلوں سے بڑھ کر قومی تعمیر کے لئے نہایت ہی زبردست طاقت ثابت ہوں گی اور لیگوں اور جماعت ہائے مقننہ کے مقابلہ میں ہمارے ملک کے مسئلہ مستقبل کو نہایت با اثر طریقہ سے حل کر سکیں گی۔ میری یہ پر شوق تمنا ہے کہ جامعات میں تربیت یافتہ لوگوں کی نوخیز نسل ہمارے خود ساختہ سیاسی لیڈروں کے مقابلہ میں زیادہ عقلمندانہ دور اندیشی سے متصف ہو۔ آپ ہی وہ لوگ ہیں جنکی طرف میری آنکھیں ملک کو اس شاہراہ ترقی پر گامزن کراتے ہوئے دیکھنے پر لگی ہوئی ہیں جو قومی اعزاز اور احیاء کی رہبری کرتی ہے نہ کہ اس غلط روی کی جو یکسر قومی تذلیل اور تباہی کی طرف لے جائے۔

کوئی صدارت نامہ مکمل نہیں ہو سکتا جس میں سیاسی مسائل کو نظر انداز کر دیا جائے سیاسی ہیجان کی موجودگی کے برطانوی ہند اور دیسی دونوں قائل ہیں۔ ہز ہائی نس مہاراجہ بہادر کی فریسانہ حکومت کی خدمت میں اس شے سے بڑھ کر کوئی عمدہ خراج تحسین پیش

نہیں کیا جا سکتا کہ ریاست میسور میں یہ تعلیم جو ہندوستان کے دیگر مقامات میں پایا جاتا ہے موجود نہیں۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ تعلیم کی وجہ سے یہ بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور یہ بے چینی تعلیمی سہولتوں کے موانعات دور کرنے کے ساتھ ساتھ غائب ہو جائے گی۔ میں اس رائے سے بالکل متفق نہیں اور یقین کرتا ہوں کہ اس بے چینی کا اصل علاج توسیع تعلیم اور ان لوگوں کے لئے خاص مواقع کا بہم پہنچانا ہے جو اپنی خاص قابلیت۔ کوشش۔ ذہانت کی وجہ سے علمی ترقی اور اس کو مفید طریقہ سے استعمال کر کے قومی صلاحیت و ثروت میں اضافہ کر سکنے کے اہل ہوں۔ قومی خود استقلالی کی کیفیت کے وسیع مسائل کے بارہ میں اس جامعہ کے نوجوان طیلسانیں اور اسی طرح دیگر مقامات کے ہمرتبہ حضرات کے لئے میں یہ تجویز کرونگا یا صلاح دوں گا کہ اگر ہم دوسری قوم کے لوگوں سے اپنی عزت کرانے اور ہماری خواہشات پر جھک جانے کے آرزومند ہوں تو ہم کو خود اپنی عزت کرنا اور اغیار کی نظروں میں معزز ہونے کے اہل ہونا سیکھنا چاہیئے ہم کو بیکاری اور ذاتی نفس پرستی ترک کرنی چاہیئے اور اس کی جگہ ایسی ذہنیت اختیار کرنی چاہیئے جو انسانی مسرت کے اس اعلیٰ شکل کو جو محنت اور نفس کشی سے حاصل ہونے پر تسلیم کرنا پڑتی ہیں حاصل کر سکے۔ ہم کو چاہیئے کہ وہم کو دور کر کے اس کی جگہ وہ زندہ دلی پیدا کریں جو مشکلات پر سربسر ہونے کی حالت میں نازاں ہوا کرتی ہے۔ ہم کو ہندوستان کی ساختہ اشیا کی قدر کرنا اور ان کو استعمال کرنا سیکھنا چاہیئے خواہ وہ کیسی ہی ناقص ہوں۔ ہم کو محنت اور غور و فکر کے ساتھ کارگیری کا وہ گر سیکھنا چاہیئے جو باریکی نگاہ اور حصول کمال کی سعی پیہم میں مضمر ہے۔ ہم کو غیر ممالک کے عیوب اور بیش خرچ عادات کی تقلید سے اجتناب کرنا چاہیئے اور یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ شراب اور تمباکو وہ مہلک ترین سمیات ہیں جن سے نسل انسان واقف ہے۔ آخر میں ہم کو یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ہماری قوم کی قوت و طاقت کا دار و مدار جس طرح مردوں پر ہے اسی طرح عورتوں پر بھی ہے محنت۔ مطالعہ۔ اور غور و فکر کے ثمرات کارگزاری کے بیش قیمت

مسلہ میں استقلال ذاتی پیدا ہو سکتا ہے لیکن ہم آمادہ ہونا چاہیئے۔ اگر ہم اس کا معاوضہ ادا کرنے کو تیار نہیں تو آزادی طلب کرنا بالکل بیکار و فضول ہے۔

خاتمہ جامعہ میسور کے طیلسائین۔ گزشتہ چند سال سے آپ کے جامعہ کے اراکین اساتذہ اور طلبہ دونوں سے گہرے تعلقات کرنے۔ ان کی جوشش کی قدر کرنے اور وہ قابل قدر اضافہ جو جامعہ میسور جنوبی ہندوستان میں معقول علم کی توسیع و اشاعت کی طرف کر رہی ہے ان سب سے مستفید و بہرہ اندوز ہونا میرا استحقاق رہا ہے گزشتہ چند سال سے میسور کے چند طلبہ کو اپنے دار التجارب (Laboratory) واقع کلکتہ میں خوش آمدید کر سکا ہوں اور جو قابلیت اور سرگرمی انہوں نے وہاں ظاہر کی وہ نہ صرف انہی کے لئے بلکہ ان کے اساتذہ اور اُس تربیت و تعلیم جو انہوں نے آپ کی جامعہ سے حاصل کی کے لئے بھی باعث شہرت و نام وری تھی۔ ان میں سے بعض نے تو تجسس (ریسرچ) میں نہایت ہی اعلی اختراع (originality) اور قابلیت کا اظہار کیا اور میرے لئے یہ رنج دہ بات ہے کہ مالی امداد کی قلت نے ایم۔ ایس۔ سی کے معیار سند سے زیادہ کلکتہ میں مزید تحقیق جاری رکھنے کی ترغیب دینے سے مجھے باز رکھا۔ بہر حال میں نے ایسے حضرات کے لئے معقول رفتار زندگی حاصل ہو جانے کی غرض سے خدمت گزاری کی کوشش کی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ طبیعات کے علاوہ سائنس کے دیگر شعبہ جات میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جو میسور کی طلبہ کلکتہ آئے انہوں نے اپنی قابلیت اور سرگرمی کی وجہ سے جامعہ مذکور کے میرے اپنے ہمعصروں سے زبردست داد حاصل کی ہے۔ یہ تمام باتیں آپ کے مادر علمی کی اعلیٰ ترین شہرت کی جھلک دکھاتی ہیں اور یہ میری دلی تمنا ہے کہ آپ اپنی آئندہ زندگی میں اس کے مقاصد کی تکمیل کا عزم صمیم کر لیں گے۔ بلحاظ قابلیت و اہلیت آپ کی آئندہ زندگی بامراد و کامیاب طریقہ سے بسر ہونے کے لئے آپ کے اساتذہ کے ساتھ میری بھی دعا شامل ہے۔ خدا حافظ

ضبط

اس کے کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ وہ جو پڑھا سکتا ہے اور کام کی نگہداشت نہیں کر سکتا یا انتظامی قابلیت نہیں رکھتا قابلِ رحم مدرس ہے۔

ضبط کا تعلق درجہ سے ہو یا پورے مدرسہ سے تعلیم کے لئے ضروری چیز ہے۔ یہ طلبہ کے لئے صرف اس لئے ہی ضروری نہیں ہے کہ وہ ضبط قایم رہنے کی وجہ سے ایک وقت مقررہ میں بآسانی تمام دونی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں بلکہ جن چیزوں کو وہ مدرسہ میں سیکھنے آتے ہیں خواہ وہ علم ہو یا ہنر ان میں سے ایک چیز اطاعت بھی ہے۔ اپنی خواہشات کا فنا کرنا۔ قانون کا تابع ہونا اور خود کو اس کا عادی بنانا یا باضابطہ زندگی کا پہلا فرض ہے جو ان باتوں کو مدرسہ میں حاصل نہیں کرتا۔ اس کی تعلیم بیکار گئی گو اس نے کتنی ہی لکھنے پڑھنے میں مہارت کیوں نہ حاصل کر لی ہو۔ مدرس کے لئے بھی یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اس کی تندرستی اس کے مزاج اور اس کی خوشی کو سخت صدمہ پہونچتا ہے اگر وہ لڑکوں کے اوپر پورا اختیار نہ رکھے اور لڑکے اس کی صحیح معنی میں اطاعت نہ کریں۔

قیام ضبط کے طریقے کوئی اطاعت شخصی اثر کوئی ڈر و خوف سے قائم کرتا ہے اور یہ ہمارے لئے نہایت آسان ہے کہ جانچیں کہ کونسا طریقہ بہتر ہے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح ہم کو ضبط کو قائم رکھنا ہے۔ یہ بہتر ہے کہ سختی سے ضبط قائم کیا جائے بہ نسبت اس کے کہ درستی سے ضبط ہی نہ ہو۔ کیونکہ بغیر ضبط مدرسہ بیکار ہے اور مدرس اپنے ان فرائض کو انجام ہی نہیں دے سکتا جن کے واسطے وہ مقرر کیا گیا ہے۔

اب اس کی صراحت ضروری ہے کہ کن طریقوں سے ضبط قائم ہی نہیں رہ سکتا

(۱) اطاعت کے واسطے منت سماجت کرنے یا اس کے فوائد سمجھانے سے اطاعت

حاصل نہیں ہو سکتی لہذا طلبہ کو اس قسم کے نصائح کرنا کہ فرمانبرداری کرتے رہو بے معنی ہیں۔ فرمانبرداری منجملہ اور عادتوں کے ایک عادت ہے لہذا اس عادت کو بھی مثل دوسری عادتوں کے سیکھنا یا اختیار کرنا چاہیئے اس کے لئے زبانی جمع خرچ کافی نہیں بلکہ عمل لازمی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چند اُموریں طلبہ کو اچھائی اور برائی سے آگاہ کر دینا آب ہے لیکن اس امر میں کسی قسم کا مباحثہ یا نصیحت مناسب نہیں۔ مدرس کو نہ تو اس قسم کی التجا کرنا چاہیئے کہ اب میری طرف مخاطب ہو، اور نہ اس قسم کا حکم دینا چاہیئے کہ میں تمہیں مخاطب کے چھوڑوں گا اور اگر تم اپنی حرکت سے باز نہیں آؤ گے تو سزا دوں گا کیوں کہ یہ سب کمزوریوں علامات ہیں۔ یہ نافرمانی کو بڑھاتی ہیں یہ اصل علاج بھی نہیں کیونکہ یہ بھی طلبہ کو صحیح راستہ نہیں دکھا سکتیں اور نہ وہ درست ہو سکتے ہیں۔

ضبط کی بابت طلبہ سے کسی قسم کی گفتگو کرنا مضر ہے۔ یہ کہنا کہ ہمارا حکم ماننا چاہیئے بیوقوفی ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہے کہ بچہ کی ہستی اُس کے حکم کے منوانے کا معیار ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مدرسہ مثل ایک گورنمنٹ کے ہے اور اُس کا ضبط مثل ایک قانون کے۔ اگر قانون نہ مانا جائے یا اُس میں مباحثہ ہونے لگے تو گورنمنٹ قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح ضبط جو ایک مرتبہ بن گیا اُس کا ماننا ضروری نہیں بلکہ لازمی ہے ورنہ مدرسہ سے ہمشہ کے لئے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اگر اولاد والدین کے حقوق پر بحث کرنے لگے تو گھر کی زندگی کی ہنسی خوشی رفو چکر ہو جاتی ہے اطاعت کرنا پڑھنے یا سیکھنے کی چیز نہیں بلکہ تعلیم پانے سے پیشتر اس چیز کی تعلیم ہو جانا چاہیئے یہ مثل غذا اور ہوا کے ہمارے بدن سے تعلق رکھتی ہے۔ اس جوہر کا پہلے سے طلبہ میں موجود رہنا ضروری ہے ورنہ کسی قسم کی تعلیم صحیح معنی میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

ضبط اس لئے قائم کرنا چاہیئے کہ اگر اس کی خلاف ورزی ہو تو سزا ملے گی بلکہ یہ سمجھا دو کہ تم کو اُمید نہیں کہ اس کے خلاف عمل درآمد ہو اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہو تو فوراً

تدارک کرو اور اسے عمل سے ظاہر کرو کہ یہ ایک غیر معمولی چیز ظہور میں آئی جس کی تمہیں قطعی توقع نہ تھی اور جس سے تمہیں نہایت مایوسی ہوئی اور اسی وجہ سے اپنے لیئے نہیں بلکہ طالب علم کی بہتری کے لیئے اُس کا تدارک لازم ہے۔ اب سب سے پہلا طریقہ ضبط قائم رکھنے کا یہ ہے کہ جو قانون تم بناؤ سوچ سمجھکر بناؤ۔ نتائج پر خوب غور کرو اور یقین کر لو کہ تم صحیح راستہ پر ہو۔ اس کے بعد اپنے خیال کو مضبوطی سے پکڑ لو جس سے تم کو خود اطمینان ہو جا اور بغیر اطمینان ذاتی کے حکومت کا قائم رہنا ناممکن ہے یقین جانو کہ اگر کسی قانون یا حکم کے متعلق تم ہچکچا رہے ہو تو وہ حکم طلبہ کبھی نہ مانیں گے اور تمہیں ہمیشہ ناکامیابی ہوگی بغیر سوچے سمجھے حکم کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مدت کے بعد تم کو وہ بدلنا پڑتا ہے اور اگر تم اپنی طرح اپنے احکامات کو بدلتے رہے تو کچھ دن کے بعد تمہارے حکم کوئی وقعت نہیں رکھیں گے حکم اس وقت تک نہ دینا چاہیئے جب تک تمہارا مصمم ارادہ اس پر کاربند کرانے کا نہ ہو۔ ایک مرتبہ حکم دینے کے بعد پھر کسی خطرہ سے مت ڈرو کیونکہ اُس خطرہ کا ایک نہ ایک دن تمہیں سامنا کرنا ہے۔ قانون نافذ ہونے کے بعد پتھر کی لکیر ہو جانا چاہیئے۔ اُس کی خلاف ورزی کرنے یا اُس کے عمل درآمد کرنے میں کمزوریاں دکھانے میں قانون بذات خود کمزور پڑنے لگتا ہے جب تک تم یقین کے ساتھ یہ نہ معلوم کر سکو کہ تمہارا کون قاعدہ توڑ دیا گیا اُس وقت تک کوئی حکم نافذ مت کرو۔

طالب علم پر ہمیشہ شبہ مت کرو ورنہ خود داری اُس میں نہیں پیدا ہوگی۔ تمہیں چاہیئے کہ کبھی کبھی اس کے اعتبار پر کام کو چھوڑ دو کیونکہ ضمیر اور اثر کو ترقی دینا تمہارا فرض اولین ہے لیکن جہاں تم باسانی اعتبار سے کام لے سکتے ہو وہاں حکم دینے کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں اپنی خواہش کا اظہار کر دو۔ تم بیان کر دو اس طرح کا کام اچھا اور اس طرح کا کام برا ہوتا ہے۔ اُس میں عزت اور اس میں ذلت نصیب ہوتی ہے اور اُس کے بعد اپنے طلبہ کو اس طرح مخاطب کرو اب میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم ہمیشہ اچھے

اس طریقہ سے کام کرنے کی کوشش کرو کے اور نہ بڑے کاموں کا
ہی کی حکمرانی کی ذمہ داری سے تم ایک حد تک علیحدہ ہو کر خود طلبہ کو حکمرانی میں حصہ دیدو گے
اور اس اہم ذمہ داری کو وہ ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے۔ خواہش کو حکم کی صورت میں لانا ہمیشہ
مضر ہے۔ حکم ان کے لئے ہوتے ہیں جن میں ذاتی ذمہ داری کا یا تو احساس ہوتا ہی نہیں یا
اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔ طلبہ کو تمہارے عمل سے اس کا یقین ہونا چاہیئے، کہ جب تم کسی کام
کے کرنے کا حکم دیتے ہو تو تم اس کی تکلیف بھی گوارا کرتے ہو کہ بذات خود دیکھو کہ وہ کام
بموجب تمہارے حکم کے ہوا بھی ہے یا نہیں۔ طلبہ کو پہلے خود بخود حکم ماننے کا عادی بنانا
چاہیئے۔

احکام کیونکر دینا چاہیے احکام کے بارے میں یہ لاجواب مقولہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے
کہ ہمیں ضرورت سے زائد احکام صادر نہ کرنے چاہئیں اور ایک حکم کو بار بار نہ دھرانا چاہیئے
بلکہ بینک کی بچت کی طرح ہمیں اپنی حکومت کی طاقت کو سمجھنا چاہیئے کیونکہ اگر بچت سے
بیشتر خرچ کیا گیا تو بینک کا دیوالہ ہو جائے گا۔ ہر اچھا حاکم کم احکام صادر کرتا ہے اور ایک
دم بہت سے احکام کا صادر کر دینا ہمیشہ مضر ہے۔ بچوں کو ہمیشہ معلوم رہنا چاہیئے کہ حکم
دینے والے کے پاس ابھی بہت طاقت پس پردہ ہے جس کو وہ جب چاہے استعمال کر سکتا
ہے کیونکہ بچوں کو اس طاقت کا زیادہ احساس نہیں ہوتا جو ظاہر رہتی ہے بلکہ وہ قوت اسکو
مغلوب کرتی ہے جو ان کو دکھائی نہیں دیتی جو ان کی خیالی دنیا اور تخیل پر حکمرانی کرتی ہے اور
جس کی وہ حد و د بندی نہیں کر سکتے۔

اور یہ اسی وقت محسوس ہوتی ہے جب تم خاموشی اور اطمینان سے حکم صادر کرتے
ہو اور تمہارے حکم کم اور معمولی ہوتے ہیں۔ بچہ کی فطرت کے خلاف اسے ہر وقت اس قسم
کے حکم دینا برا ہے مثلاً ٹھہرو۔ دوڑو، خاموش رہو، یہ کرو، وہ کرو وغیرہ۔ اگر تم اپنی گھڑی کو ہر دفعہ
چابی دو تو وہ بند ہو جائے گی اسی طرح اگر تم بچوں کو کچھ آزادی نہ دو گے اور ہر وقت حکم دیتے

رہو گے تو اُن کی زندگی غمناک ہو جائے گی اُن کے دل مثل گھڑی کے مردہ ہو جائیں گے
طالب علم ہمارے ہاتھ میں صرف ایک بے جان مٹی کی حیثیت نہیں رکھتا اگر ہم
اس سے جس طرح کا کھلونا چاہے بنا دے بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ وہ جاندار اشرف المخلوقات
ہونے کا بھی شرف رکھتے ہیں اور ہمارا فرض منصبی یہ ہے کہ ہم ان کو اس طرح مدد دیں کہ وہ
جلد سے جلد اپنی زندگی کو اصولوں کے تابع بنا کر زندگی خوشگواری کے ساتھ بسر کرنا سیکھ
جائیں اور وہ اصول اُن کے لئے نہ مٹنے والے قانون بن جائیں۔

اپنی ذمہ داریوں پر نگاہ رکھو اور ضبط کے قائم رکھنے کے لئے کم سے کم سزا دو۔ لڑکوں
کو ایک حد تک آزادی دو اور دیکھو کہ یہ کس قدر مفید ثابت ہوتا ہے اور تم اپنے نصب العین
میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہو۔

احکام کم ہوں لیکن عقل کی ترازو پر تولے ہوئے اور فراست وانجام بینی کی
کسوٹی پر کسے ہوئے تو وہ کم احکام ہی سے اعلیٰ ترین نتائج نکلیں گے۔

عادات | ان تمام باتوں کے بعد بھی یہ یاد رہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے ماننے یا نہ
ماننے سے اسکول کے انتظام میں بڑا خلل پڑتا ہے۔ کیونکہ ہر کام کا اچھا اور برا طریقہ ہوتا
ہے۔ کوئی خوش اسلوبی سے کام دیتا ہے اور کوئی بد تہذیبی اور بے ڈھنگے پن سے۔
اسی اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے ادنیٰ ادنیٰ سی باتیں اور کام مثلاً بینچ پر اپنی جگہ پر بیٹھنا۔
ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ کتاب اٹھانا اور کھولنا تختی کو صاف کرنا۔ کاغذ یا قلم کسی کو دینا
مدرسہ میں آنا اور جانا۔ حالانکہ علیحدہ علیحدہ اگر ان کاموں پر نظر ڈالی جائے تو یہ معمولی کام
ہیں مگر بحیثیت مجموعی یہ اہم چیز ہے اور بہترین مدرس ان تمام کاموں کو مد نظر رکھتے ہیں
اور طلبہ کو انہیں کاموں کو سلیقہ کے ساتھ کرنے کا عادی بنا دیتے ہیں اور انہیں کاموں میں
باقاعدگی پیدا ہو جانے سے درجہ اور مدرسہ میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ اچھے مدرسے میں
یہ کام آسانی بار بار کرانے سے آجاتے ہیں اور وہاں اشاروں پر کام ہوتا ہے۔ اشاروں سے

کام لینے سے صرف ایک یہ ہی فائدہ نہیں ہوتا ہے کہ شور و غل میں کمی ہوتی ہے بلکہ تجربہ
بتلاتا ہے کہ لڑکے بہت آسانی سے اُس پر عمل کرتے ہیں۔
اور پھر ایک مرتبہ ایسے کاموں کے عادی ہو جانے پر ہمیشہ اُس کو پسند کرتے ہیں۔
جہاں تک شخصیت کا تعلق ہے آزادی دینی چاہیئے مگر جہاں ہماری ہستی درجہ یا سوسائٹی سے
تعلق رکھتی ہے وہاں ہمارے وجود کو درجہ یا سوسائٹی میں ضم ہو جانا چاہیئے تاکہ اُس سے نہ صرف
ہم کو بلکہ سب کو فائدہ حاصل ہو۔ بچہ کو صرف ہم علم ہی نہیں سکھاتے بلکہ ہم اسکو آئندہ شہری بناتے
ہیں اور اس کو بتلاتے ہیں کہ ایک زمانہ اس کی زندگی میں ایسا آنے والا ہے جب کہ اُس کو اپنی ذاتی
خواہشات کو دوسروں کی خاطر قربان کرنا ہوگا موجودہ صورت میں مصنوعی دنیا میں بسر کر رہا ہے
جو اپنے اندر زندگی اور ضرورتیں رکھتی ہے اسلئے طالب علم کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا کے اسکول
کو ترقی دینے میں ہماری اور ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ اور ایسا کرنے میں اُس کو چند قربانیاں
کرنا ہوں گی دنیا میں اور اس ناپائدار زندگی میں ہزاروں موقع ایسے آتے ہیں کہ ہمیں اپنی شخصیت
کے اظہار کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے بہتر ہے کہ بڑے طلبہ کو یہ احساس پیدا کرا دیا جائے کہ وہ
چھوٹے طلبہ کی ایک حد تک مدد کر سکتے ہیں۔ یا وہ ایک حد تک مدرسہ کی مدد اور اُس کی نیک
نامی میں حصہ لے سکتے ہیں۔

جس طرح کھیل میں فتح ایک آدمی کا حصہ نہیں ہوتی بلکہ پوری ٹیم پورے مدرسہ اور
پورے شہر کی فتح ہوتی ہے بالکل اس طرح نام صرف لڑکے ہی کا نہیں ہوتا بلکہ پورے مدرسہ کا
نام ہوتا ہے۔ علاوہ بریں لڑکے کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ قوم اور ملک ہماری مدد کی محتاج ہے
اور ہم کو اپنی شخصیت کو اُس کی خدمت میں ضم کر دینا چاہیئے گھر اور خاندان کی زندگی پیار اور محبت
میں مضمر ہے اور مدرسہ کی زندگی کا راز انصاف میں مضمر ہے۔ با اصول گھر میں تہذیب۔ مہربانی۔
خود فراموشی آسانی سے سیکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں اُن سے برتی جاتی ہیں جن کو ہم جانتے ہیں
اور جن سے ہوشیاری سے ہم محبت کرتے ہیں لیکن مدرسہ میں ہم سے توقع کی جاتی ہے کہ ہم اُن کے

حقوق اور اُن کے احساسات کا خیال و پاس رکھیں جن سے ہم محبت نہیں کرتے اور جن کو ہم
بہت کم جانتے ہیں۔ اور یہ تعلیم کا پہلا اور بڑا حصہ ہے۔ یہ جب ہی نصیب ہو سکتا ہے جب
مل جل کر کام کرنے کا مادہ ہم میں پیدا ہو جائے اور جب ہر ایک کے یکساں حقوق کا احساس
ہم میں پیدا ہو جائیں۔ اور جب اس قسم کے اتفاقات ہماری طالب علمی کی زندگی میں بارہا
ہم کو پیش آئیں جہاں ہم کو اپنی خواہشات کو دوسروں کے لئے فرو کرنا پڑیں۔ اور مدرسہ کی
برتری اور بہبودی پر ہم فخر کرنے لگیں۔

احکام جاری کرتے وقت ہمیں اُسی ہستی کو سمجھنا چاہیئے جس کو حکم دیا جا رہا ہے اور
جس پر ہم حکومت کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُس سے اِس قسم کی توقع نہ کریں جو وہ پورا ہی نہیں کر سکتی
ایک چھوٹے بچے میں تم سی متانت اور سنجیدگی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ وہ تمہاری
طرح اپنے کام کے فرض کو سمجھتا ہے اور نہ تمہاری طرح خاموش بیٹھ سکتا ہے۔ وہ ایک عجیب
مخلوق معلوم ہوگا اگر اُس میں یہ باتیں پیدا ہو جائیں۔ برخلاف اس کے فطرت اُس کو بے چین
پیدا کرتی ہے۔ وہ ایک لمحہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا اور اُس کو کسی کی عزت جاننے کا مادہ نہیں
یہ کمی پہلے سے سمجھ لینا چاہیئے اور اس پر یقین رکھنا چاہیئے اور ان کو غلطیوں پر محمول نہ کرنا چاہیئے
ایسے اسباب مہیا کرنا چاہیئے جن کے ذریعہ سے وہ اِن فطرتی خواہشات کا اظہار کر سکیں اور اگر
ایسا نہ کیا گیا اور وقت زیادہ دیر تک ایک جگہ پر بیٹھنے پر مجبور رکئے گئے تو اُس کی بے چینی
اور نافرمانی بچہ کی غلطی نہیں بلکہ اوستاد کی کوتاہ نظری ہوگی۔ ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیئے
کہ بچہ کی ہر غلطی میں ایک اچھائی پائی جاتی ہے۔ اگر انسان بغور اُس کو دیکھے تو معلوم ہوگا کہ
اچھائی کو دوسروں کی غلطی سے بُرائی کے راستہ پر چلایا گیا ہے۔

علاوہ بریں لڑکے کی غلطی کے جانچنے کا طریقہ یہ نہیں کہ اس غلطی سے ہمیں کتنی تکلیف
پہونچی بلکہ اُس کی حقیقت اور سبب معلوم کرنا چاہیئے۔

بچوں کی چند غلطیاں جو مدرسین کو برافروختہ کر دیتے ہیں انصاف کی نظر سے اگر دیکھی

جائیں تو کچھ خطائیں ہی نہیں معلوم ہوتے۔ مثلاً زیادہ باتیں کرنا کسی چیز کو توڑ دینا۔ غلاظت پھیلانا وغیرہ۔ یہ چیزیں روکنا تو ضرور چاہیئے لیکن بچہ کے ضمیر کو گڑبڑ میں مت ڈالو اور اس کو محسوس ہونے دو کہ اس کے خلاف کرنا اخلاقیات کا جرم ہے۔

بچہ کی نفسیات پر غور و خوض کرو اور دیکھو کہ اس کی اخلاقی دنیا ابھی غیر آباد ہے اور اس کی نگاہ میں یہ کوئی جرم نہیں گو تمہاری اور مدرسہ کی نظر میں یہ سنگین جرم ہو۔

طلبہ کو ہمیشہ کام میں لگائے رہو یہی ضبط قائم رہنے کا راز ہے۔ اگر تم اس کو تفریح کا وقت دیتے ہو تو فیلڈ پر یا اسکول کے باہر دو جہاں شور مچانا گناہ تصور نہیں ہوتا لیکن تفریح کا وقت مدرسہ میں ہرگز نہ دینا چاہیئے مدرسے میں کھیلنے کی اجازت نہیں ہے لہذا مدرس کو چاہیئے کہ باقاعدگی سے کام لے۔ تم کو یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ایک ہی قسم کا کام نہ ہو بلکہ ایک کام کے بعد دوسرا نیا کام دو۔ اس کو ملحوظ خاطر رکھو کہ ایک ہی عضو بدن پر بار نہ پڑ جائے۔ یہ بچہ کو ایک ہی قسم کی دماغی قوت متواتر نہ صرف کرنا پڑے معمولی اور ہلکے کام کے بعد سخت دماغی کام کرنے کو دو اور اسی طرح سے دماغی کام کے بعد معمولی کام کراؤ کسی نہ کسی قسم کا کام مدرسہ کے وقت میں جاری رہنا چاہیئے اور بچوں کو خاموش بیٹھنے کا موقع نہ دینا چاہیئے ورنہ وہ نچلے نہ بیٹھ سکیں گے۔ ادھر تم نے آرام لینا چاہا ادھر انہوں نے شور و شغب کرنا شروع کیا۔

ضبط کا قایم رکھنا بھی خداداد نعمت ہے اور یہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی۔ قدرت بعض کو صورت اور طرز کلام ایسا دیتی ہے جو دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور ایسے ہی استادوں کے بارے میں کسی کا مقولہ ہے کہ وہ ان سے محبت کرنا ہی اعلیٰ ترین تعلیم ہے ہم میں سے جس کو قدرت نے یہ جوہر نہیں عطا فرمایا ان کو دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص دوسروں پر حکومت کرنا سیکھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ قصد رکھتا ہو اور متواتر کوشاں رہے۔ اپنے احکام کو نافذ کرنے سے پیشتر خوب سا سوچ لے اور خود ان پر عمل کرے اور ہر صورت میں اور ہر ایک کے مقابلہ میں ان کو ویسا ہی قائم رکھے اور کسی سے نہ ڈرے نہ کسی کی رعایت کرے۔

چونکہ فرمانبرداری کا تعلق قریبی عادت سے ہے لہذا عادت کے مسئلہ کو جو عجیب وغریب ہے صاف کر دینا چاہیئے۔

جس کام کو ہم آج کرتے ہیں اس کو کل آسانی سے کر سکتے ہیں۔ تیسرے دن آسانی سے وہ سر انجام ہوگا اور بار بار کرنے سے ہمارے عضو اس قدر عادی ہو جائیں گے کہ ایک مدت کے بعد اس کا نہ کرنا ہمارے لئے مشکل امر نظر آئے گا اور اس کے چھوڑنے میں بڑی سخت تکلیف محسوس ہوگی۔ اس کو ہم اگر نظر کریں تو روز کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں جو ہم کرتے ہیں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ وہ ہماری عادت میں ایسے شامل ہو جاتے ہیں کہ ہمیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ہم کر رہے ہیں۔ ہمارا لکھنا اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کہ اگر ہم اس کو پوشیدہ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ علاوہ برین جو کام ہم نہیں کرتے ان کا کرنا روز بروز مشکل نظر آتا ہے کیونکہ نہ کرنے کی عادت بالکل اسی طرح جڑ پکڑ جاتی ہے جیسی کرنے کی عادت۔ یہاں تک کہ ہماری ہر حرکت عادت ہو جاتی ہے۔ سچ بولنا۔ خیرات دینا۔ فرمانبرداری کرنا۔ جڑ پکڑ جاتے ہیں اگر اس کو بار بار کیا جائے۔ اب سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آیا کریکٹر حرکات سے بنتا ہے یا حرکات کریکٹر سے بنتے ہیں۔ میرے خیال میں عادات کا مجموعہ کریکٹر ہے اور مقولہ بھی ہے کہ کریکٹر عادات کا مجموعہ ہے ہم اپنی حرکات اور کاموں سے پہچانے جاتے ہیں اور کام اور حرکات عادات کا مجموعہ ہیں اچھے آدمی بننے کے لئے صرف اچھے خیالات ہی کی ضرورت نہیں بلکہ اچھے کام ہونا چاہیئے اور اگر صرف خیالات ہی خیالات ہیں تو وہ بیکار اور فضول ہے اب مدرسین صاحبان غور فرمائیں کہ ہر مرتبہ جب بچہ ان کے سامنے آتا ہے تو یا تو فرمانبرداری کی عادت مضبوط ہوتی ہے یا وہ کمزور پڑتی ہے۔ علاوہ بریں بچپن میں طبیعت جس بات کی عادی ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ کے لئے انسان کے کریکٹر پر نقش جما تی ہیں۔

جزا اور سزا انعامات اور سزائیں بھی ضبط طلبہ قائم رکھنے میں ایک بڑی حد تک ممد و معاون ہوتے ہیں۔

ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ضبط طلبہ پر اور طلبہ کے کریکٹر کے بنانے میں انعامات اور سزائیں
کیسی ہیں۔ لڑکے کام کرنے پر کئی طرح سے تیار کئے جا سکتے ہیں۔

(۱) کسی چیز کے حاصل کرنے کا شوق یا کسی انعام کی پانے کی اُمید۔

(۲) تعریف کی خواہش اور دوسروں سے بڑھ جانے کی تمنا۔

(۳) اعلیٰ ترین درجہ حاصل کرنے کی حسرت۔

(۴) ترقی کرنے کی خواہش اور اچھائی کو اچھا سمجھ کر اُس پر کار بند رہنا۔

مندرجۂ بالا خواہشات سے انسان کام کرنے کو تیار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اول الذکر ادنیٰ ترین خواہش ہے اور اسی طرح ... نمبر آتا ہے مدرسین کو چاہیئے کہ آخر الذکر خواہش کو بڑھانے کی کوشش کریں یعنی ترقی کرنے کی خواہش اور بھلائی کو اچھا سمجھ کر اُس پر کاربند رہنے کی تمنا بچوں کی طبیعت میں داخل کر دیں۔ کیونکہ پہلے میں خودغرضی کا شبہ پایا جاتا ہے اور دوسری میں غرور کی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے اور تیسری چیز قطعی اچھی نہیں کہی جا سکتی لیکن ہمارے مدارس میں انعامات کا تقسیم ہونا ہی رائج ہے۔ ہم انعامات تقسیم کرتے ہیں۔ نمائش کرتے ہیں روپیہ دیتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں مثل رشوت کے ہیں جن سے ہم بچوں میں ترقی کرنے کا شوق پیدا کرتے ہیں انعامات صرف پڑھائی میں اعلیٰ ترین نمبر لینے ہی میں نہیں ملتے بلکہ کریکٹر کی خوبی پر بھی انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ ہم انعامات کو ضرورت سے زیادہ دیتے ہیں اور ہمیں اُن پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ ہے اور اس طرح سے ہم ترقی کرنے کی اعلیٰ ترین خواہش کو مردہ کر دیتے ہیں جس کے کئی وجوہ ہیں۔ جو شخص مدرسہ کی کسی قسم کی بھی خدمت کرنا چاہتا ہے وہ اپنے نام سے وظائف یا انعامات مقرر کر دیتا ہے اپنے دل میں یہ سمجھتا ہے کہ میں مدرسہ کی خدمت کر رہا ہوں لیکن وہ ایک معنی میں اس کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ یہاں اس کی مثال مثل فقیروں کو خیرات دینے کے ہے۔ ہمیں اپنی مہربانیوں کا اظہار اس طرح سے نہ کرنا چاہیئے کہ دوسروں کی جوانمردی اور قوت زائل ہو جائے۔ غور کیجئے کہ فقیر کو روپیہ دیا گیا۔

فقیر اس قابل تھا کہ اپنے قوت بازو سے کما کر کھا سکتا لیکن مفت میں رقم ملنے سے وہ اب عادی ہو جائے گا کہ محتاجی کا پیسہ کھائے اور اس طرح اُن فقیروں کو جو اس [illegible] کام کریں خیرات دینا بھی بجائے اچھائی کے اُن کے حق میں بُرائی ہے۔ اس طرح وہ اپنی ذمہ داری کبھی محسوس نہ کریں گے۔ لہذا میں کہنے کی جرأت کروں گا کہ انعامات کم سے کم دو اور اُن کے استعمال میں احتیاط سے کام لو۔ معمولی فرمانبرداری یا ذری سی بات پر انعام مت دو۔ بلکہ انعام ایسے کاموں کے لئے محفوظ رکھو جو دراصل محنت سے کئے گئے ہیں یا جن کاموں سے بہترین نتائج نکلے ہیں۔

بالکل اس طرح تعریف بھی بہت [illegible] نیک طبیعت ہوتے ہیں ذرا سے کام پر بہت تعریف کرنے لگتے ہیں جیسے اگر کسی لڑکے نے معمولی سا سوال حل کر دیا تو کہا بہت اچھے۔ اگر اس قسم کی تعریف ہمیشہ ہوتی رہی تو دو میں سے ایک بات وقوع پذیر ہوگی یا تو لڑکا یہ سمجھنے لگے گا کہ مجھ سے زیادہ لائق کوئی نہیں یا جب کوئی لڑکا ضرورت سے زیادہ اچھا کام کرے گا تو مدرس کے پاس اُس کی تعریف کو کوئی فقرہ نہ ہوگا اور اس طرح اصل مستحق کو اس کا انعام نہ ملے گا۔ لہذا بڑھاوے دینا اچھا ہے لیکن حد سے تجاوز کرنا بُرا۔ لڑکوں کو عادی بناؤ کہ بغیر تعریف و انعام کی تمنا کے وہ اچھے کام کریں اور یہ ہی ایک اعلیٰ ترین مدرس کی پہچان ہے۔ ذہانت اور فطرتی ذکاوت کی تعریف تمہارا کام نہیں بلکہ تعریف محنت اور مشقت کی کرو تاکہ لڑکوں میں محنت کا مادہ پیدا ہو۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم کو بچوں کی خوشی کا ہر لحظہ خیال رکھنا چاہیئے۔ تفریح۔ خوشی اور محبت کی فضا اور باقاعدہ آزادی ضروری چیزیں ہیں جن میں لڑکا پرورش پاتا ہے اور اس خوشگوار فضا میں تمام وہ خوبیاں جو قدرت نے اُن کو عطا فرمائیں ہیں پروان چڑھتی ہیں۔ لہذا اُن کو ایسی فضا میں بڑھنے کا موقع دو لیکن اس آزادی سے خدا کے لئے یہ مطلب مت لینا کہ ان کو عیش پرست بنا دینا چاہیئے یا اُن کو بہترین کپڑے قیمتی زیور۔ یا

بہت سا روپیہ دینا چاہیئے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اور درحقیقت بچہ ان چیزوں کو پسند بھی نہیں کرتا۔ چیزوں کو اُس منحوس زمانہ کے لیئے چھوڑدو جب جوانی کی اُمنگین انسان کو ان تمام ارشادات جمع کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

کسی کا قول ہے کہ اگر دنیا میں عیش و عشرت نہ ہوتی تو زندگی بڑے مزے سے گذرتی۔ بہرحال مدرسہ میں انعامات اور بُرا بھلا کہنے دونوں کی ضرورت پڑتی ہے غلطی کو بتادینا بُرائی نہیں۔ اس کا ملامت کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ملامت کا شمار اخلاقیات میں ہے اور ... ذہانت کی کمی پر ملامت کرنا بیجا ہے اس لئے کہ یہ بچہ کا قصور نہیں بلکہ فطرت نے اسے ... عقل وفہم ہی نہیں دی۔ بچے تعریف کو پسند کرتے ہیں اور ملامت سے متنفر رہتے ہیں۔ لہذا مدرس کو بھی ان کا استعمال سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ جب کسی لڑکے کی تعریف کرو تو اُس کا لحاظ رکھو کہ غرور نہ بڑھ جائے اور تکبر کا مادہ اس میں نہ پیدا ہو جائے اس لئے اپنی تعریف کو محنت ومشقت کے کام کے ساتھ مخصوص کردو کیونکہ محنت اور مستقل مزاجی کہیں زیادہ قابل داد ہیں بہ نسبت چالاکی اور فطرتی ذکاوت کے۔ خبردار ایک لڑکے کو مثال کی طور پر دوسرے کے سامنے مت پیش کرو کیونکہ وہ اُس لڑکے کو یقیناً مغرور بنادے گا۔ اگر تم ذہن کی تعریف کرنا ہی چاہتے ہو تو محنتی کی تعریف میں بخل مت کرو۔ اب رہا انعامات کا سوال تو انعامات درس وتعلیم میں بہت کم مفید ثابت ہوتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے لئے انعامات اور بھی بے معنی ہیں، اور کوئی مفید نتیجہ اُس سے نہیں نکلتا۔ بڑے درجوں میں شاید کچھ مفید ثابت ہوں۔ کام۔ کام کے لئے ہونا چاہیئے۔ اس واسطے لڑکوں کے دل میں یہ خیال نہ آنے دو کہ اگر ہم اچھا کام کریں گے تو ہمیں انعام ملے گا۔ جو لڑکے بہترین کام کریں بغیر کسی ارو ورعایت کے ان کو انعام ملنا چاہیئے۔ انعامات میں تمغے۔ کارڈ۔ کتابیں ہونا چاہیئے۔ وظائف قابلیت کے اعتبار سے ہونا چاہیئے نہ کہ غربت اور امیری کے لحاظ سے کیونکہ

قوم ہوشیار اور قابل آدمی کی محتاج ہے اور اُس کو پہلے تعلیم دینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ قوم اور سوسائٹی کو ٹھیک کر سکے اور اپنے ملک کے لئے اچھے نتائج نکالے۔ مزید وظائف پانے کی کوئی دلیل نہیں۔

مدرس کی زندگی کا سب سے زیادہ غمناک زمانہ وہ ہوتا ہے جب کہ اُس کو سزا مدرسے میں ضروری نظر آتی ہے اور جب اُس کو یقین ہو جاتا ہے کہ ضبط ورجہ بغیر سزا کے قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ سچ ہے کہ غلطیاں نہ ہونا ناممکنات سے ہے۔ کون دنیا میں ایسا ہے کہ جس سے غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ اور اگر کوئی ایسا ہے تو وہ انسان نہیں فرشتہ ہے۔ لیکن اگر ہم صحیح معنی میں اس کا انسداد چاہتے ہیں تو ہم کو بہ نظر تامل دیکھنا چاہیے کہ غلطی کس درجہ کی ہے اور کس حد تک سزا کی مستحق ہے۔ خصوصاً بچوں کی غلطیاں اور بھی غور طلب ہیں۔ میرے خیال میں یہ ضروری ہے کہ ہم ان کا انسداد بغیر سزا کے کرنا سیکھیں لیکن میرا مطلب یہ نہیں کہ جس پاکیزہ قانون کو توڑ دیا گیا ہے اُس کی کچھ پروا نہ کی جائے بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ کمزور کی کمزوریوں کا بھی لحاظ و پاس رکھا جائے۔ اور یہ سمجھا جائے کہ اگر ہم سے یہ غلطی سرزد ہوتی تو ہم اپنے آپ کو کتنے سزا کے مستحق سمجھتے اگر ہم اس خیال کو مدنظر رکھکر خطاؤں کا جائزہ لیں گے تو یہ سوال آسان ہو جائے گا۔ میرے خیال میں تین اثرات ہیں جو سزا اپنے اندر رکھتی ہے۔

(۱) وہ صرف واسطہ ظاہر کرتی ہے جرم اور سزا کا اور خطاکار کو جرم سے بچانے کے لئے دی جاتی ہے۔ تاکہ جسمانی تکلیف کے بعد وہ اُس جرم کا مرتکب نہ ہو۔

(۲) دوسروں کو تنبیہ کے لئے ہوتی ہے تاکہ دوسرے اُس کی سزا کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں اور ایسا جرم سرزد نہ کریں اور خود کرنے والا بھی ایسا جرم نہ کرے۔

(۳) خطاکار کے درست کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔

(۴) وہ لوگ جو سزا کے قطعی خلاف ہیں یہ بات مانتے ہیں کہ ہمارے قیدخانے

اُن لوگوں کے درست کرنے کے لئے نہیں ہیں جو مجرم پیشہ ہیں بلکہ اُن کے حفاظت کے لئے ہیں جو اپنے گھروں میں اطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ہم ڈاکو کو اسی وجہ سے قید کو دیتے ہیں اس وجہ سے ایک پاگل کتے کو زنجیر میں باندھ کر رکھا جاتا ہے۔ ہمیں کتے سے کسی قسم کی دشمنی نہیں لیکن ہم نہیں چاہتے کہ وہ ہمارے دوستوں کو کاٹے۔

(۵) ہم اس لئے سزا دیتے ہیں کہ الف کو دیکھ کر ب نصیحت پکڑے اور کوئی جرم سرزد نہ کرے۔ یہ انصاف کا خون ہے کہ ایک کی زندگی دوسرے کے لئے برباد کی جائے اور ایک کو دوسرے کی وجہ سے قید کر دیا جائے۔ اس خطا کرنے والے کو اُس کی سزا ملنا چاہیئے تاکہ وہ جسمانی تکلیف کے خیال سے اُس جرم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔

الغرض مدرسہ میں بچوں کے لئے سزا کی ضرورت ہے تاکہ اُن کو خواب غفلت سے ہوشیار کر دیا جائے اور وہ محسوس کرنے لگیں کہ ان کا تعلق دوسروں کے ساتھ وابستہ ہے اور اُن کو چند کام کرنا لازمی ہیں جو نہ صرف اُن کی بہبودی کے لئے ہیں بلکہ درجہ اور قوم کی فلاح کے لئے لازمی ہیں۔ والدین کو یہ امر ذھن نشین کر لینا چاہیئے کہ مدرس طلبہ کا دشمن نہیں ہوتا اور نہ وہ پاگل ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ سزا دے۔ بلکہ وہ اس کو صحیح رستہ پر لانے کے لئے سزا دیتا ہے جس کی ذمہ داری والدین اور سرکار عالی نے اس کے سر عائد کی ہے۔

سزا دینے کے طریقے | سزا دینے کے دو طریقے ہیں (۱) جسمانی تکلیف دینا (۲) عیش و عشرت سے محروم کر دینا۔ عتاب کی نظر سے دیکھنا۔ بُرے لہجہ میں گفتگو کرنا۔ ذلت دینا۔ کسی اعتماد کو اُٹھا لینا۔ امتحان کے نمبروں پر اثر کر دینا یہ سب سزائیں ہیں جو کہ طلبہ کی نفسی خوشی میں مخل ہوتی ہیں اور جن کا احساس ان کو یقیناً ہوتا ہے۔ علاوہ بریں کھیل سے روک لینا چھٹی کے دن مدرسہ طلب کرنا۔ سیر و تفریح کو نہ جانے دینا اچھے کھانے سے روکنا۔ حراست زیادہ کام دینا یہ بھی سزائیں ہیں لیکن ان پر بحث کرنے سے پہلے میں اُن ہستیوں کو

مبارک باد دینا چاہتا ہوں جن کو ایسی تمام سزاؤں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور در اصل خوش قسمت ہے وہ مدرس جو بغیر کسی سزا کے اپنا کام خوش اسلوبی سے نکال لے اور در اصل مدرسہ جب ہی قابل قدر ہوگا جب ان چیزوں کی ضرورت بہت ہی کم محسوس ہو۔ لیکن یہ ضرور یاد رہے کہ تمام سزائیں ہمارے ہاتھ میں ہیں اور ہم اس کو استعمال کر سکتے ہیں لیکن سمجھ لو کہ اگر کم سزا سے کام نکل سکے اور اگر سیدھی انگلی سے گھی نکل آئے تو ٹیڑھی کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ جب آنکھ حکم کے منوانے پر قادر ہو تو زبان سے حکم دینا بیکار ہے جب ہمدرد ملامت کارآمد ثابت ہو سکتی ہو تو سخت اور درشت الفاظ کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور جب ہماری آ[illegible] اور آواز دونوں بیکار محض ہو جائیں اس وقت سخت سزا کی ضرورت ہوگی۔ اچھے حکمران کی یہ ہی نشانی ہے کہ کم سے کم سزا دے اور چونکہ عموماً مدرسہ میں ایسا نہیں ہوتا لہذا چند امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

یاد رکھو کہ دنیا میں طبائع مختلف ہوتے ہیں اور ملامت کا اثر اس لئے ہر ایک پر یکساں نہیں ہوتا۔ ایک قسم کی ملامت ایک باحیا اور غیرت مند لڑکے کو برسوں کے لئے مغموم کر دیتی ہے لیکن اُس قسم کی ملامت ایک بے شرم اور بے غیرت لڑکے پر کچھ اثر نہیں کرتی اور اُس کو اُس سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔

اگر تم کسی غلطی کا مذاق اُڑاؤ گے خطاوار اور بھی غلطی اور قصور کرنے پر تل جائے گا علاوہ بریں یہ پورے قوم کی تحقیر ہے کہ وہ غلطی اور قصور کی سزا پر خوش ہو۔ ذرا سوچو تو سہی کہ جرم کا مذاق اڑانا کس قدر مضر ہے۔ لہذا اس سے ہمیں ہمیشہ احتراز کرنا چاہیئے۔ ہم کو غلطی کی سزا ایسی نہ دینا چاہیئے کہ لڑکا اپنی خودداری کو دے بیٹھے۔

کام دینا بھی سزا ہے مگر میرے خیال میں یہ غلطی ہے کیوں کہ جب ہم سبق کو یاد کرنا سزا تصور کرنے لگے تو بچے کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ پڑھنا اچھا ہوتا ہے۔ اُن کے خیال میں یہ بات جڑ پکڑ جاتی ہے کہ سبق یاد کرنا جرم ہے اور ہم مدرسہ کسی نہ کسی جرم کی سزا پر بھیجے جاتے ہیں

ملا یہ بھی کوئی تک ہے کہ کیوں کہ تم نے ہماری نافرمانی کی لہذا تم کو زیادہ دیر تک پڑھنا پڑے گا اور مشکل کام تم کو دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ میں تو سوائے اس کے کچھ نہیں نکال سکتا کہ زیادہ پڑھنا آپ سزا تصور فرماتے ہیں اور اس کا ہی یقین طالب علم کو دلا رہے ہیں ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ کام بار ہا نہ کرنے پر آپ اُس کے کھیل کے وقت معین پر وہ کام پورا کرالیں۔ یہ ٹھیک اور مناسب ہے کیونکہ جب ذمہ داری کا احساس طالب علم کو نہیں ہوا تو آپ وہ کام پورا کرکے احساس پیدا کیجئے اور اس کام کو پورا کرایئے جس کو اس نے بغیر کئے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں سبق سزا نہیں ہے بلکہ اُس کا وقت جو کھیل میں صرف کرنا چاہتا ہے۔ لے لینا سزا ہے اور یہ آپ خود تصور کر سکتے ہیں کہ اس سے جداگانہ امر ہے کہ کام مثل سزا کے دیا جائے۔ ملامت کرتے وقت قصور کو مدنظر رکھیئے ہر خطا کو علیحدہ علیحدہ دیکھو اور اس کی علیحدہ علیحدہ سزا دو لیکن سزا دیتے وقت طلبہ کو برا بھلا مت کہو۔ اگر ضرورت ہو تو جھوٹ بولنے پر سزا دو لیکن بچہ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تم جھوٹے ہو کیونکہ اگر تم اُس کو اس خطاب سے مخاطب کرتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے خیال میں اس کا کریکٹر پختہ ہو چکا اور خوش قسمتی سے یہ بدترین لڑکے کے لئے بھی ٹھیک نہیں یعنی اُس کا کریکٹر ابھی نامکمل ہے۔ اگر یہ سچ ہوتا تو اس سے زیادہ تکلیف دہ اور بدقسمتی کی بات اُس کے لئے کیا ہو سکتی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اب وہ آپ کو کسی طرح خوش ہی نہیں کر سکتا چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے۔

بہت سی سزائیں ایک وقت واحد میں نہ دینا چاہیئے یا سب درجہ کی یک دم سزا دینا نامناسب ہے۔

کیوں کہ ناممکن ہے کہ درجہ کے سب لڑکے یکساں قصوروار ہوں اور اگر لڑکوں کو یقین ہو گیا کہ ان کو سزا ناانصافی سے دی گئی تو ان پر آپ کی سزا کا کوئی اخلاقی اثر نہ ہوگا۔

غور فرمائیے کہ قدرت کتنی اچھی طرح سزا دیتی ہے۔ اگر کوئی آگ کے پاس چلا جاتا ہے تو وہ جل جاتا ہے۔ اگر کوئی چاقو سے کھیلتا ہے تو وہ اپنے آپ کو تکلیف پہونچاتا ہے اور اسی طرح اگر کوئی بچہ لاپروائی سے اپنی چیز کو کھو دیتا ہے تو وہ چیز اس کو نہیں مل سکتی اور اگر مل سکتی ہے تو احمق والدین سے جن کو وہ چیز پھر اس کو کبھی نہ دینا چاہیئے اگر وہ وقت کا پابند نہیں ہے تو وقت اس کا انتظار نہیں کرتا بلکہ اس کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اگر وہ گندہ رہتا ہے تو گندگی اس سے ہی صاف کراؤ جب اس طرح وہ اپنے کئے کی آپ سزا پائے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ یہ سب سزائیں اس کی غلطیوں کا نتیجہ ہیں۔ پہلے دشمنی اور ناانصافی کی آگ کو بجھا دو پھر سزا دو۔

زیادہ دیر میں آنے کی مناسب سزا زیادہ دیر میں جانا ہے۔ کسی ہوم ورک کو بری طرح اور لاپروائی سے کرنے کی سزا ہی کرنا ہے۔ مدرسہ میں وقت ضائع کرنے کی سزا چھٹی کے وقت کا ضائع جانا ہے۔ دوسروں کے اطمینان اور خوشی میں مخل ہونے کی سزا اپنا اطمینان اور خوشی کھونا ہے کسی کی چیز کو نقصان پہنچانے کی سزا اس چیز کی قیمت ادا کرنا ہے۔

لیکن افسوس قدرت ہر خطا کی سزا ظاہرا طور پر اس وقت نہیں دیتی۔ یہ سچ ہے کہ بچہ کو دکھا دو کہ قدرت برائی کا نتیجہ برائی اور اچھائی کا اچھائی دیتی ہے۔ عیاشی بدن کو کمزور کرتی۔ سستی مفلسی پیدا کرتی جھوٹ سے کا اعتبار اٹھ جاتا۔ جہالت ذلت دیتی اور مفلسی عذاب اور جرموں میں مبتلا کرتی ہے۔ جس سے انسان کا کیرکٹر خراب جاتا اور خوشی ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جاتی ہے۔

سزا ملنے کا یقین انسان کو جرم سے روکتا ہے نہ کہ بذات خود سزا کا مل جانا اگر جرم کرنے والے کو یقین ہو کہ اس کو سزا ضرور ملے گی تو وہ جرم نہ کرے لیکن اس کو شک رہتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ میں بچ جاؤں۔ یا اس کے خیال خام میں اس جرم کی کوئی سزا ہی نہیں ہوتی ہے یا۔ جب ہے کہ وہ جرم سرزد کرتا ہے چوں کہ

قدرت بعض مرتبہ سزا فوراً نہیں دیتی اور اکثر دوسری دنیا کے لئے سزا اٹھا رکھی جاتی ہے لہذا انسان کو خیال ہوتا ہے کہ سزا کوئی چیز نہیں اور قدرت کسی کو سزا نہیں دیتی اس واسطے وہ جرم کے مرتکب ہونے لگتے ہیں۔ بالکل اسی طرح گو طالب علم بھی جانتے ہیں کہ جھوٹ جرم ہے لیکن بہت سے جھوٹ بغیر سزا کے کام چلا جاتے ہیں اور وہ معلوم نہیں ہو پاتے لہذا بہت سے لڑکے بے ایمانی اور جھوٹ اچھی خصلت سمجھنے لگتے ہیں لہذا اس خصلت کو دور کرنا ہمارا فرض منصبی ہے۔

جب اس طرح سے آپ اپنے طلبہ میں اثر کا بیج بو دیں گے تو اثر کا جانا اُن کے لئے بہت کافی سزا ہوگا۔ بڑی سرخی۔ درجہ میں نیچے بیٹھانا۔ ذمہ داری کا لے لینا اعتبار کو اٹھا لینا۔ یہ سب مناسب سزائیں ہیں۔

جب مندرجہ بالا تمام سزائیں کام نہ دیں اُس وقت جسمانی سزا کی ضرورت پڑتی ہے۔ اب ہمیں دیکھنا یہ ہے جسمانی سزا مدارس میں رائج ہونا چاہیئے یا نہیں۔ یہ کہنا حماقت ہے کہ یہ جڑ ہی سے اڑا دی جائے کیونکہ چند صورتوں میں جسمانی سزا قدرت کا سزا دینے کا طریقہ ہے اور یہ یقیناً بچوں کے لئے باعث ذلت اور نہ وہ اُن کے جسمانی اور روحانی ترقی کے لئے نامناسب ہے۔ اگر درحقیقت ایسا جرم ہے جس کے لئے جسمانی سزا ضروری ہے تو وہ ضرور دینا چاہیئے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ سزا سے ذلت ہوتی ہے بلکہ درحقیقت ذلت کی چیز جرم ہے۔

(۱) جسمانی سزا ذہانت کی کمزوری پر نہ دی چاہیئے۔ بیوقوفی یا جہالت جسمانی سزا سے نہیں دور ہو سکتی۔

(۲) غصہ اور جوش کی حالت میں جسمانی سزا ہرگز مت دو۔

(۳) مدرسین کو یا بڑے لڑکوں کو سزا دینے کی اجازت مت دو۔

(۴) بیت کو مدرسہ کے فرنیچر میں مت شمار کرو نہ اس کو شارع عام پر آویزاں کرو۔

(۵) ہاتھ سے ہرگز سزا مت دو۔

آخر میں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہاں تک ممکن ہو سزا اور وہ بھی جسمانی ہرگز مت دو۔ مدرسہ وہ ہی قابل قدر ہے جہاں جسمانی سزا بالکل نہ ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُن خطاؤں کو دیکھتے رہیں جو روزمرہ سرزد ہوتی ہیں اور سوچتے رہیں کہ کن تدابیر سے ہم اُن کو میٹ سکتے ہیں۔ کیونکہ اکثر جسمانی سزا طالب علموں کو صحیح راستہ پر نہیں لاتی۔

(۱) بعض طالب علم بے حیا ہو جاتے ہیں اور وہ پٹنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور اس طرح پٹنا اُن کے لئے بے سود ثابت ہوتا ہے۔

(۲) بعض لڑکوں پر مار یا معمولی تکلیف کا کچھ اثر نہیں ہوتا اس واسطے اُن کے لئے جسمانی سزا بیکار ہے۔

(۳) جسمانی سزا بہت ممکن ہے کہ ایک لڑکے کو دوسروں کی نظر میں ممتاز بنا دے

(۴) جسمانی سزا بہت ممکن ہے کہ اتنی دیر میں ملے کہ غلطی کا احساس مٹ جائے۔

(۵) اگر لڑکا یہ سمجھتا ہے کہ اُس کو سزا بے فائدہ دی گئی تو اس کا اثر بدن پر اتنا نہیں ہوتا جتنا دل و دماغ پر ہوتا ہے۔

تیراکی

ہمارے مدارس میں تیراکی پر بالکل توجہ نہیں کی جاتی ہے حالانکہ اس سے جو فوائد جسم و جان کو ہیں ان کی صراحت محتاج بیان نہیں۔ تیراکی کی تعلیم میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ مندرجۂ ذیل مضمون میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے انکا مطالعہ اور اس کے بعد ان پر عمل تعلیم ورزشِ جسمانی میں نیا رنگ پیدا کردیگا یورپ میں عام طور پر تیراکی کو رواج دیا جارہا ہے اور مدارس میں اس کی باضابطہ تعلیم شروع ہو گئی ہے ....

مدیر

مبتدی تیراک۔ باقتضائے وقت تیرنے کے اوقات مختصر ہوتے ہیں اور اگر اُستاد کی کمترین زحمت سے جماعت زیر تعلیم کے اعلیٰ نتائج حاصل کرنے مقصود ہوں تو ممتاز تنظیم ناگزیر ہے۔ زمانہ حال تک تیرنا ہمیشہ انفرادی طور سے سکھایا جاتا تھا یعنی ہر ایک باری باری رسی یا ڈنڈے کے سرے کے پاس آتا اور وہاں ٹھیر کر پانی میں ٹھیرنے کی عادت ڈالتا۔ اور اب تیراکی کو درس جماعت بنانا مقصود ہے۔ اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے تعلیم پر اچھی طرح غور و فکر کرلینا چاہیئے قبل اس کے کہ بچے حوض میں داخل ہوں۔ اس قسم کے فن میں اگر [illegible] اک اُستاد کا ہونا مفید ہے تاہم سکھانے کی قابلیت ہونا اور بھی زیادہ عجیبی میں [illegible] ہے۔ منتشر و مائل بہ پراگندگی جماعت کو شور و پکار کی حالت میں تعلیم دینا ناممکنات سے ہے۔ وقت [illegible] نا وقت سیٹی کا بجایا جانا فوری سکوت و خاموشی قائم کرنے کے لئے یقینی ہونا چاہیئے۔

قواعد بر سطح زمین۔ یہ قواعد (ڈرل۔ Drill) جو جماعت کی اساس ہماریت ہے موسم یا میقات سے کچھ دنوں قبل ہی شروع کردینی چاہئے۔ ورزش برائے تقویت

صدر (Breast stroke) سنہ ۱۹۱۹ء کے نصاب تعلیم میں بیان کردی گئی ہے
اور امیچر ایسوسئیشن کی مختصر کتاب (Hand Book) قیمتی ایک شلنگ۔ میں بذریعہ
فوٹو، تصاویر اس کی کافی تشریح کردی گئی ہے جس کو تمام سنجیدہ تیراک استاد قابل قدر خیال
کریں گے۔ بازوؤں۔ ٹانگوں اور سانس کا باہمد گر ہم آہنگ عمل ہونا ایک پیچیدہ امر
ہے (خواہ بچوں کو اس باب میں کوئی ہدایت نہ دی جائے) اور ان کو متعدد قلیل المدت
مرتبہ جاری رکھنے کی ضرورت ہی نہیں چہ جائیکہ چہ مرتبہ لمبی لمبی ورزشوں کی مشق کرائی
جائے۔ بچہ اگر پانی میں رہکر خود بخود حرکات کرنے کی مشق کو جاری رکھے تو صرف اس قدر
ہی ورزش بہت مفید و کار آمد ہے۔ یہ خیال رہے کہ آیا فوقیت صدر (Breast
stroke) کی ورزش سے ہی ابتدا کرنا بہترین ہے یا کیا یہی اختلاف آرا ہے قواعد
بر سطح زمین و ضربات ورزش آپس میں مزلق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر کسی استاد کو کسی
معمولی مدرسہ کی جماعت کو تعلیم دینے کا اتفاق ہو تو پتہ چلے گا کہ بعض بچے تیرنے کے اہل
ہوں گے اور بعض نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ حقیقی تعلیم دینے کی غرض سے تیرنے اور نہ
تیرنے والے بچوں کو جدا جدا کر دیا جائے۔

خود اعتمادی۔ پانی میں اترتے وقت ہر بچہ اور بالخصوص ضعیف القلب بچہ کا
ڈر جو ترقی میں رکاوٹ ڈالتا ہے نکالنا لازمہ اول ہے حتیٰ کہ صرف گھوڑا کھیلنا منع ہے
بدترین مشکلات کا سامنا یا تو نہ   پانی کے اندر اتفاق سے   ہنے کی وجہ سے
ہوتا ہے۔ حوض میں داخل ہونے سے قبل پانی سے بھرے ہوئے ظرف کے اندر
چہرہ رکھے رہنے کی مشق کرنے سے خود اعتمادی پیدا ہو سکتی ہے۔ پانی کے اندر رہ کر تار
کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر آگے بڑھنے۔ گہرا سانس لینے (مزید سانس کو ترک کر کر) اور غوطہ
لگانے کی جماعت کی ہمت افزائی کرو۔ بچوں کو پانی کی تیز رفتاری اور اول دیوار پکڑ کر
اور پھر بلا سہارا حرکت کرنے سے عادی ہونے کی ضرورت ہے۔

پانی میں اترنے سے قبل جماعت کے جوڑے بنادئے جائیں تاکہ جب سیٹی مقررہ اشارہ ظاہر کرے (یہ اشارات حوض کے اندر دئے جانے والے اشارات سے بالکل مختلف ہوں) تو جماعت کنارہ کے ان مقررہ مقامات کے پاس چلی جائے جس کے بارہ میں پہلے سے ہدایت دے دی گئی ہو اور وہاں جا کر ٹانگوں کی ورزش کی مشق کرنے لگے جن کی مختصر کتاب (Hand book) میں توضیح کر دی گئی ہے۔ استاد کا اکثر و بیشتر پانی میں اترنا حقیقت میں فائدہ کی بات ہے لیکن ہمیشہ ایسا کرنا ضروری یا مصلحت آمیز ہیں اس لئے کہ بالکل باہر کنارے پر کھڑے رہ کر جماعت کی اچھی دیکھ بھال اور تعلیم ہو سکتی ہے۔

وقفہ زیر آب۔ مبتدی کی پانی میں ٹھیرنے کی پہلی چند باریاں مختصر ہوں گی لیکن فربہ اور تیز دست بچے جو حرکت کرتے رہتے ہیں نحیف۔ بزدل اور سست بچوں کی بہ نسبت پانی میں زیادہ دیر ٹھیر سکتے ہیں۔ اکثر بچے اپنے ہی دل سے پانی میں بہت ہی زیادہ دیر تک ٹھیرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس سے غالبًا دوام وصول کرنا، ان کا مدعا ہو کھلے یا گھرے ہوئے اور گرم حوض بھی آپس میں مختلف الاثر ہیں۔ نہ تیرنے والے کو پہلے پہل پندرہ منٹ تک پانی میں رہنا کافی ہے۔ اور کمتر تیز بچے کے لئے صرف دس سے پندرہ منٹ تک ہی رہنا کافی ہے۔ اگر تبدیل لباس کے کمرہ مشترک الاستعمال ہوں تو ایسے دو لڑکوں کے جوڑہ بنادئے جائیں جن میں سے ایک پانی میں زیادہ دیر ٹھیر سکے اور دوسرا جلد باہر آجائے تاکہ بدن خشک کرتے وقت پردہ کا لحاظ رہے۔ منجملہ دیگر فوائد تیرنا لباس زیرین اور بدن دونوں کی صفائی کا محرک بن جاتا ہے اور استاد کو اس معاملہ میں حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے پانی میں اترنے سے قبل فٹ باتھ (Foot Bath) سے فائدہ اٹھانا تمام بچوں کا دستور العمل ہونا چاہیئے۔

اعلیٰ شغل۔ معمولی بچہ کو جماعت کے بالترتیب ہدایات کے سات سے نویں سبق تک تیرنے سے واقف ہونا چاہیئے۔ بالترتیب سلسلہ وار امتحان کے ذریعہ ترقی میں دلچسپی

لینے کا جوشش پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کنارہ کو پکڑ کر (کافی وقت دیکر) ٹانگوں کی ورزش کرنا۔ (پکڑتے وقت داہنا ہاتھ نیچے ہو اور بایاں گرفت کے اوپر بجائے اس کے کہ دونوں ہاتھ اوپر ہوں اس لئے کہ اول الذکر گرفت کا طریقہ حفاظت اور قابو کا زیادہ احساس پیدا کر دیتا ہے) ٹانگوں کی ورزش کے بعد بازوؤں اور سر کی (وقت دیکر) حرکات کرتے جاؤ مگر پیر زمین پر جمے رہیں۔ اس کے بعد کشتی چلانا۔ حوض کے تہ کے اندر سے اشیاء کو باہر اٹھا لانا۔ سینہ تک پانی میں جانا۔ اتھلے پانی میں کودنا۔ حوض کی چوڑائی کے درمیان سے کنارہ کی طرف تیرنا یا چند کرتب کرنا اور حوض کی چوڑائی میں تیرنا وغیرہ جب بچے تیرنے پر قادر ہو جائیں تو سطح پر لوٹنا۔ ہاتھ مارنا۔ بہنا۔ ہنی پاٹ، کودنا۔ آدمی ڈباؤ کی حد تک پانی میں قلابازی کہاتے ہوئے آگے بڑھنا جیسے کرتبوں کی مشق کرنا چاہیئے۔ یہ آخری کرتب حقیقت سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔ اگر سر کو جھکا دیکر نیچے کی جانب کر دیا جائے تو پلٹ جانا آسان ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ پشت رویہ تیرنے اور اس کے بعد حفاظت جان کے اولیں اصول شروع کئے جائیں۔ ایک ٹیم (Team) کا قائم کرنا اچھا ہے اس لئے کہ ٹیم کے اراکین ایک دوسرے کی مدد و اعانت کر سکیں گے اور اس طرح ٹیم کے کپتان کا کیا کردہ امتحانات کی یادداشت رکھنے کے ذمہ دار بنائے جا سکتے ہیں۔

اطلاع۔ اس پرچہ کی اشاعت پر بارہ نمبر ختم ہوئے ہیں اور ماہ آذر کا پرچہ سال ششم کا پہلا پرچہ ہوگا اس لئے ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ سال رواں کے رسالہ کی قیمت مبلغ (۱۲) فوراً بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر دی۔ پی کی روانگی سے جو مزید اخراجات خریدار رسالہ کو برداشت کرنے پڑتے ہیں ان سے بچ جائیں۔ ختم ماہ آذر ۱۳۳۹ف تک کوئی اطلاع وصول نہ ہوئی تو خاموشی کو رضامندی سمجھکر پرچہ دی۔ پی روانہ کیا جائے گا۔

مینجر رسالہ المعلم

خیریت آباد۔ حیدرآباد

اخلاقی زندگی

بیشک ہمارے واسطے یہ نہایت فخر کی بات ہے کہ ایک انگریز کا مکان اس کے واسطے ایک قلعہ ہے۔ لیکن اسے کچھ اس سے بھی بڑھ کے ہونا چاہیئے یعنی مکان کو گھر ہونا چاہیئے۔ انسان کے حق میں مکان کا ایک قلعہ ہونا اس کا قانونی حق ہے لیکن مکان کو گھر بنانا ہر ایک شخص کی ذات پر منحصر ہے۔

وہ کون سی چیز ہے جو مکان کو گھر بنا دیتی ہے؟ وہ محبت۔ ہمدردی اور اعتبار ہے۔ بچپن کی یادگاریں والدین کی شفقت۔ جوانی کی اُمیدیں۔ بہنوں کی محبت۔ بھائیوں کی ہمدردی و اعانت۔ ایک دوسرے پر اعتبار نفع نقصان۔ اور رنج و راحت میں شریک رہنا یہ ایسی باتیں ہیں جو مکان کو متبرک اور گھر بنا دیتی ہے۔ وہ مکان جس میں محبت نہیں ایک قلعہ یا محل سرا ہو سکتا ہے۔ لیکن گھر نہیں ہو سکتا۔ گھر کی اصلی جان محبت ہے۔ جس مکان میں محبت نہیں وہ گھر نہیں ہے جیسے کہ جسم بغیر روح کے آدمی نہیں ہے۔

جس شخص کا دل خوش ہے اُس کے واسطے ہر جگہ دعوت کا سامان موجود ہے۔

انسان کے پاس تھوڑا سرمایہ ہو اور اُسے خدا کا ڈر ہے تو یہ زیادہ دولت مندی اور الیعت سے کہیں بہتر ہے۔ جہاں محبت ہے وہاں ساگ کا کھانا اُس جگہ مرغ کے کباب کھانے سے کہیں بہتر ہے جہاں نفرت ہو۔ لقمۂ خشک اور اطمینان بہ نسبت اس گھر کے جہاں فتنہ و فساد موجود ہو بدرجہا اچھا ہے۔

ہم جو مکان کی قدر کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ ہم کو موسم کے دست تظلم سے پناہ دیتا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ ہم کو مکان مثل ایک بندرگاہ کے ہے جو ہمیں ان امواج اور طوفانوں سے بچاتا ہے جو ہمیں اس زندگی کے بحری سفر میں پیش آتے ہیں۔

آدمی چاہے کتنا ہی خوش حال ہو لیکن یہ طوفان اسے ایک نہ ایک دن ضرور آ گھیرے۔ اور اسے صرف دولت مندی سے خوشی اور دلجمعی نہیں نصیب ہو سکتی۔

انسان تنہا رہنے کے واسطے نہیں بنایا گیا ہے حتیٰ کہ جب وہ باغ عدن میں تھا تب بھی اکیلا نہ تھا۔ اس کا دل مکان میں ہونا چاہیئے لیکن ہاں یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کام کاج باہر کرے ہم نہ صرف سوسائٹی کے واسطے پیدا کئے گئے ہیں اور نہ صرف تنہا رہنے کے لئے دونوں باتیں اچھی ہیں بلکہ میں یہ کہوں گا کہ دونوں ضروری ہیں۔

باغ قدرت کی خوبصورتیاں بے شک دوامی خوشیاں ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ سورج کی شعاعیں جب تک دل میں مسرت نہ ہو بالکل بیکار ہیں۔

محبت ادب اور دلسوزی کے خیالات ہم میں خاندانی زندگی ہی سے پیدا ہوتے ہیں خاندانی زندگی تہذیب کا سرچشمہ اور اس کی بنیاد ہے خاندان ہی عمدہ ترین باتوں کے سکھانے کا اسکول ہے وہی ہمارے دلوں میں عمدہ عمدہ جذبات اور نیکی کرنے کی خواہش پیدا کر دیتا ہے۔ اور فرشتے بھی سوا اس کے کہ دوسروں کے دل میں مسرت پیدا کر دیں۔ اور کیا کر سکتے ہیں؟

چاہے تمہارا مکان کیسا ہی سادہ۔ بدنما۔ سرد۔ اور غیر فرحت بخش ہو لیکن تم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہی تمہارا گھر ہے۔ اور تم کو اپنا فرض ادا کرنے سے کبھی باز نہ رہنا چاہیئے۔ یاد رکھو کہ تمہیں جتنی زیادہ مشکلیں پیش آئیں گی۔ اتنا ہی زیادہ تم کو اس کا ثمرہ ملے گا

اذیت و بے رحمی کو صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کرنا سخت کام کرنے سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ بات روپیہ دینے وقت صرف کرنے۔ اور محنت شاقہ کرنے سے بدرجہا زیادہ مشکل ہے۔

اس دنیا میں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہوں گے جنھیں دوسروں کو ناخوش کرنا اچھا معلوم ہوتا ہو۔ اور وہ اتنے کم ہیں کہ غالباً ان باتوں کو جو میں لکھ رہا ہوں نہ پڑھیں گے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو جان بوجھ کر تکلیف پہونچاتے ہوں جو بات کہ زیادہ

ہوگئی ہے یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی کم توجہی اور ناقابلیت کی وجہ سے تکلیف پہونچ جایا کرتی ہے تم کو چاہیئے کہ ہر شخص سے نہایت خندہ پیشانی، نرم زبانی اور مہربانی سے پیش آؤ۔ صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے کہ جو لوگ ہمیں عزیز ہیں اُن سے ہم فقط محبت کیا کریں بلکہ ان پر اس بات کو ظاہر کر دینا بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے محبت کرتے ہیں ہم میں بہت ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن لوگوں کو جنھیں بہت عزیز رکھتے ہیں اور انہیں مدد دینے کو بھی تیار ہیں صرف اپنی نادانی۔ بے فکری اور رائے سلیم نہ رکھنے کی وجہ سے انکی دل شکنی کر دیتے ہیں۔

اس بات کا سب لوگوں نے تجربہ کر لیا ہو گا کہ ہمیں تسلی کے الفاظ سے کس قدر تقویت اور بد دلی ہے۔

لارڈ چسٹر فیلڈ کا قول ہے "میں نے اس بات کو اکثر سوچا ہے اور اب بھی سوچتا ہوں کہ اس فن کو کہ کس طرح محبت کرنی چاہیئے اور کس طرح نفرت کرنی چاہیئے انسان بمقابل اور فنون اور باتوں کے بہت ہی کم جانتا ہے۔ لوگوں کا معمول ہے کہ اکثر لوگوں کو جن سے محبت ہوتی ہے اپنی بیجا عنایت۔ نادانی۔ اور ان کی غلطیوں کی پاس داری کرنے سے ضرر پہنچا دیتے ہیں اور جن سے نفرت ہوتی ہے اُن پر بے وجہ و بیجا غیظ و غضب کرکے خود اپنی ذات کو نقصان پہونچا لیا کرتے ہیں"

گو کہ ہم اپنے دوستوں میں رہتے سہتے ہیں مگر پھر بھی ہم تمہارا کرتے ہیں بقول سین پال رکٹر "ہم لوگ گویا علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور جدا جدا انسان جزیروں پر رہتے ہیں۔ اپنی ہڈیوں کے قید خانے میں بند ہیں۔ اور اپنی کھال کے پردے کے اندر ہیں"

ہم اپنے دوستوں یا عزیزوں کو کس قدر کم جانتے ہیں۔ باوجود ایک ہی خاندان سے تعلق ہونے کے لوگ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں۔ ہر ایک کے دماغ کی حرکت جدا گانہ ہوا کرتی ہے۔ اور ایک دماغ کی حرکت دوسرے دماغ کی حرکت کے مقابل میں خطوط متوازی کا حکم رکھتی ہے جو کبھی مل ہی نہیں سکتے۔ اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ لگاؤ ہی نہیں ہوتا کیونکہ

ہے نہ کسی حلیم دل کو اور نہ ہمارے کسی عزیز قریب کو اس بات کا آدھا بھی علم ہوا کرتا ہے کہ ہم کیوں روئے اور کیوں ہنسے"۔

ہم موسم، فصل، جدید ناول، حالات سلطنت، تندرستی اور اپنے ہمسایوں کے نقصانوں اور عیوب کے متعلق گفتگو کیا کرتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ حقیر و غیر ضروری ہوا کرتی ہے اتنا ہی اس کا ذکر زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ جس چیز کو بہت کم جانتے ہیں وہی اس پر بہت زیادہ بحث کیا کرتے ہیں۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ گفتگو کرنا بھی ایک بڑا فن ہے۔ ایک عام دنیا میں یگانگت قائم رہنے اور کسی شخص کو کسی کے ساتھ سچی ہمدردی کرنے کے واسطے صرف الفت اور نیک نیتی ہی کی ضرورت نہیں بلکہ بہت بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک شخص اپنے خیالات کو دوسرے پر ظاہر کرے اور اس کے خیالات کو اپنے اوپر ظاہر کرائے۔ اگر اور لوگوں کی باتیں تم کو خوش نہیں کرتیں تو تم یہ کوشش ہی نہ کرو کہ وہ تمہاری باتوں سے محظوظ ہوں۔

اکثر لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے دل میں آتا ہے ہم اسے فوراً صاف کہہ دیا کرتے ہیں اور پوشیدہ نہیں رکھتے اور بے شک ہر شخص کو سچ اور صاف کہدینا چاہیئے لیکن گفتگو بھی مثل اور تمام چیزوں کے ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں کچھ دلچسپی پیدا کریں تو اس کے واسطے ہمیں تھوڑی تکلیف گوارا کرنی چاہیئے۔

ہم اپنے گھر کو مسرت بخش بنانے کے واسطے بہت کچھ کر سکتے۔ حنا مور کہتا ہے۔ "اگر ہماری قسمت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ ہم آدمیوں کو اپنی دولت سے مالدار کر دیں۔ یا ان میں قوت پیدا کر دیں۔ یا ان کو تندرستی کے زیور سے آراستہ کر دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ خدا نے اس بات کی قوت ہر شخص کو عطا فرمائی ہے کہ انسان کو آرام پہونچادے۔ نیز یہ ہمارے امکان میں ہے کہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں۔ اور بغیر کسی خوشامدانہ خیال کے یا بغیر اس بات کا خیال کئے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ ایک بد مزاج آدمی جتنی تکلیف اپنی ذات کو پہونچاتا ہے کوئی اور دوسرا شخص نہیں پہونچا سکتا۔ جیسا کہ پوپ نے کہا ہے "اس کا کام ہر وقت یہی ہے کہ دوسروں کو ستائے اور خود بھی دوسروں کے ہاتھ سے ستایا جائے۔ اُسے صرف ناراض ہوتے رہنے میں لطف آیا کرتا ہے" اور چونکہ وہ کبھی خوش نہیں ہوتا لہذا اسے مسرت بھی کبھی نہیں حاصل ہوتی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ضرور پہنچتی ہے۔ دوسروں کو خوش کرنے کے واسطے ہم کو اپنی خواہشوں کا کچھ زیادہ خون نہیں کرنا پڑتا مگر اتنا ضرور ہے کہ اس کے لئے صرف اچھے ارادے ہی کافی نہیں ہیں۔ ان بارہ خاص میں قابلیت تعلیم۔ اور عمل کی ضرورت ہے کسی کام کے کرنے کے لئے عام اس سے کہ وہ اچھا ہو یا بُرا عمل نہایت ہی ضروری ہے۔

مہربانی اور ہمدردی کا برتاؤ کرنے سے عجیب وغریب باتیں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ ایک پرانی مثل ہے کہ "قرینے آدمی کو انسان بنادیا کرتے ہیں" اس بات کے سچ ہونے میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے لوگ صرف اپنے روش اور طرز معاشرت سے آدمی ہو گئے۔ اور بہت سے اس کے نہ ہونے کی بدولت تباہ ہوئے جس وقت وزیر اعظم اپنی کونسل کے واسطے لوگوں کو منتخب کرتا ہے تو وہ صرف عقل۔ شیریں کلامی۔ لیاقت یا چال چلن ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ لوگوں کے اس قرینے کو بھی غور کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ وہ اور لوگوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں گے۔

رکھائی اخلاقی طاقت میں نہیں داخل ہے بلکہ بعض اوقات الٹی کمزوری کی علامت ہے شکسپیر نے مارک انٹنی کی زبان سے بروٹس کے بابت یوں کہلایا ہے کہ اس کی زندگی نہایت ہی حلیم اور بردبار تھی۔ اور اس میں عناصر کا ایسا تناسب واقع ہوا تھا کہ نیچر اس کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرکے یہ کہہ سکتا تھا کہ دیکھو یہ آدمی ہے"۔

سرآرتھر ہیلپس (؟) دل کہتا ہے "بہت لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ لفظ سادہ (؟) زندگی کا

تعلق صرف باجے کے تارون ہی سے ہے۔ مگر حقیقت میں ان لفظون کے اور معنی بھی ہیں یا یعنی دل کی موافقت یا ناموافقت"

اگر تمہیں اس بات کی ضرورت ہی پڑے کہ عیب بینی کرو تو تمہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ وہ الفاظ جنہیں تم استعمال کرو بہت نرم ہوں۔ خاصتہً لڑکوں کی نسبت۔ کیونکہ جین پال رکٹر کہتا ہے" بچے کا چھوٹا ہنڈولا بہ نسبت جوان آدمی کے تارون دار آسمان کے جلدی تاریک ہو جایا کرتا ہے"۔ ریونیس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ زبان کی ایک ہی حرکت سے ہنستے ہوے بچے کو رولا دیتا تھا۔ اس زندگی میں ہم سب ایسا کر سکتے ہیں۔ ہنسا دینے یا رولا دینے کو ایک ہی لفظ کافی ہے۔ لینگ فورڈ کہتا ہے سب حالتوں میں نرمی کے ساتھ بولو یہ ایک ذرا سی بات ہے جو دل کے گہرے کنوئیں میں جاتی ہے۔ لیکن اس کا اثر اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس سے جو نفع یا خوشی حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ قائم رہتی ہے"۔

تنہائی میں الزام دینا اور عام لوگوں کے سامنے تعریف کرنا بہت ہی اچھا قاعدہ ہے کیونکہ اگر تم کسی کو الگ لے جا کے سمجھاؤ گے تو اس کا اثر بہت ہوگا۔ اور اس شخص کو یقین ہو جائے گا کہ ہماری بھلائی کے واسطے کہا گیا ہے۔ اور عام لوگوں کے سامنے تعریف کرنے سے اس میں اپنے تئیں اور زیادہ اچھا بنانے کی خواہش پیدا ہوگی اور اس کا ثمرہ اچھا ہوگا

ان سب باتوں کے علاوہ اگر تم کسی کو الزام دینا چاہتے ہو یا اس کا نقص نکالنا چاہتے ہو تو بہت سنجیدگی کے ساتھ کہو اور ایسا معلوم ہو کہ گویا تم کو اس بات کا بہت رنج ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو غصہ اور ناراضی نہ ظاہر کرو۔ ارکیلاس نے اپنے غلام سے کہا تھا۔ اگر مجھے غصہ نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور سزا دیتا"

موت تھوڑے ہی زمانے میں سب کو برابر کر دے گی۔ لہذا اس بات کا خیال کرو اور ہر ایک شخص کے ساتھ خلق سے پیش آؤ جیسا کہ شریف آدمی کو شایان ہے۔

مدرسہ رام ورگ میں جلسہ تعلیمی بابت ۱۳۴۸ف مولوی ریاض الدین صاحب کی صدارت میں منایا گیا۔ مدرسہ آراستہ کیا گیا تھا۔ مدرسین نے تعلیمی مضامین پر تقریریں کیں۔ اس کے بعد مدرسہ کی بعض ضروریات پوری کرنے اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے چندہ جمع کیا گیا۔ مسٹر ہنمیا نے (۳ للعہ) کی گھڑیال عنایت کی۔ دیگر اصحاب نے بھی حسب مقدور چندے دئے۔ جلسہ کامیابی کے ساتھ اعلیٰ حضرت و صاحبزادگان بلند اقبال کی عمر و ترقی دولت کی دعا پر ختم ہوا۔

مدرسہ تحتانیہ مٰن گنڈہ کا جلسہ مرزا ضیاء الدین بیگ صاحب ناظر تعلیمات ضلع گلبرگہ کی صدارت میں ہوا۔ محمد نور عالم صاحب صدر مدرس نے ایک دلچسپ نظم سنائی۔ اس کے بعد تقاریر ہوئیں۔ بعض نے ایک مرہٹی مدرس کی ضرورت ظاہر کی اور اس طرح جلسہ ختم ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ایسا آلہ ایجاد ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ انڈے میں کے بچے کی حرکت۔ جراثیم اور پھولوں کے بڑھنے کی رفتار دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کتنے وقت میں کیا تبدیلی ہوئی۔

جاپان کے مشہور محقق نوگوچی کا انتقال ہوگیا جو برسوں سے زرد بخار کے استیصال کی فکر کر رہا تھا۔ اس کی تحقیقات اتنی ثابت ہوئیں کہ یورپ کے ممالک سے اس کو خطابات دئے گئے۔ اس کی وفات سے طبی دنیا کو بڑا نقصان پہونچا ہے۔

جاپانی تحریر میں ایک لاکھ سے زیادہ مختلف شکل کے حروف ہیں اس لیے ٹائپ رائٹر بنانے میں جو مشکلات ہوں گی ان کا محض اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جاپانی قوم نے یہ راز معلوم کر لیا ہے کہ کوشش سے ہر مسئلہ حل ہو جاتا ہے چنانچہ اُس نے اپنی ضرورت پورا کرنے ایک ٹائپ رائٹر تیار کر لیا تاہم اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ حال میں ایسے حروف میں ردوبدل کر کے تمام حروف کو تین ہزار کر دیا اور نیا ٹائپ رائٹر بنا لیا جو کامیابی کے ساتھ ہر جگہ استعمال ہو رہا ہے۔

ہم لوگ اپنی ہی چیزوں کی قدر نہیں کرتے۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ نبوی کی ہندوستان میں کچھ بھی قدر نہیں ہوئی لیکن وہی ترک جن کو آج کل ترک اسلام کرنے کا الزام دیا جاتا ہے سیرۃ نبوی سے ایسے متاثر ہوئے کہ اس کی تینوں جلدوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کر ڈالا اور جیسے ہی مولانا شبلی نعمانی کی علمیت سے واقف ہوئے انکی اور تصانیف کا ترجمہ بھی شروع کر دیا چنانچہ الفاروق کا ترجمہ بھی ترکی میں ہو گیا ہے اور بہت مقبول ہو رہا ہے۔

حکومت بمبئی نے تعلیم ورزش جسمانی کے متعلق جو کمیٹی مقرر کی تھی اس نے یہ سفارشات کی ہیں (۱) ورزش جسمانی کا محکمہ قائم کر کے اس کو سررشتہ تعلیمات کا جزقرار دیا جائے (۲) ایک ناظم ورزش جسمانی مقرر کیا جائے (۳) ورزش جسمانی کو داخل نصاب کر کے لازمی قرار دیا جائے (۴) ایک مرکزی بورڈ قائم کر کے پبلک کو بورا کیا جائے اور اس سے ورزش جسمانی کی تعلیم میں مدد لی جائے (۵) ورزش جسمانی کے لئے جو بازیگاہ یا اکھاڑے یا جمنیزیم قائم کئے جائیں ان کو سرکاری طور پر امداد دی جائے۔ اس کمیٹی کا اندازہ ہے کہ اگر اس کی کل سفارشات پر عمل کیا گیا تو تقریباً پانچ لاکھ کا خرچ ہو گا۔

جامعہ عثمانیہ کے اثرات ممالک محروسہ تک محدود نہیں ہیں۔ انگریزی علاقہ میں بھی اس کا یہ اثر پڑا ہے کہ نہ صرف مدارس بلکہ کالجوں میں بھی مادری زبان کو جگہ دیجانے لگی ہے۔ چنانچہ ٹریننگ کالجوں میں ہندوستانی زبانوں کی تعلیم کا انتظام کیا جارہا ہے۔

امتحان کو سب برا کہتے ہیں تاہم یہ ایسا سخت جان ہے کہ طلبہ کا کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا۔ مس ہیک صدر معلمہ آکسفورڈ ہائی اسکول نے اپنے ایک لکچر میں امتحان کی نوعیت بتلاتے ہوئے کہا کہ امتحان کو تعلیم سے وہی تعلق رہنا چاہیئے جو آقا کو نوکروں سے ہے خرابی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ نوکر آقا سے برابری کرنے لگے۔

بعض اوقات انگلستان میں بڑے دلچسپ مقدمات چلتے ہیں۔ حال میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک مدرس نے اپنے ہاں کے لڑکے کو حدود مدرسہ کے باہر سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا اور اس پاداش میں اس کو جسمانی سزا دی۔ باپ کو یہ ناگوار گزرا۔ اس نے عدالت میں مدرس کے خلاف مقدمہ دائر کردیا اور کہا کہ اس نے اپنے لڑکے کو سگریٹ پینے کی اجازت دے رکھی ہے مدرس کو حدود مدرسہ کے باہر اس کے لڑکے پر کوئی اختیار نہیں ہے اس لیے کوئی بات مدرسہ کے باہر ہو تو قابل گرفت نہیں ہوسکتی اس مقدمہ سے اہم سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا والد کی اجازت سے لڑکا کوئی ایسا فعل مدرسہ کے باہر کرسکتا ہے جس کی مدرسہ میں ممانعت ہو؟ جسٹس سوئیفٹ نے یہ تصفیہ کیا کہ کوئی لڑکا جو زیر تعلیم ہو ایسے فعل کرنے کا مجاز نہیں ہوسکتا جس کی ممانعت کردی گئی ہو۔ اور مدرس ایسی صورت میں جسمانی سزا دینے کا حق رکھتا ہے والد اپنے لڑکے کو مدرسہ روانہ کرکے مدرسہ کے قواعد کا پابند ہوجاتا ہے تعمیل اس پر لازمی ہے۔

صوبہ بنگال میں مسلمہ مدارس کی تعداد (۶۱،۸۶) ہے اور خانگی مدارس کی (۱۵۶۸) کل زیر تعلیم طلبہ مارچ ۱۹۲۸ء کو (۲۰۳۹،۸۶) لڑکے اور (۶۱۹۲۶۴) لڑکیاں تھیں حالانکہ اس زمانہ میں ۱۹۲۷ء میں لڑکوں کی تعداد (۱۹۱۸۲۲۸) اور لڑکیوں کی تعداد (۴۲۵۱۵۲) تھی۔ یہاں (۱۰۶۲) ہائی اسکول (۱۸۲۲) مڈل اسکول اور (۵۵۶۰۳) پرائمری اور (۳۲۸۴) خاص اسکول ہیں۔

محکمۂ دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی میں حسب ذیل فنون کی کتابیں زیر ترجمہ ہیں:-

انجینیری ـــ ۳۲ فلسفہ ۱۸
طب ـــ ۱۴ تاریخ ۲۲
کیمیا ـــ ۷ سیاسیات ۵
معاشیات ـ ۵ حیاتیات ۴
ریاضی ـــ ۳

۱۹۲۶ء میں ۲۸ کتابوں کا مکمل ترجمہ کیا گیا جن کی تفصیل یہ ہے۔ فلسفہ ۶ ـ طب ۶ ـ انجینیری ۳ ـ سیاسیات ۲ ـ ریاضی ۲ ـ معاشیات ـ قانون کیمیا اور حیاتیات پر ایک ایک۔ کل ۳۴ کتابیں زیر طبع تھیں جن میں سے ۱۴ تیار ہو گئی تھیں۔ اس سال کے دوران میں (۲۹۵۴۱) اصطلاحات وضع کی گئیں۔ اس محکمہ پر اس سال کل ۱،۵۹،۰۱۹ روپیہ صرف ہوا۔

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جسمیں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے
سیاسی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے انکی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (عہ) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ آنے کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	عہ	صہ ۸ر	ہے ۸ر
سہ بار	ےعہ ۸ر	للعہ	معہ ۸ر
ششماہہ	للعہ	ےعہ ۸	حےعہ
سالانہ	صعہ	للعہ	ےعہ ۸

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

دفتر رسالہ المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن